تلامذۂ

اُنس و مونس

سید ارتضی عباس نقوی

تلامذۂ

اُنس و مونس

(جس میں میر مہر علی اُنس اور میر نواب مونس کے شاگردوں کے
حالاتِ زندگی، غیر مطبوعہ کلام، نایاب عکسِ تحریر اور تصاویر شامل ہیں)

سید ارتضیٰ عباس نقوی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب	:	تلامذۂ انیس و مونس
مصنف و محقق	:	سید ارتضیٰ عباس نقوی
اشاعت	:	اوّل
تاریخ طباعت	:	اگست ۲۰۱۷ء
طابع	:	سید غلام اکبر
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۵۰۰ روپے

کتاب ملنے کا پتہ

جواہر فاؤنڈیشن

F/7 رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد نمبر ا

کراچی، پاکستان

0346-2781009

فہرست

حرف آغاز ______ سید ارتضیٰ عباس نقوی ___ ۹

تلامذۂ انیسؔ

۱۔ بہرام الدولہ ____ میر داور علی خاں _____ ۲۷
۲۔ خلیلؔ ______ سید حسن _______ ۲۹
۳۔ سجادؔ ______ سجاد علی خاں کربلائی _____ ۲۹
۴۔ سرفرازؔ ______ سید سرفراز علی خاں _____ ۶۴
۵۔ ضیاءؔ ______ سید مہدی _______ ۱۰۰
۶۔ فضلؔ ______ سید فضل رسول پھپرسری ___ ۱۰۲
۷۔ نگینؔ ______ میر محمد علی _______ ۱۶۸
۸۔ وحیدؔ ______ سید محمد ہادی _______ ۲۰۲
۹۔ مرزا ہادی حسین فیض آبادی ___________ ۲۴۸

تلامذۂ مونسؔ

۱۔ الَمؔ ______ سید محمد ذکی _______ ۲۵۱
۲۔ الہامؔ ______ سید الہام حسین زیدپوری ___ ۲۵۲
۳۔ امیرؔ ______ نواب محمد حسین خاں ____ ۲۵۷
۴۔ انجمؔ ______ بہادر حسین لکھنوی _______ ۲۷۶
۵۔ حبیبؔ ______ امیر الدولہ راجا امیر حسن خاں ۲۸۴
۶۔ حضورؔ ______ نواب امجد علی خاں ____ ۳۲۸

۷۔	دانش	تصدق حسین	۳۳۱
۸۔	رضا	میر رضا حسین	۳۳۲
۹۔	سلیس	سید محب علی	۳۳۲
۱۰۔	سلیم	سید نواب حسین	۳۵۳
۱۱۔	شائق	حکیم سید مرتضیٰ	۳۵۷
۱۲۔	عابد	عابد حسین لکھنوی	۳۵۷
۱۳۔	عارف	سید محمد علی لکھنوی	۳۷۹
۱۴۔	عاشق	مجید الدولہ میرزا ابوطالب	۳۸۰
۱۵۔	عزیز	شیخ یوسف علی خاں	۳۸۱
۱۶۔	فغاں	میر باقر حسین	۳۸۲
۱۷۔	محسن	سید محمد محسن ذوالقدر جونپوری	۳۸۳
۱۸۔	محیط	مرزا محمد	۴۲۸
۱۹۔	مضطر	سید حسن	۴۲۸
۲۰۔	نظم	حسن مرزا	۴۲۹
۲۱۔	نعمتی	سید اصغر حسین	۴۳۰
۲۲۔	نواب	جان محمد جونپوری	۴۴۸
۲۳۔	ہنر	وارث علی	۴۵۰
۲۴۔	یاس	میرزا کر حسین	۴۵۱
۲۵۔	یونس	میر کاظم حسین	۵۰۱
۲۶۔	امجد حسین		۵۰۱

فہرستِ تصاویر

۱۔ میر مہر علی انسؔ ____ ۱۷

۲۔ میر محمد نواب مونسؔ ____ ۱۸

۳۔ فضل رسول فضلؔ پہرسری ____ ۱۹

۴۔ میر محمد ہادی وحیدؔ ____ ۲۰

۵۔ نواب محمد حسین خاں امیرؔ ____ ۲۱

۶۔ بہادر حسین انجمؔ ____ ۲۲

۷۔ امیر الدولہ حبیبؔ ____ ۲۳

۸۔ محسن ذوالقدر بہادر ____ ۲۴

فہرست عکس ہائے مخطوطات ونوادرات

۱۔ مجموعہ سلام ومخمس کا سرورق ____ سجاد لکھنوی ____ ۳۹

۲۔ سراج ماتم کا سرورق ____ سجاد لکھنوی ____ ۴۰

۳۔ قلمی مرثیے کا سرورق ____ سجاد لکھنوی ____ ۴۱

۴۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ____ سجاد لکھنوی ____ ۴۲

۵۔ فرمانِ شاہی بنام اجداد سرفرازؔ ____ ۶۴

۶۔ سرورق "ریحانِ غم" ____ سرفراز علی خاں سرفرازؔ ____ ۷۴

۷۔ سرورق مرثیہ سرفرازؔ ____ سرفراز علی خاں سرفرازؔ ____ ۷۵

۸۔ مرثیہ سرفرازؔ کا ایک ورق ____ سرفراز علی خاں سرفرازؔ ____ ۷۶

۹۔ سرورق ہفت بند زہراؑ ____ فضل رسول فضلؔ پہرسری ____ ۱۲۸

۱۰۔ مناجات کا مخطوطہ ____ فضل رسول فضلؔ پہرسری ____ ۱۲۸

۱۱۔ قلمی مرثیے کا سرورق ____ فضل رسول فضلؔ پہرسری ____ ۱۲۹

۱۲۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ____ فضل رسول فضلؔ پہرسری ____ ۱۳۰

۱۳۔ قلمی مرثیے کا سرورق ____ میر محمد علی نگینؔ ____ ۱۷۳

۱۴۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ــــــــ	میر محمد علی نگینؔ ــــــــ	۱۷۴
۱۵۔ ''ریحانِ غم'' کا سرِ ورق ــــ	میر وحیدؔ ــــــــ	۲۲۴
۱۶۔ مطبوعہ مرثیے کا سرِ ورق ــــ	میر وحیدؔ ــــــــ	۲۲۵
۱۷۔ مطبوعہ مرثیے کا صفحہ ــــــ	میر وحیدؔ ــــــــ	۲۲۶
۱۸۔ مثنوی ''باغِ ارم'' کا سرِ ورق ــ	الہامؔ زید پوری ــــــــ	۲۵۵
۱۹۔ مثنوی کا پہلا صفحہ ــــــ	الہامؔ زید پوری ــــــــ	۲۵۶
۲۰۔ مثنوی ''نظمِ رہنما'' کا سرِ ورق	نواب محمد حسین خاں امیرؔ ــــ	۲۶۲
۲۱۔ قلمی مرثیے کا پہلا صفحہ ــــ	نواب محمد حسین خاں امیرؔ ــــ	۲۶۳
۲۲۔ قلمی مرثیے کا آخری صفحہ ــ	نواب محمد حسین خاں امیرؔ ــــ	۲۶۴
۲۳۔ قلمی مرثیے کا سرِ ورق ــــ	امیر الدولہ حبیبؔ ــــــــ	۳۰۳
۲۴۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ــــــ	امیر الدولہ حبیبؔ ــــــــ	۳۰۴
۲۵۔ شیش محل کی عمارت کی تاریخ ــ	میر مونسؔ ــــــــ	۳۳۰
۲۶۔ مطبوعہ مرثیے کا سرِ ورق ــــ	محب علی سلیسؔ ــــــــ	۳۳۷
۲۷۔ مطبوعہ مرثیے کا صفحہ ــــــ	محب علی سلیسؔ ــــــــ	۳۳۸
۲۸۔ قلمی مرثیہ کا صفحہ ــــــ	عابدؔ لکھنوی ــــــــ	۳۵۸
۲۹۔ مرثیہ محسنؔ اصلاحِ مونسؔ ــــ	ــــــــ	۴۰۸
۳۰۔ قلمی مرثیے کا سرِ ورق ــــ	محسنؔ جونپوری ــــــــ	۴۰۹
۳۱۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ــــــ	محسنؔ جونپوری ــــــــ	۴۱۰
۳۲۔ قلمی مرثیے کا سرِ ورق ــــ	اصغر حسین نعمتیؔ ــــــــ	۴۳۳
۳۳۔ قلمی مرثیے کا صفحہ ــــــ	اصغر حسین نعمتیؔ ــــــــ	۴۳۴
۳۴۔ سرِ ورق ''بیاضِ مبتدی'' ــ	نوابؔ جونپوری ــــــــ	۴۴۹
۳۵۔ مرثیہ یاسؔ اور اصلاحِ مونسؔ ــ	ــــــــ	۴۷۲
۳۶۔ قلمی مرثیے کا پہلا صفحہ ــــ	میرزا ذاکر حسین یاسؔ ــــ	۴۷۳
۳۷۔ قلمی مرثیے کا آخری صفحہ ــــ	میرزا ذاکر حسین یاسؔ ــــ	۴۷۴

انتساب

اردو مرثیہ کے عظیم محقق، ماہر تعلیم، افسانہ نگار،
نقاد، ماہر انیسیات، عاشق انیس

پروفیسر ڈاکٹر نیرؔ مسعود مرحوم

کے نام

جو اس سال ہم سے جدا ہو گئے
یہ انیسؔ سے والہانہ عقیدت کا نتیجہ ہے کہ اب انیس کی اور اُن کی تاریخِ وفات ایک ہی ہے۔

[۲۹ رشوال ۱۴۳۸ھ]

maablib.org

حرفِ آغاز

تاریخِ انسانیت میں استاد اور شاگرد کے رشتے کا آغاز اسی وقت سے ہے جب سے انسان نے سیکھنا شروع کیا۔ شاید جب انسان کو معلوم ہوا ہوگا کہ فطرتِ انسانی میں سیکھنے کا عمل بھی کوئی شے ہے اسی وقت سے اس کے ذہن میں ''استاد'' کا تصور اُبھرنا شروع ہوا ہوگا۔ جیسے جیسے وقت گزرا ہوگا اس میں تیزی آتی گئی ہوگی اور یوں انسان ایک شاگرد کی حیثیت سے نمودار ہوا ہوگا۔

سیکھنے کا عمل انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور ہر انسان اپنے ذوق کے مطابق سیکھنے کے عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ یہ ذوق جس قدر زیادہ ہوگا اتنی بنیاد مضبوط ہوگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک دن وہ آتا ہے جب انسان تخلیق کے مرحلے میں داخل ہوجاتا ہے اور دنیا کے سامنے شاہکار پیش کرتا ہے۔ ایسے ہی کام اسے بقائے دوام بخشتے ہیں اور وہ صدیوں زندہ رہتا ہے۔

استاد اور شاگرد کے تعلق پر مختلف زبانوں میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں شیخ زین الدین عاملی معروف بہ شہیدِ ثانی کی کتاب ''المراد منیۃ المرید'' کو بہت مقبولیت ملی۔ یہ کتاب ایران و عراق کے مذہبی مدارس میں نصاب کا حصہ ہے اور اردو میں اس کے ۳ ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اگر کسی کے اولاد نہ ہو تو اُس کے حقیقی شاگرد اُس کی معنوی اولاد ہوتے ہیں۔ اگلے زمانوں میں خصوصاً شاعری کے حوالے سے استاد اور شاگرد کے رشتے کو واجبی حد تک اہمیت دی جاتی تھی جسے آج کل کے مصنوعی شعراء اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب ہماری تہذیبی دنیا میں استاد کی عزت و احترام کے اصول رائج تھے، نشست و برخاست کے آداب تھے، علمی مباحث میں شرکت اور نظریات کو تسلیم کر لینے کے لیے مادۂ انکسار موجود تھا جس کا اب محض فقدان نظر آتا ہے۔

ادب اردو میں شاعری کے جس قدر دبستان قائم ہوئے ہیں، اُن میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ شاگردوں نے اپنے کلام میں استاد کی نہ صرف برملا تعریفیں کی ہیں بلکہ اس پر تفاخر بھی کیا ہے۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب استاد واقعی استاد کہلانے کا مستحق ہو اور اپنی دنیا میں ماہر و کاملِ فن کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہو۔ ایسے استاد کی تعریف سے شاگرد کی عزت محفوظ رہتی ہے اور اُس کے اعتبار و وقار

میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے استاد سے وفادار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ استاد سے کیے گئے استفادات واکتسابات اور اس کی شاگردی کا کھلے لفظوں میں اظہار وہی کر سکتا ہے جس میں اعلیٰ ظرفی اور شرافتِ خاندانی پائی جاتی ہو اور پھر سیکھنے کے عمل سے گذر کر خاردار اور پُر خطر وادیوں کو استقامت سے طے کر لینے کے بعد اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کی اہلیت وصلاحیت اُس میں بدرجۂ اتم موجود ہو۔

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''ہمارے یہاں استادی شاگردی کا عجیب تعلق چلا آ رہا ہے مگر اب اس کی وہ شان اور اس کی وہ آداب باقی نہیں رہے۔ اس وقت مشقِ سخن اور شاعری کی تربیت کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ باکمال استاد اپنے شاگرد کو بتاتا تھا اور شعروشاری کے گُروں سے واقف کراتا اور خاص الفاظ کے صحیح استعمال ابان کی فصاحت، بول چال کی صفائی، اسلوبِ بیان اور مضمون کے ادا کرنے کے ڈھنگ سمجھاتا جاتا۔ یہاں سب سے بڑا مدرسہ یہی تھا''۔

(نوٹ، مشاطۂ سخن)

ایک بہت اہم واقعہ یاد آ گیا آپ بھی سن لیجئے، میر عارفؔ (نفیسؔ کے نواسے) کے فرزند بابو صاحب فائقؔ راجہ صاحب محمود آباد کے استاد تھے۔ فائقؔ کے فرزند اصغر حسین تھے جو مرثیہ خوب پڑھتے تھے۔ تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ جب یہاں اُن کی شادی ہوئی تو تقریب شادی میں راجہ صاحب محمود آباد خود تشریف لائے تھے اور اصغر حسین کا سہرا پکڑے ہوئے بارات کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور اس موقع پر ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ گویا راجہ صاحب خود اس گھرانے کے کوئی عزیز یا فرد ہیں۔ جب کسی نے وجہ دریافت کی تو کہا گیا کہ'' کیونکہ فائقؔ راجہ صاحب کے استاد تھے اس لیے وہ استاد کا حق سمجھتے ہوئے فائقؔ کے فرزند کی شادی میں تشریف لائے ہیں۔'' یہ تھی تہذیب۔۔۔۔۔ کہ جو اب اُجڑ چکی ہے۔

وصی احمد اخگر کے بارے میں سنا ہے کہ جب آرزو لکھنوی اُن کے گھر تشریف لاتے تھے تو وہ احتراماً ان کے قدموں کو چھوتے تھے کسی نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو کہنے لگے یہ کہ میرے استاد ہیں اس لیے میرے باپ کی جگہ ہیں اور جو احترام میں اپنے باپ کا کرتا ہوں وہی احترام ان کے لیے بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

شاگردی میں اصلاحِ کلام کا مرحلہ انسان کی کیفیاتِ قلبی کا امتحان ہوتا ہے۔ اپنی انانیت کو ختم کر کے استاد کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا جاتا ہے۔ اپنی غلطی اور کمزوری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ دوسری جانب جب استاد اصلاح دیتا ہے تو بعض اوقات استاد کے قلم سے ایسا مصرع ہو جاتا ہے کہ استاد خود امتحان کی منزل میں آ جاتا ہے کہ اس کا اس قدر قیمتی مصرع شاگرد کے نام سے مشہور

ہوگا۔ یہ مرحلہ بھی کبھی کبھار بہت دلچسپ ہو جاتا ہے۔

اردو میں استاد اور شاگرد کی اصلاحوں پر تین کتابیں شہرۂ آفاق ہیں۔ ایک صفدر مرزا پوری کی ''مشاطۂ سخن'' (دو جلدیں) دوسری سیماب اکبرآبادی کی ''دستور الاصلاح'' اور تیسری جوش ملیسانی کی ''آئینۂ اصلاح''۔

پہلے ہر استاد کی اصلاح کا رنگ ڈھنگ الگ ہوتا تھا۔ بعض اساتذہ لفظ کو بدل کر شعر کا معیار اونچا کر دیتے ہیں۔ لفظ یا ترکیب کے بدلنے کی عام طور سے وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ شعر زیادہ سے زیادہ فصیح ہو جائے یا معنویت کے اعتبار سے اس کا دائرہ وسیع ہو جائے۔ احسنؔ مارہروی ایک خط میں احمد علی شوقؔ کو لکھتے ہیں:

''غزل بعد اصلاح کے حاضر ہے۔ ضوابط و قواعد کوئی خاص نہیں بجز اس کے کہ جو بات بتائی جائے اس کی پابندی کی جائے اور اساتذہ کے کلام پر نظر رہے تاکہ بندش اور انداز بیان میں فصاحت و روانی آئے''۔

(ضمیمہ اصلاحِ سخن، خط احسنؔ مارہروی)

عربی شاعری میں اصلاح کی روایت بہت قدیم ہے۔ اسلام کے اوّلین دور میں خود رسول اللہؐ کی وہ اصلاح مشہور ہے جو انھوں نے قصیدہ بانت سعاد پر دی تھی مصرعہ رسول اللہؐ کی مدح میں تھا:

مهند من سيوف الهند مسلول

یعنی ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک تلوار جو میان سے کھینچ لی گئی ہو۔

رسولؐ نے ''الھند'' کے بجائے ''اللہ'' کر دیا۔

(بحر الفصاحت، جلد ۱)

بہر حال یہ تو برسبیلِ تذکرہ ایک بات تھی۔ جب اردو کی بات کی جائے تو یہاں بھی ایک طویل سلسلہ ہے اور دبستانوں اور شاگردوں کو بنیاد بنا کر خاصی کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔

جب انیسؔ کی بات آتی ہے تو اس حوالے سے پہلا کام ''شاگردانِ انیسؔ'' ڈاکٹر مقام حسین جعفری کا ہے۔ خاندانِ انیسؔ میں شاگرد بنانے کی روایت ابتدا ہی سے کم رہی ہے۔ میر ضاحک کا ایک آدھ کوئی شاگرد تذکرے میں ملتا ہے۔

میر حسنؔ کے شاگردوں میں گنگا پرشاد نادرؔ، جواد علی احقرؔ، میر ببر علی فرہادؔ فیض آبادی، شیخ صغیر علی مروّتؔ، میر خلیقؔ، میر خلقؔ اور میر مخلوقؔ کے نام آتے ہیں جن کے حالات و کلام کے نمونے تذکروں میں موجود ہیں۔

میر خلیقؔ کے شاگردوں میں انیسؔ، انسؔ، مونسؔ، علی اوسط رشکؔ، مرزا حسام الدین حیدر نامیؔ، میر اکبر علی طپاںؔ، رند لکھنوی، مقربؔ سیتا پوری اور غلام علی فیض آبادی شامل ہیں۔

میر انیسؔ کے لیے بھی مشہور ہے کہ زیادہ شاگرد نہیں بناتے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ صاحب بڑے مرثیہ گو تھے لیکن انھوں نے یہ فن صرف اپنے بھائیوں اور بیٹے کو سکھایا سید محمد ہادی صاحب لائق اور سید محمد عباس ایم۔اے نے جو اس وقت میر انیسؔ کے ورثا ہیں راقم الحروف سے بہ اصرار و تاکید یہ ارشاد فرمایا کہ میر انیسؔ صاحب کا کوئی شاگرد نہیں تھا اور ان کے بھائیوں یا بیٹوں کے علاوہ جو شخص مرحوم کی شاگردی کا دعویٰ کرے وہ غلط گو ہے''۔

(دبستانِ دبیرؔ، صفحہ ۱۶۶)

شادؔ عظیم آبادی کا بیان بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ نے اپنی مدت العمر میں دو باتوں کی طرف بہت کم توجہ دی ایک تو کثرت سے شاگرد بنانے میں اور دوم فرمائشوں پر سلام کہنے میں......... میر مونسؔ کی سفارش اور دوسرے با اثر لوگوں کے اصرار سے کچھ لوگوں کو شاگرد بنا لیا تھا''۔

(پیمبرانِ سخن)

ڈاکٹر مقام حسین جعفری نے ''شاگردانِ انیسؔ'' میں انیسؔ کے ۴۵ شاگرد دریافت کیے جو ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل شاگردوں کا ذکر ہے:

۱۔ آرزوؔ ـــــ سید بندہ رضا

۲۔ آغا میر

۳۔ ابو محمد

۴۔ ازلؔ ـــــ سید آغا حسن

۵۔ امیر علی شیخ

۶۔ امیر علی منشی

۷۔ جلیسؔ ـــــ سید محمد حیدر

۸۔ حزیںؔ ـــــ حکیم محمد علی

۹۔ حضورؔ ـــــ نواب امجد علی خاں

۱۰۔ خسروؔ ـــــ نواب حسن علی خاں

۱۱۔ خلدؔ ـــــ سید حیدر حسین

۱۲۔ رفیقؔ ___ مرزا علی حسین
۱۳۔ ریاضؔ ___ سید ریاض الدین حسن
۱۴۔ رئیسؔ ___ میر احسان علی
۱۵۔ رئیسؔ ___ میر محمد عسکری
۱۶۔ زارؔ ___ سید آغا علی (ریاضؔ کے نہیں نفیسؔ کے شاگرد تھے)
۱۷۔ زکیؔ ___ مرزا محمد خاں
۱۸۔ سراجؔ ___ سید سراج الدین احمد
۱۹۔ سلامت علی
۲۰۔ سلیسؔ ___ میر محمد
۲۱۔ سید مدد علی اچھے صاحب داروغہ
۲۲۔ شریفؔ ___ سید شریف الحسن
۲۳۔ شیداؔ ___ حکیم محمد رسول
۲۴۔ ضیاؔ ___ سید باقر حسن
۲۵۔ عابدؔ ___ عابد علی
۲۶۔ عروجؔ ___ نواب مرزا محمد باقر علی خاں
۲۷۔ عطاؔ ___ آغا وزیر حسین خاں
۲۸۔ عکسؔ ___ مرزا محمد عباس
۲۹۔ علی حسن میر۔
۳۰۔ فارغؔ ___ سید محمد افضل
۳۱۔ لطیفؔ ___ سید محمد حسین
۳۲۔ لطیفؔ ___ محمد لطیف
۳۳۔ مانوسؔ ___ سید علی
۳۴۔ محسنؔ ___ سید محمد محسن
۳۵۔ مرحؔ ___ سید حسن علی
۳۶۔ معززؔ ___ سید محمد علی
۳۷۔ ملولؔ ___ میر جعفر علی
۳۸۔ مونسؔ ___ میر نواب

۳۹۔ میر امجد حسین
۴۰۔ ناظمؔ
۴۱۔ نفیسؔ ___ میر خورشید علی
۴۲۔ نگارؔ ___ سید محمد مہدی
۴۳۔ وقارؔ ___ سید افضل علی
۴۴۔ یونسؔ ___ میر کاظم حسین
۴۵۔ یونسؔ ___ سید علی

اس فہرست میں مرثیہ گو اور مرثیہ خوان دونوں طرح کے شاگرد شامل ہیں۔ان کے علاوہ انیسؔ کے ایسے مزید شاگرد ہیں جن کی اطلاع ڈاکٹر تقی حسین جعفری کو نہ ہو سکی۔اُن کی فہرست یہ ہے:

۱۔ آہ ___ میر اولاد حسین
۲۔ جلیسؔ ___ سید محمد مہدی
۳۔ سلیسؔ ___ محمد احمد بشیر
۴۔ شہنشاہ حسین
۵۔ طوبیٰؔ ___ آغا حسن
۶۔ فردوسؔ ___ میر ولایت علی
۷۔ فلکؔ ___ میر حیدر حسین
۸۔ کاتبؔ ___ کاتب علی مدراسی
۹۔ نوابؔ ___ جان محمد جونپوری
۱۰۔ سید محمد ابراہیم بناری

کُل ملا کر انیسؔ کے ۵۵ شاگرد دریافت ہو جاتے ہیں۔اس طویل فہرست کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ سکے گا کہ انیسؔ نے کم شاگرد بنائے؟؟ ہاں یہ تعداد دبیرؔ کے شاگردوں کے مقابلے میں یقیناً بہت کم ہے لیکن یہ کہنا کہ جو انیسؔ کی شاگردی کا دعویٰ کرے وہ غلط گو ہے کہاں کا انصاف ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ انیسؔ زبان کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اس لیے وہ باہر کے شاگرد بنانے میں محتاط تھے اور اپنے شاگردوں کو ایسے شہروں میں جانے سے روکتے تھے جہاں زبان کے خراب ہونے کا خدشہ ہو۔اسی لیے ایک شاگرد کے دہلی جانے پر برہم ہو گئے تھے۔یہی سبب ہے کہ انیسؔ کے شاگرد کم ہیں۔

انیسؔ کے بعد انسؔ و مونسؔ کے شاگردوں کی باری آتی ہے۔ان کے بعض شاگردوں کے

مرثیے عرصے سے میرے پاس محفوظ تھے کچھ کا اضافہ بعد میں ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب ترتیب پا گئی۔

اس میں کچھ شاگرد ایسے ہیں جو معروف تھے لیکن ان کا کلام مفقود تھا۔ ہم نے ان کے کلام کی تلاش کی۔ جیسے راجہ امیر حسن خاں حبیبؔ، محسن ذوالقدر بہادر، نواب محمد حسین خاں امیرؔ اور ذاکر حسین یاسؔ، ان کے مرثیے پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں۔ تینوں کا ایک ایک غیر مطبوعہ مرثیہ شامل کتاب ہے۔

بعض شاگرد ایسے ہیں جو مرثیہ نگار کی حیثیت سے پہلی بار سامنے آئے ہیں نہ ان کا کلام کبھی چھپا اور نہ ان کی مرثیہ نگاری کا کبھی ذکر کیا گیا جیسے سجادؔ لکھنوی، میر محمد علی نگینؔ، متے صاحب سلیمؔ، عابد حسین عابدؔ اور اصغر حسین نعمتیؔ۔

کچھ شاگرد بالکل گم نام تھے ان کے مختصر حالات ملے اور نمونہ کلام بھی زیادہ نہیں ملا لیکن جو کچھ دستیاب ہوا محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بعض نادر مخطوطات کے عکس اور تصاویر بھی کتاب کا حصہ بن رہی ہیں۔ اس کے بعد کا مرحلہ میر نفیسؔ کے شاگردوں کا ہے وہ بھی تیار ہے اور عنقریب اشاعت پذیر ہوگی۔

سید ارتضیٰ عباس نقوی

۲۷ر جولائی ۲۰۱۷ء

تذکرۂ

شاگردانِ نفیس

زیرِ طبع

سید ارتضیٰ عباس نقوی

maablib.org

میر مہر علی انسؔ لکھنوی

rekhta.org

میر محمد نواب مونس لکھنوی

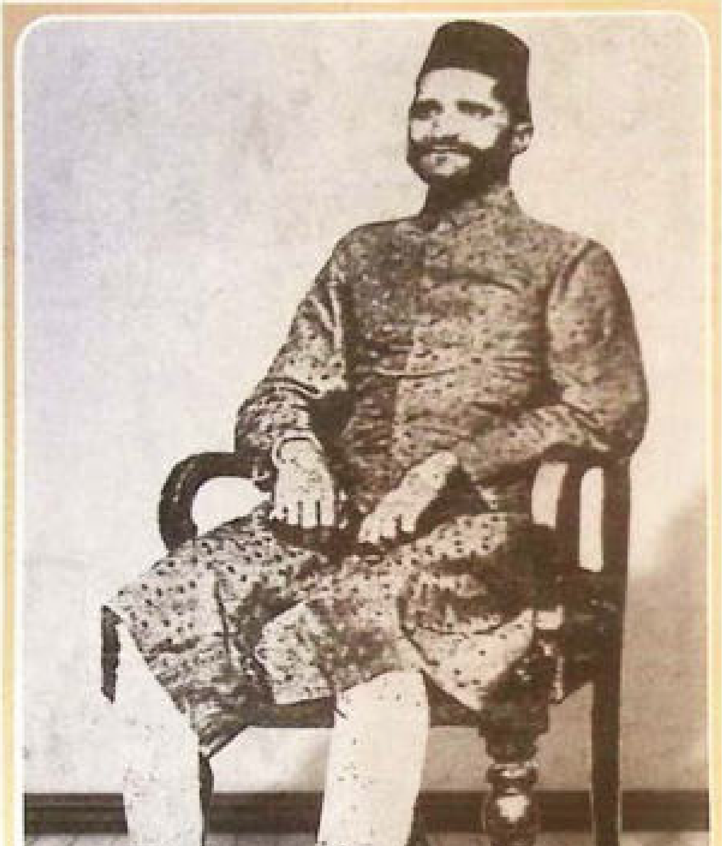

فضل رسول فضل پھپھری
(شاگردداغ)

rekhta.org

میر محمد ہادی وحید لکھنوی

(فرزند و شاگرد انیس)

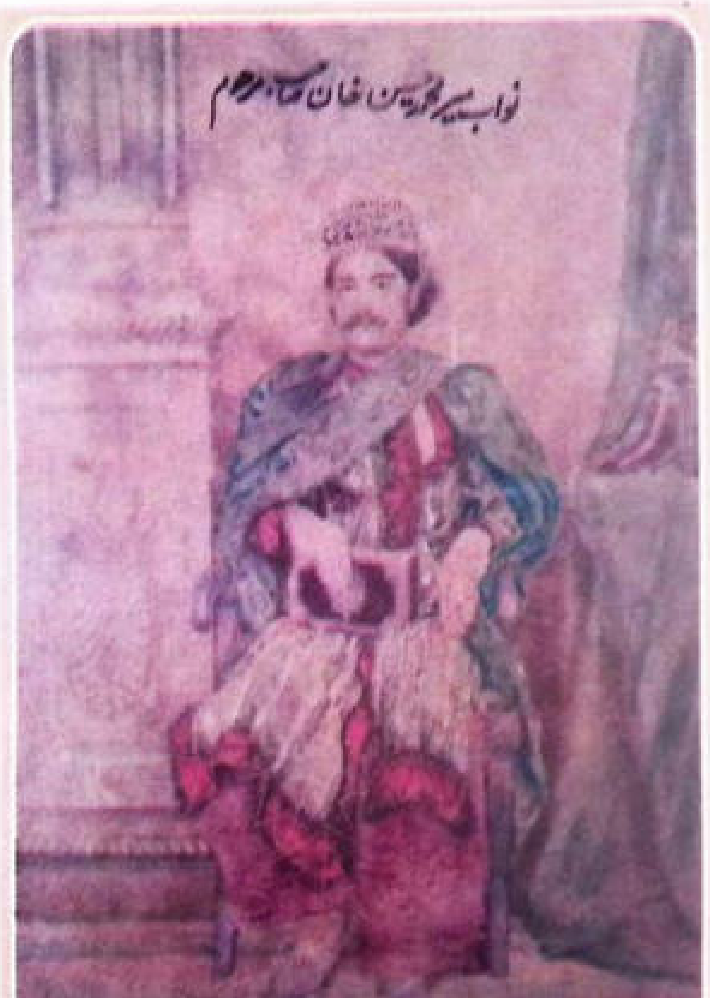

نواب میر محمد حسین خاں امیرؔ

(شاگردِ مونس)

میر بہادر حسین انجم لکھنوی
(شاگرد مونس)

maablib.org

امیر الدولہ راجا امیر حسن خاں حبیبؔ
(شاگردِ مونس)

سید محمد محسن ذوالقدر بہادر جونپوری
(شاگردِ مونس)

تلامذۂ انس

بہرام الدولہ

نام میر داور علی خاں، خطاب بہرام جنگ و بہرام الدولہ، میر انیسؔ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔

بہرام الدولہ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء واجداد امرائے دکن کے عہد میں ممتاز ترین عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے والد میر بہادر علی کو آصف جاہِ سادس کی تقریب جشن سالگرہ میں ''سطوت جنگ'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔ نواب فخر الملک کے ساتھ شکار پر گئے تھے جہاں از خود بندوق چل گئی جس کے صدمے سے ان کا انتقال ہوگیا۔

بہرام الدولہ اپنے آباء اجداد کی طرح جاگیروں سے سرفراز تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں انھیں ''بہرام جنگ'' کا خطاب عطا ہوا تھا۔ ۱۳۱۴ھ میں بتقریب نوروز خطاب بہرام الدولہ سہ ہزاری منصب، دو ہزار سوار و علم نقارہ سے سرفراز کیے گئے۔ آپ کا عقد نواب مختار الملک اولیٰ کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا تھا۔

شجرۂ بہرام الدولہ (سادات باہرہ)

سید عاقل خاں بہادر لب چاک

برہان الدولہ بہرام جنگ میر امام علی خاں بہادر

سطوت جنگ بہرام الملک بہرام الدولہ

میر زین العابدین خاں

سید عاقل خاں

سطوت جنگ ثانی سید زین العابدین خاں

سطوت جنگ ثالث میر بہادر علی خاں

بہرام جنگ بہرام الدولہ میر داور علی خاں بہادر

سید تراب علی خاں — سید زین العابدین خاں

غلام صمدانی گوہرؔ، بہرام الدولہ کی تعلیم وتربیت اور عادات واطوار سے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسۂ عالیہ میں ہوئی اور کئی سال لنڈن میں بھی رہ کر آپ نے تعلیم پائی ہے۔ فارسی، عربی، انگریزی سے اچھے واقف ہیں ملکی اور مالی کاموں میں بھی مہارت ہے عماد السلطنہ مختار الملک ثانی کے عہد وزارت میں معتمد دفتر خانگی ومتفرقات رہ چکے ہیں۔ معین المہام عدالت کی بھی منصری کی ہے۔ سالار جنگ اسٹیٹ کی کمیٹی کے بھی پریسیڈنٹ تھے آپ کی جاگیرات کا انتظام ایک کمیٹی کے ذریعے انجام پاتا ہے جس کے آپ ہی خود پریسیڈنٹ ہیں۔ شریف پرور، کرم گستر، صاحب اخلاق، ذی جود وسخا ہیں''۔

(تزک محبوبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

بہرام الدولہ کو عزاداریِ امام حسینؑ میں بہت انہماک تھا۔ بہت اہتمام سے مرثیہ نگاروں کو بلواتے تھے اور مجالس پڑھواتے تھے۔ ان کی بنا کردہ مجالس کی حیدرآباد دکن میں دھوم تھی۔ مجالس میں ہزار ہا روپے خرچ کیے جاتے تھے۔

بقول صاحب تزک محبوبیہ ''جناب نفیسؔ لکھنؤ سے آ کر اپنے تازہ مراثی وسلام سناتے تھے''۔

(جلد ۲، صفحہ ۱۰۷)

پیارے صاحب رشیدؔ کو بھی انھوں نے ہی دکن بلوایا تھا۔ شدید لکھنوی لکھتے ہیں:

''نواب بہرام الدولہ چونکہ بہت قدرداں تھے۔ موصوف نے بہت کوشش کیا۔ آخرکار حکیم میر باقر حسین صاحب کا ذریعہ (جو رشیدؔ کے گہرے دوست تھے) اختیار کیا اور حکیم صاحب موصوف نے بہ جبر رشیدؔ مرحوم کو حیدرآباد بھیجا''۔

(تمخانۂ خلد صفحہ ۵)

بہرام الدولہ کا کلام ان کے ورثہ کے پاس حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ نمونۂ کلام اب تک منظرِ عام پر نہ آسکا دکن کے محققین کو فکر کرنی چاہیے۔

خلیلؔ

نام سید حسن، تخلص خلیلؔ، میر انسؔ کے فرزند تھے۔ بچپن میں شعر و سخن میں آنکھیں کھولیں۔ خاندانی روایت کے مطابق خود بھی شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم میر انیسؔ کے زیر نگرانی ہوئی۔ اپنا کلام اپنے والد میر انس کو دکھاتے تھے۔

(تذکرہ مرثیہ نگارانِ اردو، جلد اول، صفحہ ۲۱۴)

خلیلؔ کے دو بھائی سید مہدی جدیدؔ اور سید حسن عرف بنے صاحب سعیدؔ بھی شاعر تھے۔ خلیلؔ کے فرزند، سید فرزند حسن جلیلؔ بھی مرثیہ گو تھے۔ ان کے چار مرثیے دستیاب ہیں۔

خلیلؔ کے مرثیے نایاب ہیں۔ مرزا امیر علی جونپوری نے ان کے نمونہ کلام میں اس مرثیہ کے ۵ بند درج کیے ہیں:

ہے باغ فصاحت میں شگفتہ سخن اپنا

یہ مرثیہ خلیلؔ لکھنوی کا نہیں بلکہ شیخ محمد خلیل خلیلؔ عظیم آبادی کا مرثیہ ہے جو میر عارفؔ کے شاگرد تھے۔ یہ مرثیہ اُن کے مجموعۂ مراثی ''مرثیہ ہائے خلیلؔ''، مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ میں شامل ہے۔ تاجور نجیب آبادی نے ''پیامِ زندگی'' کی جلدوں میں خلیلؔ کے مرثیوں کے جو نمونے دیئے ہیں وہ بھی ان ہی خلیلؔ کے ہیں جن کو لکھنوی لکھ دیا گیا ہے جو غلط ہے۔

سجادؔ

نام سجاد علی خاں، تخلص سجادؔ، میر انسؔ کے شاگرد تھے۔ کیونکہ زیارتِ عتباتِ عالیات سے مشرف ہو چکے تھے اس لیے اپنے نام کے ساتھ ''کربلائی'' لکھتے تھے۔ ایک سلام کے مقطع میں کہتے ہیں:

یا حسین ابنِ علیؑ سجادؔ کو بہرِ خدا　　روضۂ انور پہ پھر جلدی بلانا چاہیے

اپنے استاد سے حد درجہ محبت تھی جس کا اندازہ ان کے مجموعۂ نوحہ جات 'سراجِ ماتم' کے سرورق کی اس عبارت سے ہوتا ہے:

''سجاد علی خان کربلائی متخلص بہ سجاد ولد امداد علی خان متوطن لکھنؤ جو اپنے کو استاد کا ادنیٰ ترین غلامِ جناب میر مہر علی صاحب قبلہ متخلص بہ انس بہ مصداق من تعلم

حرف فھو مولا [جانتے تھے] جاننا چاہیے"۔

سجادؔ کے مرثیے ناپید ہیں۔ایک ہی مرثیہ ملتا ہے۔جس کا ایک نسخہ علامہ ضمیر اختر نقوی کے پاس ہے جو انھیں سید اصغر حسین مرحوم فرزند بابو صاحب فائقؔ کے ذخیرے سے ملا تھا۔اس کی ایک نقل انھوں نے مجھے فراہم کی تھی۔اس نسخے میں چھٹے بند سے مرثیہ شروع ہوتا ہے اور ہر صفحے پر ۵ بند ہیں۔ابتدائی ۵ بند نہ ہونے کے سبب مرثیہ ناتمام تھا اتفاق سے اسی مرثیے کا ایک اور مکمل نسخہ مجھے شیخ رفاقت حسین مرحوم (لاہور) کے ذخیرے سے مل گیا جس میں ابتدائی ۵ بند موجود ہیں۔اس طرح یہ مکمل نسخہ دریافت ہو جاتا ہے۔دونوں نسخوں میں معمولی سا فرق ہے۔اس کا مطلع یہ ہے:

غازۂ شاہدِ مضموں ہے فصاحت میری ۱۲۴ بند

سجادؔ لکھنؤ کی خالص زبان لکھتے ہیں۔یہ لوچ دار اور نکھری ہوئی زبان ہے۔الفاظ ایسے استعمال کیے ہیں جو کلام کی جان ہیں۔مرثیہ میں ابتداً تعلیاں کی ہیں۔اس کے بعد شب عاشور کے ذکر کی طرف گریز ہے۔پھر صبح دکھائی ہے۔اس میں بہاریہ مضامین کا دلکش بیان ہے۔شانِ جماعت کے بعد جنگ کی تیاریاں، میدان میں آمد، اتمامِ حجت، انصار کی شہادت اور پھر امام حسینؑ کی رزم و بزم کا بیان ہے۔رجز خوانی، تلوار، فرس، لشکر کی ابتری، لاشوں کے پشتے، دہائیاں اور پھر امام حسین کا زغۂ اعدا میں گھرنا اور شہادت وغیرہ سب نظم کیا ہے۔ایک بند سجادؔ ایسا لکھ گئے ہیں کہ شاید وہ مضمون ان سے پہلے کسی نے نہیں باندھا شہادت امام کے بعد اُن کے گھوڑے نے اہل حرم کو جا کر امام کی شہادت کی خبر دی تھی لیکن ایک گھوڑا یہ خبر کس طرح دے سکتا ہے اس کے محاکات کو سجادؔ نے مہارتِ فن کے ساتھ پیش کیا ہے۔یہ بند دیکھیے:

روئے گھوڑے نے رو رو کے انھیں سمجھایا خاک پر شاہ گرے لوٹ کے پھر بتلایا
پتلیاں پھیر کے سمجھایا کہ غش فرمایا پھیرا اس حلق پہ یعنی کہ گلا کٹوایا
مضطرب ہو کے بتایا کہ بدن مضطر ہے
اور الف ہو کے بتایا سر نیزہ سر ہے

یہ مکمل مرثیہ شاملِ کتاب ہے اس لیے مثالیں درج کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔اس سے قبل سجادؔ کا کوئی مرثیہ شائع نہیں ہوا ہے۔

رباعیات

احمدؐ سے بہشت کا قبالہ پایا حیدرؑ سے دُرِ مرادِ عقبا پایا
حوریں، جنت، قصور، دریا، سجادؔ مداحیِ شہ میں ہم نے کیا کیا پایا

ناجی ہیں در شاہ پہ آنے والے — حق بیں ہیں ہوا آنکھوں سے لگانے والے
جیتے جی سیر کی ارم کی سجادؔ — اچھے رہے کربلا جانے والے

ہر دل کو قلق مصیبتِ شاہ کا ہے — ہر قلب کو صدمہ شہِ ذی جاہ کا ہے
اس غم سے منافق کو بھی اکثر ہے عشق — ماتم یہ بڑے عاشقِ اللہ کا ہے

سجادؔ کے سلام:

سجادؔ کے سلاموں اور مخمسات کا مجموعہ ''مجموعہ مخمس وسلام'' ۱۳۱۱ھ میں مطبع مظہر العلوم لکھنؤ سے طبع ہوا تھا۔

سجادؔ کے سلام بالکل سادہ مضامین سے مملو ہیں۔ سنگلاخ اور پامال زمینوں میں سلام نہیں ملتے لیکن جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے۔ میر انیسؔ اور میر مونسؔ کی زمینوں میں بھی سلام کہے ہیں۔ سجادؔ کیونکہ زائرِ کربلا تھے اس لیے کثرت سے مقاماتِ مقدسہ سے متعلق اشعار ملتے ہیں۔ چند شعر دیکھیے:

کربلا میں قبر شیعوں کو بنانا چاہیے — پاس گل کے بلبلوں کو آشیانہ چاہیے

درِ شبیرؑ پہ آنکھوں کو ملیں گے سجادؔ — گزر اپنا جو سوئے روضۂ انور ہوگا

وادیِ خاکِ شفا کیوں نہ کرے رشکِ مسیح — دم میں زندہ کیا مرتے ہوئے بیماریوں کو

یہی خیال ہے دن رات مجھ کو اے سجادؔ — کہ کربلا کا ہو کب تک سفر نہیں معلوم

''مجموعہ مخمس وسلام'' میں سجادؔ کے مندرجہ ذیل سلام شامل ہیں:

شمار	مطلع	تعدادِ اشعار
۱۔	ہو خاک درِ شہ پر اکسیر اسے کہتے ہیں	۲۱
۲۔	اے سلامی جور سا اپنا مقدر ہو گیا	۱۶
۳۔	کربلا میں قبر شیعوں کو بنانا چاہیے	۲۴
۴۔	اس کو مجرا جو پکاری مرے ذیشان حسینؑ	۲۱
۵۔	سلامی نیلگوں یہ آسماں ہے	۱۸
۶۔	ذاکر ہوں مجرئی خلفِ بوتراب کا	۱۲

۷۔	مقتل میں جو آئی تو یہ چلائی سکینہؑ	۱۶
۸۔	سلامی راہِ درِ شاہ گر نہیں معلوم	۲۱
۹۔	مجرائی درِ شہ تک جس کی کہ رسائی ہے	۱۴
۱۰۔	ازل سے جو کہ سلامی مطیعِ آل نہ تھا	۲۶
۱۱۔	سرسبز سدا کیوں نہ رہے پھر چمن اپنا	۲۱
۱۲۔	علیؑ کے لعل کی ہے مدح گوئی فن اپنا	۱۹
۱۳۔	شاہ سے اذنِ وغا تھا جو نہ جراروں کو	۱۷
۱۴۔	پئیں گے خونِ دل اب ہم شراب کے بدلے	۱۸
۱۵۔	مرتے دم بالیں پہ مجرائی کے یہ غم رہ گیا	۱۷

سلام

شاہ سے اذنِ وغا تھا جو نہ جراروں کو — مجرئی شیر سے تکتے تھے ستمگاروں کو
جنگ میں ڈر سے یہ سکتا تھا کمانداروں کو — منہ کو کھولے تھے لیے چٹکی میں سوفاروں کو
واہ ری خاکِ شفا کیوں نہ کرے رشکِ مسیح — دم میں زندہ کیا مرتے ہوئے بیماروں کو
گرچہ دو لاکھ میں سو سو سے قوی تھا ایک ایک — پر بہتر کا بڑا ڈر تھا جفاکاروں کو
راکبِ دوشِ پیمبر کے تنِ بے سر پر — ہائے دوڑا دیا بے رحموں نے رہواروں کو
جنت و خلد و جناں و ارم و حور و قصور — دے گا اللہ یہ سب شہ کے عزاداروں کو
نقدِ جاں دیتے تھے کس شوق سے اللہ اللہ — دھن تھی کیا جنسِ شہادت کے خریداروں کو
شہِ مظلوم کو حلقے میں لیے تھے اعدا ق — قتل جب کر چکے سب شاہ کے انصاروں کو
تیر برساتے تھے ہر سو سے تنِ سرور پر — ہاتھ آیا تھا عجب وقت کمانداروں کو
ضعف سے دم تنِ مجروح میں حضرت کے نہ تھا — بند کر سکتے نہ تھے خون کے فواروں کو
روز و شب قید میں یہ حال تھا دربانوں کا ق — بار ہا آن کے گن جاتے تھے بیچاروں کو
قیدی کہتے تھے کہ دروازہ تو رہتا ہے بند — بھاگ جائیں گے نہ ہم پھاند کے دیواروں کو
آنکھ بھی رن میں نہ جھپکاتے تھے انصارِ حسینؑ — گو ہزاروں ہی سے تھا سامنا جراروں کو
پر یہ دھڑکا تھا بہتر سے لڑائی کا اُدھر — تیز کرتے تھے عدو سان پہ ہتھیاروں کو

عمرِ سعد صفیں باندھ کے صبحِ عاشور — جنگ کا طور بتاتا تھا ستمگاروں کو
شمر کہتا تھا گلے خشک ہیں پیاسوں کے بہت — سان پر خوب چڑھا لیجیو تلواروں کو

خوف سجادؔ نہ کر حشر کے دن کا کہ حسینؑ
بخشوا لیں گے بہت ہم سے گنہگاروں کو

سلام

پئیں گے خونِ دل اب ہم شراب کے بدلے — سلامی لختِ جگر ہیں کباب کے بدلے
چلا نہ ایک ہی دو گام مقتلِ شہ سے — کئی فرس شہ گردوں رکاب کے بدلے
اٹھایا ہاتھ نہ اعدا نے قتلِ سرور سے — دیئے رفیقوں نے گو سر جناب کے بدلے
جگر پہ کھائیں سنانیں حبیب نے تن تن — یہ لطفِ پیری دکھایا شباب کے بدلے
ثبات آئینۂ دل کو ہے غمِ شہ میں — نہ بے ثبات سمجھیو حباب کے بدلے
بنے گا سہرہ تو لڑیاں کٹی تھیں شملے کی — قبا تھی سرخ لہو میں شہاب کے بدلے
ہمیں تو خاک ہے مٹی ہے گرچہ تربت میں — ملک بھی آئے کوئی بہراب کے بدلے
پسند دل سے ہے بوئے گلِ ریاضِ علیؑ — ہمیں تو عنبر و مشک و گلاب کے بدلے
اِدھر سے حجتِ حق شاہ ختم فرماتے — اُدھر سے تیر برستے جواب کے بدلے
غضب ہے سینہ پہ امت نے اس کے رکھا پاؤں — چڑھا جو دوشِ نبی پر عقاب کے بدلے
غضب ہے رن میں کئی دن پڑے رہے اصغرؑ — کوئی تو گود میں لیتا ربابؑ کے بدلے
یہ ہاتھ جوڑ کہتے تھے بھانجے شہ کے — گلا کٹائیں گے ہم بھی جناب کے بدلے
سوالِ آب پہ اصغرؑ کو تیر سے مارا — عذابِ خون لیا یہ ثواب کے بدلے
لگام چھوڑ کے تھامی رکابِ شہ حُر نے — ثواب ہوگیا حاصل عذاب کے بدلے
غضب ہے یہ کہ جلایا عدو نے وہ خیمہ — کہ زلفِ حور تھی جن میں طناب کے بدلے
غلام ہوں میں شفاعت کو ہے مری کافی — بلال صرف رسالت مآبؐ کے بدلے
عدو نے چادریں جب چھین لیں امیروں کی — بکھیرے بال سبھوں نے نقاب کے بدلے

مثالِ برق چلیں گے صراط پر سجادؔ
علیؑ کا پکڑے ہیں دامن رکاب کے بدلے

مخمسات:

مجموعۂ سلام میں سجادؔ کے مخمسات بھی ہیں جن میں سے بیشتر میر انیسؔ، دلگیرؔ، میر انسؔ، میر مونسؔ، میر وحیدؔ، میر نفیسؔ، میر سلیسؔ اور میر رئیسؔ کے سلاموں پر بہت شستہ اور رواں تضمینیں کیں ہیں۔ بھاکا زبان میں بھی کلام لکھتے تھے۔ دو تضمینوں کے نمونے درج ذیل ہیں:

تضمینِ سجادؔ بر سلام میر انسؔ

بدن سمٹ گیا پیری میں آستیں کی طرح ہے ضعف پہلو میں ہر وقت ہم نشیں کی طرح
ہر عضو عضو میں آئے شکن جبیں کی طرح نہ کیوں ہوں اب ہمہ تن خاک ہم زمیں کی طرح
کہ قدر گھٹ گئی چلتے ہوئے نگیں کی طرح

غمِ حسینؑ کرے کون مومنیں کی طرح کٹائے خشک گلا کون شاہِ دیںؑ کی طرح
جہاد کون کرے سرورِ مبیں کی طرح بٹھائے کون عملِ ختمِ مرسلینؐ کی طرح
کہ نام خاتمِ دنیا پہ ہے نگیں کی طرح

عجیب جرأت و ہمت خدا نے تھی بخشی کہ ایک ضرب میں دو دو ہوئے تھے سب ناری
وہ صف پچھاڑی یہ صف توڑ دی وہ صف اُلٹی تنِ حبیبؓ پہ تھیں جھریاں نہ پیری کی
غضب میں تھے ہمہ تن پُر شکن جبیں کی طرح

کسی کو مثلِ یداللہ کب ملا منصب کہ جس کا حیدرِ کرارؑ ہو جہاں میں لقب
ہزاروں قتل کیے مثلِ عنتر و مرحب علیؑ نے قلعہ خیبر کا در اکھاڑا جب
لرز گیا فلکِ ہفتمیں زمیں کی طرح

لکھوں وہ مدح فلک نے بھی جو نہ ہوں دیکھے پڑھوں وہ نظم کہ گردوں نے بھی نہ ہوں سنے
یہی دعا ہے شب و روز بس مرے دل سے کریم تو مجھے وہ خرمنِ مضامیں دے
کہ نکتہ چیں ہو تو جھک جائے خوشہ چیں کی طرح

پدر کے بعد عجب سخت آفتیں گزریں گلے میں طوق تو پاؤں میں بیڑیاں بھی تھیں
نحیف و زار نے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں بٹھایا ضعف نے عابدؑ کو راہ میں جو کہیں
تو دل بھی بیٹھ گیا ساتھ ہم نشیں کی طرح

جنہیں ہے عشق وہ سجادؔ کے شوق سے لیں جنہیں پرکھ ہو پرکھنے کی خاطر اُن کو دیں

جو قدرداں ہیں جواہر نہ کیوں نثار کریں کلامِ انسؔ مرصّع ہے جوہری دیکھیں
کہ لفظ لفظ ہے ترشا ہوا نگیں کی طرح

تضمینِ سجادؔ بر سلامِ میر نفیسؔ

مجاہد دینِ حق کے اپنے مسکن سے نکلتے ہیں مقاصد منتہی کے مغزِ پُرفن سے نکلتے ہیں
گلِ شاداب سرخ و سبز گلشن سے نکلتے ہیں مضامیں مدح کے یوں طبعِ روشن سے نکلتے ہیں
جواہر بے بہا جس طرح معدن سے نکلتے ہیں

اس ادنیٰ کو دیا اللہ نے کیا رتبۂ اعلیٰ کہ مداحی میں شاہِ دو جہاں کی کر دیا یکتا
سخی کی فرش سے اک دھوم ہے تا عالمِ بالا ہماری نظم کا فضلِ خدا سے یہ بڑھا رتبا
کہ اوصاف اب زبان و دستِ دشمن سے نکلتے ہیں

عزائے شاہِ دیںؑ میں سامعیں تشریف ہیں رکھتے چنے ہیں یا مسلسل باغ میں پھولوں کے گلدستے
ہزاروں حور و غلماں جوق جوق آتے ہیں جنت سے نکلتے ہیں مکاں سے مجلسی یوں بعد مجلس کے
کہ جیسے بلبلوں کے غول گلشن سے نکلتے ہیں

لحد میں بھی غمِ سرورؑ میں مومن سر کو دھنتے ہیں قیامت تک نہ گلتے ہیں نہ سڑتے ہیں نہ گھستے ہیں
خود آکر روز رضواں قبر کو پھولوں سے چنتے ہیں عقائد جب غلامِ حیدرِ صفدرؑ کے سنتے ہیں
خوشی ہو کر نکیرین اُن کے مرقد سے نکلتے ہیں

لکھوں ہمشکلِ پیغمبرؐ کی کیا میں جلوہ پردازی کہ اک حملہ میں دو دو لاکھ سے لے جاتے ہیں بازی
ڈپٹ جاتا ہے پاتا ہے اشارہ جس طرف غازی اڑا دیتے ہیں ایک اک ضرب سے سر اکبرؑ غازی
وغا کو پہلواں جب فوجِ دشمن سے نکلتے ہیں

جو ہوگا حق کا حکمِ حاضری ساری خدائی کو خدا جانچے گا ہر اک کی برائی اور بھلائی کو
شہِ دیںؑ جائیں گے امت کی جب مشکلکشائی کو پکاریں گے ملک محشر میں چلیے پیشوائی کو
غلامِ حیدرؑ اپنے اپنے مدفن سے نکلتے ہیں

بہتر کو عجب خالق نے دی ہے شوکت و عظمت فزوں جن کے قدم نے کی زمیں کی عرش سے رفعت
نہ پھولوں میں یہ خوشبو ہے نہ گلشن میں ہے یہ نکہت کہے گی کربلا یہ روزِ محشر دیکھ اے جنت

گلِ باغِ محمدؐ میرے دامن سے نکلتے ہیں

پہنچ جائے گا یہ سجادؔ خیزاں اور افتادہ　　اسے بھی ساتھ لے لو گو یہ بے چارہ ہے پیادہ

علیؑ کے واسطے اٹھو کہیں ہو جلد استادہ　　نفیسؔ اہلِ عزا ہیں کربلا جانے پہ آمادہ

خدا چاہے تو ہم بھی اپنے مسکن سے نکلتے ہیں

سجادؔ کی نوحہ نگاری:

نوحہ جات کا مجموعہ ''سراجِ ماتم'' ہے جو مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ سرورق کی عبارت یہ تھی:

''من تصنیف شاعرِ شیریں کلام مداحِ امام جناب سجاد علی خاں صاحب کربلائی متخلص بہ سجادؔ شاگرد جناب میر مہر علی صاحب انسؔ مرحوم برکاتہ''۔

اس مجموعے میں مختلف حال کے ۱۷ نوحے شامل ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:

مطلع	تعدادِ اشعار
۱۔ لاشے پہ برادر کے ہمشیر جب آئی ہے	۱۱
۲۔ ماں باپ کی پیری کے سہارے علی اکبرؑ	۱۱
۳۔ مقتل میں جب آئی تو یہ چلائی سکینہؑ	۱۴
۴۔ سر پیٹو محبّو کہ یہ سرور کا ہے چہلم	۱۲
۵۔ گہوارے پہ منہ رکھ کے بیاں کرتی تھی مادر پیارے علی اصغرؑ	۱۵
۶۔ فرماتے تھے دریا پہ کھڑے سید ابرار اے بھائی علمدار	۱۲
۷۔ کہتی تھی بہن بھائی کے لاشے پہ بافغاں ماں جائے حسینؑ	۱۳
۸۔ کہتی تھی سکینہؑ گئے دریا کے کنارے پیارے مرے عموں	۱۳
۹۔ زنداں میں کہتی تھی سکینہؑ یہی رو کر چھاتی سے لگا لو	۱۱
۱۰۔ زینبؑ یہی کہتی تھی کہاں ہو مرے پیارے اے عونؑ و محمدؑ	۱۱
۱۱۔ زینبؑ شبِ عاشور بیاں کرتی تھی رو کر واحسرت و دردا	۱۵
۱۲۔ مقتل میں بیاں قومِ اسد نے کیا آ کر واحسرت و دردا	۱۳
۱۳۔ صغریٰؑ نے مدینے میں لکھا شاہ کو رو کر اے سبطِ پیمبرؑ	۱۳
۱۴۔ ماں یہ قاسمؑ کی کہتی تھی رو کر میرے قاسمؑ کو سہرا تو باندھو	۹
۱۵۔ زینبؑ نے کہا اے خلفِ ساقیِ کوثر مظلوم حسینؑ	۱۶

۱۶۔ چلاتی تھی بانو کہ مری آنکھوں کے تارے جانی علی اصغرؑ ۱۲

۱۷۔ برچھی اکبرؑ جگر پہ کھائے ہائے ہائے ۱۱

سجادؔ کے نوحوں کا انداز قدیمی ہے۔ اس زمانے کو نوحوں کا مقصد محض گریہ و بکا تھا اس لیے نوحے بیانیہ ہوتے تھے اور اس میں درد انگیز مکالمے نظم کیے جاتے تھے، اسی حساب سے نوحوں کی ردیفیں منتخب کی جاتی تھیں جو دل کو نوکِ نشتر ہوتی تھیں جن کے دہرانے سے حاضرین پر، رقت طاری ہو جاتی تھی۔ سجادؔ کے جو نوحے اس وقت سامنے ہیں ان میں بھی یہی لوازمات ملتے ہیں جیسے 'پیارے علی اصغرؑ، اے بھائی علمدار، ماںجائے حسینا، پیارے مرے عموں، اے عون و محمد، یا سبطِ پیمبر، واحسرت و دردا، جانی علی اصغرؑ۔ ان لفظوں کی تکرار سے نوحوں کا ماحول تشکیل پاتا ہے اور رشتوں کے جذبات و احساسات کی عکاسی ہوتی ہے۔

حضرت زینبؑ امام حسینؑ سے مخاطب ہیں۔ ایک مظلوم بہن جس کا کوئی مددگار نہ ہو اور گھر بار تاراج ہو چکا ہو اس کے جذجات کیا ہو سکتے ہیں، کہتے ہیں:

پردے میں بٹھانے کو کوئی جو نہ تھا بھائی بچے لیے ہر بی بی بلوے میں نکل آئی

خیموں میں لعینوں نے جب آگ لگائی ہے

اسی طرح دکھیاری ماں کے جذبات ہیں جس کا بچہ تو مارا گیا ہو لیکن خالی جھولا سامنے پڑا ہو اور بچے کی یاد ماں کو ستائے دے رہی ہو، ایسے وقت میں ماں کیا کچھ کہہ سکتی ہے اس کے لفظ کیا ہوں گے، فقرے کیا ہوں گے، اس کی کمی کو نوحہ نگاروں نے پورا کیا ہے۔ سجادؔ کہتے ہیں:

گہوارے پہ منہ رکھ کے بیاں کرتی تھی مادر، پیارے علی اصغرؑ

جھولا ترا سنسان ہوا اے مرے دلبر، پیارے علی اصغرؑ

مادر کو ہوس تھی کہ تجھے کھیر چٹاتی اور دودھ بڑھاتی

سو بوند بھی پانی نہ ہوا تجھ کو میسر، پیارے علی اصغرؑ

بند آنکھیں کیے خاک پہ کیوں سوتا ہے پیارے آنکھوں کے تارے

آغوش میں آجا مری جلدی سے ہمک کر، پیارے علی اصغرؑ

اس میں منظر نگاری بھی ہے، جذبات بھی، محاکات بھی اور محاورات بھی۔ ایسی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں سرِ دست یہاں چند نوحے شامل کیے جا رہے ہیں:

نوحہ

ماں باپ کی پیری کے سہارے علی اکبرؑ اٹھارہ برس کے گئے مارے علی اکبرؑ

بانو نے کہا رہ گیا ارمان دلہن کا دنیا سے پُر ارمان سدھارے علی اکبرؑ

لیٹے ہو عجب شان سے نوشاہ بنے تم — اس شان پہ کوئی مجھے وارے علی اکبرؑ
بےچین ہے دل جب سے تُو نظروں سے نہاں ہے — اے نورِ نظر آنکھوں کے تارے علی اکبرؑ
مدت سے تمنا تھی کہ آغوشِ لحد میں — ہاتھوں سے مجھے اپنے اُتارے علی اکبرؑ
پر تھا نہ یہ معلوم کہ بے گور و کفن ہوں — میں دیکھوں گی لاشے کو تمہارے علی اکبرؑ
قسمت نے نہ شادی کی ترے رات دکھائی — کس دن کو میں جیتی رہی پیارے علی اکبرؑ
گیسو ترے سب دیگ میں غلطاں ہوئے ہے ہے — ماں باپ کو کیا خاک سنوارے علی اکبرؑ
اصغرؑ بھی گیا تیرِ خطا کار سے مارا — ماں تیری جیے کس کے سہارے علی اکبرؑ
تم خون میں دولھا سے بنے سوتے ہو واری — ماں کس کو بیٹے عقد سنوارے علی اکبرؑ

سجاد کو حسرت ہے کہ آنکھوں سے لگاؤں
اُس تربتِ اطہر کو تمہارے علی اکبرؑ

نوحہ

فرماتے تھے دریا پہ کھڑے سید ابرار، اے بھائی علمدار
مرنے سے تمہارے ہوا میں بیکس و ناچار، اے بھائی علمدار

صدقے میں شجاعت کے تری اے مرے جرار کیا خوب کی تلوار
ہر سمت ہیں لاشوں کے پڑے نہر پہ انبار، اے بھائی علمدار

اے شیر میرے بھائی یہ دریا کی ترائی جان اپنی گنوائی
ساحل سے مگر پاؤں کو سرکایا نہ زنہار، اے بھائی علمدار

مشکیزہ بھرو نہر سے پیاس اس کی بجھاؤ اور خیمے میں جاؤ
بے پانی بلکتی ہے سکینہؑ جگر افگار، اے بھائی علمدار

تصویرِ نبیؐ صفحۂ ہستی سے مٹائی بے رحموں نے بھائی
برچھی کی انی سینۂ اکبرؑ کے ہوئی پار، اے بھائی علمدار

بے دست ہوئے تم مرے بازو ہوئے بیکار، لرزاں ہے تنِ زار
اب ہاتھ سے اٹھ ہی نہیں سکتی مرے تلوار، اے بھائی علمدار

ناوک یہ الم کا ہے مرے دل میں کھٹکتا، دم لے نہیں سکتا

حلقوم پہ اصغرؑ کے لگا تیر جفا کار، اے بھائی علمدار
زنغے میں ہمیں ظالموں کے کر گئے تنہا تھا عشق یہ کیسا
ہر سمت سے تیروں کی عدو کرتے ہیں بوچھار، اے بھائی علمدار
حلقے میں ہے اب نیزہ و خنجر کے یہ ناچار، دم لینا ہے دشوار
ہر سمت نظر آتی ہے تلوار پہ تلوار، اے بھائی علمدار
بازو مرے تم توڑ گئے اور جگر اکبرؑ، دل کو علی اصغرؑ
واللہ اب اک دم بھی ہے جینا مجھے دشوار، اے بھائی علمدار
منہ پھیرے ہوئے لیٹے ہو تم میری طرف سے رخ بھی نہیں کرتے
کس بات پہ صورت سے مری ہو گئے بیزار، اے بھائی علمدار
فرماتے رہے رو رو کے حضرت یہی سجادؑ تا دیر بفریاد
اٹھو مرے صفدر مرے غازی مرے جرار، اے بھائی علمدار

مجموعہ سلام و مخمس کا سرورق

سراج ماتم

من تصنیف شاعر شیرین کلام مداح امام جناب سجاد علیخان صاحب
کربلائی متخلص سجاد شاگرد جناب میر مہدی علیصاحب انس دام برکاتہ

حسب فرمایش جناب سجاد علیصاحب رضوی تاجر کتب چوک لکھنو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر خداوند غفار و ثنای انبیا و ائمہ اطہار کہ ہم عاصیون کا
وسیلہ مغفرت الیسا گردانا ہے کہ کسی گروہ امت کو نہین ملا اور جناب سید الشہدا
علیہ السلام نے ہم گنہگارون کی مغفرت کیواسطے اپنی جان اور عزیز اور رفقا اور تمام
گھر کو راہ خدا مین نثار کر دیا عوض جسکے او تبارک وجبت لہ الجنۃ
لہذا سجاد علیخان کربلائی متخلص سجاد ولد امداد علیخان متوطن لکھنؤ جو اپنے
کو ادنی ترین غلام جناب میر مہدی علیصاحب قبلہ متخلص انس معتقد من تعلم
حرف فھو عبد کہلایا جانا چاہئے چند نوحہ باسید مغفرت اپنی کہین ہین اور
امیدوار ہے کہ مومنین عیوب پر نظر نفرمائین پڑھکر داخل حسنات ہون بدعائے خیر
یاد فرمائین تا اس گنہگار کی بھی مغفرت ہوجائے فقط

گلستان محمدی محلہ مرزا منڈی متصل کتہری پاٹ شالہ فرنگی محل باہتمام محمد حسین چھپا

سراج ماتم کا سرورق

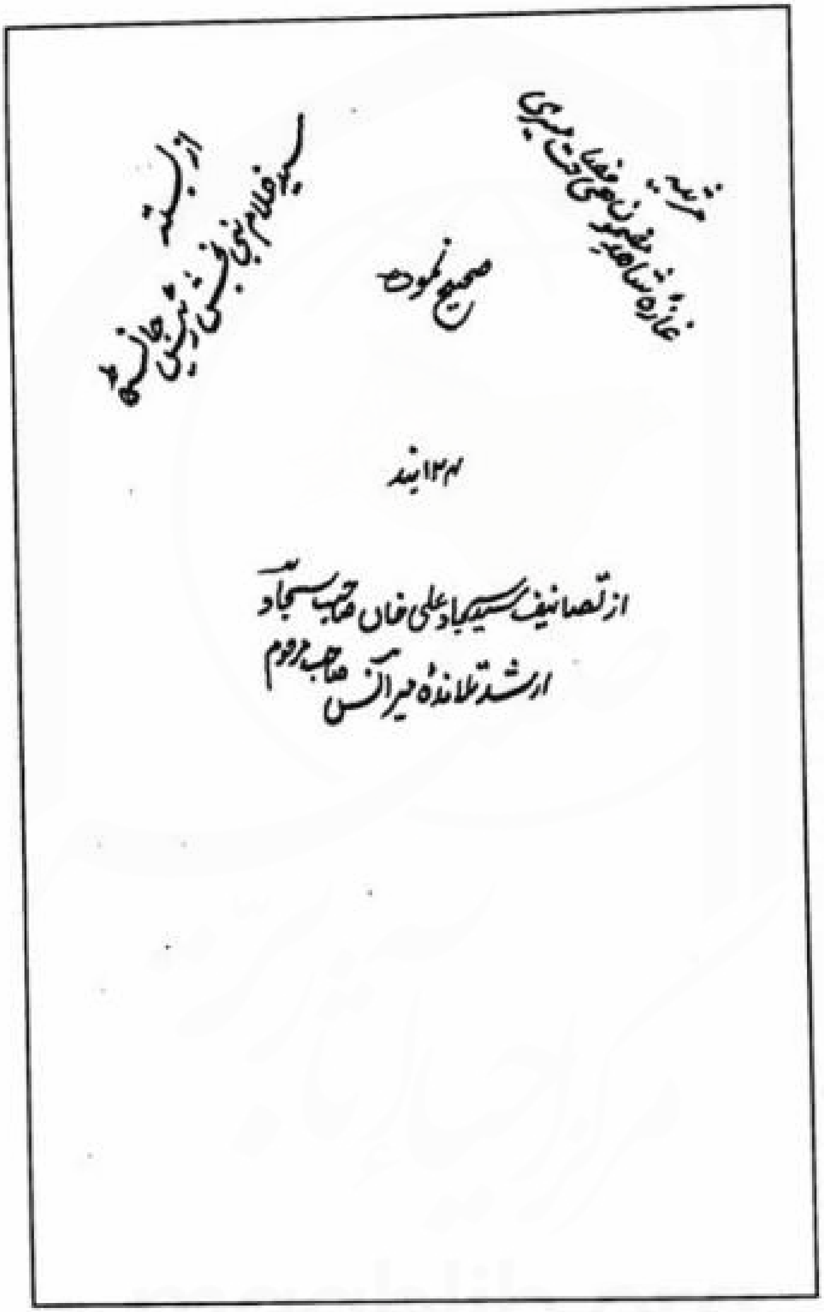

مرثیہ: عمارت شاہ حیدر مظہر نور خفیات ربی

صحیح نمودہ

از نسخہ سید غلام نبی صاحب زنجی

۱۴۲ بند

از تصانیف سید سجاد علی خاں صاحب سجاد
ارشد تلامذہ میر انیس صاحب مرحوم

قلمی مرثیے کا سرِ ورق

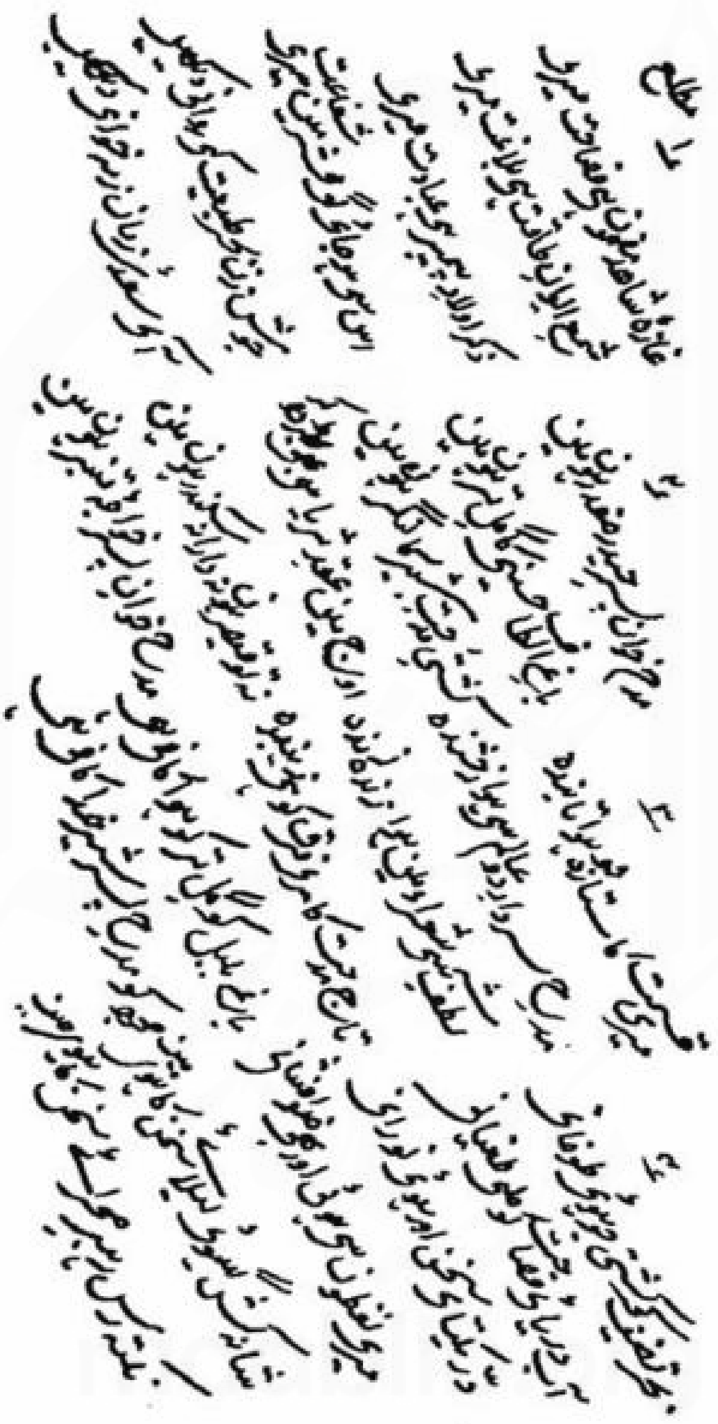

قلمی مرثیے کا صفحہ

مرثیہ

درحال امام حسینؑ

۱۲۴ بند

غازۂ شاہدِ مضموں ہے فصاحت میری   شمعِ ایوانِ طلاقت ہے بلاغت میری
ذکرِ اولادِ پیمبرؐ ہے عبادت میری   اس سے ہوجائے گی محشر میں شفاعت میری
جوش زن بحرِ طبیعت کی روانی دیکھیں
آکے سعدیِ زماں زمزمہ خوانی دیکھیں

مدح خوانِ پسرِ حیدرِ صفدر ہوں میں   باغِ الطافِ حسینی کا گلِ تر ہوں میں
کشتیِ مدحتِ شبیرؑ کا لنگر ہوں میں   اوج میں عقدِ ثریا سے بھی بڑھ کر ہوں میں
نہ تو قیصر ہوں نہ دارا نہ سکندر ہوں میں
مدح خوانِ پسرِ خواجۂ قنبر ہوں میں

میری قسمت کا ستارا جو ہوا تابندہ   مدحِ سردارِ دو عالم سے ہوا رخشندہ
لطفِ شہ سے شعراء میں ہوا زندہ زندہ   تاج مدحت کا مرے فرق کو ہے زیبندہ
باغ بلبل کو، گلِ تر کو ہوا کافی ہے
مجھ کو مدحِ پسرِ شیرِ خدا کافی ہے

بحرِ تصنیف کی کشتی جو ہوئی طوفانی   آبِ دریائے فصاحت کو ملی طغیانی
دُرِّ یکتائے سخن اور ہوئے نورانی   میرے لفظوں سے ہوئی اور بھی ضوافشانی
شانہ کش گیسوئے لیلائے سخن کا ہوں میں
نکتہ رس، رہبرِ صحرائے سخن کا ہوں میں

خضرِ موسائے فصاحت سرِ ساحل ہوں میں　　عہدِ طفلی سے اسی خیر پہ مائل ہوں میں
حاسدوں سے نہ کسی داد کا سائل ہوں میں　　تیغِ سرکوب پئے سرکش و جاہل ہوں میں
پائے خورشید کو لغزش ہوئی پائے سے مرے
سو سعادت کے ہما بن گئے سائے سے مرے

مانتے ہیں ہمہ داں سب ہمہ دانی میری　　دل میں سب جانتے ہیں جان فشانی میری
زورِ دریا ہے طبیعت کی روانی میری　　چرب رہتی ہے سدا چرب زبانی میری
سامنے اس کے بھلا شمع کہاں جلتی ہے
رشک کی آگ سے شعلے کی زباں جلتی ہے

مہر ساں روشنِ طبع ہے روشن میری　　اہلِ فن جانتے ہیں سب روشِ فن میری
سیکھتی ہے تو زباں بلبلِ گلشن میری　　تر زباں مدح طرازی میں ہے سوسن میری
میرے خامے کی روش کبک دری نے سیکھی
چال برسوں میں نسیمِ سحری نے سیکھی

ہے جدا طرزِ ثنا خوانیِ سرور میری　　گفتگو طوطیِ سدرہ سے ہے ہمسر میری
ملتی ہے بات حدیثوں سے سراسر میری　　اور تطبیق ہے قرآں کے برابر میری
میری تقریر کو خوش ہو کے نبیؐ سنتے ہیں
آ کے مجلس میں بصد شوق علیؑ سنتے ہیں

یا امامِ دوسرا مدح سرا آپ کا ہوں　　ہوں جو محتاج تو یا شاہِ ہدیٰ آپ کا ہوں
اور غنی بھی ہوں تو پھر ذلّہ ربا آپ کا ہوں　　خیر جو کچھ ہوں بھلا ہوں کہ برا آپ کا ہوں
ابرِ رحمت نظرِ لطف جو ہو جائے گی
دفعتاً شومیِ اعمال کو دھو جائے گی

کر نہیں سکتی ہے کچھ گردشِ ایام مرا　　اک نیا نقش جما جاتا ہے ہر گام مرا
بگڑے سارا بھی زمانا تو بنے کام مرا　　مر کے بھی زندہ رکھے مجھ کو سدا نام مرا
آپ کی مہر سے نقشہ یہ جما عالم پر
مہر ساں نقش ہوا نام مرا عالم پر

آپ کی مہر نے چمکا دیا مہرِ اقبال　　ورنہ میں گھٹ گیا تھا خلق میں مانندِ ہلال
آپ کے پرتوِ الطاف نے بخشا ہے کمال　　بدر کی قدر کو پہنچا ہے جو ذرّے کا جمال
کیوں زوال اُس کو ہو یکسو ہو محبت جس کو
لب وہ نیّر ہوں جہاں میں نہیں رجعت جس کو

مہرِ اغیار کی اس دل میں نہیں گنجائش　　ماہ کو کاہ بناتی ہے یہ وہ ہے کاہش
چاند لگ جاتے ہیں کیا ایسی جو کیجے خواہش　　داغ تمغوں کو سمجھتا ہوں کجا آرائش
چاند تمغہ ہو تو ہے ماند نگاہوں میں مری
داغِ غم آپ کا ہے چاند نگاہوں مری

جب ستاتی ہے مجھے عسرت و دل تنگی و یاس　　مرثیہ آپ کا لکھتا ہوں شہِ عرش اساس
دفترِ مدح جو کھل جاتا ہے بندھ جاتی ہے آس　　فکر و تشویش پھٹکنے نہیں پاتے پھر پاس
ہے ہر اک قسم کے مضمون سے سینہ مملو
زر و یاقوت سے ہے میرا خزینہ مملو

ہاں قلم گریہ کناں ہو کہ ہے ذکرِ شبیرؑ　　گھر گئے فوج میں اعدا کی امامِ دلگیر
بھوک میں پیاس میں مضطر ہیں شہِ عرش سریر　　اس پہ بھی چین سے سونے نہیں دیتے ہیں شریر
پیاس کے صدمے سے نالہ ہے کبھی زاری ہے
متصل تین شب و روز سے بیزاری ہے

گرچہ مصروفِ عبادت ہیں امامِ ابرار　　نالے ہوجاتے ہیں بن جن کے سناں قلب کے پار
خون کا جوش کہاں جائے کریں صبر ہزار　　آہیں کرتے ہیں جگر تھامے ہوئے سو سو بار
جوش کھاتا ہے جو ہر مرتبہ گرم آہوں سے
آنسو بن کر نکل آتا ہے لہو آنکھوں سے

ہائے کیسی شبِ عاشور بھی شب تھی غم کی　　خلق میں وجہ ہوئی تیرگی عالم کی
ہوئی موجد یہی روز سیہ ماتم کی　　اس میں ملحق ہے سیاہی کسی چشمِ نم کی
یہی دشمن ہوئی زہراؑ کے مہِ کامل کی
رنگ سے اس کے ٹپکتی ہے سیاہی دل کی

شبِ عاشور تھی یا روزِ سیاہِ زہراؑ　　کلفِ ظلمتِ شب اور تھا ماہِ زہراؑ
تیرگی اس کی تھی اور نورِ نگاہِ زہراؑ　　حشر تک اب ہے یہ شب اور ہے آہِ زہراؑ

غمِ شبیرؑ میں روتی ہیں تو چین آتا ہے
آپ آتی ہیں جہاں ذکرِ حسینؑ آتا ہے

فوجِ اعدا میں خوشی تھی کہ ہے کل جنگِ امام　　اسلحے صاف کیے جاتے تھے لشکر میں تمام
اور تھا خیمہ سرور میں غضب کا کہرام　　رنج و اندوہ و مصیبت غم و درد و آلام

پیاس کے صدموں سے بچوں کے لبوں پر جاں تھی
بچوں کے درد سے ماں بہنیں تھیں اور افغاں تھی

اک طرف فکر میں بیٹھے ہوئے تھے کچھ احباب　　ایک سو خویش و برادر تھے مشوش بیتاب
بے قراری تھی جوانوں کو بسانِ سیماب　　چاند سے چہروں پہ بچوں کے چھٹی تھی مہتاب

دل بجھے جاتے تھے جل جل کے شراروں کی طرح
شعلے ہر سینے میں اٹھتے تھے چناروں کی طرح

پر زہے ضبط و زہے صبرِ جنابِ شبیرؑ　　یادِ حق میں عوضِ آہ تھی ہر دم تکبیر
کبھی تسبیح کبھی ذکرِ خداوندِ قدیر　　خوف والحاح سے گاہے تھی یہ لب پہ تقریر

گرچہ تھوڑے ہیں ترے شکر کے کرنے والے
ہیں گرامی وہ جو ہیں دم ترا بھرنے والے

یا الٰہی مجھے دے صبر و تحمل کامل　　امتحاں میں میرے آسانی سے حل ہو مشکل
ہو طبیعت مری وعدے کی وفا پر مائل　　جان پر لاکھ بلا آئے پہ قابو میں ہو دل

سختیاں سنگ دلوں کی ہے فولاد ہو دل
کوہِ غم ٹوٹ پڑے سر پہ مگر شاد ہو دل

ہوں ترا دست نگر دار جو ہوں بازو پر　　چست الفت میں رہے غم سے اگر ٹوٹے کمر
دل تری سمت ہو ٹکڑے ہو اگر لختِ جگر　　ہو نظر تیرے کرم پر جو چھپے نورِ نظر

چشمِ دل روشنیِ صبر سے معمور رہے
ہر گھڑی جلوہ ترا آنکھوں میں ترا نور رہے

ہو سکے صبر اگر دولتِ خواہر چھٹ جائے　　کر سکوں ضبط جو اولادِ برادر چھٹ جائے
شکر سے شاد ہوں ناشاد جو اکبرؑ چھٹ جائے　　دل پہ قابو ہو جو عباسِؑ دلاور چھٹ جائے
پیاسی جاں اصغرِؑ بے شیر کی جائے یا رب
پر مرے صبر میں فرق آنے نہ پائے یا رب

گر کٹیں خویش و برادر کے گلے شاد ہوں میں　　خنجر کیں مری گردن پہ چلے شاد ہوں میں
قید ہوں اہلِ حرم خیمہ جلے شاد ہوں میں　　ہر طرح گنبدِ گردوں کے تلے شاد ہوں میں
دُر سکینہؑ کے چھنیں دربدری ہو جائے
پر یہ بندہ ترا ذلّے سے بری ہو جائے

جو پسند آ گیا تجھ کو وہی مجھ کو مرغوب　　تو ہے جس امر کا طالب وہی میرا مطلوب
چاہے جس چیز کو تو مجھ کو وہ دل سے محبوب　　جس کو چاہے کہے تو وہ مرے نزدیک ہے خوب
جو رضا تیری وہ ہے خضرِ نجاتِ شبیرؑ
تلخیِ زہرِ قضا آبِ حیاتِ شبیرؑ

صبر میرا ہے امت ہو اماں ربِ جلیل　　میری ہر آہ کرے بادِ جناں کی تعمیل
نارِ دوزخ کو ہر آنسو کرے گلزارِ خلیل　　ہو مری خشک لبی چشمۂ کوثر کی سبیل
عروۃ الوثقیٰ اسیروں کی رسن بن جائے
پیاس بے شیر کی واں نہرِ لبن بن جائے

سببِ آبرو ہو ان کے لیے یہ آنسو　　قطع امید نہ ہو ان کی یہ کٹ جائے گلو
حشر میں سرخرو ہوں یہ مرا بہہ جائے لہو　　سب یہ پھولیں پھلیں پر ثمر ہوں میرے گرو
یہ مثمر ہوں مرا نخلِ تمنا چھٹ جائے
پھل ملیں ان کو مرا باغِ ریاضت کٹ جائے

شاہ مصروفِ دعا تھے کہ ہوا وقتِ سحر　　خود تمیم کو اٹھے حکم اذاں کا دے کر
علی اکبرؑ کی اذاں میں تھا خدا داد اثر　　ہمہ تن دستِ دعا بن گئے تھے برگِ شجر
نالے مرغانِ چمن کے تھے کہ دل پھکتے تھے
شوق میں سجدۂ خالق کے شجر جھکتے تھے

بیٹھا عالم پہ ضیائے سحری کا جو عمل   بجھ گئی چرخ پہ واں نورِ قمر کی مشعل
چشمِ نرگس سے دُھلا ظلمتِ شب کا کاجل   بن گیا دشت میں ہر ایک شجر نور محل
ہر زرِ گل سے عیاں زہرہ و ناہید کی ضو
اور پیدا گلِ خورشید سے خورشید کی ضو

ہر طرف دشت میں پھیلا ہوا تھا نور پہ نور   تھے عقیقِ یمنی کی طرح تاباں انگور
ضو تھی شبنم کی وہ پتوں پہ کہ شرمندہ بلور   آئینہ جان کے بچکاریاں کرتے تھے طیور
یوں ضیا چاندنی کے پھول کی پھیلی ہوئی تھی
چاندنی کی بھی صفائی وہاں میلی ہوئی تھی

تختۂ لالہ پہ بادِ سحری آتی تھی   ناز سے تخت پہ یا کوئی پری آتی تھی
نرگستان میں جو با جلوہ گری آتی تھی   دیکھنے سے اسے آنکھوں میں تری آتی تھی
اس کی الفت میں نہ کیوں داغِ جگر سوزاں ہو
دیکھ لے اس کو تو پھر آنکھ نہ کیوں حیراں ہو

لب ہیں غنچوں کے چٹکتے ہوئے اس کے دم سے   گل یہ گلشن میں مہکتے ہوئے ہو اس کے دم سے
پتوں کے رنگ دمکتے ہوئے اس کے دم سے   طائرِ باغ چہکتے ہوئے اس کے دم سے
فیض اسی کا ہے جو سرسبز ہے سارا عالم
حُسن اسی کا ہے جو عالم پہ ہے پیارا عالم

سبزۂ دشت جو سرسبزیاں دکھلاتا ہے   سبزہ رویوں کا نظارا کسے پھر بھاتا ہے
لہلہاتا وہ ہوا سے جو نظر آتا ہے   تہ و بالا دلِ بیتاب ہوا جاتا ہے
جاں فزائی وہ کہ دہشت نہیں سم کھانے کو
سم میں تاثیر نہیں رہتی قسم کھانے کو

کبکِ دو تاج کی زینیں، کہیں آوازِ خروش   نغمہ انگیز کہیں بربط و قاز و طاؤس
دور سے ہوتی تھیں باجوں کی صدائیں محسوس   جان سے دل سے، طبیعت سے، جو سب کو مانوس
غنچے خوش دل ہیں کہیں، گل ہمہ تن گوش کہیں
جھومتے ہیں شجر اس لطف سے مدہوش کہیں

وہ ہوا اور وہ لپٹ پھولوں کی بھینی بھینی گلِ خودرو کی نئے رنگ کی وہ رنگینی
آئینہ رو یہاں جو دبھولتے ہیں خودبینی نکتہ چیں آ کے یہاں کرنے لگیں گل چینی
گم ہوں صناع جو یہ قدرتِ باری دیکھیں
پھر بہار آئے جو یہ فیضِ بہاری دیکھیں

نہر کے پانی پہ ہے نقرۂ خالص کی دمک ورد و الماس کی ہر قطرۂ شبنم پہ جھلک
مست کرتی ہے دماغوں کو وہ پھولوں کی مہک ٹوٹی جاتی ہے نظر دیکھ کے سبزے کی لہک
پیچ سنبل کے کچھ ایسے ہیں کہ دل پھنستے ہیں
متبسم کہیں غنچے کہیں گل ہنستے ہیں

ہیں جدا سب سے شبستانِ چمن کے انداز غنچے لب بستہ اگر ہیں تو دہن کے انداز
جو چٹک جائیں تو بالکل ہیں سخن کے انداز اور جو گل ہوں تو رخِ سیم بدن کے انداز
ان کی ہر وضع میں ہر رنگ میں ہے رنگ نیا
ان کے انداز نئے طرز نئی ڈھنگ نیا

کون خوش چشم رُکا ہے نگہہِ نرگس میں خوبیاں دی ہیں کچھ اللہ نے ایسی اس میں
دیکھی کس آنکھ نے یہ بات کہاں اور کس میں جسم ہو پھول کا نور آنکھ کا پیدا جس میں
دیدۂ خلق کی گر نورِ نظر ہے تو یہی
جو نہ جھپکی کبھی وہ آنکھ اگر ہے تو یہی

تھا عیاں صبح کا کچھ فیضِ عمیم ایک طرف باغ میں پھول کھلاتی تھی نسیم ایک طرف
دل لبھا لیتی تھی پھولوں کی شمیم ایک طرف دل کی خوشنودی سے تھا لطفِ عظیم ایک طرف
اک طرف نغمہ طوطی سے مزہ مل جائے
اک طرف نالۂ بلبل ہو کہ دل ہل جائے

ایک جانب تھے نمازوں میں نمازی مشغول جن میں ایک ایک تھا درگاہِ خدا کا مقبول
کوئی دلدارِ حسنؑ کوئی جگرِ بند بتولؑ تھا امام اُن کا وہ جو جانِ علیؑ، روحِ رسولؐ
نام لے لینا سعادت ہے یہ وہ بندے ہیں
تذکرہ جن کا عبادت ہے یہ وہ بندے ہیں

نامی ہیں آلِ رسولِ عربی میں یہ وہ ہیں جاں لڑا دیں جو مبارز طلبی میں یہ وہ ہیں
مست رہیں الفتِ فرزندِ نبی میں یہ وہ ہیں تر زباں شکر کے ہیں تشنہ لبی میں یہ وہ ہیں
بھوک میں صبر و تحمل رہا شیوا اِن کا
پیروِ مرضیِ خالق تھا ارادہ اِن کا

رات دن ذکرِ امام ان کی رہا ہے تسبیح شہ کا دم بھرتا ہے جو اس کی یہی ہے تصریح
بھوک کو دل سے سمجھتے ہیں یہ دل کی تنقیح پیاس میں شربتِ دیدار ہے ان کی تفریح
یہ جو بھوکے ہیں تو زخمِ تبر و تیر کے ہیں
اور جو پیاسے ہیں تو آبِ دمِ شمشیر کے ہیں

خوف و الحاح جب پڑھ چکے جانباز نماز یوں دعا کرنے لگے رو کے بصد عجز و نیاز
تجھ سے خواہانِ اعانت ہیں ہم اے بندہ نواز تو مدد کر کہ ہوں قربانِ شہنشاہِ حجاز
شوق سے خوں میں نہائیں جو مدد ہو تیری
سرخرو خلد میں جائیں جو مدد ہو تیری

کر دیں سرور پہ تصدق دل و جان و سر کو جا کے جنت میں بسیں رن میں لٹا کر گھر کو
دیکھ کر حوروں کو پی پی کے مئے کوثر کو بخشیں تسکین لبِ خشک کو چشمِ تر کو
جا کے اس دھوپ سے ہم سایۂ طوبیٰ میں رہیں
گلشنِ خلد میں ہمسایۂ مولا میں رہیں

سایۂ مرحمت و لطفِ پیمبرؐ ہو نصیب دامنِ عاطفت و شفقتِ حیدرؑ ہو نصیب
نظرِ مکرمت و رفعتِ شبرؑ ہو نصیب کرم و موہبت و مہر سراسر ہو نصیب
آئیے آئیے حوروں کی صدائیں آئیں
لینے کو حضرتِ زہراؑ کی دعائیں آئیں

جب نماز اور دعا سے ہوئے فارغ دیں دار بہ ادب چوم لیے دستِ امامِ ابرار
وہاں باجوں کو بجانے لگے بڑھ کر غدار غازیوں نے کمروں سے یہاں باندھے ہتھیار
اس طرف بہرِ مبارز طلبی تیر چلے
اس طرف رخصتِ ہمشیر کو شبیرؑ چلے

دی صدا ڈیوڑھی سے فضہ نے کہ آتے ہیں امام   بہرِ تعظیم اٹھے اہلِ حرم سن کے تمام
رعشے میں حضرتِ زینب کا تھا سارا اندام   نظروں میں پھرتا تھا آغاز میں شہ کا انجام
دل میں سو طرح کے وسواس چلے آتے تھے
اشک بہتے تھے قدم ضعف سے تھرّاتے تھے

آئے شبیرؑ تو دیکھا کہ بہن ہے گریاں   بڑھ کے فرمایا کہ اے فاطمہؑ زہرا کے نشاں
تم کو اس حال میں دیکھا تو تڑپنے لگی جاں   قلب مضطر ہوا یاد آ گئیں خاتونِ جناں
گذری اُن پر بھی یوں ہی رنج والم سہہ کر
اُٹھ گئیں وہ بھی یوں ہی ظلم و ستم سہہ کر

جب ہوئی خلق سے سلطانِ رسل کی رحلت   حضرتِ فاطمہؑ پر یہ ہوئی طاری رقت
کہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے کبھی ایسی حالت   غمِ روزانہ سے گھٹنے لگی تن کی طاقت
چھیڑ غم کی دلِ مضطر میں سدا جاری تھی
رات دن ہجر میں نالے تھے کبھی زاری تھی

تم تو خود جانتی ہو جو ہوئی اُن کو تکلیف   ایک تو صدمۂ رقت نے کیا تھا ہی ضعیف
اُس پہ اعدا کے ستم اور ہوئیں زار و نحیف   آئے دن ضعف ہی بڑھتا گیا کیسی تخفیف
اس قدر گھیر لیا رنج و الم نے اُن کو
کہ اُسی سال میں پورا کیا غم نے اُن کو

ان بلاؤں پہ بھی اللہ رے صبرِ زہراؑ   اشکوں کو پونچھ لیا ہم کو جو روتے دیکھا
لاکھ دلجوئیوں کے ساتھ انھیں بہلایا   ایسا خوش خود کو بتایا کہ نہ تھا غم گویا
ڈھنگ بھولے نہیں الفت سے وہ سمجھانے کے
وہ سخن آج بھی یاد آتے ہیں بہلانے کے

دل تڑپ جاتا ہے پچھلی سا وہ یاد آتی ہیں جب   ناز جو کرتے تھے وہ خاک میں اب مل گئے سب
پوچھنے والا ہمارا ہے جہاں میں کون اب   ہم ہیں اور درد ہیں خاموشی ہے اور رنج و تعب
یاس و حرمان و غم و قہر و الم باقی ہیں
صدمے سہنے کو فقط خلق میں ہم باقی ہیں

اُن پہ جو گذری، گزرتی ہے وہی اب ہم پر سانس اک آرہ ہے، جو چلتا ہے ہردم یکسر
دل کٹا جاتا ہے ٹکڑے ہوئے جاتا ہے جگر زخم کی طرح سے روتے ہیں لہو دیدۂ تر
ایک دل کھول کے رونے ہی کہاں پاتے ہیں
بچوں کو دیکھ کے منہ پونچھ کے رہ جاتے ہیں
اپنا غم بھول گئے جبکہ انھیں دیکھ لیا لب تک آیا بھی جو نالہ تو وہیں ضبط کیا
جل گیا سینہ پر آہوں کو نکلنے نہ دیا آنسو کیا پی لیے اک زہر کا سا گھونٹ پیا
جبر سے قہر سے ہم خود کسی صورت سے ہنسے
اُن کو خوش کرنے کو روتی ہوئی صورت سے ہنسے
لیکن ان روزوں غم و رنج و الم ہیں کچھ اور اور ہی وقت ہے کچھ اور ہی دن اور ہی دور
بن گئی جانوں پہ گروہ ہے زمانہ بے طور چار جانب ستم و ظلم و جفا ہے اور جور
بھوک سے ہے کسی دل خستہ کی جاں ہونٹوں پر
پیاس میں پھیرتا ہے کوئی زباں ہونٹوں پر
حیف ہے جن کو بصد ناز و نعم پالا ہے اُن پہ یہ ظلم ہے یہ قہر ہے اور صدمہ ہے
یاس سے تکتا ہے ماں باپ کو جو بچہ ہے جن کی صورت پہ یتیمی کا گماں ہوتا ہے
کئی دن سے انھیں فاقے میں کھلا سکتے نہیں
ان کو اس پیاس میں پانی بھی پلا سکتے نہیں
ان کا یہ حال ہو پھر ہم کو کہاں لطفِ حیات مرگ ہے زیست جو .... ہے ممات
ظلمتِ قبر نظر آتی ہے غم کی ہر رات دن قیامت کا ہے دن کو یہ مچی ہے حشرات
قہر ہے قہر سوال آہ جو اطفال کا ہے
ان کی باتوں میں مزہ پرسشِ اعمال کا ہے
کیسا مرجھایا ہے اصغر کا تو چہرہ دیکھو پھول سا جسم ہوا سوکھ کے کانٹا دیکھو
جھولے میں دیکھتا ہے یاس سے کیسا دیکھو کھولے دیتا ہے دہن پیاس سے بچا دیکھو
ان کو یوں دیکھنا دشوار بڑا ہے ہم پر
حیف صد حیف کہ کیا وقت پڑا ہے ہم پر

پھر یہ پوچھا کہ سکینہ مری پیاری ہے کہاں　　کہا زینبؑ نے کہ کیا عرض ہو اے بھائی جاں
آپ کی یاد میں تا صبح رہی ہے گریاں　　منہ لپیٹے ہوئے روتی ہوئی سوتی ہے وہاں
کہتی تھی اب نہ کسی طرح نہ منہ کھولوں گی
آئیں بابا بھی منانے تو نہ اب بولوں گی

شاہ نے جا کے جو دامن کو اٹھا کر دیکھا　　بند آنکھوں کو کئے روتی ہے وہ ماہ لقا
پیار کر کے کہا کیوں روتی ہو اٹھو بیٹا　　کھول دو آنکھوں کو کون آیا ہے دیکھو تو زرا
رو کے چلائی کہ ہم کو نہ ستاؤ بابا
ہم تو روٹھے ہوئے ہیں آپ سے جاؤ بابا

گود میں لے لیا شبیرؑ نے اس پیاری کو　　چوم کر منہ کو کہا غصہ ہے کیوں بی بی کو
کچھ کہو منہ سے کہ صدمہ ہے ہمارے جی کو　　بات بابا سے کرو تھام لو اب زاری کو
اپنے ماں باپ سے یوں بچے نہیں روٹھتے ہیں
پیار کرتے ہیں جسے اس سے کہیں روٹھتے ہیں

تم کو اس سر کی قسم ہے کہ جو ہے فدیہ رب　　اس گلے کی تمہیں سوگند جو ہے تیغ طلب
واسطہ سینے کا جو داغوں سے چھلنی ہے سب　　جس پہ اک عمر سے تم سوتی رہی ہو ہر شب
بولی گھبرا کے میں ان باتوں کو کم سمجھی ہوں
پر میں قرباں سر و سینے کی قسم سمجھی ہوں

وہ ہم آتے ہیں مجھے دیجے نہ قسمیں بابا　　میں تصدق ہوں سلامت رہیں شاہ والا
من گئی میں نہ اب افسردہ رہو بہر خدا　　اب نہ ہے پیاس کا شکوہ نہ جدائی کا گلا
چین آرام نہیں چاہیے اب کچھ مجھ کو
آ گئے آپ تو بس مل گیا سب کچھ مجھ کو

ہاں مگر آپ سے باہر ہوئی یہ دیکھ کے پیار　　کہ جو بات اصل تھی بھولی اسے یہ دختر زار
پہلے اس بات کا کر لیجیے جلدی اقرار　　کہ کبھی بے خبر ایسے نہ رہیں گے زنہار
جلدی اس بات سے تسکینِ دلِ زار کرو
پہلے اقرار کرو ہونٹوں سے پھر پیار کرو

کہا سرور نے کہ سو جان سے ہم کو منظور　　زندگی ہے تو کریں گے نہ کسی طرح قصور
عمر تک خدمتِ آقائے دو عالم ہے ضرور　　رن سے گر آئے سلامت تو نہ ہوں گے پھر دور
ابھی آ جاتے ہیں میداں سے اگر باقی ہیں
ابھی کٹ جانے میں بس تین پہر باقی ہیں

ان کلاموں سے سکینہؑ کو ہوئی کچھ تسکیں　　مگر اک آہ کی اور گر گئی زینبؑ غمگیں
ہو گئے اہلِ حرم مضطر و بیتاب و حزیں　　کہ خبر دیتا تھا کچھ اور کلامِ شہِ دیں
دل میں کچھ سوچ کر ایک، ایک کا منہ تکتا تھا
اور حیرت سے سکینہؑ کو تو اک سکتا تھا

کہا گھبرا کے پھوپھی اماں کو بے بے ہوا کیا　　اچھی بیٹھی تھیں یہ کیوں گر گئیں دیکھو تو ذرا
بیٹھے بٹھلائے ہوا کون سا صدمہ ایسا　　ہچکیاں لیتی ہیں کیوں کیا ہوا ان کو بابا
دل کو تکلیف کچھ ایسی ہے کہ تھراتی ہیں
سانس لیتی ہیں تو مچھلی سی تڑپ جاتی ہیں

شہ نے فرمایا کہ تم پوچھ لو خود بڑھ کے مزاج　　زلفِ مشکیں کو سنگھا دو کہ یہ ہے ان کا علاج
بعدِ زہراؑ ہیں یہی آلِ نبی کی سرتاج　　یہ نہیں گر تو ہے پھر عترتِ احمدؐ تاراج
کون بیکس کا یہاں پوچھنے والا پھر ہے
سرپرست ان کے سوا کون تمہارا پھر ہے

اٹھ کے گودی سے سکینہؑ گئی زینبؑ کے قریں　　اور کہنے لگی یوں سینے سے مَل مَل کے جبیں
پھوپھی اماں تمہیں کیا ہوتا ہے بولو بھی کہیں　　چیخ کر روؤں گی میں صبر کی اب تاب نہیں
صدمہ گر پیاس کا ہے لائیں گے بابا پانی
آپ کے صدقے میں ہم کو بھی ملے گا پانی

یہ کہا اور لگی رونے وہ تفتیدہ جگر　　سخنِ یاس کو سُن سُن کے ہر اک تھا مضطر
چونک کر زینبؑ ناشاد اٹھیں گھبرا کر　　گود میں لے کر سکینہؑ کو کہا اے دلبر
اضطرابی کی جگہ ہے نہ بکا کرنے کی
سخت جاں ہے یہ پھپھی تیری نہیں مرنے کی

آئے اتنے میں علی اکبرؑ مہرو گھر میں　　عرض کی خدمت پُر موہبتِ سرور میں
اس طرف جنگ کی تیاریاں ہیں لشکر میں　　قتلِ سادات کا اک شور ہے اہلِ شر میں
ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں
بے ادب کھینچ کے تلواریں بڑھے آتے ہیں

سن کے سرور نے کہا چلتے ہیں اچھا بیٹا　　اور پھر جنگ کا سامان طلب فرمایا
یاس سے دیکھا بزرگوں کا تبرک کیا کیا　　آ گئی یاد تو گریاں ہوئے شاہِ والا
الغرض خیمے میں بلوایا جگر پاروں کو
سپر و تیغ و علم بٹ گئے جراروں کو

سب سے رخصت ہوئے شبیرؑ ہوا حشر بپا　　وامصیبت کوئی کہتا تھا کوئی واویلا
کہیں ماتم کا تلاطم کہیں طوفانِ بکا　　وا اخا کا تھا کہیں شور کہیں واابتا
دے کے تسکین اُدھر شاہ پھرے جاتے تھے
اس طرف اہلِ حرم غش میں گرے جاتے تھے

پردہ ڈیوڑھی کا اٹھا جلوہ نما شاہ ہوئے　　جاں نثار آ کے نثارِ شہِ ذی جاہ ہوئے
گرد شبیرؑ کے سب جمع ہوا خواہ ہوئے　　دور میں مہر کے تابندہ کئی ماہ ہوئے
یہ دُر افشاں ہوئے ذرّے یہ ستارے چمکے
روزِ روشن میں گماں ہوتا تھا تارے چمکے

حکمِ والا ہوا حاضر ہوئے تازی رہوار　　ذوالجناح آیا پری بن کے مقابل یکبار
بڑھ گیا حُسن حسینؑ آ کے ہوئے جب اسوار　　پر نہ تھے پر یہ تھا اُڑنے کو فلک پر تیار
دونوں جانب کو وہ دامانِ عبا لٹکے تھے
یا کہ اڑ چلنے کو طاؤس نے پر جھٹکے تھے

ہوئے خویش و رفقا بڑھ کے سوار یک راں　　آگے عباسؑ بڑھے کھول کے لشکر کا نشاں
تھے تہِ سایۂ دامانِ علم شاہِ زماں　　اس طرف قاسمؑ اُدھر کو علی اکبرؑ تھے رواں
نیزے تھے زینبؑ ناشاد کے مہرو تھامے
چلتے تھے حضرتِ عباسؑ کا بازو تھامے

جا کے اعداء سے کہا میں ہوں حسینؑ ابن علیؑ میرے رتبے صفتِ مہرِ درخشاں ہیں جلی
میرا نانا ہے نبیؐ باپ علیؑ حق کا ولی فاطمہؑ ماں ہے حسنؑ بھائی امامِ ازلی
ہم وہ ہیں جن کے لیے آیتِ تطہیر اُتری
ہم وہ ہیں جن کے لیے چرخ سے شمشیر اُتری

کب ہے ابنِ اسد اللہ غذا کا محتاج فاقوں میں زورِ علیؑ ہے کہ وغا کرتا ہے آج
شیر آ جائے مقابل تو ہو روباہ مزاج سینۂ رستمِ دستاں کو بنائے آماج
غیظ میں گر دمِ پیکار حسینؑ آ جائے
تو نظر غزوۂ صفین و حنین آ جائے

ہے یہی باعثِ تاخیر کہ حجت ہو تمام ہے نہ امید ریاست نہ مجھے خواہشِ نام
کام خالق سے جسے ہوئے کیا نام سے کام کام کا نام کا دیکھو تو بھلا کیا انجام
دے دیا روزِ ازل خون برابر میں نے
بیچا ہے بخششِ امت کے لیے سر میں نے

اک نہ اک دن تو رہِ حق میں کٹے گا یہ سر تیغِ کفار چلے مجھ پہ یہ حسرت ہے مگر
تم کرو قتل مجھے حیف مسلماں ہو کر ہوں اسی فکر سے بیتاب اسی سے مضطر
جن سے امیدِ مدد ہوں وہ مقابل میرے
کلمہ گو خود مرے نانا کے ہوں قاتل میرے

گر کھٹکتی ہے نگاہوں میں مری بود و نمود تو عبث کرتے ہو راہیں مری خاطر مسدود
ہیں جہاں میں ابھی کفار ہزاروں موجود لڑ کے مر جاؤں گا ان سے' یہ ہے کوشش بے سود
جب عرب میں مرا رہنا تمھیں منظور نہیں
تو پھر اس حد سے نکل جانا کوئی دور نہیں

حیف ان باتوں کو سن کر بھی ہوا کچھ نہ اثر شرم کے بدلے شرارت پہ تلے بانیِ شر
بولے تو لے ہو کے تلواروں کو یوں بڑھ بڑھ کر ہم نصیحت کو سمجھتے نہیں جز تیغ و تبر
نیک و بد خوب سمجھ لیتا ہے انساں اپنا
حکمِ حاکم پہ عمل کرنا ہے ایماں اپنا

دے دیا حکمِ وغا شاہ نے سن کر یہ جواب   جب چلی تیغ تو ظاہر ہوا شیروں کا عتاب
کرتا تھا زورِ ضعیفوں کا عیاں رنگِ شباب   خونِ زخموں کا ہوا ریش پہ ہم رنگِ خضاب
مہر بھی دیکھ کے تیغوں کی چمک کانپ اٹھا
جو جواں جا کے لڑا پیرِ فلک کانپ اٹھا

یاں سے بچہ بھی بڑھا گر تو جواں بن کے بڑھا   نیزہ ایک ایک کا شعلے کی زباں بن کے بڑھا
خنگ یکراں جو بڑھا شیرِ ژیاں بن کے بڑھا   گھٹ کے بگڑی صفِ اعدا یہ جہاں بن کے بڑھا
پس گیا ٹوٹ کے ہر کاسۂ سر ٹاپوں سے
خاک میں مل گیا ہر بانیِ شر ٹاپوں سے

جو گیا یاں سے تو بس جان لڑا دی اُس نے   آنکھوں کو شکلِ شجاعت کی دکھا دی اُس نے
بتِ پندار کی صورت ہی مٹا دی اُس نے   خود فراموشوں کو غیرت ہی بھلا دی اُس نے
لاکھوں سے ایک کے بعد ایک یہ جا جا کے لڑے
ظہر تک کھیت میں ستر شہدا جا کے لڑے

جب شہ دیں کا کوئی حامی و یاور نہ رہا   غیر سجادؑ کے فرزند و برادر نہ رہا
رہ گئے یکہ و تنہا علی اصغرؑ نہ رہا   مضطرب ہو گئے قابو کوئی دل پر نہ رہا
رو کے فرمایا کہ پیاروں ہمیں تنہا چھوڑا
تم نے غربت میں یہاں ساتھ ہمارا چھوڑا

حیف میرے لیے تم لوگوں سے کیا کیا چھوٹا   خویش و فرزند و برادر چھٹے کنبہ چھوٹا
گھر وطن، ملک چھٹا، لطف جہاں کا چھوٹا   اور آخر کو یہاں ساتھ بھی میرا چھوٹا
مجھ کو ایک اک کا جدا رنج و الم ہوتا ہے
جاں تڑپتی ہے جگر جلتا ہے دل روتا ہے

مگر افسوس کہ رونا نہ ملا جی بھر کے   ہائے ارمان بھی نکلے نہ دلِ مضطر کے
سامنے آ کے لگے کہنے پرے لشکر کے   ساتھ دو ساتھیوں کا آپ بھی رحلت کر کے
چشم پوشی ہے بزرگوں کی طبیعت کے خلاف
مرنے میں دیر بھی کرنا ہے مروّت کے خلاف

کہا شبیرؑ نے ہاں سچ ہے یہی ہونا ہے خاک اور خوں میں اسی طرح سے اب سونا ہے
یہ گئے پہلے اسی بات کا تو رونا ہے خون سے داغِ خجالت کو ابھی دھونا ہے
اپنی جرأت بھی، حمیت بھی دکھا دیتا ہوں
مٹتا ہوں اور ہزاروں کو مٹا دیتا ہوں

الغرض شاہ نے شمشیرِ سر افشاں کھینچی کششِ تیغ سے اعدا کی وہیں جاں کھینچی
سامنے جس کے یہ تصویرِ قضا واں کھینچی آہ ہٹ کر عوضِ خنجرِ براں کھینچی
ان کے دل میں اتر آئی کبھی ہیبت بن کر
تھی مقابل کبھی آئینۂ حیرت بن کر

ہوئی آنکھوں میں چکا چوند جو چمکی تلوار صفتِ برق نگاہوں میں ہوئی آتش بار
باڑھ کی تیزی تھی ایسی کہ بوقتِ پیکار تار تار اُس کی برش سے ہو نظر کا ہر تار
آ کے ٹکرائیں نگاہیں تو شرارے جھڑ جائیں
آنکھ میں عکس پڑے جا کے تو ڈورے پڑ جائیں

جو دل آزار بڑھا جان سے بیزار کیا اور کنارا کیا جس ناری نے فی النار کیا
منہ پر آیا پئے پیکار تو بیکار کیا بارِ سر سے اسے یک بار سبکبار کیا
کچلا سر چوٹ سے موذی جو نکل جانے لگا
مارا اس کو صفتِ مار جو بل کھانے لگا

کشمکش میں وہی آ کر پڑے جو سرکش تھے بجھ گئے ان کے بھی دل جن کے مزاج آتش تھے
بن گئے زال جو رستم تھے سیاوش وش تھے کر گئے غش وہ جو مردانگیوں پر غش تھے
تھے جو ذی ہوش نہ شکل اُن کو دکھانے کی رہی
بات یوں بگڑی کہ ہرگز نہ بنانے کی رہی

حُسنِ شمشیر کا جادو تھا فسوں سازوں کو ایک اشارے میں ہی بے دم کیا دمبازوں کو
ناز سے رنگ دکھائے نئے طنازوں کو کیا اندازے سے پانی شر اندازوں کو
باندھی کچھ ایسی ہوا خاک اُڑا دی دل میں
اپنے پانی سے عجب آگ لگا دی دل میں

تیغ یہ جسموں کو گلزار بنا دیتی ہے   کانٹ چھانٹ اس کی چمک سب کو دکھا دیتی ہے
خون سے رنگ گلوں کا یہ جما دیتی ہے   خندۂ زخم سے سو پھول کھلا دیتی ہے
چشمے بن جاتے ہیں زخم آنکھ جو بھر لاتے ہیں
لہو اُڑتا ہے تو فوّارے نظر آتے ہیں

برق تو آبروئے ابر گھٹا دی اُس نے   ہر طرف خون کی اک نہر بہا دی اُس نے
گہہ چمک بجلی کی آنکھوں کو دکھا دی اُس نے   گاہواروں کی جھڑی جا کے لگا دی اُس نے
یہ سماں دیکھتے ہی آنکھوں میں بس جاتا ہے
رنگ برسات کے موسم پہ برس جاتا ہے

ہے جو سرگرِ بُرشِ گرم ہے بازار اُس کا   دل سے ہر ایک کو پایا ہے دل افگار اُس کا
دم نکلتا ہے پہ دم بھرتا ہے ہر بار اُس کا   جان جانے پہ یہ سوجاں سے خریدار اُس کا
حُسنِ یوسف سے اسے فرق بڑا بھاری ہے
جنس یہ شہ کو پسند اور وہ بازاری ہے

ظاہراً اس کی بُرش گاہ اِدھر گاہ اُدھر   باطناً جاں کی کشش گاہ اِدھر گاہ اُدھر
جگروں میں تھی خلش گاہ اِدھر گاہ اُدھر   اُف رے مستانہ روش گاہ اِدھر گاہ اُدھر
کیفیت تھی وہ کہ پُرجوش چلی جاتی تھی
نشۂ حُسن میں مدہوش چلی جاتی تھی

دستِ فرزند ید اللہ کا قبضہ جو نہ ہو   تو یہ چھپ کر نہ رُکے لاکھ طرح سے روکو
دم میں سو وار بھی دشوار نہیں ہیں اس کو   سیکڑوں ایک کے دو کر دیے ہیں ایک نے دو
زد سے نکلے ہوں تو دو چار ستم گار کہیں
ہو گئے ہیں کہیں چار آٹھ تو دو چار کہیں

یوں جو اعدا کا لہو تیغ مزے سے چاٹے   غیظ میں آ کے فرس کیوں نہ بھرے فرّاٹے
گو ہے بے دست سرو دست ہیں اُس نے کاٹے   کچلے اس نے یہ برو دوش کہ میداں پاٹے
ایک کو آبِ قضا اس نے پلایا چل کر
ایک کو اس نے بھی مٹی میں ملایا چل کر

تیغ چلتی تھی پری بن کے چھلاوا کیسا　　جان لیتی تھی جتا کر وہ بھلاوا کیسا
مار لیتا تھا فرس شان سے دھاوا کیسا　　قید کر لیتا تھا دشمن کو یہ کاوا کیسا
چیدہ چیدہ یہ ہنر چھانٹ لیا کرتے تھے
اُن کا حصّہ تھا یہ جو بانٹ لیا کرتے تھے

آنکھ اٹھی شاہ کی جس سمت، اٹھی واں شمشیر　　گھوڑا اس شکل سے ٹھہرا کہ بنا صورتِ شیر
قتل کر ڈالنے میں اس نے اگر کی کچھ دیر　　اس نے بھی جلد زبردستیوں سے کر دیا زیر
بڑھ کے نصرت نے اُدھر تیغ کا دم چوم لیا
دوڑ کر فتح نے گھوڑے کا قدم چوم لیا

استخوانوں کو جو کھا جاتی ہے تیغ براں　　تو چباتا ہے یہ لوہا، ہے گواہ اس کی عناں
دم نہیں لیتی اگر وہ تو یہ تھمتا ہے کہاں　　روکنے کے لیے بیکار ہیں سارے ساماں
حکم اُس کو لیے، مرضیِ امام اس کو لیے
وہ غلاف اُس کو لیے ہے یہ لجام اس کو لیے

قتل بڑھ کر کیا خونخواروں کو ان دونوں نے　　منتشر کر دیا جراروں کو ان دونوں نے
مارا دشمن کے طرف داروں کو ان دونوں نے　　چل کے بے سر کیا سرداروں کو ان دونوں نے
شور سے گونج اٹھا دشتِ وغا چار طرف
کر دیا دونوں نے اک حشر بپا چار طرف

کوئی بسمل سا تڑپتا تھا تو بے جاں تھا کوئی　　اور سسکتا تھا کوئی سکتے میں حیراں تھا کوئی
کوئی پیوندِ زمیں تھا تو گریزاں تھا کوئی　　خاک و خوں میں صفتِ جادۂ میداں تھا کوئی
سر بسرِ راہ کوئی ٹھوکریں کھا جاتا تھا
ہو کے پامال کوئی جسم بچھا جاتا تھا

جو لعیں دل کو کڑا کر کے نہ میداں سے ٹلے　　بغض نے پھونکا کہ یہ نارِ جہنم میں چلے
آنسو رخسار پہ ہر باغی کے شبنم سے ڈھلے　　کھیت میں خوار ہوئے ایسے کہ پھولے نہ پھلے
نوک کی لیتے ہوئے آئے تھے گو تن تن کر
ہو گئے خشک بدن رہ گئے کانٹا بن کر

تیغ کے گھاٹ اتار گیا لشکر کا پڑاؤ　　خوں کی میداں میں روانی تھی کہ دریا کا بہاؤ
غرقِ خوں لاش نظر آتی تھی بہتی ہوئی ناؤ　　جسم پر حلقۂ گرداب بنا نیزے کا گھاؤ
تہ و بالا ہوئے دل ہوش پریشان ہوئے
بہتے دریا کی طرح فوج میں طوفان ہوئے

بھاگتی فوجیں ستم گاروں کی آئیں جو نظر　　دل سے فرمانے لگے یوں شہِ تفتیدہ جگر
زندہ ہوتے اگر اس وقت میں قاسمؑ، اکبرؑ　　ہوتے بالیدہ گلِ تر کی طرح خوش ہو کر
اُن سے ہم کہتے کہ شبیرؑ کے حملے دیکھو
اے مرے تازہ جواں، پیر کے حملے دیکھو

دل سے یہ کہتے ہی بھر آیا جو شبیرؑ کا دل　　جا کے لاشِ شہداء سے کیا ہوں تم سے خجل
حیف ہے تم کو نہ پہنچا سکا اوّل منزل　　ہو گیا دفن و کفن مجھ پہ نہایت مشکل
حال یہ دیکھتے ہیں ہم تو لہو روتے ہیں
جن کو آنکھوں پہ رکھا خاک پہ وہ سوتے ہیں

اے مرے بھائیو، اے دوستو اے فرزندو　　میرے سر پر ہوئے احسان تمہارے جو جو
نہیں ممکن کہ عوض اس کا ادا مجھ سے ہو　　حشر تک اب رہی تم سے یہ خجالت مجھ کو
اور احساں سرِ شبیرؑ پہ اتنا کرنا
بھوک اور پیاس کا نانا سے نہ شکوہ کرنا

ابھی لاشوں سے یہ فرماتے سرورِ گریاں　　کہ اُدھر بھاگی ہوئی ٹوٹ پڑی فوجِ گراں
آ پڑے ایک مسافر پہ کئی لاکھ جواں　　مارے گرز و تبر و نیزہ و شمشیر و سناں
دلِ زہراؑ و علیؑ، خلد میں رنجور ہوا
زخموں سے دلبرِ احمدؐ کا بدن چور ہوا

تیر سے دل ہوا بسمل تو کہا بسمِ اللہ　　پڑ گیا گرز تو فرما دیا اِنّا للہ
گذری جو حالتیں سمجھے اسے مِن اَمرِ اللہ　　کہا لاحول و لاقوۃ اِلّا باللہ
کس نے یوں سختی بجز حضرتِ شبیرؑ سہی
چل گئی حلق پہ شمشیر وہ تکبیر کہی

اس قدر ہو گئے فرزندِ پیمبرؐ پہ ستم　　کور ہو جائے جسے دیکھ کے چشمِ عالم
ایک مظلوم پہ اُمڈے تھے کئی لاکھ اظلم　　حیف پر کوئی نہ تھا حامیِ سلطانِ امم
اس قدر ظلم و ستم حد سے بڑھایا ہے ہے
سرِ نیزہ سرِ شبیرؑ چڑھایا ہے ہے
زانوئے شمر ہو اور سینۂ اطہر ہے ہے　　دشت کی خاک ہو اور جسمِ مطہر ہے ہے
بوسہ گاہِ نبیؐ و تیزیِ خنجر ہے ہے　　نیزۂ خولیِ شوم و سرِ سرور ہے ہے
جس کی ایذا ہوئی ایذائے نبیؐ ہائے ستم
اُس کے ساتھ اور یہ کچھ بے ادبی ہائے ستم
مومنوں کیوں نہ چھری غم کی جگر پر چل جائے　　کیوں نہ دل آنچ سے اس درد کی یکسر جل جائے
دستِ اندوہ نہ کیوں بڑھ کے کلیجہ مَل جائے　　جب فرس شاہ کا خیمے کی طرف کو تل جائے
خبرِ قتلِ شہِ دیں کی جو شہرت ہو جائے
کیوں نہ پھر خیمۂ اطہر میں قیامت ہو جائے
پوچھتی تھی کوئی گھوڑے سے کہ سرور ہیں کہاں　　کوئی کہتی تھی کہ ماں جائے برادر ہیں کہاں
کوئی چلاتی تھی فرزندِ پیمبرؐ ہیں کہاں　　کوئی کرتی تھی سخن دلبرِ حیدرؑ ہیں کہاں
بانو کے بین تھے کیا ہو گئے آقا میرے
اور سکینہؑ کی تھی زاری ارے بابا میرے
رونے کو گھوڑے نے رو رو کے انھیں سمجھایا　　خاک پر شاہ گرے لوٹ کے پھر بتلایا
پتلیاں پھیر کے سمجھایا کہ غش فرمایا　　پھیرا اس حلق پہ یعنی کہ گلا کٹوایا
مضطرب ہو کے بتایا کہ بدن مضطر ہے
اور الف ہو کے بتایا سرِ نیزہ سر ہے
دیکھ کر حالِ فرس حالِ حرم کا تھا بُرا　　............ جگر افگار کوئی دل تڑپا
کہیں نالہ کہیں شیون ہے کہیں واویلا　　کہیں ماتم کہیں زاری کہیں فریاد و بکا
رو کے کہتی ہے یہ زینبؑ مرے بھائی ہے ہے
لُٹ گئی دشت میں مادر کی کمائی ہے ہے

ہائے بھائی تمہیں امت نے بلا کر مارا   جسمِ نازک کو کیا تیغوں سے پارا پارا
میں نے بیٹوں کو بھی صدقے میں اتارا وارا   نہ بلا رد ہوئی ہے ہے نہ چلا کچھ چارا

مرتی یہ زینبؑ دلگیر تو اچھا ہوتا
پہلے اٹھ جاتی جو ہمشیر تو اچھا ہوتا

کیوں ہو تسکینِ جگر تم کو کہاں سے لاؤں   کیا کروں آہ میں کس طرح سے تم کو پاؤں
گر سکینہؑ تمہیں پوچھے تو میں کیا بتلاؤں   زد کرے رو کے تو کیونکر میں تمہیں بلواؤں

رونا اس بچی کا دیکھا نہیں جاتا بھائی
اس کو سمجھانا سمجھ میں نہیں آتا بھائی

رانڈ بانو کو میں کس آنکھ سے دیکھوں بھیا   میرے ہاتھوں سے سہاگ اُن کا بڑھے کیوں بھیا
دیکھ کر ان کو تو غم ہوتا ہے افزوں بھیا   ان کے تو بین سے اب ہوتا ہے دل خوں بھیا

کس طرح آن پڑی ہے اسے ٹالوں بھائی
آپ سنبھلوں کہ میں بانو کو سنبھالوں بھائی

آہ اتنے میں ستم کرنے ستم گار آئے   شاد ہو ہو کے بڑھاتے ہوئے رہوار آئے
دی صدا ڈیوڑھی سے فضہؑ نے کہ خونخوار آئے   خانۂ آلِ نبی لوٹنے غدار آئے

دیکھ کر روح مری خوف سے تھراتی ہے
چادریں اوڑھ لو ہاں بیبیوں فوج آتی ہے

ہاں قلم روک لے سجاد کہ محشر ہے بپا   غمِ شبیرؑ میں ہے چار طرف شورِ بکا
اشکِ خوں جاری ہیں دل پر ہے غضب کا صدما   حال لُٹ جانے کا سُن سکتے ہیں کب اہلِ عزا

کر دعا حق سے کہ جب تک رہیں آباد رہیں
رونے والے شہِ دلگیر کے دل شاد رہیں

maablib.org

سرفرازؔ

ولادت:

نام سید سرفراز علی خاں، تخلص سرفرازؔ بعض جگہ ضرورتِ شعری کے تحت سرافراز، ۲؍ جمادی الثانی ۱۲۷۳ھ کو بیگن پلی[1] میں پیدا ہوئے۔ ضیغم جنگ آپ کا خطاب تھا۔

'گرامی بخت' اور 'مبارک تخت بادا' سے تاریخ نکلتی ہے۔ سید احمد شاہ برقؔ نے اس مصرعے سے تاریخ نکالی:

سیدِ رہبر و فرزندِ نجیب الطرفین۔۔۔۔ ۱۲۷۳ھ

اجداد:

سرفرازؔ کے اجداد مختلف عہدوں میں بڑے بڑے منصبوں پر فائض تھے۔ ان کے جدِ اعلیٰ سید مرتضیٰ عرف نواب ایلچی وزیر اعظم شاہ طہماسپ صفوی بادشاہِ ایران کے فرزند تھے۔ بادشاہ کے کہنے پر عہدِ محمد فرخ سیر شاہ میں دہلی میں وارد ہوئے اور چند ہی عرصے میں بادشاہ کے منظورِ نظر ہو گئے۔ فرخ سیر نے جو فرامین آپ کو دیئے ان میں آپ کو خاص لفظوں سے یاد کیا گیا ہے اس زمانے میں جن کو فرامین دیئے جاتے تھے ان کے نام کے ساتھ فدوی لکھا جاتا تھا مگر ان کے احترام میں ایسا نہیں کیا گیا۔ فرمان کا عکس یہ ہے:

فرمانِ شاہی بنام اجدادِ سرفرازؔ

---

[1] بیگن پلی، حیدر آباد دکن کے قریب ایک ریاست کا نام ہے۔ 'تاریخ بیگن پلی' کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو کے ذخیرے میں موجود ہے اور میری نظر سے گذر چکا ہے۔

والد:

سرفرازؔ ۱۲۹۸ھ میں اپنے والد کے ہمراہ بگین پلی سے حیدرآباد آ گئے تھے۔ان کے والد بھی اپنے عہد کی نامور شخصیت تھے اور ریاست کے نواب تھے۔ان سے متعلق سید عبدالحسین بارہوی لکھتے ہیں:

"[ان کے والد] نواب سید ابراہیم علی خان بہادر ۹ رصفر ۱۲۳۴ھ کو حیدرآباد دکن میں متولد ہوئے اور مدۃ العمر بجود وسخا و لطف بسر فرما کر قصدِ زیارات عتبات عالیات کیا اور زیارت سے مشرف ہو کر بتاریخ ۲۲ رشعبان ۱۳۰۹ھ کاظمین میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت کربلائے معلّی میں قریب قبر متو رو روضہ مطہر حضرت سید الشہداء علیہ السلام دفن ہوئے"۔

(ریحانِ غم جلد دوم صفحہ ۳۷۷)

تعلیم وتلمذ:

سرفرازؔ کی تعلیم وتربیت میں بہت اہتمام کیا گیا۔اس عہد کے چوٹی کے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرایا گیا۔

غلام صمدانی گوہر لکھتے ہیں:

"آپ بچپن سے نہایت ذکی، عقیل وفہیم ہیں۔اس لیے نواب مرحوم بگین پلی نے خود صرف و نحو و منطق وحساب پڑھایا اور جناب قبلہ وکعبہ مجتہد العصر مولوی میر محمد علی صاحب نجفی سے تحصیلِ علوم ریاضی حاصل کیا۔کتب درسیہ فارسی تمام وکمال طے کر چکے ہیں، علم انگریزی میں بھی مہارت حاصل ہے۔آپ کو ایام طفولیت سے شاعری کا شوق رہا اس لیے جناب میر انسؔ صاحب لکھنوی برادر میر انیس صاحب مرحوم سے تلمذ پیدا کیا"۔

(تزکِ محبوبیہ، جلد دوم صفحہ ۲۸۷)

عبداللہ ضیغم لکھتے ہیں:

"رئیسِ بگین پلی ہیں......رئیس عظام ہیں میر مہر علی انس برادر میر انیس مرحوم کے شاگرد ہیں عمر وغیرہ نہیں معلوم"۔

(یادگار ضیغم صفحہ ۱۷۸)

استاد کی وفات اور مرثیوں کی اشاعت:

سرفرازؔ نے اپنے مرثیے میر انسؔ و میر وحیدؔ کے مرثیوں کے ساتھ "ریحان غم" کے نام سے دو جلدوں میں طبع کرائے تھے۔انسؔ نے آخر عمر میں اپنے مرثیے ان کو بھجوا دیے تھے۔سرفرازؔ نے انھیں

شائع کرایا۔ اس طرح آج انسؔ کے مرثیے ان ہی کی وجہ سے محفوظ ہیں۔

سرفرازؔ نے مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ کے مہتمم سید عبدالحسین بارہوی کو ان مرثیوں کی اشاعت کے لیے جو خط لکھا تھا وہ 'ریحان غم' کے پہلی جلد کے آخر میں شائع ہوا جس کی عبارت یہ ہے:

"جناب میر صاحب والا مرتبت عالی منزلت جناب سید عبدالحسین صاحب دام ظلکم تسلیم۔ میں نے کلام جناب سید مہر علی صاحب قبلہ انسؔ مدظلہ و کلام جناب سید محمد ہادی صاحب وحیدؔ مرحوم اور خاص اپنا کلام فراہم و مرتب کر کے چھاپنے کے لیے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے آپ اس کو چھاپ دیجیے اور کسی دوسرے شخص کو اس کے طبع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ فقط

المرقوم غرہ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ

دستخط

راقم سید سرفراز علی خان از ریاست بیگن پلی

اس کی پہلی جلد ۱۳۰۹ھ میں انسؔ کی زندگی میں چھپ گئی تھی، دوسری جلد کی اشاعت کے دوران ۱۳۱۰ھ میں انسؔ کی وفات ہوگئی اس لیے کتاب کے آخر میں قطعاتِ تاریخ وفات چھپے تھے۔ سرفرازؔ نے انسؔ کی مندرجہ ذیل تاریخیں کہیں:

سید پاک انس مہر علی — ہر دو چشمش ز دید حیف نہفت
آیۂ کلّ من علیہا فان — بسا طِ فنا بخواند و بخفت
اعلم الناس افصح الفصحا — خار عیب از زمینِ شعر برفت
از پے نظم مدحِ آلِ رسولؐ — لولوئے شاہوارِ مضموں سفت
سالِ فوتش بہ سرفرازؔ سروش — ز جہاں انسؔ رفت جنت گفت

۱۳۱۰ھ

در نظرم گشت زمانہ سیاہ — مہر علی زیرِ زمیں رفت ہائے
سالِ وفاتش دلم اے سرفرازؔ — گفت بفردوسِ بریں رفت ہائے

۱۳۱۰ھ

سرفرازؔ کی مرثیہ نگاری:

'ریحانِ غم' کی دو جلدوں میں سرفرازؔ کے چھ مرثیے ہیں جن کی فہرست یہ ہے:

۱۔ جب خلد کو عباسؑ گئے دارِ فنا سے — حضرت عباسؑ — ۹۴ بند — جلد دوم

۲۔ جب نمایاں ہوئی گردوں پہ شہادت کی سحر   حضرت قاسمؑ   ۱۳۶ بند   جلد اول
۳۔ خادم ملائکہ ہیں وہ مخدوم ہے علیؑ   حضرت علیؑ   ۱۲۲ بند   جلد اول
۴۔ قید سے چھوٹ کے یثرب میں حرم آتے ہیں   واپسی مدینہ   ۵۵ بند   جلد اول
۵۔ کوفے کو جب دمشق سے اہلِ حرم چلے   اسیری اہل حرم   ۹۱ بند   جلد اول
۶۔ ہے قاسمِ قصورِ بہشت بریں علیؑ   حضرت علیؑ   ۱۰۴ بند   جلد دوم

سرفراز کی زبان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ مرثیوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ کہنے پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ حضرت علیؑ کے حال میں ان کے جو دو مرثیے ہیں ان میں منقبتی بندوں میں حضرت علیؑ کے فضائل کا بیان ہے جس میں احادیث اور آیاتِ قرآنی کے اشارے بھی موجود ہیں۔ چند بند دیکھیے:

خادم ملائکہ ہیں وہ مخدوم ہے علیؑ   نفسِ رسول خاصۂ قیوم ہے علیؑ
پاکیزہ و منزہ و معصوم ہے علیؑ   ربّ العلا کے اسم سے موسوم ہے علیؑ
دونوں کی الفتیں تھیں یہ ربِّ انام کو
نام اپنا اک نبیؐ کو دیا اک امامؑ کو

ہے بادشاہِ کون و مکاں شاہِ اوصیا   ہے قاسمِ جحیم و جناں شاہِ اوصیا
محبوبِ کردگار کی جاں شاہِ اوصیا   ہے باعثِ زمین و زماں شاہِ اوصیا
ہوتا اگر نہ احمدؐ و حیدرؑ کا نور خلق
کرتا خدا نہ ارض و سما و بحور خلق

ہے مقتدائے قدسی و جن و بشر علیؑ   فرماں روائے شمس و نجوم و قمر علیؑ
مختارِ نور و ظلمت و شام و سحر علیؑ   ہے نکتہ دانِ علمِ قضا و قدر علیؑ
ظاہر جو اپنا علم امامِ زماں کریں
تقدیر کا ہر اک کے مفصّل بیاں کریں

انسؔ کے ایک اور شاگرد نگینؔ کی طرح انھیں بھی روایت نگاری میں خاصی دلچسپی تھی۔ حضرت علیؑ کے مرثیوں میں فضائل کی روایات کو نظم کیا ہے۔ حضرت قنبرؓ بادشاہِ حبش اشکبوس کے بیٹے تھے ان کا نام فتاح تھا۔ ان کے حضرت علیؑ کی خدمت میں آنے کی روایت بھی نظم کی ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کے حال کا مرثیہ شہادت حضرت عباسؑ سے شروع ہوتا ہے جس میں اجزائے ترکیبی کی تمام مثالیں موجود ہیں۔ رزمیہ بند زیادہ نہیں ہیں لیکن جو کہا ہے خوب ہے۔ رخصتِ علی اکبرؑ کے چند بند:

فرزند نے اصرار کیا جب کئی باری　　فرمایا کہ راضی ہوں میں جو مرضیِ باری
بانو کے قریب آ کے وہ ناشاد پکاری　　تم بھی انھیں دو اذن کہ منگوائیں سواری
کوثر کی تمنا ہے انھیں تشنہ لبی میں
جاتے ہیں یہ دربارِ رسولِ عربیؐ میں

ہے جوشِ شجاعت تمھیں اس وقت مری جاں　　اللہ و محمدؐ رہیں میداں میں نگہباں
بے پھولے پھلے جاتے ہو میداں سے پُر ارماں　　لو آ کے لپٹ جاؤ مرے سینے سے اس آں
جی بھر کے ذرا دائی کو رو لینے دو بیٹا
جاتے ہو تو صدقے مجھے ہو لینے دو بیٹا

اسی مرثیے سے حضرت علی اکبرؑ کے گھوڑے کی مدح میں چند بند:

یوں رن کو ہوا اسپِ فلک سیر روانہ　　جس طرح چلے تیر کوئی سوئے نشانہ
رفتار میں وہ ناز کہ مفتوں ہو زمانہ　　وہ حُسن وہ انداز کہ عالم میں یگانہ
تھا شور یہ گھوڑا ہے کہ بادِ سحری ہے
پرواز میں شہباز تو صورت میں پری ہے

اُڑتا ہے پرندوں کی طرح دشت و جبل میں　　چاہے تو خبر لائے یہ افلاک کی پل میں
دل کہتا ہے جو دھنس جاؤں جو اس فوج دُوَل میں　　ٹاپوں سے کچل جاؤں ہزاروں کو جدل میں
ہستی سے سفر کر کے اگر راہِ عدم لوں
یوں جاؤں کہ پھر تا درِ فردوس نہ دم لوں

ان بندوں سے ظاہر ہے کہ سرفرازؔ انیسؔ سے کس درجہ متاثر ہیں، ان کے اسلوب اور مضامین پر سراسر انیسؔ اور ان کے خانوادے کی چھاپ ہے۔ شمشیر علی اکبرؑ کی تعریف میں تین بند دیکھیے:

ہر اہلِ شقاوت پہ ستم کرتی تھی تلوار　　سر کاٹ کے چاک اس کا شکم کرتی تھی تلوار
اک آن میں ہستی کو عدم کرتی تھی تلوار　　ہر وار میں ہر تن کو قلم کرتی تھی تلوار
بربادی و پامالیِ افواجِ دغل تھی
ششدر ملک الموت تھے حیرت میں اجل تھی

کیا صارم ہم شکلِ رسولِ دوسرا تھی　　یکتا تھی اصالت میں صفائی میں بلا تھی
بے مثل برش میں تھی تو چلنے میں ہوا تھی　　بجلی تھی جو سیرت میں تو صورت میں قضا تھی
تھا شور کہ اژدر یہ دمِ جنگ و جدل ہے
بس میں ظفر اس کے ہے تو قبضے میں اجل ہے

اژدر سی کسی ظالمِ ناپاک پہ آئی — بجلی سی درخشاں کسی سفاک پہ آئی
اسوار پہ گہ، توسنِ چالاک پہ آئی — سر پر کبھی چمکی تو کبھی خاک پہ آئی
کفار میں تھا شور کہ یہ قہرِ خدا ہے
قائل تھے یہودی کہ یہ موسیٰ کا عصا ہے

مرثیے کے اختتام پر بین بہت دلخراش ہیں۔ حضرت زینبؑ فریاد کر رہی ہیں:

اے گیسوؤں والے تری صورت کے میں قرباں — اے چاہنے والے تری الفت کے میں قرباں
بن بیاہے پُرارماں تری حسرت کے میں قرباں — اے ثانیِ احمدؐ تری شوکت کے میں قرباں
فرقت کا بڑا داغ دکھا دے گئے واری
اس پالنے والی کو نہ کیوں لے گئے واری

برباد ہوا دائی کا گھر اے علی اکبرؑ — یہ کس کی لگی تم کو نظر اے علی اکبرؑ
نکلوں میں تجسس کو کدھر اے علی اکبرؑ — جنت کو کیا تم نے سفر اے علی اکبرؑ
اس سن میں ہوا شوق تمہیں جنگ و جدل کا
آئی تھی جوانی کہ پیام آیا اجل کا

حضرت قاسمؑ کے حال میں جو مرثیہ کہا ہے وہ بہت شاندار ہے۔ رزمیہ حصہ بھی بہت جاندار ہے۔ ارزق شامی اور اس کے ۴ بیٹوں کی جنگ بہت عمدہ لکھی گئی ہے۔ یہ مکمل مرثیہ شاملِ کتاب ہے۔

سرفرازؔ کے دو مرثیے اہلبیتؑ کی اسیری کے حال میں ہیں اور سراسر مکی ہیں۔ امام زین العابدینؑ کی اسیری کے دو بند دیکھیے جن میں امام کی شجاعت و مظلومی دونوں صفتوں کو کس خوبی سے پیش کیا ہے:

کیا حالِ زار بیکس و مظلوم ہو رقم — طوقِ گراں کے بوجھ سے گردن کیے تھے خم
صدمے سے دُہری بیڑیوں کے پاؤں پر ورم — چبھتے تھے خارِ دشت کفِ پا میں دم بہ دم
کہتے تھے کچھ زباں سے نہ ایذا میں جبر میں
ثابت قدم تھے جادۂ تسلیم و صبر میں

آگے تو سر شہیدوں کے نیزوں پہ جلوہ گر — کنبہ تمام ناتواں کے پیچھے برہنہ سر
جس وقت مڑ کے ان کی طرف کرتے تھے نظر — ہوتے تھے فرطِ شرم و حیا سے عرق میں تر
لب تک مگر کلامِ شکایت نہ لاتے تھے
بابا کے سر کو تکتے تھے اور روتے جاتے تھے

سرفرازؔ کے سلام:

'ریحانِ غم' جلد اوّل میں سرفرازؔ کے ۸ سلام شامل ہیں:

مطلع	تعداد اشعار
۱۔ روشنہ ہو کیوں نائبِ خیر البشر سے آفتاب	۱۲
۲۔ کب رسولوں میں ہے احمدؐ سا پیمبر دوسرا	۱۵
۳۔ آشفتہ میرے شعر کا ہر اک جوان و پیر ہے	۹
۴۔ سلامی شان تھی سب شکل میں سبطِ پیمبر کی	۲۲
۵۔ موت کا ڈر تمہیں اے اہلِ دول کچھ بھی نہیں	۱۳
۶۔ تیر صدہا تھے جسمِ سرورؑ میں	۲۲
۷۔ مجرئی جب حرّشہِ والا کا مہماں ہو گیا	۴۳
۸۔ پرستش کے قابل وہی کبریا ہے	۲۱

سرفرازؔ نے طویل ترین سلام بھی لکھے جیسا کہ فہرست سے ظاہر ہے۔ دو سلام درج ذیل ہیں:

سلام

سلامی شان تھی سب شکل میں سبطِ پیمبر کی
علیؑ کی سیدِ لولاکؐ کی حمزہؓ کی جعفرؓ کی

فدا ہے زلفِ ہمشکلِ رسول اللہؐ پر نکہت
اگر کی تکلخہ کی مشک کی سنبل کی عنبر کی

نہ ہوتے خلق گر احمدؐ نہ ہوتی آفرینش پھر
زمیں کی چرخ کی عرشِ بریں کی بحر کی بر کی

ملی خاکِ درِ شبیرؑ ہم کو اب نہیں حاجت
طلا کی سیم کی اکسیر کی گو گردِ احمر کی

بہا کر چشم نے اشکِ غمِ شہ آبرو کھوئی
کنوئیں کی نہر کی چشمہ کی جیحوں کی سمندر کی

یہ غل تھا ذوالجناحِ ابن زہراؑ میں روانی ہے
صبا کی موج کی سیلاب کی دھارے کی صرصر کی

رخِ تابانِ ماہِ فاطمہؑ سے شرمگیں ہے ضو
سہا کی مشتری کی بدر کی خورشیدِ خاور کی

یہ غل تھا کھنچ گئی شبیرؑ کی تیغ اب تباہی ہے
صفوں کی پیدلوں کی مورچوں کی دل کی لشکر کی

علیؑ کی تیغ آتش بار کے آگے حقیقت کیا
سپر کی خود کی جوشن کی دستانے کی بکتر کی

عقابِ اکبرؑ ذی جاہ میں تھی تیز پروازی
ہما کی باز کی شاہیں کی عنقا کی کبوتر کی

ہے اقبالِ ولائے پنجتن سے خلق میں عزت
زمرد کی یشب کی لعل کی ہیرے کی گوہر کی

عیاں تھی خانۂ کعبہ میں روزِ قتلِ شہ جنبش
ستوں کی سقف کی محراب کی دیوار کی در کی

مثالِ شیرِ حق تھی قرۃ العینِ نبیؐ میں شاں
غضب کی دبدبہ کی قہر کی چتون کی تیور کی

دلِ اعدا پہ مژگاں شاہ کی تاثیر کرتی تھی — کٹاری کی سناں کی تیر کی سوزن کی نشتر کی
حسینؑ ابنِ علیؑ کے قتل کے دن سرخ تھی رنگت — زمیں کی ریگ کی جنگل کی کوہستاں کی پتھر کی
غضب کی بے جھجک جسمِ شہ پر پڑتی تھیں ضربیں — تبر کی گرز کی شمشیر کی نیزے کی خنجر کی
بنے کی لاش جب آئی ہوئی غم سے بری حالت — دلہن کی سالیوں کی ساس کی پھپھیوں کی مادر کی
شہِ مظلوم کے ذکرِ فضائل سے فضیلت ہے — عزا خانے کی اہلِ بزم کی ذاکر کی منبر کی
کلوخ و سنگ میں تھی روزِ قتلِ شاہِ دیں حدت — شرر کی آگ کی گلخن کی مشعل کی سمندر کی
ہمیں خلدِ بریں میں خود بخود لے جائیگی الفت — محمدؐ کی ، علیؑ کی ، فاطمہؑ شبیرؑ و شبرؑ کی
نہ دیں تشبیہِ چشم و قد و زلفِ رخ سے اکبرؑ کی — چمن کی سرو کی نرگس کی سنبل کی گلِ تر کی

بچانے سرفرازؔ آئیں گے حیدرؑ تجھ کو کیا ہیبت
لحد کی پرسشِ اعمال کی دوزخ کی محشر کی

سلام

رو نہ ہو کیوں نائبِ خیر البشر سے آفتاب — کانپتا ہے صاحبِ شق القمر سے آفتاب
رخ مہِ زہراؑ کا ہے روشن جبیں کے نور سے — ہے عجب کرتا ہے کسبِ ضو قمر سے آفتاب
جنگ میں اللہ ری مہرِ امامت کا عروج — تیغ سے ہے ماہ شرمندہ سپر سے آفتاب
تھے سراپا نورِ حق اکبرؑ نہ ہو کیونکر خجل — سینۂ پُرنور سے مہتاب بر سے آفتاب
جھلملائے صورتِ شمعِ سحر ہو کر خجل — گر مقابل ہو مرے داغِ جگر سے آفتاب
ہے دلیلِ پستیِ جاہ و حشم تکمیلِ اوج — دیکھ لو ہوتا ہے ظاہر دوپہر سے آفتاب
آج تک پایا نہ کنہ ذات کو اللہ کی — پھر رہا ہے جستجو میں عمر بھر سے آفتاب
جس نے دیکھا روضۂ پُرنور کے قبے کا اوج — گر پڑا مثلِ سرشک اُس کی نظر سے آفتاب
خاک کر دیتا جلا کر اشقیائے شام کو — اذن گر پاتا شہِ تشنہ جگر سے آفتاب
آئے جب رخصت کو عباسؑ اس قدر روئے حسینؑ — کانپتا تھا شاہ کی آہِ جگر سے آفتاب
بھائیوں کا تھا گلے ملنا قرانِ نیّرین — تھا اِدھر سے ماہ چسپیدہ اُدھر سے آفتاب

ہے قبول اُس شاہ کے تیرا کلام اے سرفرازؔ
ہم کلام اکثر ہوا جس خوش سیر سے آفتاب

مخمسات:

سرفرازؔ کو تضمین کرنے میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ مجموعۂ کلام میں تین تضمینیں موجود ہیں:

۱۔ گر سرِ محفل حیا سے جان کھو سکتا نہیں — بر سلامِ انیسؔ
۲۔ قتل کے محضر کا مضموں تھا جواز بر رکھ لیا — بر سلامِ مونسؔ
۳۔ بیاں کا ذائقہ شیریں بیاں اٹھاتے ہیں — بر سلامِ مونسؔ

انیسؔ کے مشہور سلام پر سرفرازؔ کی تضمین ملاحظہ ہو:

تضمین بر سلامِ انیسؔ

گر سرِ محفل حیا سے جان کھو سکتا نہیں — منہ کو کیا رومال میں اشکوں سے دھو سکتا نہیں
خیر اگر رومال میں اپنا بھگو سکتا نہیں — ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ جو مجلس میں رو سکتا نہیں

بعد مردن ہیں بشر کو کیا صعوباتِ مزار — وہ شبِ اول وہ تنہائی نہ ہمدم اور نہ یار
آئے کیا ان آفتوں میں خاک آرام و قرار — رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

جھاڑتی ہے گلشن و دشت و جبل بادِ رواں — پر غبار اپنا جھٹک سکتی نہیں وہ خستہ جاں
رخ پہ آتش کے بھی خاکستر بھری ہے یا دھواں — کارِ ذاتی میں ہیں عاجز پاکبازانِ جہاں
اپنے منہ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے سلماں علیؑ سے سر کو قدموں پہ دھرے — عمر بھر جو آپ کی الفت کا آقا دم بھرے
دور قدموں سے اگر آئے اجل وہ کیا کرے — کہتے تھے حضرو وہ مشرق میں کہ مغرب میں مرے
دوست کے اپنے نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

لاشِ اکبرؑ پر گئے جس وقت سلطانِ انام — شکرِ حق کرتے تھے شہ کام اس کا ہوتا تھا تمام
صبر کہتے ہیں اسے گریاں نہ ہوتے تھے امام — شاہ کہتے تھے کہ دنیا بھی ہے عبرت کا مقام
مرگیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

سرفرازؔ اشعار سے ہے آپ کے حیراں انیسؔ — یہ مضامیں ہیں کہ ہیں سب گوہرِ غلطاں انیسؔ
ابر بھی برسا نہیں سکتا ہے یوں نیساں انیسؔ — نظم ہے یہ یا دُرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

غزلیات:

سرفراز کی چند غزلیں 'پیام یار' ۱۸۸۷ء کے شماروں میں شائع ہوئیں تھیں۔ ان کی غزلوں کے بارے میں لالہ سری رام نے لکھا ہے:

"کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مشق بہت کم ہے"۔

(خمخانہ جاوید جلد چہارم صفحہ ۱۵۳)

غزلوں سے منتخب اشعار:

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے ۔۔۔ جب آ گے مرے یار کے وہ ہم بغل آئے
اُس رخ پہ عرق کو نہ قرار ایک پل آئے ۔۔۔ سیماب کو کس طرح سے آتش پہ کل آئے
یہ عشق کے معنی ہیں یہ ہے جرأت و ہمت ۔۔۔ کٹ جائے بھی جو سر تو نہ ابرو پہ بل آئے
آنکھوں کا مری جوشِ بکا میں ہے یہ عالم ۔۔۔ طوفان میں جس طرح سے دریا اُبل آئے
ہمراہ ہوئے دوست عزیز اور نہ فرزند ۔۔۔ ساتھ آئے تو بس بعدِ فنا اک عمل آئے

ابرو و مژگانِ جاناں کی سی کب ہیں تیزیاں ۔۔۔ تیغ میں نوکِ سناں میں خنجرِ فولاد میں
حُسن اُس گل کے رخ و چشم و لب و قد کا نہیں ۔۔۔ گل میں نرگس میں چمن میں سرو میں شمشاد میں

وہ لب نہیں جس لب پہ شکایت ہو کسی کی ۔۔۔ وہ دل نہیں جس دل میں کدورت ہو کسی کی
دیکھا جسے بھرتا ہے محبت کا تری دم ۔۔۔ ظالم ترے دل میں بھی تو الفت ہو کسی کی
ہے چشمۂ بے فیض وہ انسان سرافراز ۔۔۔ دنیا میں ادا جس سے نہ حاجت ہو کسی کی

قال رسول الثقلین و نبی الخافقین حسین منی و انا من حسین

بفضل خالق لوح و قلم و کاشف الضر و الالم و عالم السر و الہم مجموعہ مراثی

ریحانِ غم جلد اول

۱۳۰۹ھ

کلام معجز نظام جناب معظم الالقاب حسان زمان مقبول دوران شیرین زبان
فرید العصر و الاوان مؤید بتائید روح القدس جناب سید مہر علی صاحب
انس مرحوم و جناب مغفرت مآب مقبول بارگاہ رب مجید سید ہادی صاحب
وحید و جناب فیض مآب ناظم بلند خیال شاعر عدیم المثال امیر کبیر رئیس با توقیر
صاحب جاہ و اعزاز نواب سید سرفراز علی خاں صاحب بہادر متخلص بہ
سرفراز دام اقبالہٗ بار سوم با اضافہ پنج مرثیہ ہائے جدید

مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ میں بفرمائش جناب سید عابد حسین تاجر کتب لکھنؤ محلہ درگاہ چھپی

سرورق ''ریحانِ غم''

ص

مطلع

جب نمایاں ہوئی گردوں پہ شہادت کی سحر

تصنیف جناب نواب سید فرزند علی خاں صاحب بہادر سرفراز دام اقبالہٗ

۱۳۶ بند

سرورق مرثیہ سرفراز

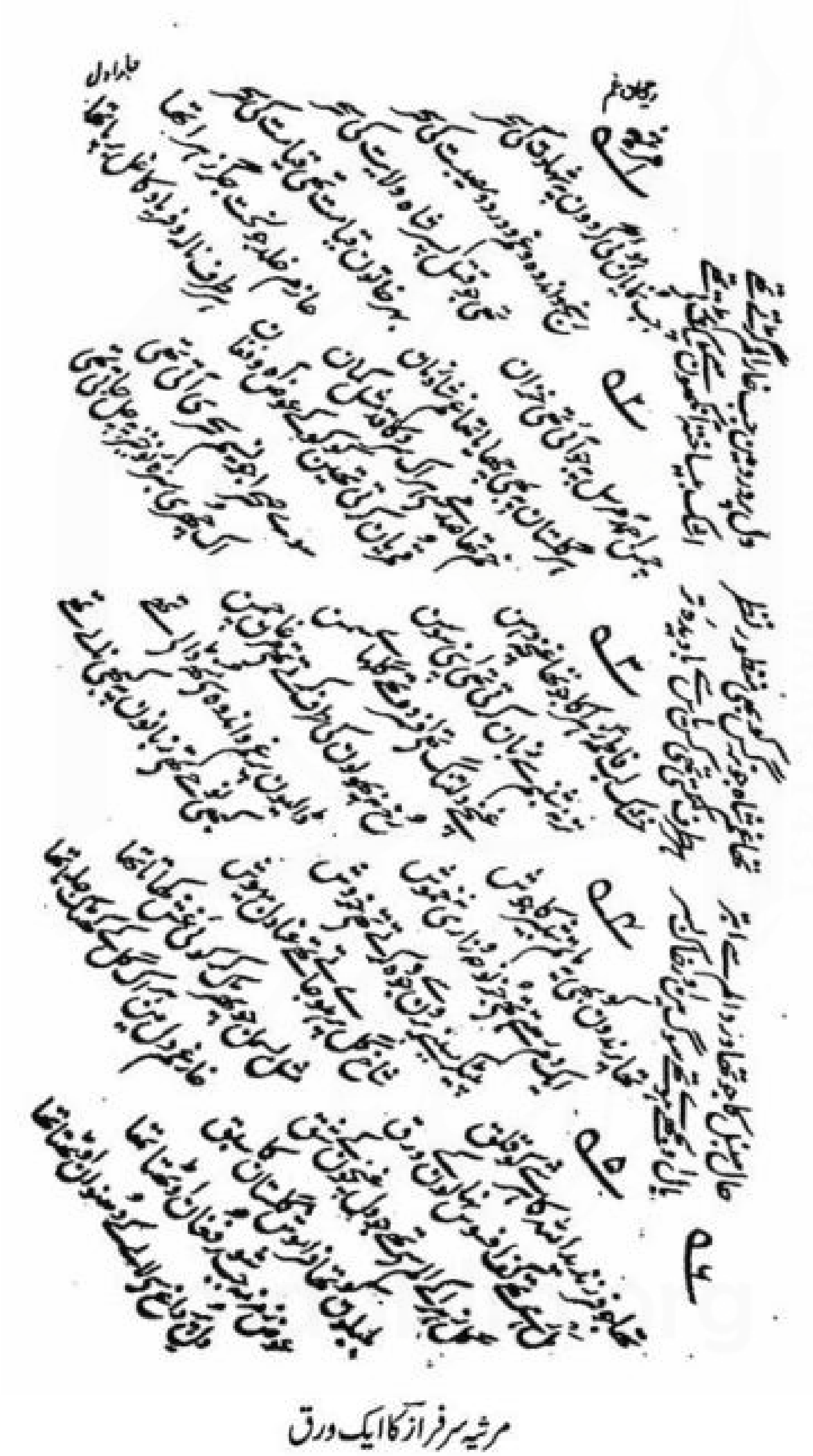

مرثیہ سرفراز کا ایک ورق

سرفراز علی خاں سرفرازؔ

مرثیہ

درحال حضرت قاسم ابن حسنؑ

۱۳۶ بند

جب نمایاں ہوئی گردوں پہ شہادت کی سحر   رنج و اندوہ و غم و درد و مصیبت کی سحر
تھی جو قتلِ پسرِ شاہِ ولایت کی سحر   بہرِ خاتونِ قیامت تھی قیامت کی سحر
عازمِ خلد جو لختِ جگرِ زہراؑ تھا
ہر طرف نالہ و فریاد کا غل برپا تھا

چمنِ احمدِ مرسل پہ جو آئی تھی خزاں   ہر گلستاں پہ بھی چھایا تھا غمِ شاہِ زماں
خم تھا صدمے سے ہر اک سرو کا قد مثلِ کماں   قمریاں کرتی تھیں کوکو کے عوض آہ و فغاں
سوئے صحرا جو نسیمِ سحری آتی تھی
اک چھری سبزۂ نوخیز پہ چل جاتی تھی

خشک لب فاطمہ زہراؑ کا جو تھا غنچہ دہن   تر نہ شبنم سے زباں کرتی تھی اپنی سوسن
غنچے دل تنگ تھے افسردہ تھے گلہائے سمن   رخ نہ پھولوں کی طرف کرتے تھے مرغانِ چمن
ڈالیوں پر غم و اندوہ سے منہ ڈالے تھے
کبھی نوحے تھے زبانوں پہ کبھی نالے تھے

تھا پرندوں کو بھی یہ ماتمِ شبیرؑ کا جوش   ایک دم رہتی تھی جز نوحہ و زاری نہ خموش
پیٹ کر سینے پروں سے جو وہ کرتے تھے خروش   شاخِ گل پر ہوئے جاتے تھے عنادل بے ہوش
مثلِ بسمل جو پھڑک کر کوئی غش کھاتا تھا
خارِ غم دل میں ہر اک گل کے کھٹک جاتا تھا

تھا جو فرزندِ یداللہ کا ہر شے کو قلق　　مل رہے تھے کفِ افسوس نہالوں کے ورق
گلِ زہراؑ کے الم سے تھے جو دل غنچوں کے شق　　بلبلوں کو تھا فراموش گلستاں کا سبق
عوضِ زمزمہ جب شورِ فغاں اٹھتا تھا
دلِ پُر داغ سے لالے کے دھواں اٹھتا تھا

حال سنبل کا جو تھا درد و الم سے ابتر　　بال اُلجھے ہوئے تھے سوگ میں اور خاک بسر
تا غمِ شاہ جو نرگس کو بھی منظورِ نظر　　ہر طرف تکتی تھی کس یاس سے بادیدۂ تر
دلِ پُر درد میں جب خارِ الم گڑتے تھے
اشک بے ساختہ آنکھوں سے ٹپک پڑتے تھے

چمنستانِ جہاں میں تھا یہ سامانِ الم　　تھے مہیائے عبادت شہدائے اکرم
علی اکبرؑ نے اذاں دی بفصاحت جس دم　　لائے تشریف مصلّے پہ امامِ عالم
رفقا نے بھی اُدھر مرگ پہ کمریں کس کے
باندھ لیں پیچھے صفیں بادشہ بیکس کے

ہو چکی بعدِ اذاں جبکہ اقامت بھی تمام　　کہہ کے تکبیر ہوئے محوِ عبادت میں امام
سب ادا ہو چکے جس وقت قعود اور قیام　　ہاتھ اٹھا کر بصد الحاح پس از ختم سلام
امتِ جد کی دعا شاہِ عرب کرنے لگے
حق سے انصار بھی نصرت کی طلب کرنے لگے

تھا یہ خشکیدہ زبانوں پہ کہ یا ربِّ علا　　شدتِ تشنہ لبی میں ہمیں کر صبر عطا
نہ ڈگیں پاؤں ہمارے کہیں ہنگامِ وغا　　زخم کھا کھا کے ہوں قربانِ امامِ دوسرا
منہ سے آہیں نہ کسی ظلم و ستم پر نکلیں
تن سے دم نکلیں تو مولا کے قدم پر نکلیں

حق سے مشغولِ مناجات تھے انصار تمام　　اُٹھ کے سجادے سے خیمہ میں گئے شاہ انام
دیکھا ناموسِ محمدؐ میں بپا ہے کہرام　　پر سوا سب سے ہیں زینبؑ کے جگر سوز کلام
رو کے کہتی ہیں کہ بھائی کو بچالے یا رب
ان کے بدلے مجھے دنیا سے اٹھالے یا رب

ہائے یہ گرمی کے ایام یہ پیاس اور یہ بن　　مبتلا کیسی بلا میں ہوئے آوارہ وطن
سر پہ نانا ہیں نہ اماں ہیں نہ بابا نہ حسنؑ　　کس کو پردیس میں بلوائے مدد کو یہ بہن
ایک بیکس کے لیے بانیِ شر لاکھوں ہیں
ہے غضب یہاں تو بہتر ہیں اُدھر لاکھوں ہیں

شہ نے فرمایا نہ اس درجہ بہن ہو غمناک　　ابھی زندہ ہوں میں کیوں اپنے کو کرتی ہو ہلاک
ہم کو کیا خوف ہے لاکھوں ہیں اگر وہاں سفاک　　ہم غریبوں کی مدد کو ہے اِدھر ایزدِ پاک
تم کو ہر دُکھ میں بہن شکرِ خدا لازم ہے
دخترِ فاطمہؑ ہو صبر و رضا لازم ہے

کہہ کے ہمشیر سے یہ سج کے بدن پر ہتھیار　　نکلے روتے ہوئے خیمہ سے امامِ ابرار
غل ہوا لاؤ شہِ جن و بشر کا رہوار　　کس تجمل سے فرس پر ہوئے شبیرؑ سوار
ساتھ اس شاہ کے انصار تھے سارے اس طرح
گردِ مہتاب کے ہوتے ہیں ستارے جس طرح

وہ سواری کا حشم اور وہ رخِ شہ کی ضیا　　چرخ سے دیکھ کے کہتے تھے مَلَک صلِّ علا
پہنچے اس شان سے جب رن میں امامِ دوسرا　　تیر برسانے لگا وہاں سے ہر اک اہلِ خطا
یہاں ہر اک عشق کا شبیرؑ کے دم بھرنے لگا
شہ سے لے لے ہر اک اذن وغا مرنے لگا

پہنچے فردوس میں جب سب شہ دیں کے یار　　نکلے لڑنے کو عزیزانِ شہِ جن و بشر
پہلے مارے گئے میدان میں مسلمؑ کے پسر　　قتل پھر حضرتِ زینبؑ کے ہوئے لختِ جگر
اک قیامت ہوئی برپا حرمِ حضرت میں
شور تھا لوٹی گئی بنتِ علیؑ غربت میں

بھانجوں کے لیے روتے تھے شہِ عرش پناہ　　علی اکبرؑ بھی بکا کرتے تھے با نالہ و آہ
تھا اس اندوہ سے عباسؑ کا بھی حال تباہ　　غم سے مضطر تھے مگر سب سے زیادہ نوشاہ
کبھی روتے تھے دمِ سرد کبھی بھرتے تھے
کبھی کچھ سوچ کے بازو پہ نظر کرتے تھے

دھیان یہ تھا کہ پدر نے مجھے ہنگامِ وفات — دے کے تعویذ یہ تاکید کہی تھی یہ بات
مبتلا جب ہو مصیبت میں حسینؑ خوش ذات — کھول کر بازو پہ پڑھیو اسے اے نیک صفات
بس نہ یاں باپ کا نہ مادرِ دلگیر کا ہے
اس نوشتے میں نوشتہ تیری تقدیر کا ہے

کھول کر اُس کو پڑھا تو یہ تھا اُس میں رقم — اے مرے لختِ جگر قاسمِ فرخندہ شیم
جب لعینوں میں گھرے سبطِ رسولِ اکرم — اپنا سر کیجیو عمو پہ نثار اے ضیغم
جان پیاری نہ دمِ جنگ و جدل کیجو تم
اس میں جو کچھ ہے رقم اس پہ عمل کیجو تم

خط کا مضموں جو یہ پایا تو ہوا دل کو سُرور — رکھ کے ہاتھوں پہ اسے لائے شہ دیں کے حضور
رو کے بولے شہِ کونین کہ اے میرے غیور — منکشف مجھ پہ ہے سب اس میں جو کچھ ہے مسطور
پہلے تم مادرِ غمگین سے اجازت لے لو
پھر چچا سے بھی وغا کرنے کی رخصت لے لو

سن کے یہ خیمہ میں آیا جو حسنؑ کا دلبر — دیکھا ہے عترتِ اطہار میں برپا محشر
بال کھولے ہوئے ہے بیچ میں شہ کی خواہر — بیبیاں دیتی ہیں پُرسا انھیں بادیدۂ تر
لونڈیاں جان خوزادوں کے لیے کھوتی ہیں
پیٹتی ہیں کبھی زینبؑ کبھی غش ہوتی ہیں

دور سے ماں نے جو فرزند کو آتے دیکھا — آئیں قاسمؑ کے قریں اور یہ چپکے سے کہا
غیر تک ہو گئے فرزند پیمبرؐ پہ فدا — تم نے اب تک شہِ دیں سے نہ لیا اذنِ وغا
شہِ مظلوم پہ یہاں کون سی بیداد نہیں
اپنے بابا کی وصیت انھیں کیا یاد نہیں

کیوں نبی زادوں کی رضا صبح سے تم کرتے تھے کیا — سب ہوئے شہ پہ فدا صبح سے تم کرتے تھے کیا
نہ کیا عزمِ وغا صبح سے تم کرتے تھے کیا — ہے مصیبت میں چچا صبح سے تم کرتے تھے کیا
کیوں نہ ماں سامنے ہم چشموں کے شرمندہ ہو
بیٹے زینبؑ کے تو مارے گئے تم زندہ ہو

جوڑ کر ہاتھوں کو کی عرض یہ بادیدۂ نم　　اماں جان آپ کے مجھ کو سرِ اقدس کی قسم
صبح سے دیتے نہ تھے اذنِ وغا شاہِ امم　　باپ کا خط جو دکھایا تو یہ بولے اس دم
تم بھی داغ اپنا ہمیں دے کے سدھارو بیٹا
خیر مادر سے رضا لے کے سدھارو بیٹا

یہ سخن مادرِ غمگیں نے جو قاسمؑ سے سنا　　ہاتھ پھیلا کے بلائیں لیں گلے لپٹایا
بولی صدقے گئی میرا تو یہی مطلب تھا　　جا کے میداں میں بس اب جلد چچا پر ہو فدا
مگر اک رات کی بیاہی سے بھی رخصت لے لو
میرے نوشاہ دلہن سے بھی اجازت لے لو

سن کے یہ ماں سے جو حجلہ میں گیا وہ ضیغم　　دیکھا ناشاد دلہن کا ہے عجب وہاں عالم
سر تو مثلِ مہِ نو زانوئے انور پہ ہے خم　　صورتِ ابرِ بہار آنکھیں ہیں دونوں پُرنم
فرطِ غم سے کفِ افسوس کبھی ملتی ہے
آہ کے ساتھ کلیجے پہ چُھری چلتی ہے

بیٹھ کر پہلو میں بولا یہ حسنؑ کا دلدار　　کس لئے روتی ہو صاحب صفتِ ابرِ بہار
بات کچھ منہ سے کرو تا مرے دل کو ہو قرار　　ہم بھی جاتے ہیں چچا جان پہ ہونے کو نثار
سر کو نہوڑائے ہوئے اشکوں سے منہ دھوتی ہو
صبر لازم ہے تمہیں فاطمہؑ کے پوتی ہو

تمہیں انصاف سے اس دم کہو اے نیک سیر　　صبح سے کیسی مصیبت میں ہے زہراؑ کا پسر
قتل سب ہو چکے حضرت کے رفیق و یاور　　اب عزیزوں میں علمدار ہیں یا ہیں اکبرؑ
زندگی ہے انہیں دونوں سے شہِ والا کی
پھر مدد کون کرے لختِ دلِ زہراؑ کی

دیر سے لشکرِ اعدا میں یہ ہے شور بپا　　ختم کیا ہو گئی سب فوجِ شہِ ہر دوسرا
تم کو لازم ہے کہ ہم کو کرو حضرت پہ فدا　　دو رضا جلد کہ نرغے میں ہے مظلوم چچا
حشر میں شاد حسنؑ ہوں جدِ امجد راضی
تم سے خوش فاطمہؑ ہوں مجھ سے محمدؐ راضی

حق یہ روشن ہے جو تم سے ہے محبت ہم کو　　ایک دم کی بھی گوارا نہیں فرقت ہم کو
تم سے چھڑواتی ہے عمو کی مصیبت ہم کو　　باتیں کرلو کہ اجل سے نہیں مہلت ہم کو

صحبتیں پھر یہ کہاں حرف و حکایات کہاں
اب جو بچھڑے تو بجز حشر ملاقات کہاں

ہو خفا کس لیے کیوں بند ہیں لب بات کرو　　کیا ہے بے وجہ خموشی کا سبب بات کرو
دل پہ ہے صدمۂ اندوہ و تعب بات کرو　　دیکھو زندہ نہ پھر آئینگے بس اب بات کرو

بعدِ مردن بھی اک افسانۂ الفت رہ جائے
ہم سخن ہونے کی فرقت میں نہ حسرت رہ جائے

کہہ کے یہ پاؤں پہ نہوڑا دیا قاسمؑ نے جو سر　　اور بیتاب ہوئی غم سے دلہن خستہ جگر
لگ گیا رنج و الم کا رگِ جاں پر نشتر　　کھینچ کر آہ یہ کہنے لگی بادیدۂ تر

منہ سے کیا بولوں کہ رونے کا مقام آپہنچا
عقد ہوتے ہی رنڈاپے کا پیام آپہنچا

تم تو ہو عازمِ فردوسِ بریں کیا میں کہوں　　حسرتیں دل کی جو تھیں دل میں رہیں کیا میں کہوں
غم سے گفتار کی طاقت بھی نہیں کیا میں کہوں　　رانڈ ہوتی ہے دلہن شب کی کہیں کیا میں کہوں

کچھ خوش آتا نہیں جُز نالہ و شیون مجھ کو
نہ فلک دیکھ سکا حیف سہاگن مجھ کو

پاؤں پر رکھے ہو کیوں بہر خدا سر کو اٹھاؤ　　بخدا تم سے نہیں ہوں میں خفا سر کو اٹھاؤ
شق جگر ہوتا ہے سینہ میں مرا سر کو اٹھاؤ　　لو دیا میں نے تمھیں اذنِ وغا سر کو اٹھاؤ

بعد صاحب کے جو کچھ ہوں گے ستم سہ لیں گے
ہر طرح آپ کی فرقت کا الم سہ لیں گے

آپ بھی خواہشِ تقدیر سے اب ہیں مجبور　　خیر خوشنودیِ خالق ہے مجھے بھی منظور
مگر اس بات کا دیجئے جواب آپ ضرور　　پھر ملاقات سے کب مجھ کو کریں گے مسرور

کہا قاسمؑ نے کہ ہے اب تو ندامت تم سے
پر ملیں گے بخدا روزِ قیامت تم سے

کہا کبریٰ نے کہ اے راحتِ جان و دلِ غم　　تمھیں کس طرح سے پائیں گے اس نیمہ میں ہم
آستیں چاک کی دولھا نے یہ سن کر اس دم　　دے کے کبریٰ کو یہ کہنے لگے بادیدۂ نم
ساتھ خاتونِ قیامت کے جو واں آؤ گی
اس نشانی سے ہمیں حشر میں تم پاؤ گی

کہہ رہا تھا یہ دلہن سے ابھی وہ گل اندام　　جو مبارز طلبی کرنے لگا لشکر شام
ہو گئے مضطر و بیتاب یہ سنتے ہی کلام　　بس اٹھے کہہ کے یہ مسند سے باندوہ تمام
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

ماں کے پاس آ کے گرے پاؤں پہ بادیدۂ تر　　ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا اے رشکِ قمر
دودھ بخشا تمھیں لو جلد فدا ہو شہ پر　　رہے اس بات کا ماں صدقے گئی دھیان مگر
حملے روبہ صفتوں پر ہوں غضنفر کی طرح
سر کرو جنگ کو تم حیدرِ صفدرؓ کی طرح

عرض کی فضلِ خدا سے یہی ہوگا اماں　　نکلا خیمہ سے یہ فرما کے وہ ماہِ تاباں
دیکھا رخساروں پہ شبیرؑ کے ہیں اشک رواں　　عرض کی جھک کے قدم پر یہ بصد آہ وفغاں
جلد خادم پہ شہا لطف و عنایت کیجے
ماں نے دی رن کی رضا آپ بھی رخصت دیجے

شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے رشکِ قمر　　خیر جو مرضیِ اللہ سدھارو بہتر
اب نہیں تاب کہ داغ اور اٹھائیں دل پر　　کوئی دم میں ہے زمانے سے ہمارا بھی سفر
مرگ کا شوق ہے بس زیست سے دل سیر ہے اب
تم چلو آنے میں اپنے بھی نہیں دیر ہے اب

کہہ کے یہ خود کیا گھوڑے پہ بھتیجے کو سوار　　باگ لی شیر نے اُڑنے لگا جم کر رہوار
مثلِ آہوئے ختن بھر کے طرارے دو چار　　رن میں وارد ہوا وہ توسنِ صرصر رفتار
دشت ضو سے رخِ قاسمؑ کے یہ پُرنور ہوا
وادیِ کرب و بلا رشک وہ طور ہوا

شور تھا قاسمؑ ذی جاہ کی صورت دیکھو　　پھول سے نرم ہیں عارض کی نزاکت دیکھو
تازگی روح کو ہوتی ہے لطافت دیکھو　　مسکراتے ہیں کھڑے شوقِ شہادت دیکھو
ولولے جنگ کے دل میں جو کبھی آتے ہیں
دمبدم گل کی طرح ہونٹ کھلے جاتے ہیں

وہ لڑکپن وہ صباحت وہ ملاحت وہ جمال　　رخِ تاباں سے عیاں دبدبہ و جاہ و جلال
شیر گردوں بھی ڈرے رعب سے آنکھیں وہ غزال　　ان سے دشمن کو نہیں آنکھ ملانے کی مجال
کس لیے قہر کے تیور نہ ہوں اس رعنا کے
قرۃ العین ہیں نورِ نظرِ زہراؑ کے

ہے عجب ناصیۂ قاسمؑ فرخندہ خصال　　دیں اگر بدر سے نسبت اسے ہے نقصِ کمال
گر کہیں مہر جہانتاب تو اس کو ہے زوال　　ذہن کو ہے یہی تشویش کہ دیں کس سے مثال
بات مرغوب ہے یہ اس کے سوا کچھ نہ کہیں
اس کو جز نورِ خدائے دوسرا کچھ نہ کہیں

صانہ اللہ عجب آنکھیں ہیں چشمِ بددور　　جن کی پتلی کے نظارے سے ملے چشم کو نور
ہاں اب اے طبع ثنا اُن کی ہے دل کو منظور　　مردمک حور کی ہو بہرِ مدد آج ضرور
شاخِ طوبیٰ جو قلم بہرِ قلم ہو جائے
مدح تب دیدۂ انور کی رقم ہو جائے

گر رقم ہو گلِ شاداب میں دونو رخسار　　اُس کو در پیش خزاں اِن کو ہمیشہ ہے بہار
کہیے الماس و بلور ان کو جو طبع دُربار　　سنگریزوں میں جمادات میں ہے اُن کا شمار
گر نباتات انھیں سمجھے نہیں انساں ہے وہ
دے جمادات سے تشبیہ تو حیواں ہے وہ

کتنے زیبا ہیں رخِ پاک پہ گیسوئے رسا　　گر کہیں مشکِ ختن ان کو سراسر ہے خطا
ان کی نکہت پہ ہیں عطر و اگر و عود فدا　　سر میں ہے قاف کی پریوں کے انھیں کا سودا
روبرو اس کے خجل سنبلِ پیچاں ہو جائے
کاکلِ حور بھی دیکھے تو پریشاں ہو جائے

بے بہا ہیں دُرِ دندان ولبِ ابنِ حسنؑ   اس پہ صدقے ہے عدن اُس پہ تصدق ہے یمن
کیا بھلا لگتا ہے ہونٹوں کے تلے چاہِ ذقن   نور سے خالقِ اکبر کی بنی یہ گردن
دیکھ لے گر کبھی اس رشک دو سینا کو
یاد ربِّ ارنی پھر نہ رہے موسیٰؑ کو

عارض و ناصیہ و بینی و چشم و ابرو   لب و دندان و ذقن، گردن و گوش و گیسو
قدم و دوش و بر و ساعد و دست و بازو   ناف پاک و شکم و سینہ و پشت و پہلو
کر سکے اِن کی ثنا منہ یہ کسی کا کیا ہے
نور کے سانچے میں خالق نے انھیں ڈھالا ہے

سرِ میداں بفصاحت ہیں رجز کے یہ کلام   مجھ سے آگاہ ہوئے ساکنِ روم و شام
میں حسنؑ کا ہوں جگر بند، ہے قاسمؑ میرا نام   ماں میرے باپ کی ہے فاطمہؑ عرش مقام
مرتبہ حق نے دیا جس کو فزوں حواؑ سے
مریمؑ و آسیہؑ و ہاجرہؑ و سارہؑ سے

جد مرے والد ذی جاہ کا ہے وہ ذیشاں   مالکِ کون و مکاں باعث ایجادِ جہاں
شبِ معراج ہوئی جب طلبِ ربِ زماں   وہاں گئے آپ نہ جا سکتے تھے جبریل جہاں
قرب ادنا ہے کہ جب تا حدِ قوسین گئے
عرشِ اللہ پہ پہنے ہوئے نعلین گئے

میرا دادا ہے وہ مقبولِ خدائے اکبر   جس کی توقیر رسولوں سے بھی ہے بالاتر
شبِ معراج میں جس سمت گئے خیر بشر   اس جگہ نورِ علیؑ آ گیا حضرت کو نظر
عرش پر جب ہوئیں پردے میں نبیؐ سے باتیں
کیں سب اللہ نے آوازِ علیؑ سے باتیں

نائبِ ختمِ رسلؐ ، خالقِ اکبر کا اسد   ناصرِ دینِ مبیں ، دستِ خداوندِ احد
ہر لڑائی میں رہے ربِ دو عالم کی مدد   ہو سکا وار نہ جنات نہ انسان سے رد
یاد جب کرتے ہیں افسانۂ خیبر جبریل
تھرتھرا جاتے ہیں سدرہ پہ سمٹ کر جبریل

ناگہاں چلنے لگے فوج سے نوشاہ پہ تیر　　پر رکے سب سپرِ قاسمؑ ذی جاہ پہ تیر
آئے باطل کی طرف سے جو حق آگاہ پہ تیر　　وہاں ملامت کے چلے لشکر گمراہ پہ تیر
اس طرف کھینچ کے جو ہر غول میں چمکی تلوار
غیظ میں آن کے قاسمؑ نے علم کی تلوار

چل گئی کوند کے جس صف پہ وہ شمشیر دودم　　ہو گئی ایک ہی ضربت میں وہ صف صاف قلم
پھر گری اٹھ کے لعینوں پہ جو وہ برق شیم　　کوئی بے سر کوئی بسمل ہوا کوئی بے دم
تا کمر سر سے دو پارا کوئی سرہنگ ہوا
مع توسن کوئی اک ضرب میں چورنگ ہوا

برق سے بھی کہیں وہ چندتھی اس تیغ کی ضو　　چم وخم وہ ہے کہ شرمندہ ہو جس سے مہِ نو
وہ جلا دار کہ دیتا تھا بدن شمع کی لو　　تن لعینوں کے جلا دیتا تھا جس کا پرتو
اک نظر دیکھ لیا جس نے اُسے، کور ہوا
خود بخود خوف سے مقہور لبِ گور ہوا

پہروں دیکھا کریں ہر ایک کو مرغوب ایسی　　دل میں احباب رکھیں شوق سے محبوب ایسی
جان تک پیاری نہ طالب کو ہو مطلوب ایسی　　نیم بسمل بھی پھڑک جائے کہ خوش اسلوب ایسی
چین سے رہتے تھے مر کر بھی نہ تن لاشوں کے
لوٹ جاتے تھے اداؤں پہ بدن لاشوں کے

یوں ہے اس کے بدنِ صاف پہ جوہر کا ظہور　　جیسے افشاں کو چنے ماتھے پہ فردوس کی حور
چرخ پر یا شبِ ظلمت میں ستاروں کا ہے نور　　میان سے گر نکل آئے یہ میانِ دیجور
ہو یہ پُر نور کہ ہم قدر شبِ قدر بنے
اس مہِ نو سے شبِ تار شبِ بدر بنے

سَن سے چلتی تھی جو وہ صورتِ صرصر ہر سو　　سیکڑوں ہوتے تھے چورنگ ستمگر ہر سو
تن پہ تن گر کے تڑپتے تھے برابر ہر سو　　سر پہ سر گرتے تھے کٹ کٹ کے سراسر ہر سو
پاؤں رکھنے کی جو رن میں نہ جگہ پاتا تھا
روند کر لاشوں کو رہوار نکل جاتا تھا

کبھی دوڑا کبھی کاوے پہ لگا وہ خوش گام ۔۔۔ کبھی کشتوں کے صفِ شام کی روندے اجسام
نیم بسمل جو کہیں کوئی ملا بد انجام ۔۔۔ مار کر ٹاپ وہیں کام کیا اس کا تمام
زخمیوں نے کہیں تن اپنے جو مستور کیے
استخواں بڑھ کے لعینوں کے وہیں چور کیے

وہ صفا جلد وہ خوش رنگ وہ نکھرے ہوئے بال ۔۔۔ وہ کنوتی وہ رخِ صاف وہ چشمانِ غزال
وہ کفلِ آئینہ، وہ گردنِ خم رشکِ ہلال ۔۔۔ وہ قدم، وہ کمرِ تنگ وہ، معشوق کی چال
دیکھ لے گر تو پشیماں ہو پری خجلت سے
لڑکھڑائیں قدمِ کبک دری خجلت سے

دوڑ میں ابر سے منجدھارے سیلاب سے تیز ۔۔۔ بے قراری میں تڑپ میں کہیں سیماب سے تیز
اور کاووں میں بھی کچھ گردشِ گرداب سے تیز ۔۔۔ تند پرواز میں شہباز سے سرخاب سے تیز
ساتھ سیمرغ جو اس کے دمِ پرواز آئے
ہو سکے نصف مسافت بھی نہ طے، باز آئے

ہو دمِ صبح گلستاں میں جو گلگوں کا گذر ۔۔۔ آئے مرغانِ چمن کو نہ لطافت سے نظر
سمجھیں کھلتے ہوئے گل اس کو کہ ہے بادِ سحر ۔۔۔ ہو گماں بادِ سحر کو کہ ہے عکسِ گلِ تر
جان لے نکہتِ گل اس کو ہر اک بلبل بھی
روحِ بلبل کا کرے دھیان شمیمِ گل بھی

ہو یہ رہوار اگر چرخ پہ ہمراہِ قمر ۔۔۔ یوں کرے طیِ منازل کہ نہ ہو اس کو خبر
ساتھ خورشیدِ فلک کے ہو یہ مغرب سے اگر ۔۔۔ یوں رواں ہو کہ مقصّر رہے شاہِ خاور
تگ و دو میں یہ رہے مدِّنظر سے پہلے
شرق میں آن کے دم لے یہ سحر سے پہلے

رخش اُدھر کرتا تھا پامال اِدھر تیغ دو دم ۔۔۔ جس گھڑی گرتے تھے اٹھ جاتے تھے اعدا کے قدم
بھاگنے دیتی تھی اعدا کو نہ وہ برق شیم ۔۔۔ سرِ نموداروں کے کر دیتی تھی چُن چُن کے قلم
تیغ سے جب نہ کہیں امن کی جا پاتے تھے
نار میں ناریوں کے غول چلے جاتے تھے

خودِ سرکش پہ کبھی گر کے جھلم کاٹ گئی　　گردن و فرق و بر و ناف و شکم کاٹ گئی
ساعد و دست و کف و ساق و قدم کاٹ گئی　　بربط و بوق و دف و طبل و علم کاٹ گئی

جب ہو ناساز تو کیا ساز میں آواز رہے
جنگ سے جتنے فسوں ساز تھے سب باز رہے

دیکھ کر فوج کی ہلچل بنِ سعد مقہور　　تھرتھراتا تھا یہ تھا خوف کا ظالم کو وفور
پہلواں منتخبِ دہر جو تھے اس کے حضور　　دیکھ کر ان سے یہ کہنے لگا وہ زشت شعور

وہ جواں مرد ہے اس شیر سے جو سر بر ہو
تم میں ایسا ہے کوئی جس سے مہم یہ سر ہو

سب نے تب متفق اللفظ کہا یہ کہ امیر　　ہم میں ہے ارزقِ شامی کہ نہیں جس کا نظیر
یہ تو کیا ہے جو مقابل ہو دمِ دار و گیر　　زال سے گرد کو عاجز کرے جوں طفلِ صغیر

اس زمانہ میں اگر رستمِ دستاں رہتا
اس زبردست کا وہ تابعِ فرماں رہتا

سن کے یہ کی پسرِ سعد نے ارزق پہ نظر　　کہا جا کاٹ کے لا جسم سے نوشاہ کا سر
غیظ میں آ کے یہ کہنے لگا وہ بانیِ شر　　کبھی اس طفل سے لڑنے کا نہیں میں جا کر

زور میں ضرب میں شہرہ مرا ہے عالم میں
کیا کرے گا مجھے انگشت نما عالم میں

ہاں جو تو کرتا ہے اصرار تو سن اے سردار　　ہنرِ جنگ میں یکتا ہیں مرے بیٹے چار
مردِ میدان و جوانمرد و شجاع و جرار　　سام کو سامنے جن کے نہیں تابِ پیکار

ان سے میداں میں مقابل جو نریماں ہو جائے
عاجز و نادم و محجوب و پشیماں ہو جائے

جائے ان میں سے اگر ایک پئے جنگ و جدال　　سر تو کیا مال ہے ہو لاش تک اس کی پامال
کہہ کے یہ اذن دیا اس کو بصد جاہ و جلال　　نیزہ بازی میں جو فرزند تھا مشاق کمال

چڑھ کے رہوار پہ وہ بانیِ بیداد چلا
دوش پر رکھے ہوئے نیزۂ فولاد چلا

رن میں آتے ہی پکارا وہ کہ قاسمؑ ہشیار　　دیکھ کرتا ہوں میں نیزہ کو ترے صدر کے پار
بولے قاسمؑ کہ زباں بند کر او ناہنجار　　نیزہ بازی میں جو دعویٰ ہے، تو آ کر کوئی وار
ہم ہیں او دشمنِ دیں شیر خدا کے دلبند
بند باندھیں گے کہ ہیں عقدہ کشا کے دلبند

غیظ سے سنتے ہی یہ روک کے گھوڑے کی عناں　　زور سے سینۂ نوشاہ پہ کی ضرب سناں
مُڑ کے قاسمؑ نے جو کی ضربتِ تیغ براں　　ڈانڈ سے اُڑ گیا پھل نیزہ کا جوں برگِ خزاں
ڈر سے جھچکا تھا کہ آنکھوں میں جہاں تار ہوا
وہ پڑی ضربتِ شمشیر کہ فی النار ہوا

پسرِ ثانیِ ازرق نے جو دیکھا یہ حال　　خود بخود غیظ سے نکلا وہ شقی بہرِ جدال
دی یہ آواز کہ اے گلشنِ شبرؑ کے نہال　　تجھ کو پامال کروں گا کہ ہے بھائی کا ملال
پہلواں ڈر سے ادب کرتے تھے اکثر جس کا
اس کو مارا ہے نہ تھا شام میں ہمسر جس کا

کہا قاسمؑ نے کہ بڑھ تو بھی مردودِ اُحد　　کہہ کے یہ تول کے نیزہ کو بڑھے مثلِ اسد
کی ہر اک طعن میں سو طرح کی کیا دنے کد　　ہو سکا وار مگر دلبرِ شبرؑ کا نہ رَد
پڑ گئی ضرب وہ پہلو پہ کہ ٹالی نہ گئی
سانس تک گر کے ستمگار سے پھر لی نہ گئی

جب یہ دیکھا تو ہی تیسرے بیٹے کو نہ تاب　　صف سے گھوڑے کو اُڑاتا ہوا نکلا وہ شتاب
دی صدا آتا ہوں میداں میں بصد قہر و عتاب　　بھائیوں کا یہ الم ہے کہ کلیجہ ہے کباب
تیغِ بیداد کا کافی ہے اشارا تجھ کو
ایک ہی وار میں کرتا ہوں دو پارا تجھ کو

کہہ کے یہ میان سے کی تیغِ علم اس نے ادھر　　دونوں ہاتھوں میں ادھر آپ نے لی تیغ و سپر
تول کر تیغ کو مارا جو سرِ قاسمؑ پر　　ڈھال پر لے لیا نوشاہ نے اس کو بڑھ کر
ڈھال روکے تھے کہ اک ہاتھ وہ مارا اس کو
پہلوئے چپ سے کیا صاف دو پارا اس کو

چوتھے بیٹے نے جو ازرق کے یہ دیکھی روداد　　چڑھ کے گھوڑے پہ صفِ جنگ سے نکلا کیاد
روبرو آتے ہی نعرہ یہ کیا او ناشاد　　تو نے کی باپ کی سب میرے کمائی برباد
دنگ ہوں دیکھ کے سب اب وہ سزا دیتا ہوں
میں تجھے نوک پہ نیزے کی اٹھا لیتا ہوں

کہا قاسمؑ نے کہ کیا بکتا ہے او ناہموار　　خود اجل ہے ترے کاندھے پہ جفا کار سوار
مارا یہ سنتے ہی نیزہ جو بڑھا کر رہوار　　کر کے رو تیغ کا شانے پہ کیا آپ نے وار
وہ پڑی ضرب کہ اک کوہِ گرانبار گرا
کٹ کے ہاتھ اس کا مع نیزۂ خونخوار گرا

دور سے سب نے جو یہ حال لعیں کا دیکھا　　شور ہیہات کا لشکر سے سرِ دست اٹھا
بائیں پنجے میں عناں تھام کے مانندِ ہوا　　ڈر سے تکتا ہوا مڑ مڑ کے ستمگر بھاگا
تن کے نعرہ کیا قاسمؑ نے کہ سفاک نہ بھاگ
مجھ کو نیزہ پہ اٹھا او سگ ناپاک نہ بھاگ

گر کے گھوڑے سے جہنم کی جب اس نے لی راہ　　غم سے آنکھوں میں زمانہ ہوا ازرق کے سیاہ
سر کو پیٹا کبھی رو رو کے باحوالِ تباہ　　کبھی دل تھام کے سینے سے بھری اک سرد آہ
کہا اس طفل سے پیکار ہے گو ننگ مجھے
مگر اس دم نہ قرار آئے گا بے جنگ مجھے

کہہ کے یہ تن پہ سجے جنگ کے ہتھیار چلا　　سرخ آنکھیں کیے غصے سے سیہ کار چلا
دوش پر رکھے ہوئے نیزۂ خونخوار چلا　　دی صدا موت نے ناری طرفِ نار چلا
ہے جو فرزندوں کی فرقت میں طپش ظالم کو
طرفِ قعرِ جہنم ہے کشش ظالم کو

سر پہ اس سرکش و خودسر کے وہ تھا خودِ گراں　　مستقل آہنِ معکوس کا ہوتا تھا گماں
وہ سیہ شکلِ مہیب اور وہ چوڑے دنداں　　خواب میں دیکھ کے عفریت ہو جس سے ترساں
سورۂ جن پئے دفعِ خطر و ہول پڑھے
شب کو گر دیکھ لے شیطاں بھی تو لاحول پڑھے

دوش پر اس سگِ بدخو کے وہ تھا گرز گراں　　جس سے اک ضرب میں ہو چور سرِ پیل دماں
توڑ دے تا بہ آہن کو وہ نیزہ کی سناں　　پائے ارجن نہ اماں جس سے وہ تیر اور وہ کماں
دیو سے اُٹھ نہ سکے ڈھالِ گرانبار ایسی
کوہ بھی جس سے ہو شق ڈاب میں تلوار ایسی

لب پہ نعرے تھے یہ ہر بار کہ میں ہوں ازرق　　پہلواں مجھ سے فنِ جنگ کا پڑھتے ہیں سبق
سینۂ فیل کو کر دیتا ہوں اک وار میں شق　　معرکہ میں مجھے لاکھوں سے نہیں ڈر مطلق
ہوں مقابل جو صفیں تیغ سے چورنگ کروں
لاکھ اسوار سے تنہا جدل و جنگ کروں

روبرو حضرتِ قاسمؑ کے جو پہنچا وہ شریر　　اس کی آمد سے خبردار ہوئے یہاں شبیرؑ
کی دعا یہ بصد الحاح کہ اے ربِّ قدیر　　دیو وہ پیل تنومند ہے یہ طفلِ صغیر
مرے قاسمؑ کو بچا حافظ و ناصر ہے تو
کر ظفریاب اُسے اللہ کہ قادر ہے تو

کشتیِ نوح کو طوفاں میں سنبھالا تو نے　　بطن سے حوت کے یونسؑ کو نکالا تو نے
گھر میں فرعون کے موسیٰؑ کو بھی پالا تو نے　　سر سے ایوبؑ کے آفت کو بھی ٹالا تو نے
پایا کفار نے مطلق نہ پتا احمدؐ کا
غار میں تو ہی نگہبان تھا میرے جد کا

یاں دعا کرتے تھے خالق سے شہِ جن و بشر　　روک کر باگ یہ نعرہ کیا ازرق نے اُدھر
اے جواں قتل کیے تو نے مرے چار پسر　　فرطِ غم سے یہ حرارت ہے کہ پھنکتا ہے جگر
آگ سینہ میں یہ بھڑکی ہے کہ تن جلتا ہے
چار داغ ایسے ہیں دل پر کہ بدن جلتا ہے

تول کر تیغ پکارا یہ حسنؑ کا دلبر　　اسی شمشیر سے ٹھنڈے ہوگئے ہیں تیرے پسر
اُن کے غم میں یہاں تو جلتا ہے او بانیِ شر　　نار میں جلتے ہیں چاروں ترے وہاں نورِ نظر
خوفِ سوزش ہے عبث ظالمِ بے پیر تجھے
سرد کر دے گا یہ آبِ دمِ شمشیر تجھے

سخنِ گرم سے جب تو جلا اور شریر　　ہو گیا لیس خطا پر وہ لعینِ بے پیر
لے غصے میں کماں دوش سے ترکش سے تیر　　کہا ہشیار ہو آگاہ ہو اے طفلِ صغیر
مجھ سے ارجن بھی نہ سربر ہو یہ ہے ناز مجھے
پہلواں کہتے ہیں یکتا قدر انداز مجھے

کہہ کے یہ تیر کیا سر سوئے صدرِ ضیغم　　تیغ سے کاٹ دیا شیر نے وہ تیرِ ستم
غیظ میں آ کے خدنگ اُس نے لگائے پیہم　　کر دیا قاسمؑ نوشاہ نے ان کو بھی قلم
پھر تکبر سے نہ ہو کیوں سرِ سرکش خالی
ہو گیا تیروں سے بدکیش کا ترکش خالی

ہنس کے کہنے لگے نوشاہ لعیں کر نہ درنگ　　سوچتا کیا ہے لگا ہم پہ کوئی اور خدنگ
قدر اندازی میں تھا ناز تجھے او سر ہنگ　　ہمگیں کیوں ہے خطا کار ہوئی کیا وہ امنگ
نہ سمجھ تجھ سے فنِ جنگ میں کچھ کمتر ہوں
میں جگر گوشۂ لختِ جگرِ حیدرؑ ہوں

سن کے یہ کانپ گیا فرطِ غضب سے سفاک　　تول کر گرزِ گراں کہنے لگا وہ ناپاک
یہ وہ ہے جس سے دمِ جنگ ہو رستم بھی ہلاک　　گر پڑے پیلِ دماں پر تو ہو فوراً تہہِ خاک
اب ترا حال یہ اے طفلِ حسیں کرتا ہوں
ایک ہی ضرب میں پیوندِ زمیں کرتا ہوں

کہا قاسمؑ نے نہ کر لاف و گزاف او مقہور　　جز خدا اور کسی کو نہیں زیبا ہے غرور
تھے جو کل تخت پہ شاہانِ اولوالعزم و غیور　　آج ہیں ٹھوکروں سے کاسۂ سر اُن کے چُور
متکبر جو وغا میں وہ بدافعال ہوئے
دیکھ لاشے ترے بیٹوں کے بھی پامال ہوئے

نام بیٹوں کا سنا جب تو ہوا قلب فگار　　تول کر گرز کو نوشاہ پہ مارا یکبار
پھر گیا گُل کی طرح سے جو بنے کار ہوار　　تن کے اک تیغ کا قاسمؑ نے کیا گرز پہ وار
رہ گیا کثرتِ غیرت سے ستمگر کٹ کر
نصف میداں میں گرا گرزِ گراں سر کٹ کر

ہنس کے اُس سرکش بدخو سے یہ قاسمؑ نے کہا   تیری نخوت کی یہ تھی او ستم ایجاد سزا
اور جھنجھلا گیا یہ سن کے وہ مردودِ خدا   بل پہ بل کھا کے ہلانے لگا ظالم بھالا
بہرِ امداد نظر کر کے طرف لشکر کے
گشت دینے لگا رہوار کو کوڑا کر کے

لشکرِ شام میں باجوں کا ہوا غل اک بار   گھوڑے چمکائے ہوئے آئے کمک کو اسوار
جب قریب آیا تو کاوے پہ لگا کر رہوار   نیزہ تولے ہوئے قاسمؑ پہ بڑھا وہ غدار
جنگ نیزہ کی ہے منظور جو یہ جان لیا
شیر نے نیزۂ خطی کو ادھر تان لیا

پھر تو آپس میں قیامت کی ہوئی رد و بدل   ڈانڈ سے ڈانڈ کبھی لڑ گئی پھل سے کبھی پھل
اس نے پتلی کی طرف ماری سناں کھا کے جو بل   کی انی نوک سے قاسمؑ نے نظر سے اوجھل
نیزہ یا عقدہ کشا کہتے تھے اور تولتے تھے
بند جو باندھتا تھا وہ اسے یہ کھولتے تھے

جھیپ کر طعن کے کرنے لگا جب وہ گفتار   غیظ میں آ گیا دلبندِ امامِ ابرار
یا علیؑ کہہ کے کیا نیزہ پہ نیزہ کا جو وار   ڈانڈ سے اس کی سناں ہو گئی نوشاہ کے پار
دیا جھٹکا کہ ستمگار کا جی چھوٹ گیا
ہاتھ سے نیزۂ خونخوارِ شقی چھوٹ گیا

ہاتھ اٹھا کر کیا نیزے کو جو قاسمؑ نے بلند   نوک میں نیزۂ خونخوارِ شقی تھا پیوند
غل یہ کرتے تھے جواں فوج کے ہو کر خورسند   خوب پوتے کو یداللہ کے پہنچائی گزند
اس ہوا پر تھا سرِ افعئ خونخوار کھنچا
لو سزا مل گئی موذی کو سرِ دار کھنچا

خفتوں پر جو ستمگر نے اٹھائی خفت   تیغ لی میان سے کیا دنے باصد ہیبت
کہا اب تیری شکست اور ہے میری نصرت   دی صدا موتؑ نے شامی کی اب آئی شامت
ایک ہی وار میں اندھیر جہاں ہوتا ہے
ہیں جہاں چار پسر وہاں یہ رواں ہوتا ہے

اے زباں معرکۂ خندق و خیبر دکھلا ملؔ ہوں صفیں صاف وہ زورِ شہِ صفدر دکھلا
ضربت و زورِ جگر گوشۂ شبرؑ دکھلا جسدِ نحس کے دو ٹکڑے برابر دکھلا
گو قوی ہے پہ وہ مغلوب ہے یہ غالب ہیں
وہ ہے مرحب یہ علی بن ابی طالبؑ ہیں

مختبِ شام کا وہ گرگ ہے یہ شیرِ حجاز شیرِ شرزہ یہ نیستانِ نجف کا، وہ گراز
وہ ہے دراج یہ شاہین وہ عصفور یہ باز وہ ہے عفریت، یداللہ کا یہ دستِ دراز
شیر سے چار ہو مقدور یہ روباہ کا ہے
وہ شغال اور یہ پوتا اسد اللہ کا ہے

لو وہ نوشاہ پہ کھینچے ہوئے شمشیر بڑھا اسد حق سے دغا کرنے کو بے پیر بڑھا
خود بخود سامنے ضرغام کے نخچیر بڑھا یہاں سے لختِ جگرِ شبرؑ و شبیرؑ بڑھا
شور تھا ڈانٹ کے قاسمؑ جو گئے بدخو پر
لو وہ جھپٹا اسدِ شیر خدا آہو پر

دل بڑھانے لگے ارزق کا اُدھر سے مکار یہاں سے عباسؑ نے قاسمؑ کو صدا دی یکبار
اے مرے شیر تری ہمت و جرات کے نثار اب کہاں جائے گا پنجے ہے قابو میں شکار
مری جاں نوک سے شمشیر کے کوچو اِس کو
ہڈیاں چُور ہوں اس طرح دبوچو اِس کو

عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو جری نے کہ حضور مطمئن رہیے کہ ہوتا ہے ابھی اس کا ظہور
کہہ کے یہ تول کے تلوار بڑھا یہاں سے غیور آ گیا کھینچ کے شمشیر اُدھر سے مقہور
رخش سے رخش ملا جنگ و جدل ہونے لگی
تیغ پر تیغ چلی ردّ و بدل ہونے لگی

آئی وہ ڈھال پہ یہ کوند کے مغفر پہ گئی چمکی وہ دوش پہ یہ گردنِ خودسر پہ گئی
وہ کمر سے گئی خالی تو یہ پیکر پہ گئی گئی پہلو سے وہ یہ جوشن و بکتر پہ گئی
دور تک جاتی تھی جھنکار جو لڑ جاتی تھیں
صاف دو برقِ جہندہ تھیں کہ ٹکراتی تھیں

تیغِ نوشاہ کے جب روبرو جاتی تھی چمک　　فرطِ ہیبت سے ستمگر کی جھپکتی تھی پلک
جب پہنچ جاتی تھی شمشیر کبھی فرق تلک　　خوف سے پچھلے قدم ہٹ کے وہ جاتا تھا جھجک
بڑھ کے جب ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا تھا
ڈھال رو کے ہوئے چہرہ پہ وہ دب جاتا تھا

ہنس کے قاسمؑ یہ صدا دیتے تھے ہے مرد کہ ہیز　　کچھ بھی ہے جنگ و جدل کی تجھے نا اہل تمیز
یا وہ نخوت تھی کہ کچھ جانتا تھا آپ کو چیز　　وقت پر جنگ میں یا کرتا ہے جان اپنی عزیز
ہم جو بڑھتے ہیں تو گھبرا کے جھجک جاتا ہے
ڈھال کو روک کے چہرے پہ دبک جاتا ہے

سن کے یہ کرنے لگا وہ جو درشتانہ کلام　　غیظ میں آ کے لگے تولنے قاسمؑ صمصام
روک کر منہ پہ سپر کو جو دبا وہ ناکام　　کفلِ رخش پہ اک اوچھی سی کی ضربِ حسام
پھینکی پشتک کہ نظر سے وہ سیہ کار گرا
منہ کے بھل خاک پہ گھوڑے سے وہ مکار گرا

جلد گرما کے فرس ابنِ حسنؑ مثلِ شرر　　ابھی وہ اٹھنے نہ پایا تھا کہ پہنچے سر پر
کوچ کر پشت پہ شمشیر کہا او خودسر　　کاٹ لوں کود کے گھوڑے سے ابھی جسم سے سر
طفل کا معرکہ کیوں او ستم آرا دیکھا
شیر کے بچوں کا روباہ تماشا دیکھا

دیر سے محو جو تھے حضرتِ عباسؑ ادھر　　دی یہ آواز کہ احسنت حسنؑ کے دلبر
علی اکبرؑ نے کہا روک لو ہاتھ اے صفدر　　بھائی سر اس کا نہ کاٹو ابھی ٹھہرو دم بھر
چڑھ لے گھوڑے پہ تو پھر جنگ کا آہنگ کرو
جب مقابل ہو ستمگار تو چورنگ کرو

سن کے یہ بات جو قاسمؑ نے اٹھائی تلوار　　اٹھ کے گھوڑے پہ ہوا پھر ستم ایجاد سوار
یاس سے دیکھ کے ہر سمت کیا عزمِ فرار　　تھے جو ہمراہ وہ گھبرا کے پکارے اک بار
نام ہے جان دے مابینِ جدل اے ارزق
ننگ ہے جنگ کے میداں سے ٹل اے ارزق

رُک گیا شرم سے یہ سن کے جو وہ بانیٔ شر — آئے قاسمؑ تو سپر ڈر سے اٹھائی سر پر
ماری وہ تیغ کہ دکھلا دیا دادا کا ہنر — ذکر کیا ڈھال کا تا ناف ہوا دو خود سر

یوں برابر وہ ہر اک میمۂ مردود ہوا
سرخ بھر وزن میں یہ کم نہ وہ افزود ہوا

بڑھ کے عباسؑ پکارے کہ مرے ضیغم واہ — دو کیا دیو کو اک ضرب میں سبحان اللہ
خود کھڑے کرتے ہیں تعریف امامِ ذی جاہ — جھک کے تسلیم بجالاؤ مرے غیرت ماہ

کر کے مجرا جو رخ اعدا کی طرف پھیر لیا
لشکرِ شام نے نوشاہ کو پھر گھیر لیا

شمر نے دی یہ صدا اے سپہ کوفہ و شام — ہو کے سب ایک جگہ کام کرو اس کا تمام
سن کے دولھا پہ لگانے لگے وہ بدانجام — خنجر و نیزہ و تیر و تبر و گرز و حسام

کیا دلیری تھی کہ اس پر بھی نہ گھبراتے تھے
وار کرتے ہوئے ہر فوج میں دَر آتے تھے

تنِ تنہا یہ جری اور وہ ہزاروں غدار — تشنگی سخت انھیں، سیراب وہ ظالم خونخوار
کس طرح جنگ کرے لاکھوں سے اک بیکس و زار — متصل پڑتے تھے مظلوم پہ تلواروں کے وار

چاک تیغ و تبر و تیر سے سب جامہ تھا
سربسر خون میں تر بیاہ کا عمامہ تھا

گھرے زخموں سے جو خوں ہوتا تھا کثرت سے رواں — ضعف بڑھتا تھا گھٹی جاتی تھی طاقت ہر آں
کوئی دم کا تھا جہاں میں وہ دلاور مہماں — ناگہاں سینہ پہ ماری کسی ظالم نے سناں

چھٹ گئی باگ رکابوں میں قدم جم نہ سکے
پشتِ مرکب پہ جگر تھام لیا تھم نہ سکے

گرتے گرتے شہِ دیں کو یہ صدا دی ناگاہ — اب غلام آپ پہ ہوتا ہے تصدق یا شاہ
کھائی سینہ پہ وہ برچھی ہے کہ خالق کی پناہ — دم نکلتا ہے کوئی دم میں یہ ہے حال تباہ

گھوڑے روکے ہوئے گھیرے ہیں بدافعال مجھے
آیئے جلد نہ کر دیں کہیں پامال مجھے

سن کے یہ روتے ہوئے رن کی طرف شاہ چلے   میان سے کھینچے ہوئے تیغ ید اللہ چلے
دل کو تھامے ہوئے عباسؑ بھی ہمراہ چلے   پیٹتے سینہ و سر اکبرؑ ذی جاہ چلے
ڈر جو شیروں کا ہوا فوج کے اسواروں کو
بھاگے سب پھیر کے نوشاہ پہ رہواروں کو

پہنچے قاسمؑ کے سرہانے جو شہِ عرش حشم   آ گیا منہ کو جگر حال وہ دیکھا اُس دم
دم ہے اٹکا ہوا ہونٹوں پہ رگڑتے ہیں قدم   چور تن گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے بازو ہیں قلم
دیدے پتھرائے ہوئے ہیں تو غشی طاری ہے
ہچکیاں لیتے ہیں اور منہ سے لہو جاری ہے

تنِ صد پاش سے سرور نے لپٹ کر یہ کہا   میرے قاسمؑ تری غربت پہ یہ عمو ہو فدا
کھول کر آنکھیں ذرا دیکھو کہ آیا ہے چچا   بات کیوں کرتے نہیں کچھ تو کہو حال ہے کیا
جان تیرے لیے حجلہ میں دلہن کھوتی ہے
ماں تیری خیمہ کے پردے سے لگی روتی ہے

دیر تک یوں ہی پکارا کیے سلطانِ انام   کی نہ کچھ بات کہ مطلق تھا نہ یارائے کلام
کیا رہیں ہوش بجا نزع میں تھا وہ گلفام   ہچکیاں لے لے کے آخر ہوا وہ ماہ تمام
شہِ مظلوم پہ کوہِ الم و یاس گرے
خاک پر پیٹ کے سر اکبرؑ و عباسؑ گرے

شہ نے جلتی ہوئی ریتی پہ بچھا کر چادر   لاشِ صد پاش کو قاسمؑ کی لپیٹا کس کر
لے چلے سینہ سے لپٹائے شہ جن و بشر   اک طرف حضرتِ عباسؑ تھے اک سُو اکبرؑ
وہ اُدھر آنکھوں پہ رومال دھرے روتے تھے
یہ اِدھر سینہ و سر پیٹ کے جاں کھوتے تھے

دور سے آ گیا فضہؑ کو یہ ساماں جو نظر   دوڑے خیمہ میں یہ کہتے ہوئے بادیدہ تر
ماں ہے دولھا کی کہاں آ گیا دولھا در پر   ڈالیں آنچل سرِ نوشاہ پہ بہنیں ہیں کدھر
دور دن غم کے ہوئے عیش کی رات آ پہنچی
لاؤ مسند پہ دلہن کو کہ برات آ پہنچی

سن کے یہ حشر تھا خیمہ میں کہ آئے سرور رکھ دیا لاشۂ فرزندِ حسنؑ مسند پر
تنِ صد پاش پسر پر جو پڑی ماں کی نظر غم سے دل ہو گیا شق آنے لگا منہ کو جگر
جس پہ پڑ جائے مصیبت یہ وہ دل کیا تھامے
گر پڑے لاش پہ ہاتھوں سے کلیجا تھامے

بین کرنے لگی میت سے لپٹ کر اک بار واری کیا شکل بنا لائے یہ مادر ہوشار
گھاؤ سے بھر گئے ہیں چاند سے دونوں رخسار شق ہے سر تا بہ جبیں، گردنِ نازک ہے فگار
بیاہ کے کپڑے ہیں تر خون کے سب دھاروں سے
چور ہے پھول سا تن ظلم کی تلواروں سے

کٹ گئے تیغوں سے ابرو مرے ناشاد بنے بھر گئے خاک میں گیسو مرے ناشاد بنے
چور ہیں تیغوں سے پہلو مرے ناشاد بنے ہیں جدا شانوں سے بازو مرے ناشاد بنے
رو رہی ہوں میں سرہانے نہیں پروا تم کو
میں نے پالا تھا اسی دن کے لیے کیا تم کو

کیا پردیس میں آ کر سفر اے نورِ نظر رانڈ ماں کا ہوا برباد گھر اے نورِ نظر
خون میں نرگسی آنکھیں ہیں تر اے نورِ نظر کھا گئی تجھ کو یہ کس کی نظر اے نورِ نظر
دیدے ہیں غم میں سفیداب ہے یہ حالت میری
ساتھ تیرے گئی آنکھوں کی بصارت میری

کیونکر اب پاؤں گی تیری خبر اے لختِ جگر روؤں گی پیٹوں گی شام و سحر اے لختِ جگر
تجھ سے خالی نظر آئے جو گھر اے لختِ جگر کس طرح سے میں سنبھالوں جگر اے لختِ جگر
دلِ مضطر کسی صورت نہ تھمے گا میرا
منہ کو آ جائے گا صدمے سے کلیجا میرا

اے مرے تیغ زن آصف شکن اے غنچہ دہن اے مرے گلبدن اے کم سخن اے غنچہ دہن
سب جدا ہو گئے بندِ بدن اے غنچہ دہن اٹھ گئے خلق سے تشنہ دہن اے غنچہ دہن
پیاس تھی تین شب و روز کی جانی تم کو
نزع میں بھی نہ میسر ہوا پانی تم کو

حشر تھا بین سے مادر کے ادھر زینبؑ زار　　لاش پر دولھا کی لے آئیں دلہن کو اک بار
بانو چلائیں کہ بچی تیری غربت کے نثار　　پیٹ لے لاش پہ نوشاہ کی اے سینہ فگار
چور ہے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سراپا بیٹی
تیری تقدیر میں لکھا تھا رنڈاپا بیٹی

پڑ گئی لاش پہ دولھا کی دلہن کی جو نگاہ　　خوں میں ڈوبی ہوئی کھینچی دلِ غم دیدہ سے آہ
کھول کر گوندھے ہوئے بالوں کو باحالِ تباہ　　ناک سے نتھ کو بڑھا کر کہا ہے ہے نوشاہ
کیوں یہ خاموشی ہے کچھ منہ سے تو بولو صاحب
کون سی بات پہ لونڈی سے خفا ہو صاحب

وقتِ رخصت جو نہ بولی تھی میں تفتیدہ جگر　　مُہر کر دی تھی خموشی کی حیا نے منہ پر
پاؤں پڑتی ہوں میں اس بات پہ روٹھے ہو اگر　　اپنی بیوہ کی خطا بخش دو بہرِ داور
منتیں کرتی ہوں آواز نہیں دیتے ہو
نیند کیسی ہے کہ کروٹ بھی نہیں لیتے ہو

خوب گھر مادرِ ناشاد کا آباد کیا　　عقد کے ہوتے ہی لونڈی کو بھی آزاد کیا
خنجرِ غم سے دو پارا دلِ ناشاد کیا　　تم نے صاحب ہمیں پردیس میں برباد کیا
مجھ سے منہ موڑ کے جنت کو سدھارے صاحب
اب جیوں گی میں بھلا کس کے سہارے صاحب

ہے زمانہ میں رنڈاپے کی مصیبت جانکاہ　　تم نے افسوس نہ کی کچھ مری غربت پہ نگاہ
ہجر میں آپ کے تڑپوں گی بصد نالہ و آہ　　بہرِ خدمت مجھے پاس اپنے بلا لو للہ
لوٹنے کیلئے جب فوجِ ستم آئے گی
مجھ سے زنداں کی مصیبت نہ سہی جائے گی

بین یہ کر کے جو غش ہوگئی قاسمؑ کی دلہن　　لے گئے لاش کو خیمہ سے شہنشاہِ زمن
سرفراز آ گے نہ کہہ حالِ جگر بندِ حسنؑ　　شہ سے اب رخصتِ عباسؑ ہے بادردومحن
جب اجل ان کی جوانی کا چمن لوٹے گی
بھائی کے غم میں شہِ دیں کی کمر ٹوٹے گی

ضیاؔ

سید مہدی نام، ضیاؔ تخلص تھا۔ میر انیسؔ کے شاگرد تھے۔ والد میر جعفر کے نام سے معروف تھے اور حیدر آباد دکن میں مقیم تھے۔ حیدرآباد میں ایک ہی عہد میں ضیاؔ تخلص کے تین مرثیہ گو گزرے ہیں پہلے باقر حسن ضیاءؔ (شاگرد میر انیسؔ) دوسرے سید مہدی ضیاءؔ (شاگرد انیسؔ) تیسرے بادشاہ حسین ضیاء (شاگرد ناجیؔ)۔

سید مہدی ضیاءؔ کے حالاتِ زندگی کے حوالے سے غلام صمدانی خاں گوہر لکھتے ہیں:

"لکھنؤ (محلہ مفتی گنج) کے رہنے والے تھے۔ سر سالار جنگ اوّل کے زمانۂ وزارت میں بغرضِ ملازمت حیدر آباد دکن آئے اور پچاس روپیہ منصب علاقہ صرفِ خاص سے مقرر ہوا۔

داستان گوئی میں آپ کو کمال تھا۔ میر مہر علی صاحب انسؔ سے تلمذ رکھتے تھے۔ کلام پُر لطف اور بامزا ہے۔

اخلاق و مروّت میں بے مثال تھے۔ حال ہی میں [تقریباً ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ] اس جہانِ فانی کو الوداع کیا۔ ایک نوجوان صاحبزادے سید قطب جعفر صاحب نام اس وقت آپ کی یادگار موجود ہیں اور مرحوم کا منصب بھی ان پر بحال ہے"۔

(تزکِ محبوبیہ جلد ۲ دفتر ہفتم صفحہ ۱۰۷)

ڈاکٹر رشید موسوی کی کتاب "دکن میں مرثیہ اور عزاداری" میں اِن کا ذکر نہیں ہے۔

ضیاءؔ کے مرثیے اور سلام دستیاب نہ ہو سکے۔ ایک غزل درج کی جا رہی ہے:

غزل

جنوں میں داغِ دل مہرِ منوّر ہوتے جاتے ہیں
مرے چاکِ قبا دامانِ محشر ہوتے جاتے ہیں

چمن میں قہقہہ زن کیوں گُلِ تر ہوتے جاتے ہیں
یہ کون آیا جو بالیدہ صنوبر ہوتے جاتے ہیں

تمہاری دلبری کا اور بھی چرچا ہوا ہوگا
جفا و ظلم کے عشاق خوگر ہوتے جاتے ہیں

سوالِ وصل کب میں نے کیا انصاف کچھ کیجے
عبث آپ اپنے صنم جامہ سے باہر ہوتے جاتے ہیں

پسینہ سیرِ گلشن میں جوان کے رخ پہ آتا ہے
خجالت سے عرق آگیں گُلِ تر ہوتے جاتے ہیں

تہِ ابروئے قاتل ہے مژہ کی بس یہی خشمک
کہ لو ہم رتبۂ شمشیر و خنجر ہوتے جاتے ہیں

مقابل میں مرے غیروں کو محفل میں طلب کرنا
نئے یہ طرز اب اے بندہ پرور ہوتے جاتے ہیں

امید وصل کیسی یاں قضا پھرتی ہے آنکھوں میں
مرے حق میں تو وہ ایسے ستمگر ہوتے جاتے ہیں

نظر میں بھی نہیں لاتے وقارِ قیصر و دارا
ترے در کے گدا ایسے تونگر ہوتے جاتے ہیں

زوالِ حُسن ہے عارض کی خوبی مٹتی جاتی ہے
خزاں آتی ہے پژمردہ گلِ تر ہوتے جاتے ہیں

ملائک کا شرف پائیں نہ کیونکر آپ کے قاصد
پیمبر آپ کے بھیجے کبوتر ہوتے جاتے ہیں

نہیں ظالم کے ہاتھوں قبر میں بھی چین ملتا ہے
مزارِ کشتگاں کھد کر برابر ہوتے جاتے ہیں

حرارت بڑھ چلی ہے دل کی دیکھیں کیا قیامت ہو
کہ اب داغِ جگر خورشیدِ محشر ہوتے جاتے ہیں

چھپائیں گے کہاں تک آپ کی جلادیاں عاشق
کہ اب چرچے انہیں ظلموں کے گھر گھر ہوتے جاتے ہیں

تمنائیں نکلتی ہیں مرادیں دل کی آتی ہیں
مرے ارمان کیا بختِ سکندر ہوتے جاتے ہیں

ضیاؔ اہلِ سخن کے فیض سے یہ مرتبہ پایا
مرے اشعار سعدیؔ کے برابر ہوتے جاتے ہیں

maablib.org

فضلؔ

نام سید فضل رسول رضوی، تخلص فضلؔ، بھرتپور کے معزز سادات گھرانے سے تعلق تھا اور میر انیسؔ کے شاگرد رشید تھے۔

آباء واجداد:

فضلؔ امام علی رضاؑ کے فرزند ابراہیمؑ کی نسل سے تھے۔ صاحب ''تاریخ اجدادِ حسنیٰ'' نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

سید فضل رسول ابن سید وزیر حسن ابن سید ثابت علی ابن سید ارشد علی ابن سید علی اصغر ابن سید بہادر علی عرف چھٹوا ابن سید الہ یار ابن سید شہاب الدین ابن سید فضیل ابن سید مصطفیٰ بن سید سوندے ابن سید ابراہیم ابن سید بڑے ابن سید فضیل ابن میران سید محمد غازی مشہدی ابن سید مصطفیٰ ابن سید تقی ابن سید بہاؤ الدین ابن سید صدر الدین ابن سید عبدالمعالی ابن سید باقر ابن سید موسیٰ ابن سید محمد تقی ابن سید فضیل ابن سید واسطی ابن سید ابراہیم ابن علی رضاؑ۔

اس طرح ان کی ۲۷ ویں پشت امام علی رضاؑ سے مل جاتی ہے۔ فضلؔ کے جدِ اعلیٰ سید محمد غازی مشہدی عرف میران صاحب ۵۹۳ھ میں شہاب الدین غوری کے ہمراہ وارد ہندوستان ہوئے اور راجپوتانہ پہنچ کر شہر بیانہ جہاں جاٹوں کی حکومت تھی، فتح کیا۔ شہاب الدین غوری نے بہاؤ الدین تغرل کو یہاں کی حکمرانی سپرد کی اور خود غزنی چلا گیا۔ تغرل نے ریاست گوالیار پر چڑھائی کی اس کی لڑائی میں سید محمد غازی نے کارہائے نمایاں انجام دے کر ''غازی'' کا خطاب حاصل کیا۔ بہاؤ الدین تغرل شہاب الدین غوری کی عزت و وقعت میں روز بروز ترقی کرنے لگا۔ وہ گوالیار کو فتح کرنے کے بعد بیانہ واپس آ گیا اور مقامی سرکشوں کی سرکوبی کیلئے افسرانِ فوج کو حکم دیا تو حسبِ استدعائے افسرانِ فوج راجہ ہیرا سنگھ جٹ جادوں کی تنبیہ کے لیے میران صاحب کو ہی روانہ کیا۔ اس جنگ میں راجہ ہیرا سنگھ والی ہیلک قتل ہو گیا تو میرانصاحب کو فتح ہوئی۔ میران صاحب نے فتح کے بعد اس شہر کا نام محمد آباد رکھا اور بیانہ واپس آ گئے۔ تسلط کامل کے بعد بہاؤ الدین تغرل نے علی قدرِ مراتب افسرانِ فوج کو بطورِ جاگیران کے مفتوحہ شہر سپرد کیے چنانچہ میران صاحب کو دو موضع ہیلک کے جن کے نام ہنڈولہ اور بابین تھے مرحمت کیے اور چوراسی دیہات پر منصبِ چودہرایت عطا کیا اور قصبہ ہیلک کے جن کے نام ہنڈولہ اور بابین تھے مرحمت کیے اور پہلے اس قصبے کا نام لوہا گڑھ تھا لیکن ایک لڑائی میں یہ قصبہ ایک

پہر میں "سر" ہو گیا جس کے سبب اسے پہر سر کہا جانے لگا لیکن یہاں سادات رضوی و جعفری کے قیام کی وجہ سے اسے 'دارالمومنین' بھی کہا گیا۔

(خلاصہ "تاریخ اجداد حسنی" صفحہ ۳۶ تا ۴۸)

خاندانی حالات:

فضلؔ کے دادا میر ثابت علی سرکار انگلیشیہ کی ملازمت میں بمقام تحصیل بجے راؤ گڑھ ضلع جبل پور ملک متوسط بعہدۂ تحصیل داری ممتاز تھے۔ غدر کے زمانے میں باغیوں نے تحصیل وخزانہ سرکار کو لوٹا اور ان کو قتل کیا۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے سید اولاد حسین مداحؔ، جو مرزا دبیرؔ کے شاگرد تھے۔ ان کے سلاموں کا دیوان "زادِ سبیلِ آخرت" چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مطبوعہ مخمسات کا مجموعہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔

دوسرے فرزند سید احفاد حسین تھے جو ڈپٹی کلکٹری کے عہدے پر فائز تھے۔ تیسرے فرزند سید وزیر حسین تھے جو فضلؔ کے والد تھے اور مرزا دبیرؔ کے شاگرد تھے۔ دربار حسین اور دبستانِ دبیرؔ میں ان کے حالات موجود ہیں۔ ۱۹ر فروری ۱۸۸۶ء کو کوٹھی باغ نواب میر محمد حسین صاحب (لکھنؤ) میں انتقال کیا۔ تصانیف میں ذائقہ ماتم، میلاد مصطفویؐ وظائف المومنین، تاریخِ آئمہؑ، شکریۂ وزیرؔ اور زادالغرباء (سفرنامۂ حج) طبع ہو چکے ہیں۔

وزیرؔ کا بیشتر کلام تلف ہو گیا لیکن ذائقہ ماتم اور تاریخِ آئمہؑ میں مرثیے، سلام، قصائد اور نوحوں کے نمونے مل جاتے ہیں۔ حسبِ وصیت کربلائے معلّیٰ میں پائینِ پائے امام حسینؑ دفن ہوئے جس کے لیے فضلؔ خود کربلا گئے تھے۔ اپنے مرثیے میں کہتے ہیں:

والد بھی اس حقیر کے تھے عاشقِ حسینؑ — رونا غمِ حسینؑ میں تھا اُن کو فرضِ عین
چہلم تلک حرام سمجھتے تھے زیب و زین — اُن پر سدا رہا کرمِ ربِ مشرقین
پہنچایا کربلا دلِ پُر اضطراب نے
مٹی عزیز کی خلفِ بوترابؑ نے

کی مجھ سے یہ وصیتِ آخر کہ اے پسر — کر جائے روح خانۂ تن سے اگر سفر
ادنیٰ ہوں میں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر — پائینِ شاہؑ دفن ہوں میں اے نکوسیر
قصرِ جناں نہ باغِ ارم چاہیے مجھے
اک قبر قربِ شاہِ اممؑ چاہیے مجھے

تھا دل کو جو وصیتِ مرحوم کا خیال — ساماں سفر کا میں نے کیا بعدِ انتقال

میت کو ان کی لے کے چلا میں بصد ملال　　پہنچا قریب روضۂ شبیرؑ خوش خصال
قبرِ وزیرؔ قربِ شہِ کربلا بنی
فضلِ خدا سے خاکِ وہ خاکِ شفا بنی
(مرثیہ: زیبِ کنارِ چرخ ہوا جب نگارِ صبح)

فضل کے حالاتِ زندگی:

اپنے والد کی مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کی وجہ سے فضل کو بچپن ہی سے مرثیے کی طرف فطری لگاؤ پیدا ہو گیا تھا اس لیے اپنے ذوقِ فطری کو دیکھتے ہوئے انھوں نے میر انس کی شاگردی اختیار کی۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''بچپن سے والد مرحوم کی دیکھا دیکھی مجھے بھی مرثیہ خوانی کا شوق ہوا کبھی کبھی رباعی کہہ لیتا تھا۔ ۱۸۸۶ء میں جناب میر مہر علی صاحب انسؔ برادر میر انیسؔ مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ، کا شاگرد ہوا۔ مرثیہ گوئی کی اور کلام پر اصلاح لینے لگا مگر افسوس ہے کہ فلکِ کج رفتار نے مجھے ان کے فیض سے درجۂ کمال تک نہ پہنچنے دیا۔ مشکل سے دو سال گزرے تھے کہ جناب مرحوم نے انتقال فرمایا''۔
(ہفت بند زہرا صفحہ ۶)

فضل کے ایک قلمی مرثیے کے ترقیمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۹۷ء میں کشمیری بنک فیض آباد کے سیکٹری رہے تھے۔

فضل کے کچھ حالاتِ زندگی مجھے سید اظہر حسین رضوی مرحوم نے لکھوائے تھے جو فضل کے بھتیجے تھے اور ہمارے محلے رضویہ سوسائٹی میں رہتے تھے اور محرم کے عشرہ اول میں صبح سات بجے اپنے گھر پر تحت اللفظ مرثیہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ ان کے لکھوائے ہوئے حالات کا خلاصہ اس طرح ہے:

> ''فضلؔ کی ولادت پہپر سر میں ہوئی تھی۔ فنِ شاعری میں میر انسؔ کے شاگرد تھے۔ پوری زندگی سوائے مرثیہ، سلام، قصائد اور نوحوں کے کچھ نہ کہا۔ عموماً چوڑی دار پائجامہ اور شیروانی پہنتے تھے لیکن مرثیہ انگرکھا پہن کر پڑھتے تھے۔ پڑھتے وقت اشاروں سے بھی کام لیتے تھے اور مصائب میں ٹوپی اتار دیا کرتے تھے اور شدت سے گریہ کرتے تھے۔ زیادہ تر مجالس لکھنؤ میں پڑھیں تھیں۔ آخری وقت میں بینائی ختم ہو گئی تھی جس کا علاج کرانے کے لیے لکھنؤ آ گئے تھے اور علاج کے بعد وہیں پر سکونت اختیار کر لی تھی۔ لکھنؤ میں جوہری محلے میں سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ، کے دولت کدے کے بالکل سامنے ان کا گھر تھا۔ فضل نے اپنے مرثیوں کو دو صندوقوں میں تقسیم کر دیا تھا اور کسی مطبع کو چھپوانے کے لیے بھیجنے والے تھے کہ ایک

رات تمام مرثیے چوری ہو گئے جس کا انھیں تادمِ آخر صدمہ رہا چند مرثیے بعد میں کہتے رہے جو کُل ملا کر دس گیارہ تھے اور اب وہی محفوظ ہیں"۔

(یادداشت، ۲۵ جولائی ۲۰۰۵ء)

مولانا باقر شمس مرحوم نے بھی فضل کو دیکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ:

"ان کا گھر سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ، کے گھر کے بالمقابل تھا جب فضل لکھنؤ سے باہر کہیں جاتے تھے تو جونپور کے کوئی صاحب اس گھر میں بچوں کو انگریزی کی تعلیم دیا کرتے تھے یا پھر گھر پر تالا پڑا رہتا تھا۔ لکھنؤ کے سب ہی ہمعصر شعراء اور علماء سے فضل کے بہت اچھے مراسم تھے"۔

(یادداشت ۲ مارچ ۲۰۰۴ء)

اس بیان کو مزید تقویت لکھنؤ کے اُن جید علمائے کرام اور شعرائے عظام کی تقاریظ سے بھی ملتی ہے جو فضل کی بے مثل شعری تصنیف "ہفت بندِ زہرا" کے لیے لکھی گئیں تھیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جناب ناصر الملتؒ ——— "یہ ہفت بند لطیف جس کو میرے محترم دوست جناب سید فضل رسول صاحب زاد افضالہم العالی نے کمال خصوص سے نظم فرمایا ہے میری نظرِ قاصر سے گزرا اور میں اس کے مطالعے سے نہایت محظوظ و بہرہ ور ہوا"۔

۲۔ مولوی سید آقا حسن ——— "میں نے ہفت بند در مدح وثنائے بتول عذرا فاطمہ زہراؑ ...... تصنیف شریف عمدۃ الانجاب زبدۃ الاطیاب محبّ آلِ علیؑ و بتولؑ جناب فضل رسول صاحب زید مجدہ من اولہ الی آخرہ دیکھا اور پڑھا نہایت خوش اسلوب و فصیح پایا......"

۳۔ مولوی سید سبط حسن جائسی ——— "یہ ہفتِ بند مدح میرے محترم دوست شاعر نغز گفتار ناظم بلاغت شعار فضل فضل دوست فضیلت توام کے سلک ثنائے سیدۃ النساء علیہا التحیۃ وثناء میں اس خوبی سے منتظم فرمایا ہے کہ زبان خامہ عاجز از ثنائے ہے"۔

۴۔ مولوی سید نجم الحسن ——— ''مجھے نہایت درجہ مسرت حاصل ہوئی خداوند عالم موصوف کو اس مدح کا اجرِ جزیل عطا فرمائے''۔

۵۔ مولوی سید علی نقی نقوی ——— ''نسبتاً مدحت سرائی کی منزل بہت دشوار تھی جو بتائید ایزدی نہایت آسانی سے طے ہو گئی''۔

۶۔ عزیز لکھنوی ——— ''مدحِ بضعۃ الرسولؐ میں بھی مدحِ رسولؐ ہے اس لیے اگر مصنف کے حال پر فضلِ رسول شامل ہو تو عجب نہیں''۔

۷۔ کاظم حسین محشر لکھنوی ——— ''ملا کاشی کا ہفت بند حُسنِ قبول کا خلعت فاخرہ حاصل کیے ہوئے ایران سے ہندوستان آیا۔ مری تہ دل سے دعا ہے کہ یہ ہفت بند حُسنِ قبول کا زریں لباس پہنے ہوئے ہند سے ایران جائے اور تمام اہلِ باطن کا شب و روز وظیفہ ہو''۔

یہ ہفت بند زہراؑ ۱۳۴۷ھ کی تصنیف ہے اور اس کا تاریخی نام ''جامِ سبیلِ آخرت'' ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ملا حسن کاشی کے ہفت بند کا تتبع ہے۔ بحر، ردیف و قوافی سب وہی ہیں لیکن مدحِ حضرت فاطمہؑ کی گئی ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت فضل رسول کی آنکھوں کا علاج جاری تھا انھوں نے ایک مقام پر اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

لکھنؤ کردہ مقر بہرِ علاجِ چشمِ خود صحتی خواہم کہ آں موقوف فرمانِ شماست

''میں نے لکھنؤ میں قیام آنکھوں کے علاج کی وجہ سے کیا ہے۔ میں صحت چاہتا ہوں جو آپ ہی کے حکم پر موقوف ہے''۔

اس ہفت بند کی وجہِ تصنیف کے بارے میں خود فضل کا بیان ہے کہ:

''شروع محرم ۱۳۴۷ھ میں ایک شب میری اہلیہ نے جذباتِ فطرت سے متاثر ہو کر کہا کہ تم نے سلام و قصائد و مراثی لکھے مگر جناب معصومہ صلوات اللہ علیہا کی شان میں کوئی قصیدہ نہ کہا نہ ان کے حال کا کوئی مرثیہ لکھا چونکہ یہ بات سچی اور معقول تھی ...... صبح کو جب نماز سے فارغ ہوا تو میرے کان میں میری اہلیہ کی آواز آئی کہ وہ ہفت بند ملا حسن کاشی علیہ الرحمہ پڑھ رہی ہیں۔ اس کو سن کر معاً شب کی گفتگو یاد آئی اور دل نے کہا جناب معصومہ علیہا السلام کی شان میں کیوں نہ ہفت بند ہی مثلِ ہفت بند ملا حسن کاشی ہم قافیہ و ہم ردیف لکھا جائے''۔

(ہفت بند زہراؑ صفحہ ۷)

اس ہفت بند کا پہلا بند ملاحظہ ہو:

السلام اے سیدۂ مخدومۂ روح الامین — السلام اے لائقِ تعظیمِ ختم المرسلین
السلام اے باعثِ فخرِ امیر المومنین — السلام اے زیبِ عرش و زینتِ خلدِ برین
السلام اے مادرِ شبیرؑ و شبرؑ السلام — السلام اے منزلت ماوای قرآنِ مبین
چادرِ تطہیر آمد بہرِ تو از حکمِ رب — ایکہ عقدت شد بعرشش با امیر المومنین
منزلت فخرِ ملائک آمد ای بنتِ رسولؐ — خادمانِ تو درآں میکال ع جبریل امین
آسیہ ہم ہاجرہ ہم مریمؑ و حوا تمام — پیشِ خالق رتبۂ تو از ہمہ شد بہترین
عزت و رفعت کہ داری غیر را ناممکن است — فخرِ حورانِ جناں تاجِ نساء عالمین
گر نمی بودی دریں عالم نکردی ہمچو مہر — جلوہ در برجِ امامت یازدہ ماہِ مبین
رتبۂ پیغمبری بودی اگر بہرِ اناث — می شدی برجای خاتم بیگمان و بالیقین
راست باشد ایں اگر گویم برای اہلِ حق — مثل تو پیدا نشد در آسمان و بر زمین
رفعت کردن بیاں کار خدا و مصطفات — منزلِ قرآنِ ناطق منزلت شد بالیقین
بہرِ تعظیم تو ایزد چوں نبی را حکم داد — ذکرِ وصفت کی تواند فضل رنجور و حزین
کیست در دنیا کہ تعظیمش رسول اللہ کرد — حکمِ رب بودہ کہ تکریمش رسول اللہ کرد

ہفت بند امام آخر الزماںؑ:

فضل نے ہفت بندِ زہراؑ ہی کی طرز پر ہفت بند امام زمانہ بھی تصنیف کیا تھا جو غیر مطبوعہ رہا۔ ہمیں فضل کے خاندانی ذخیرے سے ''ہفتہ بند امام آخر الزماں'' کے بھی کچھ اشعار حاصل ہو سکے۔ یہ ہفت بند ہفت بند زہراؑ کے بعد نومبر ۱۹۲۹ء میں کہا گیا تھا اور اس کے مواد کے سلسلے میں جناب ناصر الملت مرحوم نے اعانت فرمائی تھی۔ فضل نے ایک ورق پر چند اشعار لکھ کر ان کی خدمت میں بھیجے تھے اور پشت ورق پر اُن کے نام مندرجہ ذیل سطریں لکھی تھیں:

قبلہ و کعبہ دام برکاتہم

سلام علیکم۔ کتاب حق الیقین [تالیف علامہ مجلسی مرحوم] اور ہفت بند ہٰذا ارسالِ خدمت ہیں۔ اس میں حال امام زمان علیہ السلام بہت مجمل درج ہے اور جزیرۂ خضراء کا تو کوئی ذکر ہی نہیں جسے میں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔

اگر ممکن ہو خاص خاص خصوصیات جا بجا اشعار میں داخل کر دی جاویں اور زائد اشعار نکال دیے جاویں۔ والسلام

(دستخط فضل)

خاکسار ۔ فضل،

جناب ناصر الملت مرحوم نے اس خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھ کر بھیج دیا:

''جناب والا

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعدِ تاخیرِ کثیر بکمالِ شرمساری یہ کلام بلاغت دیکھ کر حاضر کرتا ہوں امید ہے کہ زحمتِ انتظار کو عفو فرما کر رہینِ منت فرمائیں گے۔

والسلام ناصر حسین عفی عنہ''

جناب ناصر الملتؒ نے چند لفظوں میں معمولی سی ترمیم بھی کی تھی۔ اس غیر مطبوعہ نظم کا پہلا بند درج کیا جاتا ہے:

السلام اے نورِ تو از نورِ رب العالمین	السلام اے اسمِ تو چوں اسمِ ختم المرسلیں
السلام اے مقتدائے عیسیٰ گردوں نشیں	السلام اے وارث ارث امیر المومنینؑ
السلام اے فخرِ آدمؑ کعبہ دنیا و دیں	السلام اے رفعتِ بالاتر از عرشِ بریں
السلام اے نورِ چشم رحمت للعالمینؐ	السلام اے رہنمائے مومنات و مومنیں
السلام اے قائمِ آل محمدؐ السلام	السلام اے مہدیِ ہادی امامِ آخریں
اسم تو شد زیب و زینت از پئے عرشِ الہٰ	از نقوشِ پائے انور شد منور ایں زمیں
کے توانم وصف تو اے نائب ختم الرسلؐ	ایکہ در دنیا توی مقرونِ قرآنِ مبیں
ارضِ خضراء گر تفاخر می کند بر آسماں	ہست زیبا آنکہ او شد منزلِ نورِ مبیں
راست باشد ایں اگر گویم بوصفِ یا امام	ذاتِ والا تو شدن قرآنِ ناطق بالیقیں
برتر از عالم توی اے نائپ حق لاکلام	کے تواند فضل وصفت یا امام المتقیں

فضل نے یقیناً اس ہفت بند کی تکمیل کر لی ہوگی لیکن مکمل نسخہ ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔

معاصرین سے مراسم:

جب ثابت لکھنوی ''دربارِ حسین'' لکھ رہے تھے تو وزیر پیہرسری کے حالاتِ زندگی انھوں نے فضل ہی سے دریافت کر کے لکھے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان کے فرزندِ اکبر میر فضل رسول بھی ذاکر و مداح ہیں۔ میر انیسؔ مرحوم سے شرف حاصل ہے۔۔۔۔۔۔ لکھنؤ میں بار بار ملاقات ہوتی رہی ۔۔۔۔۔۔ میر فضل رسول سے یہ حالات لکھنؤ میں حاصل

ہوئے تھے''۔

(دربارِ حسین صفحہ ۱۵۰)

ذاکر حسین فاروقی نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''میر فضل بھی شاعر تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور میر انیسؔ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے جناب سیدہؑ کی شان میں ایک ہفت بند کہا تھا جو شائع ہو چکا ہے، راقم الحروف نے بچپن میں ان کی زیارت کی ہے میرے بزرگوں کے ان سے بڑے گہرے مراسم تھے''۔

(دبستانِ دبیر صفحہ ۳۶۲)

امیر حسن اخترؔ پہرسری ''پہرسر'' کی ادبی فضا کا ذکر کرتے ہوئے فضلؔ اور نسیمؔ پہرسری کی تعریف میں کہتے ہیں:

ہے بھرتپور کی قسمت میں پہرسر گلشن — باعثِ فخر رہا خلق میں اپنا یہ وطن
تھا یہاں فضلِ رسولِ دوسرا سایہ فگن — یوں دکھایا تھا نسیمِ سحری نے جوبن
جعفری پھول یہ مہکے کہ مہکتے ہی رہے
بلبلِ باغ سخن روز چہکتے ہی رہے

نسیمؔ پہرسری کے حالاتِ زندگی اور غیر مطبوعہ کلام ہماری کتاب ''تذکرۂ شاگردانِ نفیسؔ'' میں شامل ہیں۔ فیضؔ بھرتپوری نے لکھا ہے کہ نسیمؔ کے انتقال پر فضلؔ خاص طور پر بھرتپور آئے تھے اور ان کے ایصالِ ثواب کی مجلس پڑھی تھی۔

(مراثیِ فیض صفحہ ۴۰)

اولاد:

فضلؔ کی دو اولادیں ہوئیں۔ ایک فرزند سید محمد عباس تھے جن کا انتقال جوانی میں ہو گیا تھا۔ ان کی شادی سید سجاد حسین (جج بھرتپور) کی دختر خورشید بانو معروف بہ سلطانہ سے ہوئی جن سے تاج النساء کی ولادت ہوئی اِن کا انتقال چند برس قبل کراچی میں ہوا۔ مرحومہ کو فضلؔ کے کلام اور اس کی اشاعت سے بہت دلچسپی تھی مگر یہ کام تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ان کے لیے فضلؔ نے کہا تھا:

تاج النساء جہان میں با آبرو رہے — ہر دلعزیز خلق میں وہ چار سو رہے

فضلؔ کی اکلوتی صاحبزادی خیر النساء تھیں جن کا عقد سید سجاد حسین (جج بھرتپور) کے صاحبزادے سید علی اوسط سے ہوا تھا۔ ان کے تین بیٹے ہوئے جن میں سے سید مخمور حسن جعفری ہیں جن کا قیام آج کل کراچی کے علاقے گلشن اقبال میں ہے۔

فضلؔ کے مرثیے:

اپنے کلام کی تفصیل کے بارے میں خود فضلؔ نے لکھا ہے:

''میں نے بجز رباعیات، نوحہ جات، سلام، قصائد اور مراثی کے کبھی کچھ اور نہیں نظم کیا۔ میری تصنیف سے علاوہ سلام و قصائد قریب تیس مراثی مختلف حالات میں ہوئے۔''

(ہفت بند زہرا صفحہ ۶)

سید اظہر حسین رضوی مرحوم کی وساطت سے ہمیں فضلؔ کے مندرجہ ذیل غیر مطبوعہ مرثیے حاصل ہو سکے جو فضلؔ ہی کی تحریر میں ہیں:

۱۔	آج ہے عرشِ معلی پہ مراذہنِ رسا	۲۶۳ بند	حضرت علی اکبرؑ
۲۔	آئی ہے میرے باغِ سخن میں بہار پھر	۱۹۰ بند	امام حسینؑ
۳۔	بحر مواجِ بلاغت ہے طبیعت میری	۲۱۷ بند	حضرت عباسؑ
۴۔	زیبِ کنارِ چرخ ہوا جب نگارِ صبح	۲۱۲ بند	حضرت علی اکبرؑ
	آمد ہے شاہزادۂ زرّیں کلاہ کی	[مطلعِ ثانی]	
۵۔	زینتِ مجلسِ ماتم ہے فسانہ حرؑ کا	۲۱۶ بند	حضرت حرؑ
۶۔	جب دشتِ کربلا میں شہِ کربلا گرا	۲۶ بند	امام حسینؑ
۷۔	فرماں روائے ملکِ سخن ہے زباں مری	۲۱۰ بند	امام حسینؑ
۸۔	حمدِ خدا بہارِ ریاضِ سخن کی ہے	۱۸۹ بند	امام حسینؑ

ا۔ استاد کی تعریف:

فضلؔ نے تقریباً دو برس میر انیسؔ کی صحبت سے فیض اٹھایا اس کے بعد انیسؔ کی وفات ہوگئی۔ میر انیسؔ کے بتائے ہوئے نقوش کا سہارا لے کر فضلؔ نے بے انتہا ریاضت کی تھی اس کا ذکر انھوں نے اپنے مرثیے میں بھی کیا:

مجھ سے بھی اتنی عمر میں جو ہو سکا کیا ہر وقت نظم حالِ شہِ کربلا کیا
حمدِ خدا و وصفِ شہِ انبیاء کیا کارِ خدا و کارِ رسولِ خداؐ کیا
پایا ہے اس صلے میں یہ انعام دیکھیے
مسند نشینِ انسؔ ہوں انجام دیکھیے

فضلؔ نے ایک بند میں میر انیسؔ اور ان کے خاندان کی تعریف اس طرح کی ہے:

دنیا میں نامور ہو سدا خاندانِ انسؔ شاداب اس جہاں میں رہے بوستانِ انسؔ

ہر عندلیب ورد کرے داستانِ انسؔ سدرہ پہ جبرئیل رہیں مدح خوانِ انسؔ
بدر الدجیٰ کوئی، کوئی مہرِ منیر ہو
روشن ہو نام سب کا سخن بے نظیر ہو

۲۔میر وحید کا ذکر:

فضلؔ نے ۱۸۸۶ء میں پہلا مرثیہ کہا تھا جس کا مطلع ہے:

زیبِ کنارِ چرخ ہوا جب نگارِ صبح

اس مرثیے میں میر وحید کی وفات کا ذکر ہے اور اُن کے ساتھ خاندانِ میر انیسؔ کا بھی مختصر ذکر آ گیا ہے چند بند دیکھئے:

نیرنگِ روزگار کا کیونکر نہ ہو گلا لختِ جگر کے غم میں ہوئے انسؔ جتلا
صرفِ خزاں چمن ہوا کیسا ہرا بھرا جس حادثہ کا دہر میں چرچا ہے جا بجا
کیسا وحیدِ عصر وہ عالی مقام تھا
شہرہ سخن کا ہند سے تا روم و شام تھا

تھے وہ سخن شناس وسخندان و نیک مرد آ جاتا ہے جو دھیان تو اٹھتا ہے دل میں درد
تو نے یہ کیا ستم کیا اے چرخِ ہرزہ گرد مرنے سے اُن کے ہو گیا دل زندگی سے سرد
کیسا سمومِ غم سے مٹا آہ باغِ انسؔ
تا حشر اب نہ جائے گا دل سے یہ داغِ انسؔ

تھے دو جہاں میں فرد اگر مونسؔ و انیسؔ اولاد بھی خدا نے انھیں دی ہے کیا نفیسؔ
ذی قدر و ذی وقار و فلک مرتبت رئیسؔ آب گہر سے دھولے زباں وہ سخن سلیسؔ
ان کے سخن تو رونقِ بازار ہو گئے
یوسف بھی لاکھ جاں سے خریدار ہو گئے

خادم رہا سدا سے اسی خانداں کا میں حقّا ہوں عندلیب اسی بوستاں کا میں
شاکی نہیں ہوں باغِ سخن میں خزاں کا میں مداح ہوں رسولؐ کے سرو رواں کا میں
شہرہ نہ کس طرح سے ہو مجھ دل ملول کا
میں خوشہ چیں ہوں ذاکرِ آلِ رسولؐ کا

۳۔تعلّی:

مرثیہ نگاروں نے تعلیاں خوب خوب کیں ہیں اور اس سلسلے میں آسمان و زمین کے قلابے

مادیے ہیں۔ اگر شاعر کا کلام پھیکا اور بے مزہ ہو تو یہ تعلیاں اس کے لیے مضحکہ معلوم ہوں گی لیکن اگر کلام واقعی فصاحت و بلاغت کا شہکار ہو تو اس کی تعلیاں اس کی زینت بن جائیں گی۔

فضلؔ نے بھی اس وادی میں اپنے توسنِ خامہ کی جولانیاں دکھائی ہیں اس موقع پر وہ انیسؔ کے مرثیہ: یارب چمنِ نظم....... سے متاثر نظر آتے ہیں:

بحرِ مواجِ بلاغت ہے طبیعت میری　　فصحا دنگ ہیں سن سن کے فصاحت میری
کان ہے تازہ مضامین کی جدت میری　　خود میں حیران ہوں میں اور یہ لیاقت میری
فخر حاصل ہوا توقیر ملی نام ملا
مجھ کو سرکارِ حسینیؑ سے یہ انعام ملا

ہیں کہاں یوسفِ مضموں کے خریدار آئیں　　جو زلیخائے سخن کے ہیں طلب گار آئیں
شاہدِ نظم کے شیدا پئے دیدار آئیں　　جنس کے ڈھیر ہیں گاہک سرِ بازار آئیں
جلوۂ حسنِ بیاں سب کو دکھاتا ہوں میں
لوٹ لو گوہرِ نایاب لٹاتا ہوں میں

فضلؔ نے اپنے دادا، والد اور چچا کی طرف سے بچپن ہی سے شاعرانہ ماحول پایا تھا ان کے چچا اور والد مرزا دبیرؔ کے شاگرد تھے اور بہترین مرثیہ گو تھے ایک جگہ خود کہتے ہیں:

مجھ کو مداحوں میں ہے فخر و مباہات کی جا　　تین پشتوں سے ہے مداحیِ شہؑ کا دعوا
مرثیہ خوانِ حسینؑ ابنِ علیؑ تھے دادا　　ارث میں پھر مرے والد نے یہ حصہ پایا
عاشق و شیفتۂ دلبرِ زہراؑ میں ہوں
اب ثنا خوانِ شہِ یثرب و بطحا میں ہوں

اکثر تعالیوں میں ناقدریِ زمانہ کے شکوے بھی آئے ہیں۔ انیسؔ نے یارب چمنِ نظم..... میں بھی یہی انداز متعارف کرایا ہے۔ فضلؔ بھی ناقدری کا گلا کرتے ہیں لیکن آگے جا کے اپنے اطمینان اور سکون کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں:

یہی باعث ہے کہ کچھ لوگ حسد کرتے ہیں　　اس کی شہرت نہ ہو اس بات میں کد کرتے ہیں
میرے ممدوح سے ڈرتے نہیں حد کرتے ہیں　　میرا نقصاں نہیں اپنے لیے بد کرتے ہیں
فیضِ ممدوح سے ذی رتبہ و ذی جود ہوں میں
شکر صد شکر کہ حاسد نہیں محسود ہوں میں

نام سے کام ہے کچھ مجھ کو نہ دولت سے غرض　　نہ تو رفعت کی تمنا ہے نہ حشمت سے غرض

کچھ شوکت کی ہے خواہش نہ ہے شہرت سے غرض　　مجھ کو دوزخ سے علاقہ ہے نہ جنت سے غرض

یہ نہیں فکر کہ میں حوروں کی خدمت میں رہوں

بس یہ حسرت ہے کہ شبیرؑ کی خدمت میں رہوں

شہ کی مداحی میں یہ عمر بسر ہو یا رب　　بس یہی شغل مجھے شام و سحر ہو یارب

کربلا میں مرا پھر جلد گذر ہو یا رب　　میں ہوں اور حضرت شبیرؑ کا در ہو یا رب

اب کی جاؤں تو نہ پھر روضۂ انور چھوٹے

تا قیامت نہ مرے ہاتھ سے وہ در چھوٹے

۴۔ مناظرِ صبح:

اِن کے والد وزیرؔ بھرتپوری دبیرؔ کے شاگرد تھے لیکن میر انیسؔ کے بھی قدردان تھے اسی لیے انھوں نے ''ذائقہ ماتم'' میں جگہ جگہ میر انیسؔ کے بند درج کیے ہیں اسی لیے فضلؔ بھی شعوری طور پر کلامِ انیسؔ سے متاثر تھے یہی وجہ ہوگی کہ انھوں نے مرزا اوجؔ کی نہیں بلکہ میر انسؔ کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے مرثیوں میں انیسیت پوری طرح غالب ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ اُنھوں نے بہت عمدہ مرثیے تصنیف کیے ہیں۔ صبح کی آمد کا بیان دیکھیے، لفظوں کی شوکت قابلِ ملاحظہ ہے:

رُخ سے عروسِ شب نے جو اُلٹا نقابِ صبح　　مشاطۂ سحر نے اُٹھایا حجابِ صبح

طغریٰ نویسِ شمس نے کھولی کتابِ صبح　　سیارگاں نے بڑھ کے سنایا حسابِ صبح

خورشید کا ظہور ہوا اس جلوس سے

رونق مکاں میں ہوتی ہے جیسے عروس سے

وہ تختِ اخضری پہ شہِ شرق کا ظہور　　وہ سر پہ تاج سرخ وہ بر میں قبائے نور

چاروں طرف کو فوجِ شعاعی تھی دور دور　　ذرّے رکاب میں تھے بصد فرحت و سرور

کس کرّ و فر سے دامنِ زر کو لیے ہوئے

جاتے تھے اہتمامِ سواری کیے ہوئے

صبح کی آمد کے ساتھ ہی بہاریہ مضامین مرثیے کا جزو لاینفک بن چکے تھے فضلؔ کے یہاں بھی بہاریہ مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں بعض مقامات ایسے ہیں جس کے وہ موجد نظر آئے اس لیے کہ اس میں سائنس بھی آ گئی ہے۔ ''اُردو مرثیے میں سائنس'' خود ایک الگ تحقیقی موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ میں بجلی بہت پہلے آ چکی تھی گھر گھر قمقمے روشن رہتے تھے ان قمقموں کو فضلؔ کتنی ندرت کے ساتھ بہاریہ مضامین میں لے کر آئے ہیں:

وہ دشتِ پُر فضا وہ ترائی وہ سبزہ زار ساحل پہ سبز سبز درختوں کی وہ قطار
وہ آبِ نہر جس میں کدورت نہ کچھ غبار شیریں وصاف وسرد وسبک وزن وآبدار
پرتو سے نورِ حُسنِ رُخِ آفتاب کے
دریا میں قمقمے ہوئے روشن حباب کے

۵۔ مدحِ حرؓ:

حضرت حرؓ کے حال میں فضلؔ کا مرثیہ ہے:

زینتِ مجلسِ ماتم ہے فسانہ حرؓ کا

یہ مرثیہ ''بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حرؓ'' سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے مرثیے کی بحر بھی وہی ہے بعض مصرعے میر انیسؔ کے بھی تضمین کیے گئے ہیں مثلاً:

لاکھ بہکائیں شیاطین تو کیا ہوتا ہے ''بگڑے بن جاتے ہیں جب فضلِ خدا ہوتا ہے''

مدحِ حرؓ میں فنِ خطابت کی سحر انگیزیاں فضلؔ کے اس مرثیے میں بہت زیادہ واضح ہیں بہت تفصیل سے ایک ایک گوشے پر کئی بند کہے گئے ہیں۔ چند بند درج ذیل ہیں:

باعثِ زیبِ سخن ہے صفت و مدحتِ حرؓ فرض ہر شخص پہ ہے مثلِ حرم حرمتِ حرؓ
ہے ملائک سے دوبالا شرف و عزتِ حرؓ اے خوشا شوکتِ حرؓ، رفعتِ حرؓ، قسمتِ حرؓ
عذرِ تقصیر کو آیا جو وہ پیدل ہو کر
حرؓ ہوا نار سے مولا کا ہراول ہو کر

آسماں لاکھ برس گر یوں ہی چکر کھائے اخترِ طالع نہ ایسا کبھی ہرگز پائے
کس طرح سے کوئی اس طرح کا رتبہ لائے جس کے لینے کے لیے سبطِ نبیؐ خود جائے
ایک دیں دار و وفادار یہ سب میں نکلا
حرؓ فقط بعد بہتر کے عرب میں نکلا

شمشیرِ حرؓ کی صفت میں یہ بند دیکھئے:

ایک ہی ضرب میں سرکش کوئی پامال ہوا جھک کے نونِ نظری کوئی بدافعال ہوا
فوج ماضی ہوئی مطلق تو عجب حال ہوا رنگ وہاں زرد اِدھر فوج کا منہ لال ہوا
فتح کی حاضر وغائب کو خبر کر کے پھری
آنِ واحد میں پرے زیر وزبر کر کے پھری

اس مرثیے میں ایک منظر دکھایا گیا ہے کہ حضرت حرؓ صفوں کو چیرتے ہوئے پسرِ سعد کے خیمے

تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کی زرّیں طنابیں کاٹ کر خیمے کو زیر وزبر کردیتے ہیں اس سلسلے میں یہ بیت دیکھئے:

چوم کر قبضے کو تلوار کی نابیں دیکھیں   قہر کی آنکھ سے زرّین طنابیں دیکھیں

طنابیں کاٹنے سے قبل کہا:

بھیج اسوار، مدد شام سے لائیں جلدی   دھجیاں اُڑتی ہیں خیمے کی بچائیں جلدی

اس کے بعد یہ بند کہا جس کا ڈرامائی انداز قابلِ دید ہے:

شیر کو اپنے جوابوں کا ملا نہ جواب   کاٹ کر ہونٹ کہا، چل دیا وہ خانہ خراب!
یوں نکل جانے سے اس کے جو ہوا دل بیتاب   بڑھ کے حرّ نے سب کاٹ دیں زرّین طناب
جھوم کر خیمۂ بدست اُدھر جا کے گرا
حرّ کے قدموں پہ کلس سونے کا یاں آ کے گرا

۶۔ حضرت عباسؑ کی مدح:

حضرت عباسؑ گھر والوں سے رخصت طلب ہیں۔ زوجۂ عباسؑ کہتی ہیں کہ کہاں کا ارادہ ہے آپ کہتے ہیں کہ اب حشر میں ملاقات ہوگی اس پر وہ فرماتی ہیں کہ حشر میں آپ کو کیسے پہچانوں گی تو حضرت عباسؑ اپنی نشانی یوں بتاتے ہیں:

پھر تمہیں حشر میں پہچاننا ہوگا نہ اہم   ماسوا اس کے پتہ اور بھی بتلاتے ہیں ہم
تن پہ سر ہوں نہ کسی کے تو کرو اس کا نہ غم   واں بھی بے شبہ مرے پاس رہے گا یہ علَم
ساتھ محشر میں بھی سلطانِ امم کے ہوں گے
بیچ میں ہم شہداء گردِ علَم کے ہوں گے

دیکھو مشکیزہ یہ پرچم میں بندھا ہووے گا   اس میں اک تیر مگر اور لگا ہووے گا
اور پھریرا یہ مرے خوں سے رنگا ہووے گا   اس سے بہتر میرا کیا اور پتہ ہووے گا
جسم سے ہاتھ کسی کے نہ جدا ہوویں گے
اُن میں بے دست ہمیں اک بخدا ہوویں گے

حضرت عباسؑ رخصت کے بعد میدان کی طرف آتے ہیں اصطبل سے رہوار حاضر کیا جاتا ہے، میدان میں آمد کے بعد کھلبلی مچ جاتی ہے۔ لشکر کی صفیں تہ و بالا ہو جاتی ہیں ایسے میں یزیدی فوج کے بزدلے آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ یہاں آکر بیکار میں زندگی برباد کی بہتر ہے کہ کوفے کی طرف واپس بھاگ جائیں اسی دوران کوئی کہتا ہے کہ حسینؑ کے پاس اب ایک بھائی اور بیٹا بچا ہے وہ

انھیں کبھی جنگ کی اجازت نہیں دیں گے ممکن ہے انھوں نے کسی سے کمک طلب کی ہو یا ان کی مدد کے لیے جنگ بدر کی طرح ملائکہ آ گئے ہوں یا بزرگوں کو بلایا ہو:

پر دعا سبطِ پیمبر کی ہے مقبولِ خدا — کیا عجب بہر کمک کی ہو جو خالق سے دعا
بدر کی طرح ملک آئے نہ ہوں بہر وغا — یا بزرگوں کو پئے داد رسی دی ہو صدا
ہیں وہ اعجاز نما سب کی خبر لیتے ہیں
اب بھی آ آ کے وہ مُردوں کو جلا دیتے ہیں

کیا عجب ہاشمؒ خورشید لقا آئے ہوں — حضرت حمزہؓ پیمبرؐ کے چچا آئے ہوں
یا کہ جعفرؓ سرِ میدانِ وغا آئے ہوں — یا مدد کو حسنؑ سبز قبا آئے ہوں
لے خبر جلد رسولِ دوسرا ہوں نہ کہیں
ڈر بڑا یہ ہے کہ خود شیرِ خدا ہوں نہ کہیں

اس بند سے فضل کی قدرتِ محاکات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ ہی دیر میں حضرت عباسؑ نظر آتے ہیں صفوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے ایسے میں رجز کی آواز آتی ہے:

جس کا دنیا میں نہیں ہے کوئی ہمسر وہ علیؑ — ہے جو مشہورِ جہاں ساقیِ کوثر وہ علیؑ
جو کہ ہے خلق میں دامادِ پیمبرؐ وہ علیؑ — جس کا قرآن میں مداح ہے داور وہ علیؑ
لوحِ محفوظ پہ با خطِ جلی لکھا ہے
درِ جنت پہ ستاروں سے علیؑ لکھا ہے

حق کی قرآں میں یداللہ انھیں سے ہے مراد — ذات سے ان کی ہوا ملکِ شریعت آباد
آپ ہی نے کیا کعبے سے بتوں کو برباد — بدعت و کفر کی کھودی ہے انھیں نے بنیاد
داد خواہوں کے لیے یہ پئے امداد بنے
ہو کے انسان فرشتوں کے بھی استاد بنے

حضرت عباسؑ کے رہوار کی مدح میں یہ بند دیکھیے:

صنعتِ صانعِ قدرت کا یہ توسن ہے چمن — حور چہرے پہ تصدق ہے سجاوٹ پہ دلہن
چال پر کبک دری آنکھوں کی شوخی پہ ہرن — تھوتھنی پر گلِ تر، یال پہ سورج کی کرن
اوجِ کلغی کو ذرا بالِ ہما سے پوچھو
اس کی تیزی کے قصص بادِ صبا سے پوچھو

شمشیر کی تعریف میں یہ بند پڑھت کے لیے شہکار ہے۔ کیا عمدہ بند کہا ہے، چھٹا مصرع قابلِ دید ہے:

سمتِ مشرق سے جو یہ تیغ جلالت آئی — غل ہوا شامیوں میں صبحِ قیامت آئی
چڑھ کے جب چرخ سے یہ برق کی صورت آئی — بولے کوئی، ارے بھاگو، کہ وہ آفت آئی
جانب قاف بنی جان میں جس آن گئی
تب بنی جان بھی یہ جان گئے جان گئی

۷۔ مدح علی اکبرؑ:

حضرت علی اکبرؑ کے حال کا مرثیہ ہے:۔

آج ہے عرشِ معلّٰی پہ مرا ذہن رسا

اس مرثیے میں پہلے تعلیاں کی گئی ہیں اس کے بعد مدح رسولِ خداؐ ہے پھر مدحِ حضرت علی اکبرؑ کی طرف گریز ہے۔

فضلؔ کے اس مرثیے میں نعتیہ بند بلاغت کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ مصرعوں کی شگفتگی اور بے ساختہ پن ان کا شمار کاملِ فن مرثیہ نگاروں کی صف میں کرتے ہیں۔ چند بند دیکھئے:

بخدا مظہرِ اسرار خدا ہیں احمدؐ — مرشدِ زمرۂ اربابِ ہدا ہیں احمدؐ
مالک مملکتِ ہر دوسرا ہیں احمدؐ — باعثِ خلقِ ورا، خیرورا ہیں احمدؐ
جز خدا کون تھا جو ان سے مقدم ہوتا
آپ گر خلق نہ ہوتے تو نہ عالم ہوتا

ایک بند میں حاجی جان محمد قدسیؔ (متوفی:۱۰۵۶ھ) کی نعت کے مشہور شعر کی تضمین کی ہے:

انبیاء ہولِ قیامت سے جو تھرائیں گے سب — شافعِ حشر ہیں کس سمت ندا دے گا یہ رب
سب کہیں گے یہ لقب کس کا ہے آپ آئیں گے جب — میں کہوں گا کہ نثار نسب و نام و لقب
مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مسلمانوں کا ایک طبقہ رسولؐ کی معراجِ جسمانی کا قائل نہیں ہے فضلؔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ "پست عقل" ہیں:

رفعتیں آپ کی دیکھو تو کہاں تک پہنچے — وہ بلندی، نہ جہاں وہم وگماں تک پہنچے
اپنے واقف ہیں کہ جس اوج ومکاں تک پہنچے — ذہن غیروں کا نہ پہنچے گا جہاں تک پہنچے

فہم اعلیٰ تو دلائل کا بھی محتاج نہیں
عقل پست اُن کی ہے جو قائلِ معراج نہیں

حضرت علی اکبرؑ کے رہوار کی مدح میں کہتے ہیں:

کیا فرس تھا کہ سب انداز تھے پیارے اس کے
ماہ و خورشید سے اعلیٰ تھے ستارے اس کے
خوں ملک کرتے تھے گردوں سے نظارے اس کے
وہ تڑپنا وہ جھپٹنا وہ طرارے اس کے
ٹھہری رفتار تو تیزی سے نہ خالی ٹھہری
ساتھ جو بادِ جنوبی تھی شمالی ٹھہری

معجزہ تھا وہ دم اُس رخش کا بھرنا کیسا
بادِ پیما کا قدم خاک پہ دھرنا کیسا
زور میں اوج پہ جاتا تھا ٹھہرنا کیسا
سم سمیٹے تھا کہ رستے میں اُترنا کیسا
اُن سے تشبیہ ہے کیا ضیغم و آہو کیسے
سُن سے نکلا کوئی چلتا ہوا جودو جیسے

حضرت علی اکبر کا سراپا لکھتے ہوئے زلفوں کی تعریف میں کیا عمدہ بند کہے ہیں:

زلف کو سلسلۂ حلِ مہمات کہوں
یا اسے سنبلِ بستانِ طلسمات کہوں
نکلے الجھی ہوئی جو منہ سے وہ کیوں بات کہوں
شب کہوں شام کہوں عالمِ ظلمات کہوں
گھر ہے یاں رات کا دن ہونے کی امید نہیں
رخ کا وہ رخ ہے ادھر پرتوِ خورشید نہیں

ہم سیہ کاروں کا دل رنج میں شاد اس سے ہوا
آیا جب سورۂ والیل مراد اس سے ہوا
ہر جگہ رسمِ کتابت بمداد اس سے ہوا
یہ جو قائم ہیں زمانے میں سواد اس سے ہوا
دہر تاریک ہے کچھ حاجتِ اظہار نہیں
روشنی جتنی ہے بالعرض ہے بالذات نہیں

تلوار کی تعریف میں دو بند:

چمکی لاکھوں پہ شجاعِ عربی کی تلوار
سکتے بھلا گئی ہے حق کے ولی کی تلوار
ہاں یہ تلوار ہے احمدؐ کے وصی کی تلوار
لو پھر اب میان سے کھنچتی ہے علیؑ کی تلوار
تشنۂ خوں ہے عطش یوں ہے کئی برسوں سے
پیاس دو دن کی ہمیں ہے تو اسے برسوں سے

جب چلی یہ تو ہوئی ظلم کی کھیتی پامال
نارِ خالص سے ہے اب اس کی ہر اک مالا مال

تیغیں جل جاتی ہیں اس برق سے ڈھالیں کیا مال   سنگ کی اصل نہ کٹنے میں نہ کچھ لوہا مال
گر جو دیکھے وہ بنالے ابھی ہیکل اس کی
اپنے ہاتھوں کی منجھی چومیں ہیں صیقل اس کی

۸۔ساقی نامہ:

فضل نے ساقی نامے کے بعد بھی کثرت سے کہے ہیں اور خوب کہے ہیں صرف دو بند درج کیے جاتے ہیں:

چاق ہو جائے، طبیعت ہے مری گند، پلا   سامنے خلد کے میخواروں کے ہیں چند پلا
تیز سے تیز ہو جو تند سے ہو تند پلا   ساقیا بہر خدا آج ادھا دھند پلا
خم میں باقی نہ رہے نام تری کا ساقی
مجھ سا میکش کوئی اب ہوگا نہ تجھ سا ساقی

دو جہاں میں کوئی ساقی نہیں تیرا ہے نظیر   حوضِ کوثر کو خدا کر چکا تیری جاگیر
پشت ہا پشت سے میں بھی ہوں ترے در کا فقیر   ساغر دل کے ہے بھرنے کی یہی اک تدبیر
آج سب بادہ کشوں پر مجھے عزت دیدے
اس کو کوثر میں ڈبونے کی اجازت دیدے

۹۔مصائب:

مصائب میں فضل کی زبان بہت دلخراش ہے۔ لاشِ حضرت علی اکبرؑ پر حضرت زینبؑ کی فریاد میں نفسیاتِ انسانی کے نازک ترین گوشے لے کے آئے ہیں اور زبان بالکل رواں رکھی ہے تاکہ مصائب کی فضا متاثر نہ ہونے پائے:

جھک کے لاشے پہ یہ چلائی کہ لوگوں ہٹ جاؤ   مجھ کو بیٹھو مرے فرزند پہ آنسو نہ بہاؤ
میرے پیارے علی اکبرؑ مجھے سینہ تو دکھاؤ   یہ لہو کیسا ہے مجھ پالنے والی کو بتاؤ
چاند سے رُخ پہ ذرا بیاہ کا سہرا دیکھوں
کیسی چادر ہے یہ کھولو تو میں چہرا دیکھوں

کھولی چادر تو کٹے تیغوں سے ابرو دیکھے   دونوں پتھرائے ہوئے دیدۂ دلجو دیکھے
گل سے کمھلائے ہوئے عارضِ خوشبو دیکھے   خاکِ مقتل میں سنوارے ہوئے گیسو دیکھے
سب لہو میں شفقی چاند سا چہرا دیکھا
گر کے چلائیں کہ ہے ہے یہ ستم کیا دیکھا

مرنے والے تری ہنستی ہوئی صورت کے نثار خوں میں پتھرائی ہوئی آنکھوں کی ہیئت کے نثار
شان کے صدقے یہ مادر تری شوکت کے نثار چین سے خاک پہ نیند آ گئی غربت کے نثار
ساتھ لیتے چلو یوں منہ کو نہ موڑو بیٹا
علی اکبرؑ مجھے دنیا میں نہ چھوڑو بیٹا

فضل کی مناجاتیں:

اردو میں مناجاتیں لکھنے کی روایت قدیمی ہے۔ دکن اور دہلی کے شعری سرمائے میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ عرصہ ہوا مطبع یوسفی دہلی سے مناجاتوں کا ایک ضخیم مجموعہ شائع ہوا تھا جس میں مختلف شعراء کی مناجاتیں شامل تھیں۔

انیسؔ کی مناجات مشہور ہے۔ خاندانِ انیسؔ میں میر سلیسؔ اور بابو صاحب فائقؔ کی مناجاتیں ملتی ہیں۔ فضلؔ کے قلمی ذخیرے میں مجھے ۵ مناجاتیں ملیں جو مختلف موقعوں پر کہی گئی اور سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ یا امامِ مہدیِ آخر زماں اب آیئے ۱۵ بند

اہلیہ کی صحت کے لیے ۱۹۰۲ء لکھنؤ میں لکھی گئی۔ اس میں ۱۴ معصومینؑ کا واسطہ دے کر توسل کیا گیا ہے۔

یا امامِ دو جہاں تم کو خدا کا واسطہ باعثِ ایجادِ عالم مصطفیٰؐ کا واسطہ
اپنے جد کونینِ کے مشکلکشا کا واسطہ بضعۂ خیرالورا خیرالنسا کا واسطہ
معجزہ عیسیٰؑ مریم کو مجھے دکھلایئے
جاں بلب ہوں اس مرض سے اب شفا دلوایئے

واسطہ میمِ محمدؐ کا برائے مدعا واسطہ ح کا روا حاجت ہوائے حاجت روا
صدقے سے میمِ دوم کے اب مرض جائے مرا دال کے صدقے میں دیجیے اب مجھے جلدی دوا
معجزہ عیسیٰؑ مریم کو مجھے دکھلایئے
جاں بلب ہوں اس مرض سے اب شفا دلوایئے

۲۔ نورِ نظرِ عقدہ کشا وقتِ مدد ہے ۱۶ بند

اپنے فرزند محمد عباس کی صحت کے لیے ۱۹۱۶ء میں لکھی۔ جس کی بیت میں ان کے نام کی تکرار ہے:

عباسؑ تمہیں شاہ کی دختر کی قسم ہے عباسؑ تمہیں زینبؑ مضطر کی قسم ہے
عباسؑ تمہیں دلبرِ شبرؑ کی قسم ہے عباسؑ تمہیں اکبرؑ و اصغرؑ کی قسم ہے

اعجاز کا یہ وقت ہے اعجاز دکھا دو
عباس کو یا حضرت عباسؑ شفا دو

فریاد ہے اب تم سے ہے اے شہ کے فدائی　　کی لاکھ دوا پر نہ شفا ایک سے پائی
جلد آیئے یا شاہ دہائی ہے دہائی　　بائیس برس کی مری لٹتی ہے کمائی

اعجاز کا یہ وقت ہے اعجاز دکھا دو
عباس کو یا حضرت عباسؑ شفا دو

۳۔ السلام اے قائم آلِ محمدؐ السلام　　۲۵ بند

عریضہ منظوم بمناسبت ۱۵ر شعبان ۱۳۴۰ھ۔ اس میں اپنے فرزند محمد عباس کے امراض کی شفا کے لیے اُن تکالیف کو وسیلہ بنایا ہے جن کا تعلق اہلبیتؑ سے ہے۔ مناجاتوں میں ایسی مثالیں کم ملیں گی:

بہرِ زخمِ مصطفیٰؐ زخمِ دہن سے ہو رہا　　لو گلے کے زخم سے اصغرؑ کے صدقے میں بچا
بہرِ عباسؑ علیؑ ہو ہاتھ کو اس کے شفا　　پاؤں اچھے ہوں پئے بیماریِ زین العباؑ

دل کو قوت اور آنکھوں میں بصارت دیجئے
لختِ دل نورِ نظر کو میرے صحت دیجئے

اب عریضہ ختم کر کے عرض کرتا ہے غلام　　دیجئے عباس کو بہرِ خدا صحت کا جام
فضلؔ کی یہ آرزو بر آئے یا شاہِ انام　　کہہ چکا کہنا تھا جو کچھ یا شہِ دیں والسلام

دل کو قوت اور آنکھوں میں بصارت دیجئے
لختِ دل نورِ نظر کو میرے صحت دیجئے

۴۔ دربارِ ذوالجلال کے مختار آپ ہیں　　۱۲ بند

یہ مناجات ۲۸ر جنوری ۱۹۳۳ء میں کہی گئی۔ اس میں عتبات عالیات کی زیارت کو جانے کی تمنا کی ہے:

جعفرؑ کا واسطہ تمھیں یا شاہِ مشرقینؑ　　کاظمؑ کے صدقے میں مجھے پہنچا دو کاظمین
بہرِ رضاؑ امامِ ہدا شاہِ خافقین　　دکھلا دو طوس بھی مجھے اے فاتحِ حنین

ہوں قابلِ مدد مری امداد کیجئے
پہنچا کے کربلا مرا دل شاد کیجئے

بہرِ تقیؑ و بہرِ نقیؑ شاہِ اتقیا　　صدقے میں عسکریؑ کے ہو حاجت مری روا
صدقہ امامِ عصرؑ کا پہنچوں میں سامرا　　آنکھوں سے دیکھوں روضۂ شاہنشہِ ہدا

ہوں قابلِ مدد مری امداد کیجئے
پہنچا کے کربلا مرا دل شاد کیجئے

کچھ روپ کماری کے بارے میں:

اے آیتِ ربِّ علا اے واقفِ سرِّ خدا ۱۱ بند

یہ مناجات فضل نے اپنی چہیتی شاگردہ روپ کماری کے لیے لکھی تھی۔ قلمی نسخے میں ۴راکتوبر ۱۹۳۳ء کی تاریخ پڑی ہے۔ روپ کماری کا نام 'کنیز فاطمہ زہرا' تھا۔ فضل انھیں 'ننھی' کہتے تھے۔ روپ کماری کا کردار آج تک معمہ بنا ہوا ہے۔ سید اظہر حسین رضوی جو فضل کے بھتیجے تھے اور ہمارے علاقے رضویہ سوسائٹی میں رہتے تھے ان کے پاس روپ کماری کے مخطوطات کا ذخیرہ تھا جو میں نے دیکھا تھا بعد میں یہی ذخیرہ ڈاکٹر تقی عابدی کو دیا گیا جسے انھوں نے ''روپ کنوار کماری'' [مطبوعہ، کتاب نگر آرکیڈ ملتان کینٹ، جنوری ۲۰۰۶ء] کے نام سے شائع کر دیا۔ فضل نے روپ کماری کے ہر مرثیے کی ایک نقل اپنے پاس رکھی تھی اس لیے ہر قلمی نسخے کے اوپر ''از بستۂ سید فضل رسول فضل'' لکھا ہے۔ اس ذخیرے کی فوٹو کاپی میرے پاس بھی محفوظ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر تقی عابدی کی کتاب میں اغلاط بہت زیادہ ہیں۔ ان کی تصحیح ہونی چاہیے۔ کچھ لوگوں اب بھی اس کردار کو فرضی سمجھتے ہیں جبکہ اِن مخطوطات سے ثابت ہوتا ہے کہ روپ کماری کا وجود تھا۔ اس لیے کہ فضل اور روپ کماری کی زبان، سلوب، لفظیات اور تحریر سب مختلف ہے اور اس پر اصلاح بھی کثرت سے موجود ہے۔ مرثیوں میں بھی مختلف جگہوں پر فضل کی طرف سے کی گئی تعریفیں اور وضاحتیں موجود ہیں۔ روپ کماری کا ایک مرثیہ ہے:

کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق ۱۵۴ بند

اس کے آخر میں فضل کے قلم سے یہ عبارت موجود ہے:

''بہترین مرثیہ ہے خصوصاً تلوار اور گھوڑے کی تعریف کے بند لاجواب ہیں جو مصنفہ موصوفہ زید اللہ عزہا کے جذب حقیقی کی کھلی نشانیاں ہیں، زبان کی اصلاح بلحاظ زبان رائجۂ حال ہے اگر اساتذۂ متقدمین نے کوئی لفظ یا محاورہ اپنے مرثیوں میں یا غزل وغیرہ میں استعمال کیا ہے اور فی زمانا متروک ہے تو ان اساتذہ سے سند نہیں لی جا سکتی بلکہ حال کے اساتذہ کا کلام اس کا معیار ہے۔ بہر نہج مرثیہ ہذا جواہرات ایمانی وروحانی کا گنجینہ ہے۔ ماشاءاللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ''۔

آخر میں ۶رجنوری ۱۹۳۴ء کی تاریخ درج ہے جسے ڈاکٹر تقی عابدی نے ''روپ کنوار کماری'' کے صفحہ ۳۸۷ پر ۶رفروری ۱۹۳۳ء لکھا ہے جو بالکل غلط ہے۔

اس کے علاوہ مختلف مقامات پر ذیل کے الفاظ بھی ملتے ہیں:

ا۔''منافقت کے.....کرکے کیا اچھی تعلیم دی ہے۔ سبحان اللہ۔ یعنی سرو کار صرف پالیسی کی صورت میں نہیں بلکہ دل بھی ان کا ہو گیا یہی اور واضح شرط ہے خدا عمر دراز کرے''۔

۲۔''قلزمِ وفا کہہ سکتے ہیں قلزمِ اربابِ وفا کیا ہے''۔

۳۔''یہ مصرعہ مصنفہ کی حدِ معرفت کا نشان ہے'' (لب پہ نام اس کا ہے جو مالکِ خشکی وتری)

۴۔''یہ مضمون بالکل اچھوتا اور نیا ہے اس سے مثل نہ دیکھا نہ سنا۔ سبحان اللہ۔ خدا عمر دراز کرے۔ آمین''

۵۔''اس بند کی تعریف نہیں ہو سکتی مستغنی عن الداد ہے''۔

۶۔''کیا مصرع کی بے جھجک روانی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''۔

۷۔''اس مصرع پر ص بنانے سے نیت سیر نہیں ہوئی''۔

۸۔''جب یہ حالت ہو تو کیونکر نہ کہوں میں الہام۔ ان دونوں مصرعوں کی داد کیونکر ہو سکتی ہے یہ امام جانیں''۔

۹۔''اللہ کس قدر مختصر اور جامع فیصلہ ہے''۔

۱۰۔''بے پناہ مصرع ہے''۔

بعض مصرعوں پر ص بعض پر ص ص اور کہیں ص ص ص بنائے ہیں۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں دی جا سکتی ہیں سوال یہ ہے کہ کوئی کسی فرضی شخصیت کے لیے اس طرح کے جملے کیوں لکھے گا؟؟ آپ اپنی تعریف کیوں کرنا چاہے گا؟؟ اور بلا وجہ اپنے ہی کلام پر اصلاح کیوں دے گا؟؟ کیا یہ سب باتیں روپ کماری کا وجود ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں؟؟

اس وقت سرفراز کا رجب نمبر مورخہ ۲۵ رمئی ۱۹۳۱ء سامنے ہے۔ اس میں حضرت علیؑ کی مدح میں روپ کماری کی تقریر شامل ہے۔ روپ کماری کی نثر کا نمونہ ڈاکٹر تقی عابدی کو نہیں مل سکا۔ اس تقریر کے شروع میں ذیل کی چند سطریں درج ہیں:

''م۔ی۔ ج بیگم صاحبہ زہدی لکھنؤ نے ہمارے پاس ایک ہندو خاتون روپ کماری صاحبہ کی وہ تقریر قلمبند کر کے بھیجی ہے جو موصوفہ نے ۷ رنومبر ۱۹۳۱ء کو احاطۂ کربلا میں بہت سی معزز خواتین کے سامنے جو شریکِ مجلس تھیں ارشاد فرمائی۔ اس تقریر میں چونکہ حضرت امیر علیہ السلام کے کارناموں پر بھی کافی تبصرہ ہے لہذا ہم سے خواہش کی گئی ہے کہ ہم اسے سرفراز کے رجب نمبر میں شائع کر دیں اور وہ درج ذیل ہے''۔ (صفحہ ۱۶)

اس وقت اس کے اقتباسات درج کرنے کا موقع نہیں جو شائقین پڑھنا چاہیں وہ جواہر کا شمارہ ۶ دیکھ لیں۔ سوال یہ ہے کہ ہندوستان کا اتنا معروف اور عظیم جریدہ 'سرفراز' کسی جھوٹی اور فرضی

خاتون کی تقریر کیوں چھاپے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو 'سرفراز' کے کسی شمارے میں اس کی تردید بھی شائع ہوتی۔ یہ تقریر ''دی من کانفرنس'' میں کی گئی اور شرکاء کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی اگر یہ سب جھوٹ ہوتا تو اس کی تردید میں کہیں سے کوئی آواز ضرور بلند ہوتی اس لیے کہ 'سرفراز' تقریباً پورے ہندوستان میں پڑھا جاتا تھا۔

فضل نے ذیک کے قطعے اور رباعی روپ کماری کے لیے کہی تھی:

تائید حق سے شیفتۂ پنجتنؑ بنی — مداح بادشاہِ زمین و زمن بنی
فضلِ رسولِ پاک سے استاد ہوگئی — ننھی مری جہاں میں عروسِ سخن بنی

....

مرثیہ کے ترے اے روپ ہیں مضمون نفیس — چست بندش ہے زباں صاف ہے الفاظ سلیس
دیکھ کر اس کو یہ ہے فضل کی پیشنگوئی — ہوگی تو طبقۂ نسواں کی زمانے میں انیس

....

کنیز فاطمہ زہرا جو ہے مری جاں ہے — جو مسلمہ بھی نہ تھی اب وہ عینِ ایماں ہے
ہے اس کی مرثیہ گوئی میں فضل کا یہ قول — جہاں میں اب وہ انیسِ گروہ نسواں ہے

....

قلمی نسخے میں ایک بند بھی ملا ہے ملاحظہ ہو:

فیضِ کرم سے حق کے طلاقت ملی اسے — آلِ عبا کی خدمتِ مدحت ملی اسے
قدرت سے اُس کی نظم پہ قدرت ملی اسے — شہ کی ثنا سے خلق میں شہرت ملی اسے

حق کے کرم سے ذاکرِ سلطانِ دیں ہوئی
فضلِ رسولِ پاک سے منبر نشیں ہوئی

فضل کی جو آخری مناجات اس وقت سامنے ہے اس میں روپ کماری سے متعلق کچھ نادر حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی لکھتے ہیں:

''معتبر مدارک سے پتہ چلتا ہے کہ روپ کنوار کماری نے کبھی شادی نہیں کی اور مجرد ہی جوانی میں اس دار فانی سے گزر گئیں''۔ (روپ کنوار کماری صفحہ ۱۴)

لیکن فضل کی اس مناجات سے پتہ چلتا ہے کہ روپ کماری کی شادی ہوگئی تھی اور ان کا شوہر عیاش اور شرابی تھا جس نے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی اُس سے نجات کے لیے فضل نے یہ مناجات لکھی تھی اس کے چند بند دیکھیے:

کس سے کہوں جاؤں کہاں ننھی ہے مولا نیم جاں — اے حاکم ہر دو جہاں دیجے اُسے جلدی اماں

اعجاز سے صاحب زماں دشمن ہو اس کا خوں چکاں   پائے نہ دنیا میں اماں جلدی ہو دوزخ کو رواں
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا
مولا اگر یہ بچ گیا ننھی پہ پھر ہوگی جفا   وہ تو ہے مولا مومنہ اور ہے کنیزِ فاطمہ
عیاش ہے یہ بے حیا مے نوش ہے حد سے سوا   ہے فضل کی یہ التجا کر دے اسے جلدی فنا
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا
اے بیکسوں کے چارہ گر ننھی کو اب آزاد کر   ہے کفر میں حالت دگر جلد آ کے لے اس کی خبر
پہنچا دے اس کو میرے گھر اے حکمرانِ خشک و تر   خوش ہوئے تا وہ خوش سیر اسلام پر اسلام پر
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا
آ جائے شاہا وہ اگر کر دوں میں اس کو باخبر   زوج اس کا لا دیں ڈھونڈ کر تا عقد سے ہو بہرہ ور
گھر میں جو کچھ ہو ماحضر شادی میں دے دوں بے خطر   آرام سے شام و سحر تا عمر ہو اس کی بسر
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا
عمر اتنی ہو مجھ کو عطا دیکھوں میں اس کا مہ لقا   مقبول ہو یہ بھی دعا تا کھوں میں یہ پھل ملا
اے دافعِ رنج و بلا اب ہے تو ہی مشکلکشا   اے خلق کے حاجت روا ہے فضل کی یہ التجا
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا
یادِ قدِ رعنا میں وہ حبِ شہِ بطحا میں وہ   عشقِ شہِ والا میں وہ ڈوبی ہے اس دریا میں وہ
پھولے پھلے دنیا میں وہ ہو سرخرو عقبا میں وہ   ہو سایۂ طوبا میں وہ اور خدمتِ زہراؑ میں وہ
اے قائم آلِ عبا اب ہے تو ہی حاجت روا
کس سے کہوں تیرے سوا ننھی کو میری لے بچا

آخر میں ۲۵ر فروری ۱۹۳۳ء کی تاریخ پڑی ہے۔

منقبت

آج میں مدعو ہوا ہوں مدحِ حیدرؑ کیلئے
واسطے میرے ہے منبر اور میں منبر کیلئے

حمد زیبا ہے خدائے بندہ پرور کیلئے
نعت لازم ہے نبیؐ کی ہر سخنور کیلئے

آئے ختم المرسلینؐ احکامِ داور کیلئے
اور حفاظت کو علیؑ دینِ پیمبرؐ کیلئے

شافعِ امت نبیؐ ہیں روزِ محشر کیلئے
اور علیؑ ساقی بنے ہیں حوضِ کوثر کیلئے

حوضِ کوثر پر ملے ہاتھوں سے جو اللہ کے
جان دینا ہے گوارہ ایسے ساغر کیلئے

اس نبی کا ہوں میں پیرو جو ہے ختم المرسلینؐ
شاخ ہے نعلین جس کی چرخِ اخضر کیلئے

جاؤ باہر دردِ زہ میں آئی مریم کو صدا
گھر خدا کا ہے ولادت گاہ حیدرؑ کیلئے

جب ہوئے پیدا علیؑ خوش ہوکے یہ بولے نبیؐ
یہ قدم ہیں کشتیِ امت کے لنگر کیلئے

ہوگا اب آباد گھر اللہ کا اُس طفل سے
اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہووے گی داور کیلئے

قبضہ ناجائز بتوں کا اب اٹھائے گا یہی
پاک کردے گا یہی اللہ اکبر کیلئے

جب ہزیمت جنگِ خیبر میں ہوئی بولے نبیؐ
جائے گا کل میرا بازو بابِ خیبر کیلئے

جب نبیؐ کے فرش پر سوئے علیؑ بولے ملک
جانشیں ایسا ہے زیبا ایسے بستر کیلئے

منحرف دیکھیں علیؑ کا پیشِ خالق عزّ و جاہ
حکم رجعت کا ہوا خورشیدِ خاور کیلئے

پڑھ چکا جب فضلؔ تو مجلس سے آئی یہ صدا
ایسا ذاکر چاہیے تھا آج منبر کیلئے

سلام

آئے ہم مجلس میں یہ مجلس کی زینت ہوگئی
سننے آئے پنجتنؑ سنسان جنت ہوگئی

مدح گوئی کی بدولت مجھ کو ثروت ہوگئی
زادِ راہِ آخرت کو جمع دولت ہوگئی

ہو کے مداحِ علیؑ بخشش کی صورت ہوگئی
جس کی خواہش تھی مجھے حاصل وہ دولت ہوگئی

شہ کی مداحی میں حاصل اتنی قدرت ہوگئی
پڑھ دیا جو شعر ہر سو اس کی شہرت ہوگئی

واہ کس درجہ عزاداروں پہ ہے فضلِ حسینؑ
اشک کے بہتے ہی واجب سب پہ جنت ہوگئی

جب چڑھے دوشِ نبیؐ پر جا کے کعبے میں علیؑ
حق کے گھر میں تب دوبالا اور عزت ہوگئی

دوشِ احمدؐ پر چڑھے جس دم علیؑ اٹھا یہ شور
آج کچھ اُونچی رسالت سے امامت ہوگئی

دستگیری کو لحد میں آگیا دستِ خدا
بڑھ گیا ہاتھوں کلیجہ دل کو قوت ہوگئی

تھا یزیدِ بے حیا حق پر دیا ابنِ علیؑ
لب پہ ظاہر خود بخود اب تو حقیقت ہوگئی

آدمی سے بت بنے حاسد مرا سُن کر کلام
بند ہے سب کی زباں طاری یہ حیرت ہوگئی

ضعفِ اعضاء کی کمی پوری کی مداحی نے یوں
پیر ہوتے ہی جواں میری طبیعت ہوگئی

بچپنا سونے میں گذرا اور جوانی نشہ میں
عمر ساری اپنی صرفِ خوابِ غفلت ہوگئی

اس قدر مداحیِ سرورؑ کا دل کو شوق ہے
فکر جب کی خود بخود خاطر طبیعت ہوگئی

اب تو دنیا کی خوشی حق میں مرے ہوتی ہے غم
غم کی عادی اس قدر اپنی طبیعت ہوگئی

رکھ کے میت قبر میں اصغرؑ کی کہتے تھے حسینؑ
دور اب تو پیاس کی بیٹا اذیت ہوگئی

پشت پر دُرّے لگے پیروں میں بیڑی پڑگئی
شاہ کے چھٹتے ہی عابدؑ کی یہ حالت ہوگئی

فضلؔ تو ذاکر بھی ہے زائر بھی ہے مداح بھی
تجھ پہ واجب ہر طرح سے اب تو جنت ہوگئی

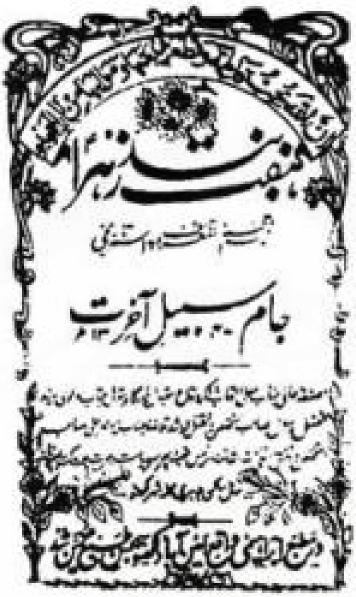
ہفت بند زہرا
جام سبیل آخرت

سرورق ہفت بند زہراؑ

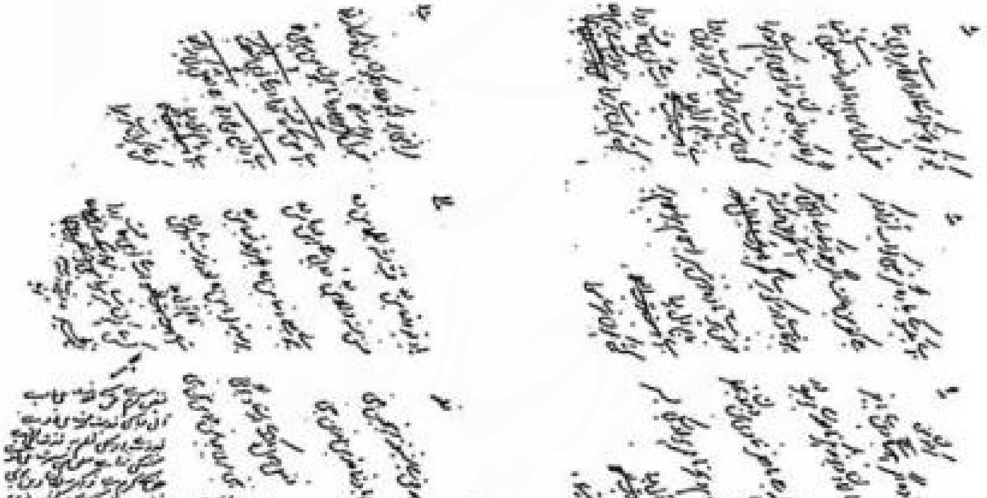

مناجات کا مخطوط

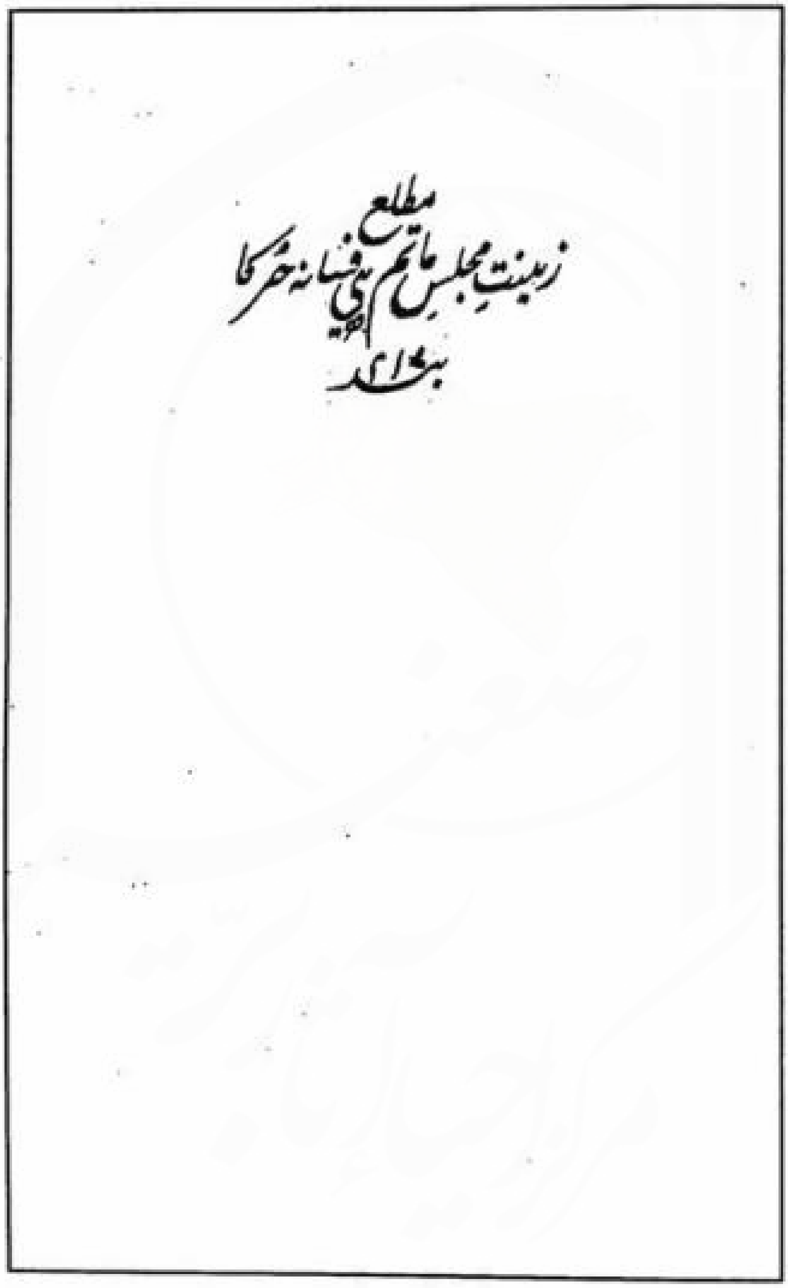
مطلع
زینت مجلس ماتم ہے فسانہ حر کا
بند ۱۲۰

قلمی مرثیے کا سر ورق

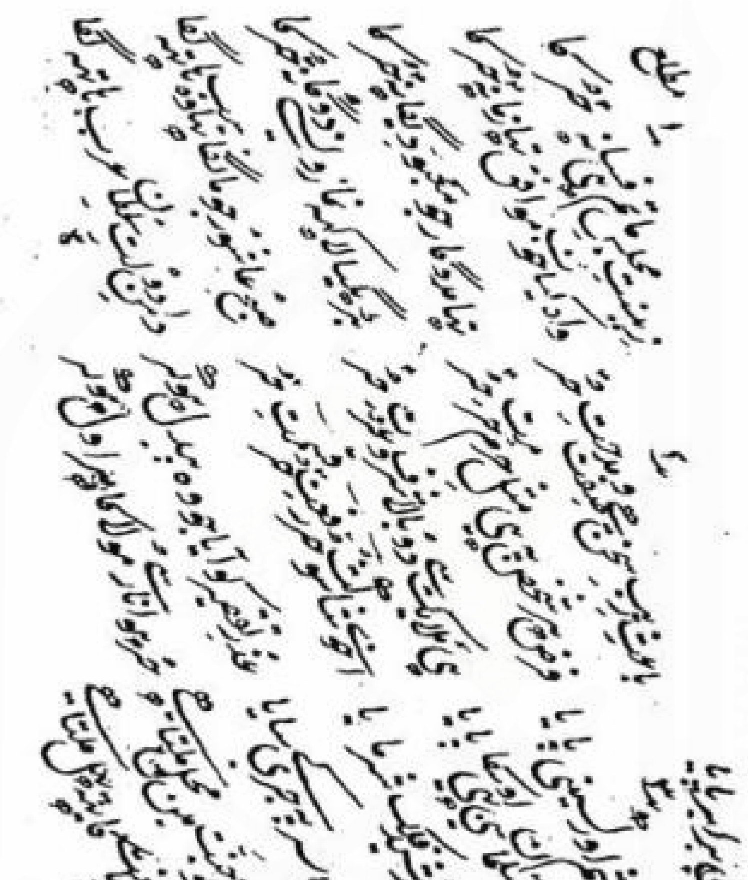

قلمی مرثیے کا صفحہ

مرثیہ

در حالِ حضرتِ حرؑ

۲۱۶ بند

زینتِ مجلسِ ماتم ہے فسانہ حرؑ کا واہ کیا خوب موافق تھا زمانہ حرؑ کا
تھا مددگار جو معبودِ یگانہ حرؑ کا بڑھ گیا لاکھ نمازوں سے دوگانہ حرؑ کا
صبحِ عاشور جو مانگا تھا وہ سب ہاتھ لگا
دامنِ دولت سلطانِ عرب ہاتھ لگا

باعثِ زیبِ سخن ہے صفت و مدحتِ حرؑ فرض ہر شخص پہ ہے مثلِ حرم حرمتِ حرؑ
ہے ملائک سے دوبالا شرف و عزتِ حرؑ اے خوشا شوکتِ حرؑ، رفعتِ حرؑ، قسمتِ حرؑ
عذرِ تقصیر کو آیا جو وہ پیدل ہو کر
حرؑ ہوا نار سے مولا کا ہر اول ہو کر

کب جہاں میں یہ حشم اور کسی نے پایا ہو گیا بوذر و سلماں کے برابر پایا
اخترِ بخت سے خورشیدِ فلک شرمایا رحمتِ حق نے کیا سر پہ جری کے سایا
ہوں عمل نیک تو جنت میں محل ملتا ہے
خوش نصیبوں کو ریاضت کا یہ پھل ملتا ہے

آفتابِ فلکِ اوجِ شرافت ہے حرؑ ماہِ تابانِ شبستانِ صداقت ہے حرؑ
شمع کاشانہ ایمان و ہدایت ہے حرؑ کیا رضا جوئے شہنشاہِ ولایت ہے حرؑ
حق یہ ہے ایسوں کو مقبولِ خدا کہتے ہیں
ان کو شیدائے شہِ ہر دوسرا کہتے ہیں

بحرِ مواجِ شجاعت تھی طبیعت حرؑ کی　　پاک تھی فتنۂ آفاق سے طینت حرؑ کی
کس طرح سارے جہاں میں نہ ہو شہرت حرؑ کی　　جبکہ مقبولِ الٰہی ہو ریاضت حرؑ کی

ایسے بندے بھی کہیں زیرِ فلک ہوتے ہیں
آج تک جن کے لیے حور و ملک روتے ہیں

کس نے پایا جو وہ اقبال رسا تھا حرؑ کا　　عرش بھی پشت ہوا دیکھ کے پایا حرؑ کا
اوج پر طالعِ بیدار جو پہنچا حرؑ کا　　بات ہی بات میں ہر کام بن آیا حرؑ کا

جان دیتے ہیں وفادار وفا پر اُس کی
جو موالی ہیں وہ مرتے ہیں ولا پر اُس کی

نزع کے وقت یہ رتبہ ملا اللہ رے حشم　　دست بوسی کے لیے آئے فرشتے پیہم
حوریں خود شوق سے لیتی تھیں بلائیں ہر دم　　آئے لینے کے لیے آپ نبیِ اکرمؐ

سر کو چھاتی سے لگا کر رخ و سینہ پونچھا
اپنے رومال سے حیدرؑ نے پسینہ پونچھا

آسماں لاکھ برس گر یوں ہی چکر کھائے　　اخترِ طالع نہ ایسا کبھی ہرگز پائے
کس طرح سے کوئی اس طرح کا رتبہ لائے　　جس کے لینے کے لیے سبطِ نبی خود جائے

ایک دیں دار و وفادار یہ سب میں نکلا
حرؑ فقط بعد بہتر کے عرب میں نکلا

تھے جو شبیرؑ کے انصار و موالی ہمراہ　　رتبۂ شاہ سے ہر ایک تھا اُن میں آگاہ
اک زمانے سے تھی تعلیم شہِ عرش پناہ　　روز سنتے تھے شہِ دیں سے کلامِ اللہ

کم نہ کس طرح سے ہوتے کہ وہ سب چیدہ تھے
عاقل و عارف و سنجیدہ و فہمیدہ تھے

کوئی طفلی کا مصاحب کوئی پیری کا رفیق　　کوئی کرتا تھا جوانی سے مسائل تحقیق
حل ہوئے برسوں میں جو جو کہ ہوئے امر دقیق　　محنتی آپ تھے اور پایا تھا استاد شفیق

علم کے اپنے وہ سب لوگ جو عامل نکلے
اس لیے رتبۂ ایمان میں کامل نکلے

پر عجب خیز تو ہے حالِ حرؑ باایماں　　جس کو حاصل نہ ہوئی صحبتِ شاہِ ذیشاں
نہ سنی اس نے حدیث اور نہ رموزِ قرآں　　اس کو کہتے ہیں عنایاتِ خداوند جہاں
ایک حجت کے سوا اور نہ کچھ بات ہوئی
رات کو عشق ہوا دن کو ملاقات ہوئی

تھا جری، شوق تھا بس نام ونشاں سے اس کو　　رات دن شوق تھا شمشیر وسناں سے اس کو
شوق گر تھا تو فقط تیر وکماں سے اس کو　　کچھ علاقہ بھی نہ تھا شاہِ زماں سے اس کو
اس کی سرحد میں رہا دین کا جو رہزن تھا
اس کے ہمراہ تھا شبیرؑ کا جو دشمن تھا

جو کہ اعدا میں رہے اس میں یہ الفت ہووے　　بے وفاؤں میں ہو اور پاسِ مروت ہووے
جاہلوں سے جسے دن رات کی صحبت ہووے　　فاضلوں پر اسے اس طرح فضیلت ہووے
اس کے ہمراہ ہو جو کفر میں اکمل ہووے
فوجِ اللہ و نبی کا وہ ہر اول ہووے

واہ رے طالعِ بیدار زہے حرؑ کا نصیب　　دشمنی کر کے ہوا سیدِ والا کا حبیب
اجنبی جو ہو وہ اس طرح سے ہو جائے قریب　　عقل حیراں ہو نہ کس طرح یہ ہے امرِ عجیب
عمر بھر جس سے نہ حیدرؑ کا کبھی لال ملا
دخترِ ختمِ رسلؐ کا اسے رومال ملا

حرؑ کی کچھ سعی تھی اور کچھ شہِ والا کی عطا　　یہ تعلّم میں تو تعلیم میں تھے شہ یکتا
مل گیا پیرو صادق کو جو ہادی ایسا　　سامنا ہوتے ہی حرؑ تا درِ جنت پہنچا
لاکھ بہکائیں شیاطین تو کیا ہوتا ہے
بگڑے بن جاتے ہیں جب فضلِ خدا ہوتا ہے

کوئی کیا جانے جو تھا رتبۂ اعلا حرؑ کا　　مرتبہ جانتے تھے سیدِ والا حرؑ کا
حرؑ ہے دوزخ سے، جو ہے چاہنے والا حرؑ کا　　سب کو پیرو کرے اللہ تعالیٰ حرؑ کا
کیا تو آغاز تھا اور کیا اسے انجام ملا
صبح تکلیف میں تھا شام کو آرام ملا

لکھ رہا ہوں جو میں کچھ وصفِ حرؑ عرش پناہ آسماں سے یہ صدا آتی ہے ماشاء اللہ
آپ کو اور ہوسِ وصفِ حرؑ عالی جاہ کام وہ چاہیے انسان سے ہو جس کا نباہ
ایسے دیندار و بہادر کی ثناء مشکل ہے
جس کو قربِ شہِ قوسین مکاں حاصل ہے

آج اے طبعِ رواں اپنی روانی دکھلا مطلعِ محو منکر ہوں وہ اعجاز بیانی دکھلا
بزم میں جوہرِ تیغِ صفہانی دکھلا دل میں کٹ جائیں عدو سیف زبانی دکھلا
شور ہو صاعقہ کردار اسے کہتے ہیں
دھاک بندھ جائے کہ تلوار اسے کہتے ہیں

میں نے پائی ہے خداداد طبیعت موزوں حق بجانب ہے عدو کا ہو جو دل رشک سے خوں
طبعِ اعلیٰ مری لے آتی ہے اعلیٰ مضموں کیوں نہ بن جائے زمیں اپنے سخن کی گردوں
اپنی تصنیف نے بخشی ہے سخن کو رونق
میرے باعث سے ہوئی نظم کے فن کو رونق

مجھ کو کیا جانے کوئی کون ہوں میں اور کیا ہوں جس میں مضموں کے گہر جمع ہیں وہ دریا ہوں
صدر آرائے سریرِ سخنِ زیبا ہوں عندلیبِ چمنِ مدحِ گلِ زہرؑا ہوں
مجھ سے ہر اک نے فصاحت کا چلن سیکھا ہے
بلبلِ سدرہ نے اندازِ سخن سیکھا ہے

مجھ کو مداحوں میں ہے فخر و مباہات کی جا تین پشتوں سے ہے مداحیِ شہ کا دعوا
مرثیہ خوانِ حسین ابن علیؑ تھے دادا ارث میں پھر مرے والد نے یہ حصّہ پایا
عاشق و شیفتۂ دلبرِ زہرؑا ہوں میں
اب ثنا خوانِ شہِ یثرب و بطحا ہوں میں

فکرِ رنگین سے کروں آج وہ گلشن پیدا جس میں گلچیں کا ہو کھٹکا نہ خزاں کا دھڑکا
سب کو آ جائے نظر خلدِ بریں کا نقشہ غیرتِ گل ہوں جو الفاظ تو مصرعے طوبا
بلبلِ گلشنِ فردوس بھی شیدا ہووے
چہچہے سننے کی رضواں کو تمنا ہووے

سچ تو یہ ہے کہ سنے گر یہ کلامِ زیبا بیرزاں کو نہ رہے تابِ خموشی کی ذرا
آفریں کی لبِ تصویر سے پیدا ہو صدا ہے یہی لطف کہ بے جاں بھی ہو مُنہ کر گویا
باعثِ تقویتِ روحِ سخن اپنا ہے
نظم کہیے نہ اسے معجزۂ عیسا ہے
اے زباں بس کہ تعلّی کا نہیں ہے یہ مقام عاجزی ہوتی ہے مطبوعِ دلِ خاص و عوام
جس سے نخوت مترشح ہو نہیں خوب وہ کام بارور جو ہیں جھکے رہتے ہیں وہ نخل مدام
خاکساری ہی زمانے کو پسند آئی ہے
سرمہ جب خاک ہوا آنکھوں میں جا پائی ہے
کیا تعلّی سے غرض دوں کئی باتوں سے حصول مثبتِ علم کہیں ہوتی ہے بحثِ مجہول
اہلِ انصاف و ہنر پرور و اربابِ عقول معترف ہوتے ہیں خود سن کے کلامِ معقول
طبعِ موزوں جو خدا بخشے تو نخوت کیسی
آپ اثباتِ لیاقت کی ضرورت کیسی
کیا شگفتہ ہو بھلا طبعِ حزیں و غم ناک آتشِ رشک ہے بھڑکی ہوئی زیرِ افلاک
سخنِ گرم سنا جل کے ہوئے حاسد خاک باتیں وہ کرتے ہیں جن سے ہو کہ سینہ صد چاک
لاکھ مضموں ہو نیا داد وہ کب دیتے ہیں
دل تو جل جاتے ہیں پر آنکھ چُرا لیتے ہیں
سچ ہے کج فہم بھلا قدرِ سخن کیا جانے جس نے دیکھے ہی نہیں دُرِّ عدن کیا جانے
بوم جنگل کے سوا لطفِ چمن کیا جانے نغمہ پردازیِ بلبل کو زغن کیا جانے
ہے بجا حاسدوں کو گر حسد و کینہ ہے
لطف آئینے کا کیا اُس کو جو نابینا ہے
آج صہبائے طہورا سے چھکا دے ساقی جام بھر کر مئے کوثر کے پلا دے ساقی
خم کے خم بادۂ کوثر کے لنڈھا دے ساقی جلوۂ ماہِ دل افروز دکھا دے ساقی
صاف ساغر میں نظر چہرۂ حور آجائے
جس کا انجام ہو اچھا وہ سُرور آجائے

کوئی غم ہو نہ غمِ شاہِ شہیداں کے سوا دل کے آئینے کو ہوتی ہے اسی غم سے جلا
یہ وہ ماتم ہے کہ ہے خلدِ بریں جس کا صلا فرض انساں پہ ہے تا مرگ رہے صرفِ بکا
اس کو اللہ و پیغمبر کی اطاعت سمجھے
ماتمِ سبطِ نبی حق کی عبادت سمجھے

ہاں رہے وصفِ ثنائے شہِ دیں میں مشغول ہے پسندیدۂ خالق یہ کلامِ معقول
حضرتِ جعفر صادقؑ سے ہے اکثر منقول جنتی ہے جو کرے مدحتِ فرزندِ رسولؐ
حشر میں شافعِ محشر اسے بخشائے گا
بند آنکھیں کیے جنت میں چلا جائے گا

کس زباں سے ہو بیاں حالِ شہِ عرش سریر وہ بیابانِ بلا وہ طپشِ مہرِ منیر
وہ ہجومِ غم و ہم وہ یورشِ فوجِ کثیر قحط وہ آب کا وہ تشنہ لب اطفالِ صغیر
کیوں نہ صد چاک غمِ شہ میں دلِ مضطر ہو
یہ مصیبت جو پڑے کوہ پہ خاکستر ہو

رن میں جس وقت شبِ صبحِ قیامت آئی سطعِ دن کی ایذا جو کٹی رات کی آفت آئی
اور بے چین ہوئے سب کہ مصیبت آئی زلف کھولے ہوئے شامِ شبِ غربت آئی
فکرِ انجام پہ سب اہلِ حرم رونے لگے
سُن کے آوازِ بکا شاہِ امم رونے لگے

رات وہ گرمیوں کی اور وہ جنگل سُنسان وہ لپٹ گرم ہواؤں کی وہ ہُو کا میدان
کس طرح واں متغیر نہ ہو حالِ انسان کیسے کس طرح سے بہلیں جو ہیں بچے نادان
لُوں کے جھونکے جو بیاباں سے چلے آتے ہیں
ماؤں کی گود میں اطفال چُھپے جاتے ہیں

مالکِ کون و مکاں تھا جو مصیبت میں گھرا فرش سے عرش تلک شورِ قیامت تھا بپا
بادِ غم سے کمرِ چرخِ مقرنس تھی دوتا ماہ کو داغ تھا ماہی کا جگر جلتا تھا
فاطمہؑ بالوں کو کھولے ہوئے با صد غم تھیں
اشکِ شبنم سے ستاروں کی بھی آنکھیں نم تھیں

خیمۂ آلِ نبیؐ میں جو بپا تھا ماتم   غم سے افلاک بھی تھے سر کو جھکائے باہم
خاک پر ٹوٹ کے گرتے تھے ستارے ہر دم   چاندنی سے صفِ ماتم کا عیاں تھا عالم
دوش پر ماہ نے بھی شالِ عزا ڈالی تھی
نیلگوں چرخ تھا اور چادرِ شب کالی تھی

ناگہاں زینبِ مضطر کی صدا یہ آئی   گھر میں آؤ مرے مظلوم مسافر بھائی
کس مصیبت سے ہے اک رات کی مہلت پائی   آج جی بھر کے تمہیں دیکھ تو لے ماں جائی
صبح کیا جانیے میدان میں کیا ہونا ہے
شہ نے فرمایا بہن تم سے جدا ہونا ہے

مہلت اک شب کی شبِ قتل جو پائی شہ نے   مطلع جانماز آن کے خیمے میں بچھائی شہ نے
سیل اک اشکوں کی آنکھوں سے بہائی شہ نے   ذوالفقارِ اسد اللہ اٹھائی شہ نے
فکرِ انجام پہ غمگیں دلِ ناشاد کیا
چوما قبضے کو تو حیدرؑ کو بہت یاد کیا

پھر کہا دیکھ کے شمشیرِ دو پیکر کی طرف   کچھ خبر ہے تجھے اے ہمدمِ سلطانِ نجف
سینہ کل ہوگا مرا ظلم کے تیروں کا ہدف   کل مرے حال پہ روئیں گے رسولانِ سلف
اب نہ کھانے میں ہے لذّت نہ مزا پانی میں
جسم پر تیغوں کے پھل کھائیں گے مہمانی میں

کل عیاں ہوں گے ترے جوہرِ پنہاں اے تیغ   ہوگا کل مجمعِ سادات پریشاں اے تیغ
کل کٹے گا ترے آقا کا گلستاں اے تیغ   کل مرا حلق ہے اور خنجرِ برّاں اے تیغ
ننگے سر حیدرِ کرارؑ کی جائی ہوگی
کل محمدؐ کے بھرے گھر کی صفائی ہوگی

قتل ہو جائیں گے کل ہاشمی و مطلبی   کل سہیں گے مرے یاور تعبِ تشنہ لبی
سر برہنہ کیے کل قبر سے نکلیں گے نبیؐ   قید ہو جائے گی کل آلِ رسولِ عربیؐ
جانبِ شام رواں کٹ کے مرا سر ہوگا
تنِ بے سر کو کفن تک نہ میسر ہوگا

یہ سخن کہہ کے ہوئے محوِ عبادت شبیرؑ تھی زباں پر کبھی تسبیح تو گاہے تکبیر
عرض کرتے تھے کبھی حق سے کہ اے حیِّ قدیر رن میں جس وقت چلے حلق پہ میرے شمشیر
محو الفت میں ترے بیکس و ناشاد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے
تو ہر اک حال میں مختار ہے ناچار ہوں میں ہے عطاپوش تری ذات خطاوار ہوں میں
تجھ پہ ظاہر ہے کہ آفت میں گرفتار ہوں میں زیست منظور نہیں مرگ پہ تیار ہوں میں
آخری اب یہ مرے حال پہ احساں ہو جائے
صبح شبیرؑ تری راہ میں قرباں ہو جائے
رحم کر رحم کہ محجوب ہوں اے ربِ جلیل مغفرت کا کوئی چارہ ہے نہ بخشش کی سبیل
تیری رحمت ہے کثیر اور مری طاعت ہے قلیل عمل ایسا کوئی رکھتا نہیں یہ عبدِ ذلیل
دم بہ دم جان میری سینے میں گھبراتی ہے
ہوں تہی دست نہایت مجھے شرم آتی ہے
میں ہوں بندہ ترا اور تو ہے خدائے ازلی سارے عالم کے ہیں اسرارِ خفی تجھ پہ جلی
اے ضیا بخشِ سراجِ حرمِ لم یزلی بہر روحِ حسنؑ و احمدؐ و زہراؑ و علیؑ
اُس چمن کی نظر آنکھوں سے بہار آ جائے
منزلِ قرب میں جا دے تو قرار آ جائے
اور تو پاس مرے کچھ نہیں اے بارِ خدا چند احباب ہیں کر دوں گا انھیں تجھ پر فدا
دن میں سو بار اگر بند سے ہو بند جدا حق ترا بندۂ احقر سے نہ پھر بھی ہو ادا
کوئی تحفہ نہ بطاعت کوئی لاتا ہے حسینؑ
تیری خدمت میں عجب حال سے آتا ہے حسینؑ
جو مرے دل میں ہے یارب وہ ہے تجھ پر ظاہر جاں نثاری کو تری راہ میں خود ہوں حاضر
نہ کوئی یار نہ ہمدم ہے، نہ کوئی ناصر تیری رحمت پہ مرا دل ہے قوی یا قادر
چشمۂ فیض زمانے میں ترا جاری ہے
اے مددگار جہاں وقتِ مددگاری ہے

ناز بچپن میں اٹھائے مرے کیا کیا تو نے   دن کو فی الفور کیا رات خدایا تو نے
دُرِ اشک آنکھ سے بہتے جو ہی دیکھا تو نے   دفعتہً بچۂ آہو مجھے بھیجا تو نے
ہم سنوں میں مجھے ہر رنگ سے ممتاز کیا
بھیج کر پیرہنِ عید سرافراز کیا

کل کا مذکور ہے موجود تھے جب شاہِ امم   وہ مصاحب وہ امیرانہ و شاہانہ چشم
آج پانی کو ہے محتاج جو یہ کشتۂ غم   وہ عنایت ہے تو یہ بھی ہے ترا لطف و کرم
کچھ تردّد نہیں گر لاکھ جفا ہو جائے
وعدہ طفلی کا مگر آج وفا ہو جائے

حق سے سرور کے دعا کرتے تھے حضرتؑ تو اِدھر   مسندِ زر پہ اُدھر بیٹھا تھا خیمے میں عمر
اور حاضر تھے قرینے سے رئیس و افسر   ٹھنڈے پانی کے بھر کے رکھے ہوئے تھے ساغر
عیش و آرام تھے واں شام کے خونخواروں میں
تیسرا فاقہ تھا یاں فاطمہؑ کے پیاروں میں

باتوں باتوں میں ہوا تذکرہ واں کچھ حر کا   پسرِ سعد سے ہر ایک جری نے پوچھا
ہم یہ سنتے ہیں شجاعوں میں کہ حرؑ ہے یکتا   معرکے میں وہ ہزاروں سے ہے تنہا لڑتا
حال جرأت کا کھلے اس سے جو کچھ بات کریں
ہم بھی شائق ہیں کہ غازی سے ملاقات کریں

خادمِ خاص سے کہنے لگا یہ سن کے عمر   میری جانب سے یہ پیغام دے حرؑ کو جا کر
اے جواں تجھ کو بلاتا ہے امیرِ لشکر   اور مشتاقِ ملاقات ہیں افسر اکثر
تذکرہ آپ کی شہرت کا جو کچھ آیا ہے
اس لیے آپ کو سردار نے بلوایا ہے

سن کے یہ حکم روانہ ہوا وہ ناہنجار   آیا اس خیمے میں جس جا تھا حرؑ نیک اطوار
جوڑ کر دستِ ادب دور سے کی یہ گفتار   اے زِ تیغ تو بلرزد صفِ جنگ و کہسار
اشتیاق آپ کا ہر شام کے جرار کو ہے
اس لیے شوق ملاقات کا سردار کو ہے

حرؓ کو کچھ فکر تھی بیٹھا تھا جھکائے ہوئے سر　　جان کا اپنی نہ کچھ ہوش نہ جاے کی خبر
کچھ نہ بولا جو سنا اس سے یہ پیغامِ عمر　　پھر دوبارہ کہا خادم نے یہ حرؓ سے بڑھ کر

خاصہ تیار ہے سردار نے بلوایا ہے
آپ کے لینے کو اس وقت غلام آیا ہے

ہو کے برہم یہ کہا حرؓ نے کہ کیسا جانا　　میں نہیں کھاؤں گا کہہ دے کہ وہ کھالے کھانا
کون سا وقت ہے کیسا ہے نیا بلوانا　　مجھ کو بھاتا نہیں اس طرح کا جانا آنا

جو ہے مشتاقِ ملاقات وہ خود آئے گا
حال شب کا جو ہے وہ صبح کو کھل جائے گا

میں ندیم اور مصاحب تو نہیں ہوں اس کا　　جنگ میں آؤں گا محفل میں بلانا کیسا
علمِ مجلس میں نہیں جانتا پھر فائدہ کیا　　مجھ کو لڑنے کے سوا اور نہیں کچھ آتا

حال جرأت کا مری رن میں نظر آئے گا
خیر جو ہوگا وہ کل جنگ میں کھل جائے گا

ہو کے نادم وہ پھر آیا جو سنی یہ تقریر　　قصہ سب اس نے مفصل یہ کہا پیشِ امیر
حرؓ نہ آیا نہ چلی کوئی بھی میری تدبیر　　ہو گئے دنگ یہ سنتے ہی وہاں سب بے پیر

نقشِ دیوار تھے یہ حال تھا سرداروں کا
خوف سے زرد تھا منہ شام کے خونخواروں کا

ہنس کے بولا یہ عمر ہے یہی عادت اُس کی　　مردِ جرار ہے نازک ہے طبیعت اُس کی
صاف اس بات سے ظاہر ہے جہالت اُس کی　　غرّہ اس کا ہے کہ عالم میں ہے شہرت اُس کی

خاطریں اس کی خلیفہ جو کیا کرتا ہے
اس لیے پاؤں زمیں پر وہ نہیں دھرتا ہے

یہاں بھائی نے کہا حرؓ سے کہ سنیئے تو حضور　　میرِ لشکر نے بلایا تھا تو چلنا تھا ضرور
پسرِ سعد ہے سردار نہایت مغرور　　گر وہ برہم ہو نہ بیٹھے جا سے کچھ اس سے نہیں دور

بے سبب فوج کے سردار سے تکرار نہ ہو
حکمِ حاکم میں مناسب ہے کہ انکار نہ ہو

حرؑ یہ بولا کہ وہ ظالم ہے شقیِ ازلی   سبطِ احمدؐ کا عدو، دشمنِ اولادِ علیؑ
اُس کا در پے ہے جو ہے خلق میں خالق کا ولی   ابھی مخفی ہے سبب صبح کو ہوئے گا جلی
پہلے خود جا کے ستم گار کو سمجھاؤں گا
جب نہ مانے گا تو میں یاں سے چلا جاؤں گا

اس کا محکوم نہیں جب تو میں کیوں اس سے ڈروں   کیا غرض ہے مجھے کیوں اس کی خوشامد میں کروں
خونِ سادات سے کس واسطے ہاتھ اپنے بھروں   سر بھی کٹ جائے تو قبضے پہ نہ میں ہاتھ دھروں
اس کا قاتل نہ بنوں گا جو نبی زادہ ہے
میں اعانت پہ ہوں وہ قتل پہ آمادہ ہے

پوچھا بھائی نے کہ ہے اس سے بغاوت منظور   دیکھ کر منہ کو کہا حرؑ نے کہ لاریب ضرور
سر کو کاٹوں پسرِ سعد کے تب ہوں مسرور   نذر لے جاؤں یہاں سے میں یہ آقا کے حضور
ہوں رضا مند علیؑ سر جو عمر کا مل جائے
عفو ہوں جرم مرے سایۂ طوبیٰ مل جائے

آ کے خادم نے کہا یاں بھی ہے تیار طعام   نوش فرما کے ذرا کیجئے آقا آرام
سن کے یہ غیظ سے تھرا گیا حرؑ کا اندام   بولا غصے سے کہ بہتر نہیں اس دم یہ کلام
کھانے کے نام سے دل میرا ابھرا آتا ہے
پانی کے ذکر سے لرزہ سا چڑھا آتا ہے

کہا خادم نے پھر آقا کا میرے قصد ہے کیا   کس طرف خاطرِ عاطر کا ہے میلان ہوا
رنج کس امر کا ہے اور تردّد کیسا   مجھ پہ واجب ہے کروں حقِ نمک میں بھی ادا
راز پوشیدہ نہ کیجے یہ ہے بے جا آقا
نکلا آتا ہے مرے منہ سے کلیجا آقا

حرؑ نے تب رو کے یہ خادم سے کی اس وقت مقال   مجھ کو اس امر کی تشویش ہے اس وقت کمال
میرے کہنے سے یہاں آیا ہے زہراؑ کا لال   در پے قتل ہیں اب فوج کے سب بداعمال
ظلم سید پہ یہ ہے مجھ کو تعب ہوتا ہے
عاقبت میری بگڑتی ہے، غضب ہوتا ہے

پاس کچھ شاہ کا کرتے نہیں یہ خانہ خراب
شب ہفتم سے غذا پہنچی ہے خیمے میں نہ آب
العطش کا ہے وہاں شور میں ہوں یاں بیتاب
کچھ سمجھتے نہیں ظالم کہ یہ ہے کون جناب
دین سے کچھ نہ تعلق ہے نہ عقبا سے انھیں
بندۂ زر ہیں فقط کام ہے دنیا سے انھیں

کیا کروں کیا نہ کروں کچھ نہیں بنتی تدبیر
وائے افسوس کہاں لائی ہے مجھ کو تقدیر
زرد رو ہو گیا میں پیشِ خداوندِ قدیر
خود پشیماں ہوں بڑی مجھ سے ہوئی ہے تقصیر
ہاتھ یہ قطع ہو جو باگ پہ ڈالا میں نے
حرف یاں آنے کا کیوں منہ سے نکالا میں نے

قتلِ سادات کی ہر سمت ہے لشکر میں پکار
ہے تعجب مجھے کرتے ہیں یہ کیا ناہنجار
ہوگا پامال گلستانِ رسولِ مختار
باغیوں میں مرا ہو جائے گا بیہات شمار
نخلِ امید نہ پھولے نہ پھلے گا میرا
آتشِ قہر میں یہ جسم جلے گا میرا

مجھ سے اٹھنے کے نہیں آتشِ دوزخ کے تعب
عمرِ سعد کا میں ساتھ بھلا دوں گا کب
اس کے دامن کو نہ چھوڑوں گا جو ہے عاشقِ رب
اپنے معبود کی درگاہ میں یہ عرض ہے اب
زن و فرزند جدا ہوں کہ برادر چھوٹے
پر نہ مجھ سے قدمِ سبطِ پیمبرؐ چھوٹے

کہہ کے یہ کانپ گیا کانپ کے بے ہوش ہوا
کہا چلا کے یہ بیٹے نے کہا ہے ہے بابا
بھائی نے ہاتھ پکڑ کے یہ بھتیجے سے کہا
کس لیے حال ہے اس درجہ پریشاں تیرا
تو عبث دیکھ کے اس حال کو گھبرایا ہے
خوف سے آتشِ دوزخ کے یہ غش آیا ہے

ہوش آیا تو کہا رو کے کہ ہے ہے شبیرؑ
قتل کی آپ کے ہوتی ہے یہاں پر تدبیر
تشنہ لب مرتے ہیں گہوارے میں اطفالِ صغیر
تیز ہوتے ہیں شہِ دیں کے لیے خنجر و تیر
ہائے تقدیر شہِ دیں کو کہاں لائی ہے
شیر اصغرؑ نے نہ عابدؑ نے غذا پائی ہے

یوں ہی بے چین رہا حرؔ دلاور شب بھر کبھی تڑپا کبھی رویا تو کبھی پیٹا سر
صبحِ عاشور کے ظاہر ہوئے ناگاہ اثر چھپ گئے شرم سے تارے ہوئی ظاہر جو سحر
شور نوبت کا اٹھا شام کے خونخواروں میں
یہاں تکبیر کا نعرہ ہوا جراروں میں

جب نمودار ہوئے چرخ پہ سامانِ سحر مطلع چہچہے کرنے لگے وجد میں مرغانِ سحر
دُرفشانی میں جو مصروف تھا سلطانِ سحر بھر گیا گوہرِ مقصود سے دامانِ سحر
طرفہ سامان تہہِ گنبدِ افلاک ہوا
پھٹ گیا جیبِ سحر، برقعِ شب چاک ہوا

وہ دمِ صبح کی سردی وہ نسیمِ سحری وہ دل آویزیِ صحرا وہ ترائی وہ تری
سروِ بستانِ علیؑ تھے جو عدم کے سفری نوحہ خواں تھے کہیں بلبل تو کہیں کبکِ دری
بن میں گھیرے تھے جو باغی وطن آواروں کو
روتے تھے مرغ چمن کھول کے منقاروں کو

کر چکا طے سفرِ شب کو جو مہرِ انور فق ہوا نورِ صباحت کے سبب روئے سحر
دے چکے جبکہ اذاں صوتِ حسَن سے اکبرؑ لائے سجادے پہ تشریف شہِ جن و بشر
مقتدی باندھ کے صف ذکرِ خدا کرنے لگے
طاعتِ خالقِ کونین ادا کرنے لگے

عابدوں کی وہ جماعت وہ جلال اور وہ حشم مقتدی پیچھے تو آگے تھے امامِ عالم
اس طرف خوفِ الٰہی میں ہر اک چشم تھی نم پھول کے جیسے کٹوروں میں بھری ہو شبنم
شور تھا خلق میں دیکھے نہیں غازی ایسے
پیشوا ہو اگر ایسا تو نمازی ایسے

تھے زبس محوِ عبادت وہ خدا کے پیارے بدر پیشانیاں، سجدوں کے نشاں تھے تارے
کرتی تھیں غرفوں سے حورانِ جناں نظارے شورِ تکبیر سے تھے وجد میں طائر سارے
ناز قدرت کو تھا شبیرؑ کے جانبازوں پر
لحنِ داؤد کو بھی رشک تھا آوازوں پر

چہرۂ حور کی پائی تھی سحر نے جو ضیا　　عرش سے فرش تلک نور کا اک عالم تھا
کور بینا ہو جو دیکھے وہ صفائی وہ فضا　　ساکنِ ارض و سما وجد میں تھے صلِّ علا
کرمِ خالقِ کونین تھا خشک و تر پر
طعنہ زن قطرۂ شبنم تھے زر و گوہر پر
باغِ عالم میں موافق کی جو چلتی تھی ہوا　　کچھ عجب حُسن تھا گلشن میں عجب عالم تھا
وجد تھا بلبلوں کو اور گلوں کو سکتا　　جھومتی گاہ نسیم آئی کبھی بادِ صبا
سرد جھونکے جو گلستاں میں چلے آتے تھے
غنچے بے ساختہ گلشن میں کھلے جاتے تھے
طائروں کا وہ درختوں پہ چہکنا وہ فضا　　ایک سے ایک خوش الحان و نفیس و اعلا
عندلیبِ چمن آرا کی خوش آئندہ صدا　　شورِ تسبیح کہیں پر تو کہیں صلِّ علا
طائروں کو نہ فقط حمد و ثنا ازبر تھی
خار کی خشک زباں حمدِ خدا میں تر تھی
قمریاں سرو پہ صدقے تھیں گلوں پر بلبل　　غنچے کھلتے تھے جو گلشن میں تو ہنستے تھے گل
پیچ کھاتی ہوئی لٹکی تھی جو زلفِ سنبل　　چہرۂ حور پہ بکھرے نظر آئے کاکل
چشمِ نرگس کو نہ کچھ لطف سوا حاصل تھا
گوشِ گل محو تھے زخموں کا مزا حاصل تھا
اس طرف بڑھ کے نمازوں کو مسلح تھے جواں　　منتظر تھے کہ بڑھے فوجِ حسینی کا نشاں
ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہتے تھے کہ اے ربِّ جہاں　　تیسرا فاقہ ہے باقی نہیں اب تاب و تواں
بھوک میں ان سے لڑیں ہم وہ توانائی دے
دیکھ لیں روضۂ رضواں کو وہ بینائی دے
تھے جو سب دل سے مطیعِ پسرِ خویشِ رسول　　منہ سے نکلیں کہ ہوئیں اُن کی دعائیں مقبول
یک بہ یک رحمتِ خالق نے کیا اُن پہ نزول　　دیر پھر کیا تھی کہ ہوتے نہ مطالب جو حصول
لطفِ خالق نے دلِ پیر و جواں کھول دیئے
بڑھ کے رضواں نے درِ باغِ جناں کھول دیئے

دیکھے کوثر کے کنارے، جو چھلکتے ہوئے جام ہوگئی روح کو فرحت تو دلوں کو آرام
چہرۂ حور میں یا جلوہ کناں ماہِ تمام سیم تن ان میں کوئی اور کوئی ہے گلفام
مسکراتے ہیں تو بجلی سی چمک جاتی ہے
ماہ و خورشید کی بھی آنکھ جھپک جاتی ہے

چھاؤں وہ سبز درختوں کی وہ طوبیٰ کی بہار کھل گیا ایک بھی غنچہ تو بسا سب گلزار
کہیں قمری کی ہے کوکو تو کہیں صوتِ ہزار نہر کے قرب قرینے سے ہجومِ اشجار
برگِ اشجار سے پھولوں کی مہک آتی ہے
شاخِ تر بار سے میووں کے جھکی جاتی ہے

مشک و عنبر کی زمیں، شیر کے بہتے دریا آب سے جن کی خجل مہر ہے موتی کیسا
پیاس مطلق نہ رہی آئی اُدھر سے جو ہوا منہ سے بے ساختہ ہر اک نے کہا صلِ علیٰ
جام لبریز لیے ان کے کنارے حوریں
آؤ اس سمت یہ کرتی ہیں اشارے حوریں

کھل گئی آنکھ جو اس حُسن کا ساماں دیکھا سب نے ہنس کر طرف شاہ شہیداں دیکھا
شہ نے فرمایا کہ کیا روضۂ رضواں دیکھا کس بشاشت سے کہا سب نے کہ جی ہاں دیکھا
جان اب جاتی ہے مولا ہمیں رخصت کیجیے
پہنچیں اس باغ میں جلدی جو اجازت دیجیے

ہنس کے فرمانے لگے تب یہ شہِ عالی جاہ جلد کوثر سے ہو سیراب مجھے خود ہے یہ چاہ
عصر تک میں بھی پہنچ جاؤں گا انشاءاللہ دیر اتنی ہے کہ تکتا ہوں میں اک دوست کی راہ
وہ تو آجائے کہ جو پہلے وہاں جائے گا
پھر توقف کا زباں پر نہ سخن آئے گا

وہ گلستاں وہ مکاں اور وہ حوریں وہ قصور جائیں احباب ہمیں دل سے یہی ہے منظور
جس کی خواہش لیے نانا گئے خالق کے حضور آج سر ہووے گا وہ معرکہ صعب ضرور
گھر اسی واسطے خالق پہ فدا کرتا ہوں
اسی امید پہ سر نذرِ خدا کرتا ہوں

چلے رخصت کو حرم میں جو شہنشاہِ انام　　دھوم خیمے میں ہوئی لاتے ہیں تشریف امام
بال کھولے ہوئے سیدانیاں روتی تھیں تمام　　اُن سے بڑھ کر یہ کیا حضرت زینبؑ نے کلام
بھائی تم لوگوں کی بیتابی سے گھبراتے ہیں
ذرا رونا کرو موقوف حضور آتے ہیں

آئے اس شان سے خیمے میں امام ابرار　　راس و چپ اکبرؑ و عباسؑ لگائے ہتھیار
بھانجے اور بھتیجے تھے کئی عرش وقار　　ایک سے ایک اولوالعزم و دلیر و جرار
چاند کو مانند کریں چہرۂ روشن ایسے
شیرِ گردوں بھی دبے جن سے تہمتن ایسے

لائے تشریف غرض خیمے میں شاہِ اکرم　　دیکھا برپا ہے نبی زادیوں میں اک ماتم
کہیں کلثومؑ ہیں روتی کہیں بانو پُرغم　　دیکھا جاتا نہیں اطفال کا ہے وہ عالم
اک طرف بالی سکینہؑ کو بلکتے پایا
اک طرف اصغرِؑ ناداں کو سسکتے پایا

شور کرنا کبھی بچوں کا کبھی چلانا　　رو کے کہتا تھا کوئی ماں سے کہ لا دو کھانا
تین دن ہو چکے منہ تک نہیں پہنچا دانا　　نہر کے قرب پہ دشوار ہے پانی پانا
اس طرح بھی کہیں بچوں کی گذر ہوتی ہے
تین دن گذرے ہیں فاقوں میں بسر ہوتی ہے

خیر کھانا نہ ملے پیاس سے ہم ہیں بیتاب　　کچھ تو تسکین ہو مل جائے جو اک جرعۂ آب
دل یہ پھکتا ہے کلیجہ ہوا جاتا ہے کباب　　جائے انصاف ہے کیا دیویں حرم اس کا جواب
شرم سے دامنِ حسرت تو بھگو دیتے ہیں
پانی جب مانگتے ہیں وہ تو یہ رو دیتے ہیں

رو کے کہنے لگی یہ خواہرِ سلطانِ امم　　اس طرف آیئے اے سبطِ نبی اکرم
دیکھ کر بچوں کو ہووے گا سوا آپ کو غم　　تین دن سے یہی عالم ہے یہی ہے ماتم
سن کے ان سب کا بیاں ہونٹوں پہ دم آتا ہے
حال عابدؑ کا تو دیکھا ہی نہیں جاتا ہے

اس نقاہت میں دوا کچھ ہے میسر نہ غذا　　جا کے جب دیکھتی ہوں تپ کو تو پاتی ہوں سوا
شدت درد میں سر کو جو ہے دے دے ٹپکا　　تازہ آفت ہے کہ سب سوجا ہوا ہے ماتھا
ایسی حالت میں جو پانی نہ پئیں گے بھائی
ہے یقیں مجھ کو کہ عابدؑ نہ جئیں گے بھائی

رو کے فرمایا شہِ دیں نے کہ سچ کہتی ہو　　شب ہفتم سے عجب کرب میں تم رہتی ہو
مجھ کو صدمہ ہے یہی تم جو الم سہتی ہو　　پانی اس جا نہ ملے نہر جہاں بہتی ہو
طرفہ آفت ہے یہ اور رنج نیا ہے زینبؑ
واقعہ ایسا نہ دیکھا نہ سنا ہے زینبؑ

امت جد میں ہیں یہ لوگ میں کیا ان سے کہوں　　ظلم وہ کرتے ہیں تم لوگوں پہ میں نادم ہوں
بھیج دوں سب کو وطن اور اکیلا میں رہوں　　کچھ تردد نہیں پھر ظلم جو ہوں سب کو سہوں
کل سے اس باب میں ان لوگوں کو سمجھاتا ہوں
جب نہیں مانتے خاموش میں ہو جاتا ہوں

پاس تم لوگوں کا کرتے نہیں نالائق ہیں　　بے خبر دین سے دنیا کے یہ سب شائق ہیں
مکر میں کید میں شیطان پہ بھی فائق ہیں　　بول سکتا نہیں میں امر وہ کچھ عائق ہیں
عہد نانا سے یہ ہے سر کو کٹاؤں گا میں
نار سے آپ کی امت کو بچاؤں گا میں

کہتے تھے یاں تو حرم سے یہ شہِ جن و بشر　　موج کی طرح بڑھا خیمے کی جانب لشکر
رو کے فرمایا شہِ دیں نے کہ اب اے خواہر　　جلد مل لو کہ مسافر ہے محمدؐ کا پسر
ہم کو جلدی ہے بڑھا آتا ہے لشکر زینبؑ
سب ہیں بے چین مرے خویش و برادر زینبؑ

رو کے زینبؑ نے کہا کیوں ہے یہ جلدی بھائی　　کیسی پردیس میں ہم سب پہ مصیبت آئی
ظلمِ اعدا سے کسی طور نہ مہلت پائی　　تیری مظلومی کے قربان ہو یہ ماں جائی
باندھ لی آپ نے تلوار لڑائی ٹھہری
شہ نے فرمایا کہ ہاں تم سے جدائی ٹھہری

تیر چلنے نہ لگیں خوف ہے اس کا خواہر　　جنگ سے پہلے تلف ہوئیں نہ میرے یاور
سب ہیں بیتاب کہیں جا نہ پڑیں لشکر پر　　قطعِ الفت کروائے خواہرِ تفتیدہ جگر
شام کو بزمِ رسولِ دوسرا میں ہوں گا
قید میں تم، میں گروہ شہداء میں ہوں گا
جب برآمد ہوا خیمے سے علیؑ کا پیارا　　روئے روشن سے منور ہوا میداں سارا
دشت بولا کہ مرے بخت کا چمکا تارا　　بڑھ کے چاوشِ حشم فوج کو یوں للکارا
سوئے گلزارِ جہاں بادِ بہاری آئی
با ادب باش کہ مولا کی سواری آئی
رخِ شاہِ دو جہاں جب رفقا نے دیکھا　　کوئی پڑھنے لگا تسبیح کوئی صلِّ علا
کوئی بولا بابی انت و اُمّی آقا　　چوم کر ہاتھ حبیب ابن مظاہرؓ نے کہا
للّٰہ الحمد کہ نورِ رُخِ مولا دیکھا
جس کے مشتاق تھے موسیٰ وہ تجلا دیکھا
اب یہ خواہش ہے ہمیں آپ اجازت دیجے　　گنجِ دنیا سے جو بہتر ہے وہ دولت دیجے
کھول کر غنچۂ لب روح کو راحت دیجے　　جلد اس خادمِ دیرینہ کو رخصت دیجے
دیکھیے لشکرِ کفار کی سیل آتی ہے
شورشِ لشکرِ شر چرخ تلک جاتی ہے
شہ نے فرمایا کہ بہتر ہے چلو بہرِ وغا　　بھائی عباسؑ سے کہہ دو کہ بڑھیں لے کے لوا
منصبِ والدِ ماجد ہے اسے لائیں بجا　　ایک دم دوش پہ رکھ لیں کہ یہ ہے کارِ خدا
پھر تو میں جانتا ہوں یہ کہ جدا ہوئیں گے
نہر پر قتل وہ ہو جائیں گے ہم روئیں گے
سن کے یہ حکم ہوئی مستعدِ جنگ سپاہ　　دیکھ کے شان ملک کہتے تھے سبحان اللہ
جھکے رہوار پہ بیٹھے جو شہِ عرش پناہ　　آسماں سے یہ صدا آئی بصد نالہ و آہ
جان دینے کے لیے سبطِ نبی جاتے ہیں
مصطفےٰ خلد سے لینے کے لیے آتے ہیں

سب رفیقانِ شہِ دیں تھے شجاعِ ازلی　　کوئی ہم رتبۂ جعفر کوئی ہمشکلِ نبیؐ
جنگ میں مالکِ اشتر کے برابر کوئی　　لافتیٰ پڑھتا تھا کوئی تو کوئی نادِ علیؑ
کوئی کہتا تھا کہ مجھ کو ہوسِ نصرت ہے
ہنس کے فرماتے تھے عباسؑ یہی حسرت ہے

بسکہ تھے مستعدِ جنگ عزیز و انصار　　چڑھ کے گھوڑے پہ چلے شاہ بصد عزّ و وقار
بن گیا غیرتِ طاؤسِ گلستاں رہوار　　سرعت ایسی نہ ملا بادِ صبا کو بھی غبار
غل ہوا چار طرف بادِ بہاری آئی
جن پکارے کہ سلیماں کی سواری آئی

واہ ری شان، زہے شوکتِ فوجِ شہِ دیں　　تھا کوئی آئینہ رخسار کوئی ماہ جبیں
ہوگئی حُسن کے پرتو سے منوّر جو زمیں　　غل تھا عالم کے مرقع میں ہیں یکتا یہ حسیں
رُخِ روشن سے عیاں جلوۂ جانانہ ہے
حُسن خود ان پہ فدا صورتِ پروانہ ہے

بخدا شیرِ نیستانِ علیؑ ہیں یہ جری　　شمعِ بزمِ حرمِ لم یزلی ہیں یہ جری
جن کی حوروں کو ولا ہے وہ ولی ہیں یہ جری　　بندۂ خاص سعیدِ ازلی ہیں یہ جری
کسی مرسل نے یہ احباب کہاں پائے ہیں
کیا جواں چُن کے حسین ابن علیؑ لائے ہیں

قمرِ برجِ شرافت ہیں یہ خورشید جمال　　قدِ موزوں کہ جنھیں دیکھ کے طوبیٰ ہو نہال
چتونوں سے ہے عیاں شیرِ الٰہی کا جلال　　عقل کا نقص ہے کہیے اگر ابرو کو ہلال
پائے حوروں نے کہاں چہرۂ تاباں ایسے
چشمِ افلاک نے دیکھے نہیں انساں ایسے

پہنچے میدانِ وغا میں جو صف آرا غازی　　متصل لشکرِ کفار کے روکے تازی
سینہ تانے ہوئے آمادۂ تیر اندازی　　کھیل اونیٰ تھا لڑکپن سے جنھیں جانبازی
غل ہوا فوج میں لو شاہِ شہیداں آئے
مورچے ہٹ گئے ذرے کہ سلیماں آئے

چھیڑ کر مرکبِ جانباز کو بولے شبیرؑ　　مجھ سے واقف ہے کوئی میں کون ہوں اے فوجِ شریر
باپ کس شخص کا ہے بادشہِ خیبر گیر　　عرش سے بھیجی ہے اللہ نے کس کو شمشیر

مرحب و عنتر بے دیں کے لہو چاٹے ہیں
کس کی تلوار نے جبرئیل کے پر کاٹے ہیں

کون ہے خانۂ کعبہ میں ہوا جو پیدا　　لات کو لات سے کس حق کے ولی نے توڑا
بدعت و کفر کی بنیاد کو کس نے کھودا　　کس کو سب کہتے ہیں بازوئے نبی دستِ خدا

دیں کے پھیلانے میں دنیا کا سبب کون ہوا
کافروں کے لیے خالق کا غضب کون ہوا

کون ہے مالکِ تسنیم و قسیم جنت　　کس کی خاطر سے ہوئی مہر فلک کو رجعت
کون ہے خالقِ افلاک و زمیں بے حجت　　کس کی فرمائی ہے قرآن میں اللہ نے صفت

آسماں سے بھی دو بالا ہوئی رفعت کس کی
عرش پر کی ہے فرشتوں نے زیارت کس کی

کی ہے کفار کو ایماں کی ہدایت کس نے　　پایا ہے لشکر اسلام کا رایت کس نے
کی منافقوں کی کبھی حق سے شکایت کس نے　　خوب آباد کیا ملکِ شریعت کس نے

خلق کس خلق کے سرتاج کی محتاج ہوئی
دوشِ محبوبِ خدا پر کسے معراج ہوئی

شان میں کس کی ہوا سورۂ کوثر نازل　　کون سے مصحفِ ناطق کا جہاں ہے قائل
کون ہے شرعِ رسولِ دوسرا کا حامل　　کس کے احکام میں احکامِ قضا تھے شامل

جاہلو، فوق رسولوں پہ رہا ہے کس کو
حق نے قرآں میں یداللہ کہا ہے کس کو

کس کا وہ جد ہے جو ہے فخرِ رسولانِ جلیل　　کون ہے ناسخِ توریت و زبور و انجیل
ذات سے کس کی ہوئی دینِ خدا کو تکمیل　　کس کی خدمت میں رہا کرتے تھے حاضر جبرئیل

کس کو سب لوگ رسولِ دوسرا کہتے ہیں
کون ہے وہ جسے محبوبِ خدا کہتے ہیں

کون ہے باعثِ ایجادِ زمین و افلاک   کون ہے زیب دہِ صدر سریرِ لولاک
کون ہے جس سے عالم کو کیا جس نے پاک   کون ہے جس نے صنم خانے کیے توڑ کے خاک
ماہ انگشت سے شق کر کے دکھایا کس نے
خلعتِ طٰہٰ و یٰسین ہے پایا کس نے

میرے نانا ہیں جنھیں تاج شفاعت کا ملا   جن کی بیٹی کا جہاں میں ہے لقب خیر نسا
زوجۂ شاہِ نجف دخترِ محبوبِ خداؐ   اشرفِ ہاجرہ و فخرِ جنابِ حوّا
مادرِ شبّرؑ و شبیرؑ انھیں کہتے ہیں
صاحبِ چادرِ تطہیر انھیں کہتے ہیں

فلکِ عزّ و شرافت کا قمر ہے شبیرؑ   جانِ حیدرؑ ہے محمدؐ کا جگر ہے شبیرؑ
بخدا فاطمہؑ کا نورِ نظر ہے شبیرؑ   جس سے خوشبو ہے جہاں وہ گلِ تر ہے شبیرؑ
رتبہ برتر ہے مرا قدر مری بالا ہے
گود میں فخرِ دو عالم نے مجھے پالا ہے

ناشناسو مرے رتبے کو ذرا پہچانو   میں محمدؐ کی زباں ہوں مرا کہنا مانو
رشتہ دارانِ علیؑ پر نہ سنانیں تانو   میں کیے دیتا ہوں آگاہ تم آگے جانو
جُز عمل، حشر میں یہ مال نہ کام آئے گا
بند ہو جائے گی جب آنکھ تو کُھل جائے گا

جانتے ہو مرا رتبہ نہیں تم سب سے نہاں   ظلم ایسا کہیں کرتے ہیں جہاں میں انساں
بند پانی بھی کیا مجھ پہ بلا کر مہماں   جاں بلب پیاس کی شدت سے ہیں بچے ناداں
نام پانی کا جو لے کر کوئی چلاّتا ہے
کیا کہوں غم سے جگر آب ہوا جاتا ہے

ساکنانِ حبش و روم و رے و کوفہ و شام   اپنے خیموں میں ہیں سب لوگ بہ عیش و آرام
نہر سے ہوتے ہیں سیراب دَد و دام تمام   تیسرا روز ہے مہمان کو بے آب و طعام
واہ کیا خوب نبی زادے کی مہمانی ہے
کافرو پھر تمھیں دعوائے مسلمانی ہے

درد آمیز سنے جب یہ کلامِ شبیرؑ　　آخرش رونے لگے منہ کو پھرا کر بے پیر
بولا چلّا کے لعینوں سے بنِ سعد شریر　　ہاں مناسب نہیں قتلِ شہِ دیں میں تاخیر

کاٹ کر جو سرِ شبیرؑ کو لے آئے گا
خلعت و منصب و جاگیر وہی پائے گا

شمر سے ہو کے مخاطب یہ کیا اُس نے کلام　　کس طرف ہیں سپہ شام کے سردار تمام
ہوش کیوں باختہ ہیں کیا ہے تردّد کا مقام　　آبرو کا ہے یہ دن نام کا ہے یہ ہنگام

منہ پہ تلواروں کے جانے کا یہی موقع ہے
جاں لڑائی میں لڑانے کا یہی موقع ہے

شب سے دیکھا نہیں میں نے حرِ غازی ہے کدھر　　ہاں ذرا پاس مرے اُس کو بلا لا جا کر
شمر نے تب حرِ غازی سے کہا یہ آ کر　　یاد کرتا ہے بہت دیر سے میرِ لشکر

شب سے پنہاں جو نگاہوں سے تجھے پایا ہے
سامنے اپنے بنِ سعد نے بلوایا ہے

حرؑ نے یہ چیں بجبیں ہو کے دیا اُس کو جواب　　کیوں بلاتا ہے مجھے رات سے وہ خانہ خراب
تین دن گزرے ہیں مہمان کو بے دانہ و آب　　دمِ غمِ تشنگیِ شاہ سے میرا ہے کباب

دھیان میں اس ستم ایجاد کو کب لاتا ہوں
جا کے نامرد سے کہہ دے میں اُدھر آتا ہوں

ہم سخن اس سے ہوا یوں جو حرؑ نیک انجام　　خوف سے کانپ گیا شمرِ لعیں کا اندام
آخرش اپنا سا منہ لے کے پھرا وہ ناکام　　پسرِ سعد سے آ کر یہ کیا اس نے کلام

الفتِ سرورِ ذی جاہ کا دم بھرتا ہے
حرؑ نہ یاں آئے گا تو کس کو طلب کرتا ہے

شمر سے جب پسرِ سعد کو پہنچی یہ خبر　　خود بڑھا حرؑ کی طرف غیظ و غضب میں آ کر
بولا شہ سے تجھے منظور نہیں جنگ اگر　　تن پہ کس واسطے پھر باندھی ہے یہ تیغ و سپر

کس لیے شہ کا طرف دار ہے کیا پایا ہے
کیوں اسی عزم پہ کوفے سے یہاں آیا ہے

دل میں تیرے نہیں کچھ حقِ نمک کا بھی خیال   سچ تو یہ ہے کہ بہت مجھ کو ہوا تجھ سے ملال
حاکمِ شام کو لکھوں جو مفصّل احوال   جان بھی جائے تری، مال پہ بھی آئے زوال
اس لیے بخشا تھا عہدہ تجھے سرداری کا
تو ہی منصف ہو یہ شیوہ ہے وفاداری کا

دیکھ پچھتائے گا او عقل و خرد کے دشمن   پاس کیا اُن کے ہے کیا دیں گے تجھے شاہِ زمن
حُلّۂ خلد تو کیا ہاتھ نہ آئے گا کفن   ٹکڑے ہو جائے گا گھوڑوں کی ٹاپوں سے بدن
میں تیری لاش کو مقتل میں جو پا جاؤں گا
باندھ کر پاؤں میں رسّی اسے کھنچواؤں گا

سن کے یہ سخت کلامِ پسرِ سعدِ شریر   غیظ سے سرخ ہوا روئے حرِّ باتوقیر
کھینچ لی میان سے جرّار نے بُرّاں شمشیر   دی صدا دور ہو آگے سے مرے او بے پیر
دیکھ اس تلخ کلامی کا مزہ پائے گا
اب جو کچھ منہ سے نکالا تو سزا پائے گا

میرے منہ پر یہ درشتانہ سخن یہ گفتار   موت کیا آئی ہے سر پر ترے او نابجار
تیغ کا گر کوئی چل جائے گا اوچھا سا بھی وار   دم بھی تو لینے نہ پائے گا کہ ہوگا فی النار
شعلۂ تیغ شرر بار سے جل جائے گا
ایک ہی وار میں کس بل یہ نکل جائے گا

او لعیں، جاہل و ابلیس و خبیث و بدذات   دین دنیا کے لیے کھوؤں یہ ہے عقل کی بات؟
شافعِ روزِ قیامت ہیں شہِ نیک صفات   پیروی اُن کی ہے انساں کے لیے راہِ نجات
ان کے صدقے سے محلِ خلد میں مل جائے گا
حاکمِ شام سے کیا ہاتھ مجھے آئے گا

چھوڑ کر کعبے کو جاؤں میں کلیسے کی طرف   از پئے کفر کروں دولتِ ایماں کو تلف
پارۂ سنگ کجا اور کجا دُرِّ نجف   وہ ہے اک ذرہ یہ مہرِ فلکِ عزّ و شرف
یہ مسیحائے دو عالم ہیں وہ آزاری ہے
یہ قسیمِ چمنِ خلد ہیں وہ ناری ہے

خاک کو مل نہیں سکتا ہے کبھی اوجِ فلک   آب ہیرے کی کہاں پائے گی شیشے کی جھلک
نشۂ بادۂ دولت سے تو اتنا نہ بہک   خیر اسی میں ہے کہ بس دور ہو آگے سے سرک
میں سنوں کون سی شبیرؑ سے تقصیر ہوئی
کس لیے گردنِ شہ قابلِ شمشیر ہوئی

کیا سبب، کیوں شہِ والا پہ ستم ہوتا ہے   کیوں گلستانِ نبی آج قلم ہوتا ہے
باغیوں میں ترا چہرہ بھی رقم ہوتا ہے   شہ پہ ہوتا ہے ستم مجھ کو الم ہوتا ہے
خوب واقف ہوں کہ بے جرم و خطا ہے شبیرؑ
نائبِ حضرتِ محبوبِ خدا ہے شبیرؑ

کوئی تقصیر کوئی ان کی خطا ثابت کر   کس کو مارا شہِ دیں نے کسے پہنچایا ضرر
غصب حق کس کا کیا لوٹ لیا کس کا گھر   بے سبب ظلم نہ کر قہر سے اللہ کے ڈر
جو پیمبرؐ نے کہا اس کو سدا مانا ہے
سند اس بات پہ اللہ کا فرمانا ہے

رے کی خواہش میں یہ کیا کرتا ہے او خانہ خراب   قتلِ سادات کا کیوں لیتا ہے گردن پہ عذاب
خدمتِ شہ میں ہوں جانے کو میں اس دم بیتاب   واں سے آ کر تجھے دوں گا تری باتوں کا جواب
بخشوانے کو قصور اپنا وہاں جاتا ہوں
لے کے رخصت شہِ دیں سے میں ابھی آتا ہوں

کہہ کے یہ باگ جو لی اسپِ سبک سیر اُڑا   ڈر سے رنگِ پسرِ سعدِ شر انگیز اُڑا
رشکِ طاؤسِ چمن بن کے جو شبدیز اُڑا   دیکھنے کو نہ ملی گرد بھی یوں تیز اُڑا
ابر سے کیا ہی چمک کر مہِ تاباں نکلا
غل ہوا قاف سے وہ تختِ سلیماں نکلا

دیکھتی رہ گئی فوج پسرِ سعد تمام   لشکرِ شاہ میں جا پہنچا حرؑ نیک انجام
منتظر دیر سے تھے بادشہِ عرش مقام   پیشوائی کو بڑھے آپ بہ لطف و اکرام
دیکھا بحرِ شرف و جاہ کا دُر آتا ہے
ہاتھ باندھے ہوئے رومال سے حرؑ آتا ہے

حرؑ نے شبیرؑ کو آتے ہوئے دیکھا جو اِدھر گر پڑا دوڑ کے قدموں پہ بحالِ مضطر
عرض کی خذ بیدی خذ بیدی اے سرور عذر خواہی کے لیے آیا ہے عبدِ احقر
اے خطا بخش سزاوار سزا خادم ہے
باگ کو ہاتھ لگایا تھا بہت نادم ہے

سینۂ پاک سے لپٹا کے اُسے شہ نے کہا صاف ہوں دل میں کدورت نہیں میرے اصلا
غم نہ کھا اس کا اگر راہ میں روکا، روکا تجھ سے ناراض نہیں سبطِ پیمبرؑ بخدا
باعثِ راحتِ روحِ دلِ مضطر ہے تو
میرا مونس، میرا محسن، میرا یاور ہے تو

اے اسیرِ الم و رنج و محن کے مہماں تین دن گزرے کہ گہ پانی کا نہیں نام و نشاں
ہو نہیں سکتا ہے مہمانی کا کچھ بھی ساماں تجھ سے نادم ہے، بہت فاقہ کش و تشنہ دہاں
خیر اس غم کے عوض حشر میں راحت دیں گے
جامِ تسنیم تجھے قاسمِ جنت دیں گے

حرؑ نے کی عرض کہ اے بادشہِ جن و بشر اس کلامِ الم اندوز سے پھٹتا ہے جگر
سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے حوضِ کوثر دیجئے اذنِ وغا اب مجھے بہرِ داور
ایک دم بھی نہیں جینے کی تمنا ہے مجھے
آبِ شمشیر کے پینے کی تمنا ہے مجھے

سن کے یہ خیمے کے در پہ شہِ ذیشاں آئے ساتھ حرؑ کو لیے بادیدۂ گریاں آئے
پاس ڈیوڑھی کے حرم چاک گریباں آئے ساتھ لڑکے بھی کئی باسرِ عریاں آئے
خیمۂ شاہ میں نوبت یہ بکا کی پہنچی
تا سرِ چرخ صدا واعطشا کی پہنچی

فرطِ اندوہ سے حضرت کو بھی رونا آیا درِ خیمہ سے ہر اک بی بی کو خود سمجھایا
ہوش میں آلِ محمدؐ کو جو کچھ کچھ پایا شاہ نے حضرتِ زینبؑ سے یہ تب فرمایا
دل پہ دل فوج کا کوفہ کی اِدھر آتا ہے
حرؑ بھی آیا ہے اب سوئے جناں جاتا ہے

کثرتِ غم تو یہ ایک اور مری جانِ حزیں   کیا کروں آہ فلک دور ہے اور خشک زمیں
تاب دل کو مرے صدموں کے اٹھانے کی نہیں   ہو اس آفت سے رہائی اجل آئے جو کہیں
دور یہ صدمہ و اندوہ و قلق ہو جائے
یہ ہے نزدیک کہ سینہ مرا شق ہو جائے

کہہ کے زینبؑ سے یہ روئے جو شہِ عرش وقار   سر لگی پیٹنے ہمشیر امامِ ابرار
تر ہوا روئے مبارک یہ بندھا اشکوں کا تار   حرِ جرار سے یوں کہنے لگی سینہ فگار
اس مصیبت میں نہ منہ موڑ کے جائیو اے حرؑ
میرے بھائی کو نہ تو چھوڑ کے جائیو اے حرؑ

حرؑ نے کی عرض نہ جاؤں تو کروں کیا تدبیر   میرے لانے سے یہاں آئے جنابِ شبیرؑ
گھر گئے ہیں عجب آفت میں شہِ عرش سریر   اب بڑھی آتی ہے خیمے کی طرف فوجِ کثیر
عفو تقصیر ہو اور جنگ کی رخصت مل جائے
ابھی جی جاؤں جو مرنے کی اجازت مل جائے

شہ نے فرمایا کہ یہ امر بہت ہے دشوار   میں تجھے رن کی اجازت تو نہ دوں گا زنہار
ذبح ہو جائے گا مقتل میں جو یہ سینہ فگار   کون جز تیرے ہے اور آلِ نبی کا غمخوار
دفن کرنا مجھے رانڈوں کو دلاسا دینا
روضۂ شاہِ نجف تک انھیں پہنچا دینا

حرؑ نے رو کر کہا وہ دن نہ دکھائے اللہ   سامنے آپ کے مر جائے یہ فدوی یا شاہ
نہ ہوا آپ پہ قربان اگر آج میں آہ   حشر میں منہ مرا دیکھیں گے رسولؐ ذی جاہ
ہوں گے حیدرؑ جو خفا اور قیامت ہوگی
سخت خاتونِ قیامت سے ندامت ہوگی

شہ نے فرمایا بصد درد و الم اے غمخوار   کس طرح تجھے دے دوں ابھی اذن پیکار
دست بستہ یہ کہا حرؑ نے بچشمِ خونبار   صدقے اس مہر کے اس لطف و عنایت کے نثار
زخم تیغ و تبر و تیر کے کھانے دیجے
واسطہ حضرتِ عباسؑ کا جانے دیجے

روکے یہ کہنے لگے بادشہ عرش مقام ہجر میں تیرے نہ آئے گا گھڑی بھر آرام
خیر اصرار کا اس وقت نہیں ہے ہنگام جھک گیا دستِ ادب جوڑ کے حرؑ بہر سلام
عازم خلدِ بریں حرؑ کو جو پایا شہ نے
آہ بھر کر اُسے چھاتی سے لگایا شہ نے

ناگہاں سامنے جرّار کا آیا رہوار برق تمثال و پری خصلت و آہو رفتار
تیز چلنے میں سبک روصفتِ ابرِ بہار تھام کر باگ ہوا حرؑ جری اس پہ سوار
تازیانے کا جو سایہ نظر آیا اُس کو
اُڑ گیا یوں کہ ہوا نے بھی نہ پایا اُس کو

واں خبردار نے دی حرؑ کے جو آنے کی خبر موج کی طرح ہوا درہم و برہم لشکر
اس طرف کے جو رسالے گئے گھبرا کے اُدھر پس گئے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پیادے اکثر
تا فلک طبلِ مخالف کی صدا جانے لگی
صفتِ بید زمیں دشت کی تھرانے لگی

پردۂ گرد جو آگے سے ذرا دور ہوا جلوہ گر مہر کی صورت رُخِ پُرنور ہوا
اپنے خیمے میں عمر خوف سے مستور ہوا غل یہ مابینِ صفِ لشکر مقہور ہوا
حرؑ کے بگڑے ہوئے تیور ہیں خبردار رہو
عمرِ سعد کے خیمے سے سب ہشیار رہو

دیکھ کر غازی کو کہنے لگی آپس میں سپاہ یہ فرشتہ ہے کوئی یا کہ حرؑ عالی جاہ
بولا گھبرا کے یہ تب شمرِ لعین و گمراہ بارشِ تیر ہو ایسی نہ ملے حرؑ کو پناہ
دل سے غمخوار ہے یہ فاطمہؑ کے جانی کا
اس کو مل جائے مزہ شاہ کی مہمانی کا

سن کے یہ آ گیا جرار کو بھی جنگ کا جوش کھینچ لی میان سے تلوار اڑے فوج کے ہوش
مٹ گیا لشکرِ کفار کا بھی جوش و خروش چہرے ڈھالوں سے چھپانے لگے سب جوشن پوش
ایسی ہلچل ہوئی ٹھہرے نہ قدم شیروں کے
دشت میں خوف سے سر جھک گئے شمشیروں کے

خوف سے سہم کے لی تیروں نے ترکش میں پناہ　　سرکشی بھولا ہر اک نیزۂ فوجِ گمراہ
شعلۂ تیغ سے ڈھالیں ہوئیں جل جل کے سیاہ　　چار آنکھیں تھیں مگر چار نہ ہوتی تھی نگاہ
اشہبِ گرم روِ موت پیادوں کو ملے
دشت میں امن کے گوشے نہ کبادوں کو ملے

جلوہ دکھلا رہی تھی سب کو وہ عشوہ پرداز　　کچھ سبک چال سے کرلیتی تھی دشمن سے وہ ساز
یہ لگاوٹ ہے نہ پریوں میں نہ حوروں میں یہ ساز　　جان لیتی تھی گلے مل کے نیا تھا انداز
ٹکڑے دل ہوتے تھے پہلو میں جگر کٹتے تھے
کیا قیامت کی تھی چال اس کی کہ سر کٹتے تھے

فرق پہ جس یل خودسر کے وہ تلوار پڑی　　تھے زرہ پوش ولیکن نہ اٹھی ضرب کڑی
تیغ کے ساتھ ہی بس سر پہ اجل بھی تھی کھڑی　　مر گئے خاک پہ دم توڑ کے گذری نہ گھڑی
ہاتھ جینے سے اِدھر بانیِ شر نے کھینچا
اس طرف موت نے چھوڑا تو سقر نے کھینچا

شیر سے بحرِ وغا فوج پہ گو فوج آئی　　بہہ گئے سر یہ جدھر کو صفتِ موج آئی
جانبِ فرد کبھی گاہ سوئے زوج آئی　　لشکرِ شام کو دکھلاتی ہوئی اوج آئی
پھونک دیتی تھی جدھر مثلِ شرر گرتی تھی
جا بجا زخم کے کوچوں میں پڑی پھرتی تھی

شور تھا قہر خدا کا ہے یہ شمشیر نہیں　　جاں بری کی کوئی صورت کوئی تدبیر نہیں
یہ اثر آگ میں بجلی میں یہ تاثیر نہیں　　پھل سنانوں میں، کمانوں میں کوئی تیر نہیں
گرز کو خاک کا پیوند کیے دیتی ہے
خنجروں کے بھی یہ دم بند کیے دیتی ہے

جس لعیں پر صفتِ مرگِ مفاجات آئی　　ہو گیا سرد نہ اک دم کی بھی مہلت پائی
آفتِ نَو ستم ایجادوں پہ پیہم ڈھائی　　رخ گیا جب سوئے ترکش تو کماں چلائی
یہ وہ سرکش ہے کہ پیکاں کو بھی کھا جاتی ہے
ہاں خبردار خدنگوں کہ اجل آتی ہے

بُرشِ تیغِ یداللہ دکھائی اُس نے   کی سرِ دست ہر اک صف کی صفائی اُس نے
ہاتھ چھوڑا نہ کسی کا نہ کلائی اُس نے   جانِ اعدا سے لڑائی میں لڑائی اُس نے
گاہ سینے میں در آئی کبھی سن سے نکلی
روح کو ساتھ لیے خانۂ تن سے نکلی

بے نشاں کر دیا جس وقت نشانوں پہ چلی   ہو گئیں خاک کا تودہ جو کمانوں پہ چلی
پیر تھرانے لگے جب یہ جوانوں پہ چلی   بازوؤں کو کبھی کاٹا، کبھی شانوں پہ چلی
سر اٹھانے کی بھی مہلت نہ شقی پاتے تھے
ٹکڑے اعضائے رئیسہ کے ہوئے جاتے تھے

ابرِ شمشیر کی بُرش کا جو اک شور ہوا   جاں بلب جنگ میں ہر ایک سلح شور ہوا
یہ پرا غرق تو وہ خوں میں شرابور ہوا   خوف سے چرخ پہ بہرام لب گور ہوا
آسماں ہل گئے اس طرح کہ سب کانپ گئے
سارے اوتادِ اراضیِ عرب کانپ گئے

جب گئی یاں سے صفیں زیر و زبر کر کے پھری   اس کو مارا تو لہو میں اسے تر کر کے پھری
جا بجا خاتمہ لشکرِ شر کر کے پھری   جوں نظر دیدۂ باطن میں بھی گھر کر کے چلی
اک تلاطم جو ہوا چشم کے ایوانوں میں
پتلیاں چھپ گئیں مژگاں کے لہٰ خانوں میں

عین بجلی میں یہ گرمی جو شرر بار ہوئی   خاک جل جل کے صفِ لشکرِ کفار ہوئی
اشقیا بن گئے نقطہ تو یہ پرکار ہوئی   روح بھی موت کے حلقے میں گرفتار ہوئی
اُڑتے تھے سر تو لعینوں کے قدم ہٹتے تھے
الفِ قد، خطِ باطل کی طرح کٹتے تھے

ایک ہی ضرب میں سرکش کوئی پامال ہوا   جھک کے تونِ نظری کوئی بد افعال ہوا
فوجِ ماضی ہوئی مطلق تو عجب حال ہوا   رنگ وہاں زرد ادھر تیغ کا منہ لال ہوا
فتح کی حاضر و غائب کو خبر کر کے پھری
آنِ واحد میں صفیں زیر و زبر کر کے پھری

پھل لیے نیزوں سے، ڈھالوں سے لیے پھول اس نے   تیز دستوں کو برابر کیا مجہول اس نے
عرض کو قطع کیا گاہ کبھی طول اس نے   جو چڑھا منہ پہ اسے کردیا معقول اس نے
ثانی اس تیغ دو پیکر کا نہ اصلا نکلا
فوج پسپا ہوئی آخر یہ نتیجہ نکلا

ہو سکے شیر سے جس دم نہ مقابل اشرار   ایک شامی نے ادھر صف سے بڑھایا رہوار
ولدالقلب و زیاں کار و شقی و غدار   نشۂ بادۂ غفلت سے ہمہ تن سرشار
کام دنیا سے فقط دشمن دیں رکھتا تھا
دل میں کد حرِ دلاور سے لعیں رکھتا تھا

ڈاب میں تیغ، کماں دوش پہ، کج سر پہ کلاہ   ہاتھ میں نیزۂ خطی صفتِ مار سیاہ
جسمِ ناپاک میں پہنے تھا زرہ وہ بدخواہ   سامنے آن کے ضیغم کے پکارا ناگاہ
تیرے باعث سے بڑی فوج کو ایذا پہنچی
پر مرے ہاتھ سے اب تیری قضا آ پہنچی

سخنِ سخت وہ کافر جو زباں پر لایا   حرِ جرار کو یہ سنتے ہی غصہ آیا
ایڑ سے اسپ صبا دم کو ذرا ٹھہرایا   جھوم کر بانیِ بیداد کو یہ فرمایا
بے حیا سوچ یہ کیا دل میں ترے آئی ہے
ظاہراً موت تجھے کھینچ کے یاں لائی ہے

کیوں لعیں عمرِ دوروزہ پہ یہ نخوت یہ غرور   جنگ میں تجھ سے کسی طرح نہیں میں مجبور
مجھ سے سر بر ہو لڑائی میں ترا کیا مقدور   خیر تو دور نہ میں دور نہ میداں بھی یہ دور
طنطنہ کچھ بھی تیرا کام نہ یاں آئے گا
ایک ہی وار میں دوزخ کو چلا جائے گا

سن کے یہ بات بڑھا چند قدم ناہنجار   سینۂ شیر پہ نیزے کا لگایا اک وار
یاں چلی تیغ گراں بارِ حرِ نیک اطوار   کردیا کاٹ کے نامرد کا نیزہ بے کار
آبرو نظروں سے سب کے وہ شقی کھو کے گرا
نیزہ مردود کا اک ہاتھ میں دو ہو کے گرا

سخت نادم ہوا یہ پیچ جو اس نے کھایا گرز تانے ہوئے پھر وہ سگِ ناپاک آیا
جب سرِ حرِّ دلاور کے برابر لایا تول کر سیف جری نے یہ ہنر دکھلایا
شاخ کی طرح سرِ گرز ادھر کاٹ دیا
غل ہوا شمع کا گل گیر نے سر کاٹ دیا

لشکری ہنسنے لگے غم ہوا ظالم کو کمال فوجِ غم سے ہوئی کشتِ دلِ خودسر پامال
پشتِ مرکب پہ لعیں کانپ گیا مثلِ شغال اس طرف حرِّ اولوالعزم نے دیکھا جو یہ حال
تھم گیا دوش پہ شمشیر غضنفر رکھ کر
مسکرانے لگا رومال کو منہ پر رکھ کر

کھائیں پیہم جو کڑی ضرب تو جھجکا بے پیر کاٹ کر ہونٹ جفا کار نے کھینچی شمشیر
واہ رے قوتِ بازوئے حرِّ باتوقیر ضرب اول میں کیا اس یلِ خودسر کو اخیر
آتشِ تیغِ اجل غرب سے تا شرق گری
دی صدا رعد نے گردوں سے کہ وہ برق گری

ساعد و مغفر و شمشیر و سپر کو کاٹا ٹکڑے پیشانی ہوئی کاسۂ سر کو کاٹا
سر سے پہنچی جو سوئے قلب، جگر کو کاٹا کاٹ کر قلب و جگر، صاف کمر کو کاٹا
کھنچ گیا قعرِ جہنم میں شرارت نہ رہی
گر کے ٹھنڈا ہوا ناری وہ حرارت نہ رہی

ساقیا پھر مری مے نوشی کا ہنگام آیا طبع تیز دم ذہن ہوا رخشِ قلم گرمایا
سامنے آنکھوں کے مضموں کا وہ بادل چھایا شاعروں نے جسے دیکھا نہ سنا نہ پایا
سن کے کہہ دے کہ یہ مضمون جدا ہے کہ نہیں
نہ لکھا ہو جو کسی نے وہ نیا ہے کہ نہیں

آج ساغر سے نہیں خم سے پلا اے ساقی مست ہو جاؤں وہ ساماں ہو بہم اے ساقی
نشّے میں مرحلۂ جنگ کروں طے ساقی قبضہ کرنا ہے مجھے شام سے تا رے ساقی
قلبِ لشکر میں ستم گاروں کے جانا ہے مجھے
خیمہ میخواروں کے افسر کا گرانا ہے مجھے

اے قلم آج نئے ڈھنگ کا ساماں دکھلا ۔۔ افسرانِ سپہِ ظلم پریشاں دکھلا
خیمے نامردوں کے میدان میں ویراں دکھلا ۔۔ بزدلے شام کے تا شام گریزاں دکھلا
شیر کا لشکرِ روباہ پہ جانا دیکھیں
اہلِ بزم آنکھ سے خیمے کا گرانا دیکھیں

اس خرابی سے جو مارا گیا وہ بدکردار ۔۔ چھوڑ کر جنگ کی حد خوف سے بھاگے خونخوار
عمرِ سعد کا خیمہ نظر آیا یک بار ۔۔ کہہ کے تکبیر بہادر نے بڑھایا رہوار
برق ساں چھیڑ کے مرکب کو جری جا پہنچا
ابھی واں تھا ابھی خیمے کے قریں آ پہنچا

زندگی سے ہوئی خیمے کے قریں سب کو یاس ۔۔ منتشر ہو گئے تھے لشکرِ اعدا کے حواس
دور تھے پر یہ سمجھتے تھے کہ حرؑ آ گیا پاس ۔۔ سائے پر اپنے نظر کرتے تھے ڈر کر چپ و راس
تیغ بجلی سی چمکتی تھی تو گھبراتے تھے
پیچھے بیٹھے تھے کبھی آگے بڑھے جاتے تھے

خوں کے مینہ تیغ سے ہر ایک جگہ پڑنے لگے ۔۔ غیرت و شرم سے جاں دار جواں گڑنے لگے
پھول غنچہ الملاسے ہر اک برگ صفت جھڑنے لگے ۔۔ ایسے گھبرائے کہ آپس میں لعیں لڑنے لگے
تیغ اس کی تھی تو اس بانیِ شر کی گردن
تھی پدر کی جو سروہی تو پسر کی گردن

کسی سرکش نے کماں جان کے ابرو کاٹے ۔۔ گرز کے بدلے سرِ جسمِ سیہ رو کاٹے
بھائی نے بھائی کے بیتابی میں پہلو کاٹے ۔۔ اپنے ہاتھوں یدِ قوتِ بازو کاٹے
تھا مقدر میں لکھا یوں قلم اُن کے سر ہوں
پُرزے ہر فرد ہو دستوں کے ورق ابتر ہوں

افسروں کے سرِ میداں نہ ٹھکانے تھے حواس ۔۔ دیکھ کر خالی صفوں کو دل خولی تھا اداس
یوں سنان ابنِ انس کہتا تھا با حسرت و یاس ۔۔ برچھیوں والوں کے بچنے کی نہیں اب مجھے آس
قدر انداز بھی گوشوں کا پتا ڈھونڈتے ہیں
سہم کر شمر و عمر چھپنے کی جا ڈھونڈتے ہیں

آکے ڈیوڑھی پہ کہا حرؑ نے کہاں ہے سردار؟ نکلے اب لے کے انھیں جو ہوں بڑے تجربہ کار
شب کو مشتاق ملاقات کے تھے جو اشرار کہہ دے ان سب سے کہ لو آ گیا حرِ جرار
چھپ کے کیوں بیٹھے ہیں خیمے میں لڑائی دیکھیں
ہاتھ کی میرے یہاں آ کے صفائی دیکھیں

بھاگتا پھرتا ہے میدان میں سارا لشکر چھوڑ کر فوج کو خیمے میں چھپے ہیں افسر
سامنے آئے مرے شمر بد اختر ہے کدھر نام کو اک بھی نہیں کیا ہوئے وہ نام آور
درِ خیمہ پہ ذرا ہو کے کھڑے بات کریں
اب میں مشتاق ہوں یاں آ کے ملاقات کریں

سامنے اپنے جو اس وقت میں پاؤں تجھ کو قصہ شبیرؑ کی بخشش کا سناؤں تجھ کو
فرق جو مجھ میں ہوا ہے وہ دکھاؤں تجھ کو مجھ کو کیا مل گیا یاں آ تو بتاؤں تجھ کو
کس لیے شہ کا طرف دار تھا کیا پایا تھا
دیکھ اس عزم پہ کوفے سے یہاں آیا تھا

کیا بتاؤں تجھے او عقل و خرد کے دشمن حال پر میرے جو ہے لطفِ شہنشاہِ زمن
ٹکڑے ہووے گا جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے بدن حوریں پہنائیں گی لا کر مجھے جنت سے کفن
مال دنیا کی عوض خلد میں شہ گھر دیں گے
جامِ تسنیم مجھے ساقیِ کوثر دیں گے

دیکھ کس درجہ مجھے حقِ نمک کا ہے خیال مجھ سے دیکھا نہ گیا فاطمہ زہراؑ کا ملال
حاکمِ شام کو لکھ جنگ کا یوں آج احوال شاہ کی فتح ہوئی، فوج پہ اپنی ہے زوال
سارے لشکر کو ہر اول نے بھگایا یاں سے
یا مدد جلد دے یا بھاگ جا تو بھی واں سے

کہہ کے یہ شیر نے دیکھا کبھی لشکر کی طرف ہنس کے دیکھا کبھی عباسؑ دلاور کی طرف
دیکھا پردے کو ہٹا کر کبھی اندر کی طرف تن کے دیکھا بہ غضب خیمۂ پرزر کی طرف
چوم کر قبضے کو تلوار کی تابیں دیکھیں
قہر کی آنکھ سے زرین طنابیں دیکھیں

عمرِ سعد کو پھر دی یہ بہادر نے صدا میرِ لشکر ہے تو اور خیمے کے اندر ہے چھپا
تف ہے اس ہیز پہ جس نے تجھے سردار کیا اک سپاہی کے مقابل ترا لشکر بھاگا
بھیج اسوار مدد شام سے لائیں جلدی
دھجیاں اُڑتی ہیں خیمے کی بچائیں جلدی

شیر کو اپنے جوابوں کا ملا جب نہ جواب کاٹ کر ہونٹ کہا چل دیا وہ خانہ خراب
یوں نکل جانے سے اس کے جو ہوا دل بیتاب بڑھ کے حرّ نے سب کاٹ دیں زرّیں طناب
جھوم کر خیمۂ بدمست ادھر جا کے گرا
حرّ کے قدموں پہ کلس سونے کا یاں آ کے گرا

منہدم خیمۂ زرّیں کو جو حرّ نے پایا کر کے پامال کلس خیمے کی جانب آیا
یاں بھی صید اپنا نہ پایا تو اسد جھنجھلایا مار کر خیمہ پہ تلواریں زباں پر لایا
پایا یاں بھی نہ نشاں جبکہ سیہ رو تیرا
مارے تلواروں کے خیمہ کیا اُلّو تیرا

فوج سب بھاگ گئی چھوڑ کے میداں تو اُدھر خیمہ سردار کا اس طرح زمیں پر تھا اِدھر
مرغِ زرّیں ہو پڑا جس طرح کھولے ہوئے پر دیکھ کر دور سے کہتے تھے یہ سب بانیِ شر
یہ نتیجہ تو نہ لاکھوں کی وغا سے پایا
حرّ نے سارا یہ اثر شہ کی دعا سے پایا

شور تھا چار طرف رن میں کہ اے عاشقِ شاہ مل گئی ہم کو سزا اب تو اماں دے للّٰہ
رک گیا سن کے یہ آوازِ حرِ عالی جاہ ہاتھ رُکنا تھا کہ بس ٹوٹ پڑی ساری سپاہ
غول بھاگے ہوئے پاس آئے ستمگاروں کے
وار چلنے لگے جرار پہ تلواروں کے

ذکر یہ تھا کہ کماں لے کے بڑھا ایک شریر تاک کر سینے پہ جرّار کے مارا اک تیر
دل پہ یہ صدمۂ تازہ جو ہوا وقتِ اخیر کانپ کر رن میں گرا گھوڑے سے وہ عرش سریر
بہہ گیا تن کا لہو سب، نہ ذرا دیر لگی
گرتے گرتے سرِ جرّار پہ شمشیر لگی

دی صدا شاہ کو اے رکن رکیں اور کنی   روح ہے عازمِ فردوسِ بریں اور کنی
ہر طرف سے مجھے گھیرے ہیں لعیں اور کنی   کوچ دنیا سے ہے اے قبلۂ دیں اور کنی
بڑھتے آتے ہیں شقی ہاتھ میں شمشیریں ہیں
اب مرے جسم سے سر کٹنے کی تدبیریں ہیں

آئی میدان سے حرؑ کی جو پیاپے یہ صدا   کہہ کے یہ بیٹھ گئے خاک پہ شاہِ دوسرا
دوڑو اکبرؑ حرِ جرار ہوا ہم سے جدا   پھر چلے خاک اڑاتے ہوئے شاہِ دوسرا
کبھی روتے ہیں کبھی ٹھوکریں کھاتے ہیں حسینؑ
لاشِ مہماں پہ عجب حال سے آتے ہیں حسینؑ

گر کے ریتی پہ عجب کرب سے مہماں تڑپا   پھر یہ دی شہ کو صدا آیئے جلدی مولا
پہنچے باحالِ پریشاں جو شہِ ہر دوسرا   خاک پر لاشۂ مہماں کو تڑپتے دیکھا
اس طرح حرؑ سے لپٹ کر شہِ صفدر روئے
جس طرح لاشِ برادر پہ برادر روئے

گود میں لے کے سرِ پاکِ حرؑ نیک اختر   رو کے فرمانے لگے بادشہِ جنؑ و بشر
چھوڑ کر ہم کو چلا رنج و مصیبت میں کدھر   چین فرقت میں تیری آئے گا بھائی کیونکر
آتشِ غم ہے یہ بھڑکی کہ جگر جلتا ہے
خنجرِ درد و الم دل پہ مرے چلتا ہے

ساتھ ہم کو نہ لیا اے مرے غمخوار یہ کیا   چھوڑ جاتا ہے کوئی دوست کو اپنے تنہا
کس طرح روح سے تیری نہ پشیماں ہوں بھلا   حقِ مہمانی بھی مجھ سے نہ ہوا آہ ادا
تیر کھانے کو سوئے لشکرِ شر بھیج دیا
آبِ شمشیر کے پینے کو اُدھر بھیج دیا

سن کے آواز جو کی حرؑ نے رُخِ شہ پہ نگاہ   جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش پناہ
آپ کچھ غم نہ کریں بہرِ رسولِ ذی جاہ   حوریں دیتی ہیں مجھے میوۂ جنت واللہ
وا درِ گلشنِ فردوس نظر آتا ہے
سامنے چشمۂ کوثر مرے لہراتا ہے

دیکھتا ہوں میں عجب طرح کے اس دم آثار وہ درِ خلد ہے وا جھومتے ہیں وہ اشجار
باغِ فردوس کی آتی ہیں ہوائیں ہر بار تر و تازہ ہیں چمن جوش پہ ہے فصلِ بہار
ساغرِ بادۂ تسنیم دکھاتی ہیں مجھے
حوریں جنت میں اشاروں سے بلاتی ہیں مجھے

دیکھیے حضرتِ محبوبِ خداؐ آئے ہیں وہ جگر پکڑے شہِ عقدہ کشا آئے ہیں
سر برہنہ حسنؑ سبز قبا آئے ہیں پیچھے جعفرؑ بھی بصد آہ و بکا آئے ہیں
حوریں سر کھول کے با نالہ و افغاں آئیں
فاطمہؑ خلد سے وہ چاک گریباں آئیں

دیکھ کر پھر سوئے گردوں یہ ادا کی تقریر سب تری بندہ نوازی ہے یہ اے ربِ قدیر
تجھ سے مخفی نہیں رودادِ جنابِ شبیرؑ خود بھی بیتاب ہیں بچوں کی ہے حالت تغیر
شہ کو کرتا ہوں میں اب تیرے حوالے یا رب
یہ پیمبرؐ کی امانت ہے بچالے یا رب

یہ سخن کہتے ہی خاموش وہ جرار ہوا عازمِ خلدِ بریں حرِّ وفادار ہوا
بند غنچے کی طرح دیدۂ خونبار ہوا آخر اس نیند میں سویا کہ نہ بیدار ہوا
شہ کے رونے کی صدا اہلِ حرم میں پہنچی
نکہتِ گل کی طرح روح ارم میں پہنچی

شاہ چلائے کہ ہے ہے مرے یاور ہے ہے میرے جرار مرے شیرِ دلاور ہے ہے
ہو گیا جسم ترا خون میں سب تر ہے ہے ہائے اے بحرِ شجاعت کے شناور ہے ہے
گھر نہ جاؤں گا تڑپ کر یہیں مر جاؤں گا
تجھ سا غمخوار زمانے میں کہاں پاؤں گا

ظالموں میں مجھے تو چھوڑ کے کرتا ہے سفر یہ تو بتلا کہ تری لاش اٹھاؤں کیونکر
شہ کے نالوں سے ہوئی خیمے میں اس غم کی خبر شورِ فریاد سے برپا کیا سب نے محشر
روئی یوں بنتِ علیؑ شہ کے فدائی کے لیے
جیسے ماں جائی بہن روتی ہے بھائی کے لیے

کرتی تھی زینبؑ دلگیر یہ رورو کے بیاں اے وفادار و مددگار شہ تشنہ دہاں
ایک دم بھی نہ ملا چین تجھے آ کے یہاں جان کی اپنی شہنشاہِ زمن پر قرباں
خنجرِ غم سے جگر سینے میں شق ہوتا ہے
تیری خدمت نہ ہوئی دل کو قلق ہوتا ہے

فضل خاموش کہ اب بزم میں ہے شورِ بکا مرغِ بسمل ہے جگر غم سے نہیں تاب ذرا
داد حاسد جو نہ دیں ان سے گلا ہے بے جا حشر میں پائے گا اس مرثیہ گوئی کا صلا
باغِ فردوس بریں سبطِ پیمبرؐ دیں گے
جامِ تسنیم تجھے ساقیِ کوثر دیں گے

نگینؔ

نام میر محمد علی، تخلص نگینؔ، تاج الشعراء خطاب تھا اور میر انسؔ کے شاگرد تھے۔ ہمارے پاس موجود ان کے قلمی مرثیوں کے سرورق پر لکھا ہے:

''مرثیہ نو سن تصنیف تاج الشعراء الحکیم سید محمد علی خاں صاحب المتخلص بہ نگین مرحوم و مغفور ساکن حضرت پور پرگنہ بہ وسرائے ضلع بارہ بنکی شاگرد رشید میر مہر علی صاحب انسؔ مرحوم و مغفور لکھنوی''۔

نگینؔ کے فرزند سید شفقت حسین نے اُن کے مرثیے اپنے ہاتھ سے نقل کر کے دو جلدوں میں ترتیب دیئے تھے جس کی پہلی جلد علامہ ضمیر اختر نقوی کے پاس ہے جو انھیں حیدر نواب جعفری (لکھنؤ) سے ملی تھی۔ یہ جلد میں نے دیکھی ہے اس میں نگینؔ کے ۱۵ مرثیے ہیں جن میں سے بعض ۲۰۰ سے زائد بند کے بھی ہیں۔

نگینؔ کے تین قلمی و غیر مطبوعہ مرثیے ہمارے ذخیرے میں ہیں۔ جو حامد علی اکبر آبادی شاگرد بزم آفندی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔	ثنائے ساقیِ کوثر ہے آبروئے سخن	۲۶۵ بند	درحال حضرت علیؑ
۲۔	ساقی کرم جہاں میں ترا حشر تک رہے	۱۰۰ بند	درحال امام حسینؑ
۳۔	گلشن ہے خزاں بلبلِ نالاں نہیں جس میں	۸۵ بند	درحال امام حسینؑ

نگینؔ کے مرثیوں کی سادہ بیانی، الفاظ کی روانی اور مضامین کی شگفتگی ان کے شاگرد انسؔ ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ واقعہ نگاری، جذبات نگاری اور منظر کشی کی عمدہ مثالیں ان کے مرثیوں میں موجود ہیں۔ بعض مرثیوں میں نئی روایات اور معجزات بھی نظم کیے جن میں میر انسؔ کے بتلائے ہوئے اصولوں کا پرتو نظر آتا ہے۔

ان کا ایک مرثیہ ہے: ساقی کرم جہاں میں ترا حشر تک رہے

ساقی کرم جہاں میں ترا حشر تک رہے ۔۔۔ دریا دلی دکھا کہ نہ رندوں کو شک رہے
شرمندہ تیرے دور سے خمِ فلک رہے ۔۔۔ وہ پھول دے کہ تا ابد اس کی چمک رہے
کہتے رہیں یہ صاف محب بوتراب کے
گویا لنڈھے ہوئے ہیں قرابے گلاب کے

اس میں ایک روایت نظم کی ہے کہ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں ایک شیر اپنے دو بچوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ان بچوں کی ماں مر چکی ہے میں ان کی پرورش کے معاملے میں پریشان ہوں آپ مشکلکشا ہیں میری حاجت روائی فرمایئے حضرت علیؑ ایک گرگ کو ان بچوں کی پرورش پر مقرر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ جوان ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کربلا کو اپنا مسکن بنالیں اور جب امام حسینؑ دشتِ کربلا میں وارد ہوں تو ان کی نصرت کریں۔ وہ دونوں شیر نواحِ کربلا میں آباد ہو جاتے ہیں کچھ عرصے بعد اُن میں سے ایک شیر مر جاتا ہے یہاں تک کہ امام حسینؑ وارِدِ کربلا ہوتے ہیں اور وہ شیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے لیکن امام حسینؑ اسے یہ کہہ کر پلٹا دیتے ہیں کہ اب دسویں کی رات کو آنا اور پھر وہ شیر گیارہ محرم کی شب سے لے کر آپ کے روضے کی پہلی عمارت بننے تک آپ کی قبر کی مجاوری کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد حضرت حرؑ کے مرقد کی راہ میں اُس کی قبر بنادی جاتی ہے:

ہے راویوں نے حال یہ اُس شیر کا لکھا　　　کرتا رہا وہ لاشۂ شبیرؑ پر بُکا
تیار ہو لیا جو مزارِ شہِ ہدا　　　بس سر پٹک کے قبرِ مطہر سے مر گیا
دیکھو کرم امام کا فرمایا پیار بھی
راہِ مزارِ حرؑ میں بنایا مزار بھی

اس مرثیے کا درمیانی حصہ رزمیہ ہے اور مختصر جنگ لکھی گئی ہے لیکن اس کے مضامین انتہائی شگفتہ ہیں۔

محاورہ بندی اور استعارتی نظام بہت ندرت لیے ہوئے ہے۔ ذوالفقار کے نیام سے نکلنے کے بعد لشکرِ ذلالت پناہ پر اس کی ہیبت کو اس طرح پیش کیا ہے:

اللہ رے خوف چھپ گئیں وحدت میں کثرتیں　　　صف میں جواں، جوانوں میں رودار صورتیں
منہ میں زباں، زبانوں میں منطق کی قوتیں　　　بکتر میں سینہ، سینے میں دل، دل میں نیتیں
کاٹھی میں تیغ، تیغ میں جوہر نہاں ہوا
ماتھے میں ڈر کے خطِ مقدر نہاں ہوا

خودوں میں سر، سروں میں خیالاتِ شر دونیم　　　چہروں پہ آنکھیں، آنکھوں میں نورِ نظر دونیم
منہ میں زباں، زباں میں دعا کا اثر دونیم　　　جوشن میں سینہ، سینے میں قلب و جگر دونیم
دو حصے ہو کے روح، تن و سر میں بٹ گئی
اللہ رے کاٹ عمر لعینوں کی کٹ گئی

تعلی:

دکھلا دوں سب کو جوششِ بحرِ سخن کا رنگ
تازہ کروں حدیقۂ نظمِ کہن کا رنگ
ہو جائے آج اور ہی اس انجمن کا رنگ
سب دیکھ لیں خزاں میں بہارِ چمن کا رنگ
مہکی ہے بزم بُو سے ریاضِ رسولؐ کی
پڑھتا ہوں مدح گلشنِ عمراں کے پھول کی

رجز امامِ حسینؑ:

طاقت خدا کی ہم نے زمانے میں پائی ہے
حصے میں قوتِ اسد اللہ آئی ہے
کام اپنا بھوک پیاس میں جنگ آزمائی ہے
ہر رونگٹے میں قوتِ خیبر کشائی ہے
پنجہ اگر بڑھائیں بل ابرو پہ ڈال کے
شیرِ فلک کی پھینک دیں آنکھیں نکال کے
فاقوں سے یہ نہ جانیو طاقت نہیں رہی
ہے بازوؤں میں آج بھی زورِ یداللّٰہی
پنجہ بھی یہ وہی ہے یہ تلوار بھی وہی
کوفے کے در سے بھاگ کے ٹکراؤ تو سہی
بوچھار جائے خون کی کوسوں ہوا کے ساتھ
اک اور علقمہ بھی بہے علقمہ کے ساتھ

وصفِ ذوالجناح:

منظور ہے اب اسپ کی مدحت میں تکلم
پر سکی رفتار میں ہے فکرِ رسا گم
کھلتی ہوئی کلیوں پہ رکھے اپنا اگر سُم
دب کر نہ کم و بیش ہو غنچوں کا تبسم
چشمے سے گذر جائے تو پتلی بھی نہ تر ہو
آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ مردم کو خبر ہو

مصائب:

تمکینؔ کے مصائب بہت مبکی اور گریہ خیز ہیں جس میں جذبات واحساسات کی حقیقی ترجمانی نظر آتی ہے۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد حضرت ام کلثومؑ فرما رہی ہیں:

چلاتیں تھیں یہ حضرت کلثومِؑ نوحہ گر
نانا رسولؐ اپنے نواسے کی لو خبر
امت نے سخت ظلم پہ باندھی ہے اب کمر
کنبہ شہید کر دیا لوٹا متاع و زر

خیمہ جلا کے کھو دیا آرام و چین کو
اب پائمال کرتے ہیں لاشِ حسینؑ کو

یا فاطمہؑ بقیع سے تشریف لائیے پیارے پسر کے پھول سے تن کو بچائیے
فریاد کر کے عرشِ الٰہی ہلائیے محسنؑ کی لاش پیشِ خدا لے کے جائیے
بابا علیؑ کو بھیجئے مشکل کشائی کو
اماں بچائیے میرے مظلوم بھائی کو

کربلا سے کوفہ جاتے وقت امام زین العابدینؑ لاشِ امام حسینؑ کے نزدیک آ کر کہتے ہیں:۔

پہنچے جو قتل گاہ میں جا کر بصد الم رخصت ہوئے عزیزوں کے لاشوں سے سب حرم
سجادؑ ہو گئے پئے تسلیم شاہ خم کی عرض السلام علیک اے شہیدِ غم
بابا اجل کے ہاتھ سے مہلت جو پائیں گے
زنداں سے آ کے آپ کا مرقد بنائیں گے

نگیں کا دوسرا مرثیہ ہے:
گلشن ہے خزاں بلبلِ نالاں نہیں جس میں

گلشن ہے خزاں بلبلِ نالاں نہیں جس میں برباد چمن ہے گل خنداں نہیں جس میں
تیرہ ہے وہ دن مہرِ درخشاں نہیں جس میں بے قدر ہے وہ شب مہِ تاباں نہیں جس میں
سنسان مکاں ہے وہ مکیں جس میں نہیں ہے
اجڑی ہوئی خاتم ہے نگیں جس میں نہیں ہے

اس میں امام حسینؑ کی جنگ خوب لکھی ہے۔ چند بند دیکھیے:

حملہ کیا فرما کے جو یا حیدرؑ صفدر لکھا ہے کئی ہاتھ بڑھی تیغ دو پیکر
ہونے لگے چورنگ عدو کٹنے لگے سر چلنے لگی تلوار بپا ہو گیا محشر
اندازِ سخن شاہ کے مداح کو بھولا
جاں لینے کا ڈھب قابضِ ارواح کو بھولا

اے کلکِ شہِ دیں کی جلالت کو دکھا دے برپا صفِ اعدا میں قیامت کو دکھا دے
اے طبعِ رسا ذہن کی جودت کو دکھا دے ہاں آج نگیں رنگِ طبیعت کو دکھا دے
حضار وغائے شہِ دلگیر کو دیکھیں
چلتی ہوئی تلوار کی تصویر کو دیکھیں

برساتا تھا خوں آبِ دمِ تیغِ ہلالی بجلی ہوئی تھی دشت میں اک سرخ نہالی
تھی ہر شجرِ تن پہ گلِ زخم کی لالی جنگل میں دکھاتا تھا ضیا ماہِ جلالی
گرمی میں عرق تن سے نکلتا تھا جو جل کے
اعدا کے بدن سرد تھے جھونکوں سے اجل کے

وہ جسم کی تابندگی وہ منہ کی صفائی گہ اس سے لگاوٹ تو کبھی اُس سے رُکھائی
آفت کی شرارت یہ لگائی وہ بجھائی اس کو کیا سرد اُس کے جلا کر نکل آئی
ناگن کے نہ تیور تھے نہ تھے طور پری کے
انداز تھے سب چرخ کی بیدادگری کے

بازارِ اجل گرم تھا بیدینوں کے تن سرد گر گر کے ہوئے خاک پہ سب عہد شکن سرد
سنگ افگن و شمشیر زن و تیر فگن سرد چلتی تھی ہوا تیغ کی ہیں سب کے بدن سرد
سکتہ یہ جما تھا ملک الموت کا رن میں
رہ جاتا تھا مر مر کے پسینہ بھی بدن میں

مقطع:

بس روک لے خامہ کو تمکینؔ جگر افگار سینے ہوئے شق سن کے تری دردکی گفتار
کر عرض یہ آقا سے کہ اے خلق کے مختار مداح کو ملتی ہے کہاں آپ سی سرکار
جو مجھ پہ بلا آتی ہے رد کیجیے آقا
آفت میں پھنسا ہوں میں مدد کیجیے آقا

تمکینؔ کا ایک مکمل غیر مطبوعہ مرثیہ پیش کیا جارہا ہے۔ یہ مرثیہ حضرت علیؑ کے فضائل و مصائب پر مشتمل ہے۔ پہلے سخن کی تعریف کی گئی ہے اس کے بعد ناقدریٔ زمانہ کے گلے شکوے ہیں اس کے بعد حضرت علیؑ کی مدح میں منقبتی بند کہے ہیں پھر جنگِ اُحد کا تفصیلی حال ہے۔ تمکینؔ کو حکایت بیان کرنے میں کمال حاصل ہے واقعے کے مختلف پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے تسلسل قائم رکھتے ہیں اور ایسے پہلو تلاش کرتے ہیں جو فطری ہوتے ہیں۔ ذوالفقار کا نازل ہونا اور اُس سے کنانہ نامی پہلوان سے جنگ کرنا خوب خوب نظم کیا ہے اس کے ساتھ ہی ذوالفقار کی مدح میں چند بند بھی آئے ہیں۔ لشکرِ اسلام کی بے رُخی اور سپاہِ کفر کی ابتری کا بھی بیان ہے۔ اس کے بعد ربط دے کر شبِ ضربت سے لے کر دفنِ حضرت علیؑ تک کے حالات لکھے ہیں۔ مرثیہ بہت عمدہ ہے۔

باسمہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ مرثیہ جلد ؛

مرثیہ تصنیف جناب محمد علی صاحب المتخلص بہ نگیں مرحوم و مغفور ساکن [illegible] ۔۔۔ علیہ الرحمہ
شاگرد و تلمیذ میر [illegible] صاحب مرحوم و مغفور [illegible] ہجری۔
[illegible] سنہ ۱۲۸۰ ھ

مطلع

گو ثنائے ساقیِ کوثر سے آبرو سخن کو

در احوال شہادت جناب امیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام [illegible] ۔

مالک حامد علی خاں

[illegible]

تحریر شدہ حامد علی [illegible]

[illegible]

[illegible]

قلمی مرثیے کا سرورق

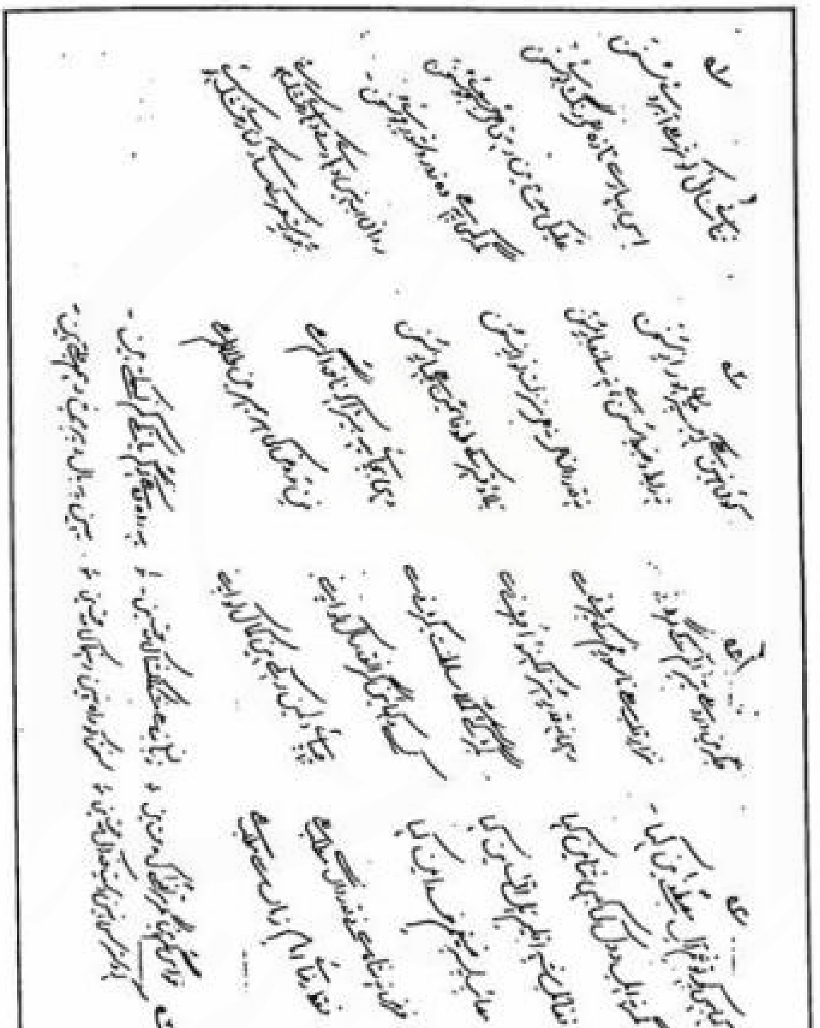

قلمی مرثیے کا صفحہ

حکیم میر سید محمد علی خاں نگیںؔ　　　　　غیر مطبوعہ

مرثیہ

درحال حضرت علیؑ

کُل بند ۲۶۵ ہیں یہاں منتخب ۱۵۸ بند شامل کیے گئے ہیں۔
جن میں ہر طرح کے شعری کمالات اور اجزائے ترکیبی کی مثالیں موجود ہیں۔

ثنائے ساقیِ کوثر ہے آبروئے سخن　　اسی بہار سے تازہ ہے رنگ و بوئے سخن
علیؑ کی مدح میں رہتی ہے جستجوئے سخن　　مگر کمی پہ ہے وہ زور و شور جوئے سخن
روانی اب نہیں دھارے کے دھارے خشک ہوئے
بحورِ شعر کے سارے کنارے خشک ہوئے

کوئی نہیں ہے کہ جس پر عیاں ہو رازِ سخن　　نہ ربط و ضبطِ سخن ہے، نہ ساز و بازِ سخن
نہ قدر داں ہے نہ ہے منزلت نوازِ سخن　　بلا و قہر کے طوفاں میں ہے جہازِ سخن
وہی بچائے یہ بیڑا کہ ناخدا گم ہے
فنِ عروض کی ہر بحر میں تلاطم ہے

جگر میں درد ہے تیرِ الم کے گڑنے سے　　نزار قلب ہے ناسورِ غم کے پڑنے سے
رہی نہ قدرِ ہنر لکھنؤ اجڑنے سے　　بگڑ گئے کملا سلطنت بگڑنے سے
کسے دکھائیں گراں قدر مال کو اپنے
چھپائے دل میں رکھے ہیں کمال کو اپنے

کہا بھی کچھ تو غمِ آلِ مصطفاؐ میں کہا　　مگر نہ اہلِ دول کی کبھی ثنا میں کہا
فضائلِ شہِ اقلیمِ ہل اتیٰ میں کہا　　مصائبِ پسرِ ضیغمِ خدا میں کہا
غرض نہ شاہ سے نے قدرداں سے مطلب ہے
فقط رضائے امامِ زماں سے مطلب ہے

جہاں میں اُس کی کچھ ایسی رفیع ہے سرکار گدائی جس کی ہے شاہانِ ذی شرف کا وقار
لکھوں جو مدحِ علیؑ ولی میں چند اشعار یقیں ہے رد نہ ہو ہدیہ فقیر کا زنہار
.... پہ گلِ باغِ مدعا بخشے
نہال ہوں میں دو عالم میں وہ صلا بخشے

حواس گم ہیں مگر مرتضیٰؑ کی مدحت میں کہ دسترس نہیں دستِ خدا کی مدحت میں
زبان بند ہے مشکلکشا کی مدحت میں سخن کو راہ نہیں رہنما کی مدحت میں
یہ راہ وہ ہے کہ گم یاں کے کم نکلتے ہیں
یہیں پہ بال و پرِ مرغِ وہم جلتے ہیں

جو مرتبہ تھا علیؑ کا کسی نے کیا جانا کسی نے کم تو کسی شخص نے سوا جانا
کسی نے درجہ چہارم کا پیشوا جانا کسی نے احمدؐ مرسل سے بھی بڑھا جانا
خموش ہو رہے ہم کیا کہیں کہ کیا سمجھے
نصیریوں سے نہ کچھ بن پڑا خدا سمجھے

ثنائے حیدرؑ صفدر بیاں سے باہر ہے پری و جن کی بھی تاب وتواں سے باہر ہے
علیؑ کی مدح زمین و زماں سے باہر ہے حدِ احاطۂ کون و مکاں سے باہر ہے
بشر ہو یا ہو ملک کوئی کیا کرے تعریف
رسولؐ مدح کریں یا خدا کرے تعریف

یہ بزمِ شاہ ہے یاں عاشقانِ آل بھی ہیں ثنا طرازِ شہنشاہِ خوشخصال بھی ہیں
سخن شناس بھی ہیں صاحبِ مقال بھی ہیں ہیں اہلِ علم بھی سب جمع ذی کمال بھی ہیں
خدا کے فضل سے ہیں صاحبِ فضیلت بھی
ہنر نواز بھی ذی ہوش و ذی بصیرت بھی

کوئی بتائے کہ مدحت کی منتہا کیا ہے ہے جس کا نام ثنا اس سے مدعا کیا ہے
صفت ہے وصف کی کیا وصف مدح کا کیا ہے جو عرض کرتا ہوں میں اور اِس سوا کیا ہے
گدا کو شاہ کو مرسل کو یا وصی کو کہے
وہی ثنا ہے بڑھا کر جو کچھ کسی کو کہے

علیؑ کو کہیے بڑھا کر تو کیا بھلا کہیے　　بجز رسولؐ کے کون ان سے ہے بڑھا کہیے
کہیں گے لوگ نصیری اگر خدا کہیے　　سوائے قدرتِ حق اور ان کو کیا کہیے
عروج مہر کو ، مہتاب کو کمال نہیں
حضور سے کوئی شے قابلِ مثال نہیں

کہوں جو شاہ علیؑ کو تو اک حقارت ہے　　وہ بادشاہ میں کب ہے جو ان میں قدرت ہے
نبی کہوں تو ہے کم رتبہ کم حقیقت ہے　　کہ ہر نبی پہ نبی سے سوا فضیلت ہے
خدا جو کہیے تو ایمان و دین جاتا ہے
جو کچھ نہ کہیے طلاقت میں فرق آتا ہے

علیؑ ہی کہیے علیؑ کو تو فائدہ کیا ہے　　فضول بات ہے اک لطف مدح کا کیا ہے
جو نور کہیے تو ہیں نور یہ ثنا کیا ہے　　سوائے طولِ سخن ماحصل بھلا کیا ہے
جو شہ کہوں تو یہ برنا و پیر کہتے ہیں
سبھی جناب کو کُل کا امیر کہتے ہیں

تمام خلق سے ذاتِ علیؑ مقدم ہے　　سوائے ختمِ رسل ہر نبیؑ سے اکرم ہے
امیرِ خلق ہے قسامِ رزقِ عالم ہے　　زیادہ جتنی ثنا کیجے اتنی ہی کم ہے
جہاں کے بعدِ نبیؑ دستگیر ہیں یہ بھی
مثالِ ذاتِ خدا بے نظیر ہیں یہ بھی

کسی کو مثلِ علیؑ مرتبہ ملا ہی نہیں　　یہ رتبہ حق نے رسولوں کا تو کیا ہی نہیں
کہ بندے ہیں پہ خدا سے کبھی جدا ہی نہیں　　جو کچھ کہو سو علیؑ ہیں مگر خدا ہی نہیں
نہ جب تھے جن و ملک تب بھی تھا ظہور ان کا
خدا نے خلق کیا سب سے پہلے نور ان کا

ملائکہ کو بھی تعلیم جس نے دی وہ علیؑ　　پیمبروں کی مدد جس علیؑ نے کی وہ علیؑ
رسول کا ہے بلا فصل جو وصی وہ علیؑ　　خدائے پاک کا ہم نام ہے 'علی' وہ علیؑ
جہاں میں کافی یہ وصفِ شہِ دو عالم ہے
نمونہ قدرتِ معبود کا مجسّم ہے

بیاں کرے کوئی حیدرؑ کی کس فضیلت کا عطا و بخشش و ہمت کا یا سخاوت کا
ثنائے عدل ہو یا وصف ہو شجاعت کا علیؑ کے زہد کا ہو ذکر یا عبادت کا
ثنا ہو صبر کی یا خوفِ ذوالجلال کی ہو
صفت ہو رعب کی یا قوت و کمال کی ہو

شجاعتِ شہِ مرداں بھی سب پہ ہے اظہر نبیؑ کے قتل پہ باندھی جو ظالموں نے کمر
نبیؑ نے مکہ سے ہجرت کی رات کو چھپ کر بحکمِ حق رہے حیدرؑ نبیؑ کے بستر پر
بہانہ موت نے پایا پلٹ کے جانے کا
انھیں خدا نے ذریعہ کیا بچانے کا

اُحد کی جنگ میں جب ہو چکی نبیؑ کی ظفر قدم اکھڑ گئے بھاگے کچھ اہلِ بدعت و شر
گرے متاعِ غنیمت پہ اہلِ دیں یکسر رہی کسی کو رسولِ کریمؐ کی نہ خبر
اِدھر تو لُوٹ میں مصروف سب صحابہ تھے
اکیلے ناقہ پہ یاں رن میں شاہِ بطحا تھے

متاع و مال جو بھاگے تھے چھوڑ کر کفار سب اُس کو لوٹ رہے تھے مہاجر و انصار
وہ رن میں تھے نہ جنھوں نے ابھی کیا تھا فرار انھیں بھگانے پہ تھے فوجِ دیں کے کچھ اسوار
کوئی تھا لوٹ میں مصروف کوئی لڑتا تھا
حبیبِ حق کا غرض قلب گہہ میں تنہا تھا

احد کی جنگ کا نقشہ سمجھ لیں خاص اور عام کیے تھے پشت پہ کوہ احد کو شاہِ انام
نبیؑ یہ تھے یہ صف آرا تھا لشکر اسلام پڑی تھی سامنے تلّے پہ فوجِ بد انجام
عقب کا ڈر نہ تھا ایمن رسولِ یزداں تھے
درہ تھا کوہ میں اک اُس پہ بھی نگہباں تھے

شکست کھا کے جو بھاگے تھے اس طرف کے لعیں درے پہ آ گئے باہر سے سب وہ دشمنِ دیں
موکلانِ درہ لوٹ میں پڑے تھے وہیں ہوئے شہید جو باقی تھے چند اہلِ یقیں
شکست فاش ہوئی فتح میں خلل آیا
درے میں ہو کے وہ لشکر اِدھر نکل آیا

نکل کے حال نظر آیا اس طرف کا عجب　　اکیلے مل گئے ناقہ پہ بادشاہِ عرب
ندا یہ فوج کو دی افسرانِ فوج نے تب　　حواس جمع کرو خوش ہو مل گیا مطلب
درنگ قتلِ نبیؐ کو جو آج لاؤ گے
نہ عمر بھر کبھی موقع پھر ایسا پاؤ گے

دلیرو ایسے میں سردار دیں اکیلا ہے　　مدد کو پاس نہ اسوار نے پیادا ہے
وہ دیکھو بانیِ اسلام رن میں تنہا ہے　　یہ قتل ہو تو لڑائی ہے اور نہ جھگڑا ہے
نبیؐ کو گھیر کے سینگ و سہام سے مارو
گریں جو نیچے سنان و حسام سے مارو

یہ سن کے ٹوٹ پڑے سب وہ بانیانِ جفا　　رسولِ حق پہ ہوا نرغہ اہلِ باطل کا
جو ہر طرف سے لگے چلنے تیرِ کیں صدہا　　پڑا جبیں پہ کوئی آ کے کوئی منہ پہ لگا
فلک لرزنے لگا پرزے سب جبیں کے ہوئے
شہید دو دُرِ دنداں بھی شاہِ دیں کے ہوئے

نبیؐ بھی مارتے تھے تیر جانبِ کفار　　مگر اکیلے کہاں اور کہاں ہزاروں وار
ہر اک طرف سے ہوئی پتھروں کی جب بوچھار　　تو پشتِ ناقہ پہ سنبھلا گیا نہ آخر کار
بلند مرتبہ شاہی ز صدرِ زیں افتاد
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمیں افتاد

زمیں پہ لائے جو تشریف سرورِ دو جہاں　　برائے قتلِ نبی جھپٹی فوجِ بد ایماں
ادھر خدائے دو عالم نے یہ کیا ساماں　　کہ تن نبیؐ کا ہوا چشمِ مشرکیں سے نہاں
عدو کے فتنہ و شر سے نگاہ میں رکھا
حبیبِ خاص کو اپنی پناہ میں رکھا

ہوئے تھے ارض و سما جس کے واسطے پیدا　　زمیں پہ ناقہ سے مجروح ہو کے جب وہ گرا
گیا قرار زمیں کو ہوا تزلزل سا　　فلک لرزنے لگے تھرتھرایا عرشِ علا
صف اپنی اپنی ملائک نے یک دگر باندھی
برائے نصرتِ محبوبِ حق کمر باندھی

سلاح پوش ہوئے سب فرشتگانِ خدا ہر اک نے زیورِ جنگی بدن پہ اپنے سجا
کسی کے ہاتھ میں خنجر کسی کے تھا نیزہ کسی کے دوش پہ تھا گرزِ آتشیں رکھا
لگا کے ڈابوں میں تلواریں بے قرار ہوئے
فرشتے نور کے گھوڑوں پہ سب سوار ہوئے

سوار ہو کے تہہِ عرشِ کبریا آئے غمِ رسول میں بانالہ و بکا آئے
نبرد پر کمریں باندھے برملا آئے پئے اجازتِ خلّاقِ دوسرا آئے
سبھوں نے سجدے کئے رخصتِ دغا مانگی
برائے نصرتِ محبوبِ حق رضا مانگی

صدا یہ درگہہِ خالق سے ان کو آئی وہیں کہ جانفشانو مرے آفریں و صد تحسیں
تماشہ دیکھو تہہِ گنبدِ سپہرِ بریں تمہارا بھیجنا منظور آج ہم کو نہیں
مٹے گا دم میں جو غرہ ہے بدشگالوں کو
کرے گا زیر مرا شیر سب شغالوں کو

یہ حکم سن کے ملائک کا وہ گروہ پھرا تھا سب کو شوق کہ دیکھیں جدالِ شیرِ خدا
دغا کا وقت یاں ابلیسِ پُرفتن کو ملا لعیں نے قلعۂ کوہِ احد سے دی یہ صدا
کہ دشمنوں نے حبیبِ الہ کو مارا
ستمگروں نے رسالت پناہ کو مارا

ادھر تھا شور خبردار بزدلوں ہشیار نکلنے پائے نہ قابو میں آچکا ہے شکار
خدنگ و تیغ و سناں کے چلیں برابر وار دلیرو مل کے کرو سب بدن کو اس کے فگار
ہے ختم جنگ جو زوجِ بتولؑ کو مارا
علیؑ کو مارا تو گویا رسولؐ کو مارا

ہزاروں لاکھوں دلیروں میں منچلا ہے یہی میانِ لشکرِ دیں ضیغمِ خدا ہے یہی
ولیِ حق ، اسدِ بیشۂ وغا ہے یہی یہی ہے دستِ خدا، نفسِ مصطفیٰ ہے یہی
یہ جان و روح ہے جسمِ رسولِ احمدؐ کی
ہوا جو قتل تو موت آگئی محمدؐ کی

یہ غل تھا فوج میں اور چل رہے تھے وار پہ وار   صدائے طبل سے ہلتا تھا دامنِ کہسار
جواب دیتی تھی سب کا امام کی تلوار   ہوا سے کوہ پہ جاتی تھی خون کی بوچھار

پریدہ سوئے سما خونِ ہر شرابی تھا
غبارِ دشتِ بلا خیز سب گلابی تھا

لکھا ہے لڑتے تھے فوجوں سے جا بجا دیندار   شہید ہو چکے تھے حمزۂ وفا کردار
صدائے قتلِ نبی سب نے جب سنی اک بار   فرار کر گئے سارے مہاجر و انصار

نہ بد رہا کوئی ثابت قدم نہ نیک رہا
سوائے حیدرؑ صفدر نہ رن میں ایک رہا

وہ لوگ جو نہ عزیز اپنی جان کرتے تھے   حبیب حق کی محبت کا دم جو بھرتے تھے
دلیر جو نہ بظاہر کسی سے ڈرتے تھے   جو بات بات میں قبضہ پہ ہاتھ دھرتے تھے

صدا یہ سنتے ہی فوراً ہوا ہوئے رن سے
پتہ ملا نہ کہاں تھے وہ کیا ہوئے رن سے

تھمے نہ اتنا کہ تحقیق یہ خبر تو کریں   کہیں تجسسِ سلطانِ بحر و بر تو کریں
نہ جا سکیں جو وہاں تک تو رخ اِدھر تو کریں   جدھر مقامِ نبیؐ تھا اُدھر نظر تو کریں

جہاد چھوڑ کے یوں ناخدا شناس اُڑے
کہ پہلے بھاگ لئے تب کہیں حواس اُڑے

خدا کو اس لئے صورت ہوئی یہ مدِ نظر   کہ آئینہ ہو زمانے پہ جرأتِ حیدرؑ
وگر نہ کرتے یہ لسانیاں زباں آور   کہ ہم شریک تھے لڑنے میں تب ہوئی یہ ظفر

ہوا یہ خوب فرار ان سبھوں کے ساتھ رہا
وہ بھاگ نکلے تو میداں علیؑ کے ہاتھ رہا

اکیلا لڑتا تھا وہ بازوئے رسولِ خدا   زمیں پہ گرتے ہیں ہو ہو کے سرتنوں سے جدا
سنی جو قد قتل المصطفیٰ کی شہ نے صدا   لہو کو جوش ہوا فکر سی ہوئی پیدا

اُبھر کے زیں پہ کلیجہ سے آہ کرنے لگے
جناح و قلبِ نبیؐ کو نگاہ کرنے لگے

نشاں نہ فوجِ نبیؐ کا کہیں ذرا دیکھا جناح و قلب کو ویران مطلقاً دیکھا
نہ میمنہ نظر آیا نہ میسرا دیکھا پڑاؤ فوج کا خالی پڑا ہوا دیکھا
نہ قلب گہہ میں نبیؐ ہیں نہ اُن کا مرکب ہے
عجب اُداس وصیِ پیمبرِ رب ہے

اکیلے لڑنے پہ یاد آ گیا مجھے وہ حال حسینؑ کرتے تھے جب دشتِ کربلا میں جدال
وہ پیاس تھی کئی دن کی کہ بولنا تھا محال کریمِ خلق بخیلوں سے کرتا تھا یہ سوال
پلا دو پانی ذرا سا کہ سخت پیاسا ہوں
تم اُمتی ہو محمدؐ کے میں نواسا ہوں

علیؑ کی اُن کی سی حالت نہ انتشار کی تھی نہ لاش سامنے اکبرؑ سے گلعذار کی تھی
نہ بھوک پیاس سے یوں صورت احتضار کی تھی نہ قبر سامنے اصغرؑ سے شیر خوار کی تھی
نہ بھانجے نہ بھتیجوں کا داغ دیکھا تھا
قلم نہ تیغوں سے یوں اپنا باغ دیکھا تھا

چھ لاکھ فوجِ عدو تھی اُحد نہ خیبر میں نہ تین روز سے تھا قحطِ آب لشکر میں
نہ بھوک پیاس سے بچے بلکتے تھے گھر میں نہ اہلبیت کی تھی فکر قلبِ مضطر میں
نہ گھر کے لٹنے کا اپنے گمان تھا ان کو
حرم کی دربدری کا نہ دھیان تھا ان کو

الم نہیں تھا پسر کا نہ غم برادر کا رنڈاپا دیکھا نہ تھا شب کی بیاہی دختر کا
سناں سے قلب چھدا تھا نہ اُن کے دلبر کا نہ اک کلیجے پہ داغ اُن کے تھا بہتر کا
نہ ننھی بچی کوئی خاک پر مچلتی تھی
نہ سر کو کھولے بہن خیمے سے نکلتی تھی

اکیلے رہ گئے جس دم کہ حضرت شبیرؑ وفورِ درد و نقاہت سے حال تھا تغیر
پچھاڑیں کھاتی تھی خیمہ میں بانوئے دلگیر کبھی تھا ماتمِ اکبرؑ کبھی غمِ بے شیر
پکارتی تھی بہن شہ کو صدقے جاؤں میں
کہو تو لاشۂ اکبرؑ کے پاس آؤں میں

پکارے شاہ خجالت نہ یاں دلانا تم　　ابھی میں جیتا ہوں باہر نہ گھر سے آنا تم
زباں پر اپنے نہ پھر یہ کلام لانا تم　　وصیتیں نہ بہن بھائی کی بھلانا تم
کوئی گھڑی میں تنِ پاش پاش پر آنا
ہماری اور علی اکبرؑ کی لاش پر آنا

سکینہؑ خیمے کے در پر کھڑی ہوئی ہیہات　　لئے تھی ہاتھ میں عباسؑ کے پسر کا ہات
پکارتی تھی پدر کو کہ شاہِ نیک صفات　　بچا سے میرے یہ کہہ دیجئے کنارِ فرات
تمہاری چھٹنے سے غم اس طرح کا کھاتے ہیں
کہ دونوں بھائی بہن گھر سے رن میں آتے ہیں

پکارتی تھی یہ فضہ کہ اے امامِ انام　　بہت نڈھال ہیں اس وقت عابدِ ناکام
کسی سے مانگیے پانی کا گر ملے کوئی جام　　وگر نہ ہوتا ہے بیمار کا تو کام تمام
بلائیں چہرے کی جھک جھک کے لیتی ہیں رانڈیں
ہوا مریض کو قرآں کی دیتی ہیں رانڈیں

یہ حال تھا کہ اٹھا سامنے سے ایک غبار　　سلام کرتا ہوا آیا ایک ناقہ سوار
دیا نکال کے پگڑی سے خط بدیدۂ زار　　رقم لفافہ پہ تھا نامِ دخترِ بیمار
نظر لفافہ پہ پڑتے ہی دل پہ تیر لگا
اک اور زخم جگر پر دمِ اخیر لگا

نثار شاہ کے دل پر عجیب ہمت تھی　　زیادہ ایک مصیبت سے ایک آفت تھی
مگر وغا میں پدر کی سی شان وشوکت تھی　　وہی جلال علیؑ کا وہی شجاعت تھی
نہ قدر داں تھا کوئی جب جہاد کرتے تھے
ہر ایک وار پہ بابا کو یاد کرتے تھے

غرض نگاہ کی حیدرؑ نے راس و چپ پیہم　　کہ کون کون سا گرمِ جہاد ہے اس دم
یہ دیکھا بھاگ گئے ہیں بڑے بڑے رستم　　گھرے ہیں بیچ میں خود، گرد سینکڑوں اظلم
سپاہ لیتی ہے لہریں کہ بحرِ قلزم ہے
اٹھا ہے قہر کا طوفاں غضب تلاطم ہے

جھپٹ پڑا یہ نظر کر کے پھر وہ حق کا ولی　　مثالِ قہرِ خدا پھر علیؑ کی تیغ چلی
وہ پانی آگ تھا اس کا کہ روح تن میں جلی　　جھلک دکھا گئی جس کو پھر اس نے سانس نہ لی
لعیں نشانہ ہوئے سب اجل کے تیروں کے
زمین سرخ ہوئی خون سے شریروں کے

یہ دل سے کہہ رہے تھے اپنے شاہِ عرش وقار　　کہ بے رسولِ خدا کے ہے زندگی بے کار
جہاد اپنا یہ آخر ہے آخری پیکار　　بس آج لڑ کے یہیں ہو رہو خدا میں نثار
سبھوں کو مارو کہ یہ سب سزا کے قابل ہیں
نہ زندہ چھوڑو انھیں مصطفیٰؐ کے قاتل ہیں

یہ کہہ کے نعرہ کیا پھر حضور نے ڈٹ کے　　بڑھے تو زورِ تنِ کفر رہ گیا گھٹ کے
ہوا یہ شور اٹھاؤ اجل کے اب جھٹکے　　کہ اپنی جان سے اس دم ہیں شیر بھی کھٹکے
قلق میں ہوش اسے مصطفیٰؐ بغیر نہیں
خدا خدا کرو جانوں کی آج خیر نہیں

اُدھر یہ غل تھا اِدھر پھر یہ شاہ نے سوچا　　کہ لاؤ کھول دیں اک سمت تیغ سے رستا
نکل کے بھیڑ سے دیکھیں لگائیں اس کا پتا　　خبر یہ راست ہے یا ہے دروغ سرتاپا
ملے رسول تو یہ غم نہ پھر سہیں گے ہم
وگرنہ مار کے ان سب کو مر رہیں گے ہم

علم کی سوچ کے یہ پھر حسامِ صاعقہ زا　　اِدھر اُدھر جو کئے وار کھل گیا رستا
نکل کے فوج سے سوچے یہ دل میں پھر مولا　　کہ بھاگے ہوں گے نہ میدان سے رسولِ خدا
ضرور ہے کہ شہِ نامدار قتل ہوئے
قیامت آئی رسولِ کبار قتل ہوئے

یہ سوچتے ہوئے آتے تھے حیدرؑ صفدر　　علم تھی ہاتھ میں تلوار، قلب تھا مضطر
نظر تھی پیش و پس و راس و چپ شہدوں پر　　کہ ہوئیں شاید انھیں لاشوں میں نہ پیغمبرؐ
شہیدوں میں جو نہ پایا رسولِ عادل کو
سلامتی کا نبیؐ کی یقین ہوا دل کو

کیا خیال نہ مارے گئے ہیں شاہِ ہدا کہیں نہ بھاگے ہیں رن سے کہ تھا یہ نازیبا
خدا نے دیکھ کے ہم بندوں سے خلافِ وفا حبیبِ خاص کو اپنے کہیں چھپا رکھا
رجوع حق سے کریں گر تو یہ مراد ملے
تلاش و سعی ہے لازم کہ دل کی داد ملے

اسی خیال میں کیا دیکھتا ہے وہ ضیغم کہ ایک غار میں بیٹھے ہیں بادشاہ اُمم
علیؑ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اس دم چلے جھپٹ کے اُدھر اپنے سر کو کر کے قدم
نظر جو کی تو نبیؐ بے قرار ہونے لگے
علیؓ کو دیکھتے ہی زار زار رونے لگے

کہا کہ دیکھا بھی کچھ میرے مونس و غمخوار کہ پیش کس طرح آئے مہاجر و انصار
کہا امام نے ہاں آپ پر علیؓ ہو نثار نہ کچھ خیال کیا، کر گیا ہر ایک فرار
اکیلا آپ کو چھوڑا نہ کچھ ڈرے رب سے
کہا نبیؐ نے کہ تم چھوٹے کس طرح سب سے

کہا علیؑ نے میں اُن سب کا ساتھ کیوں دیتا سمجھتا تھا نہیں ایماں کے بعد کفر روا
علاوہ اس کے عزیز ایسا کون تھا میرا کہ جس کے واسطے حضرت کو چھوڑتا تنہا
میں ایک جان کو اپنی بچا کے کیا کرتا
ہزار جانیں بھی گر ہوتیں تو فدا کرتا

غلام فوجِ عدو سے اُدھر تھا گرمِ وغا اِدھر رفیقوں نے حضرت کو کر دیا تنہا
مقام قہر کا ہے یہ بڑے غضب کی ہے جا علیؓ ہو زندہ کریں زخمی آپ کو اعدا
جبینِ پاک کو پتھر سے چور دیکھوں میں
خدا کی شان ہوں زخمی حضور، دیکھوں میں

کسی نے کوہ سے وحشت زدہ سی دی جو ندا دل و جگر پہ نہ فدوی کا اختیار رہا
ادھر میں آیا کہ حضرت کا کچھ لگاؤں پتا وگرنہ مار کے ان سب کو مر رہوں کسی جا
مزا حیات کا حضرت کے دم سے یکسر ہے
بغیر آپ کے دنیا قفس سے بدتر ہے

ہزار شکرِ خداوند و حافظ یکتا　　کہ زندہ آپ کو خادم نے آن کر دیکھا
اب آپ اپنی جگہ پر ہوں چل کے استادہ　　غلام کھینچ کے تلوار پھر ہو گرمِ وغا
ظفر دے آپ کو اعدا کا دل دو نیم کرے
یقیں ہے وعدے پہ اپنے وفا کریم کرے

کہا رسول خداؐ نے کہ اے مرے غمخوار　　نہ غم کرو جو گئے سب مہاجر و انصار
کسی کا کچھ نہیں محتاج ایزدِ غفار　　اسے نہ خواہشِ اغوا نہ ہے مدد درکار
کمی سے فوج کی شادی نہ خوف کثرت سے
جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اپنی قدرت سے

ارادہ تم نے کیا ہے جو کچھ ہے وہ بہتر　　میں اپنی جا پہ کھڑا رن میں ہوتا ہوں چل کر
کرو جہاد تم اعدا سے کچھ نہیں ہے خطر　　تمہارے نام پہ جنگِ اُحد کی بھی ہے ظفر
وہ چاہے گر تو کرے ناتواں توانا کو
ہزاروں لاکھوں پہ منصور کر دے تنہا کو

یہ کہہ رہے تھے علیؑ ولی سے خیر بشر　　کہ ناگہاں گئی اک سمت مرتضیٰؑ کی نظر
یہ دیکھا مرکبِ سرور کھڑا ہوا ہے اُدھر　　اٹھے اور اس کو بھی لائے حضورِ پیغمبرؐ
ہوئے سوار رسولِ کبار ناقے پر
چڑھے شہنشہِ رفرف سوار ناقے پر

سوار کر کے رسول خداؐ کو ناقے پر　　فرس پہ اپنے چڑھے خود بھی حیدرِ صفدر
جہاں تھا پہلے صف آرا حضور کا لشکر　　تھے باہم اُسی منزل پہ دونوں شمس و قمر
نئی جدال عجب طرفہ تر لڑائی تھی
اِدھر نبیؐ و علیؑ جمع واں خدائی تھی

کھڑے ہوئے تھے باہم دونوں بادشاہ و وزیر　　نگاہیں فوج پہ دل جانبِ خدائے قدیر
نظر میں کچھ نہ سماتی تھی وہ سپاہ، کثیر　　اِدھر یہ دو متنفس اُدھر جم غفیر
سو یہ بھی دیکھنے کو دو تھے چشمِ خلقت میں
وگرنہ ایک ہی تھے دونوں یہ حقیقت میں

پلا دے ساقیِ معجز ادا شراب مجھے   زیادہ اس سے نہیں صبر کی ہے تاب مجھے
گزک کی چاہ نہ ہے خواہش کباب مجھے   دکھا جمال ہٹا کر ذرا نقاب مجھے
یہ کیسی مے تھی طبیعت نہ اس سے سیر ہوئی
لگا دے خم مرے منہ سے کہ حد کی دیر ہوئی

لکھوں نشے میں بعینہٖ اُحد کی کیفیت   کروں ہر ایک پہ حالی مصاف کی حالت
وہ نعرۂ اسدِ کردگار کی ہیبت   وہ جوق جوق سپہ کی فرار کی صورت
دکھا دوں دونوں طرف کے ہنر کی تصویریں
پھریں نظر میں شکست و ظفر کی تصویریں

سپہ پر آئے لیے تیغ پھر امیرِ اُمم   کہ گوسفندوں میں جس طرح آ پڑے ضیغم
حسام گرنے لگی اٹھ کے فوج پر پیہم   یہ جسم ہوگیا بے سر وہ ہوگیا بے دم
عروس آپ بنی روئے شرع لال کیا
حرام خون کو شمشیر نے حلال کیا

کمر جو ہمتوں کی خوفِ جاں نے کی ڈھیلی   سپاہِ کفر نے بس راہ بھاگنے کی لی
تمام کوہ کے نیچے کی ریگ تھی گیلی   لہو سے سرخ ہوئی سب زمین پتھریلی
اکیلے تھے پہ صفیں کی صفیں الٹ آئے
بھگا کے سب کو علیؑ ولی پلٹ آئے

علیؑ کی مدح میں مصروف تھے رسولِ زماں   کھڑے تھے سر کو جھکائے ہوئے شہِ مرداں
کہ سامنے سے ہوا پھر غبارِ فوج عیاں   سحاب کوہ سے اٹھا ہے ہوتا تھا یہ گماں
چمکنا برچھیوں کا صاعقہ گراتا تھا
غریوِ فوج تھا یا ابر گڑگڑاتا تھا

گرج تھی رعد کی آوازِ طبل میں ہر بار   چمک سے تیغ وسناں کی تھے برق کے آثار
صدا سے گھوڑوں کی ٹاپوں کے صاف تھا اظہار   کہ زور شور سے ابرِ سیہ ہے ژالہ بار
رواں تھا عمرِ دلاور سپاہ کے آگے
کہ فیل پشہ تھا جس کی نگاہ کے آگے

قریں پہنچ گیا آ کر تو یوں نبیؐ نے کہا   کہ یا علیؑ انھیں روکو نکال کر گھوڑا
خدا کے شیر ہو تم اور یہ سگِ دنیا   سو تمہارے نہ ہوں گے کسی سے یہ پسپا
سنبھالو تیغِ قضا دفع ان کو جا کے کرو
سبھوں کو دور میرے پاس سے بھگا کے کرو

یہ سن کے ایڑ دی گھوڑوں کو جھپٹے شیر صفت   قریب آ کے کیا نعرہ چھا گئی ہیبت
اٹھائی تیغ لعیں نے مگر بصد ہمت   بڑھایا ہاتھ کو خرطومِ فیل کی صورت
سوئے شقی نظرِ شیر ذوالجلال اُٹھی
اُدھر سے تیغ اُٹھی اِس طرف سے ڈھال اُٹھی

جو اس کے وار کو رد کر چکے جناب امیرؑ   اٹھا کے صارمِ بزاں صدا دی اس کو بگیر
پڑی جو آ کے سرِ خودِ آہنی شمشیر   تو دو تھا زینِ فرس پر وہ کافرِ بے پیر
جو کھینچی تیغ ہزبر الہ نے ڈٹ کر
گرا زمین پہ وہ کوہِ آہنیں پھٹ کر

پھر اس کی فوج پہ آئے جھپٹ کے شیرِ خدا   چلی جو تیغِ علیؑ حشر ہوگیا برپا
نہ ہوش اپنے پرائے کا اہلِ شر کو رہا   پسر کو مارتا تھا باپ ، باپ کو بیٹا
قدم نہ رن میں جمے ڈر سے شیر کے ، بھاگے
جو زندہ بچ گئے تھے پیٹھ پھیر کے بھاگے

علیؑ نے ان کے تعاقب میں گھوڑے کو ڈالا   انھیں مقام پہ اُن کے بھگا کے پہنچایا
پر اب کی ٹوٹ گئی تیغ شاہِ قلعہ کشا   پلٹ کے آئے تو قبضہ ہی قبضہ ہاتھ میں تھا
ملال ٹوٹنے سے تیغ کے تھا حیدرؑ کو
دکھایا لا کے وہ قبضہ رسولِ داور کو

لکھا ہے ٹوٹی اُدھر تیغ تیز حامیِ دیں   نبیؐ کے پاس اِدھر آئے جبرئیل امیں
لیے تھے سیفِ خدا ساز اک بصد تزئیں   نبیؐ کو دے کے کہا کہتا ہے خدائے معیں
میری طرف سے یہ دو میرے شیر کو تلوار
کہ ایسی چاہیے ایسے دلیر کو تلوار

علیؑ نے آکے جو تیغ شکستہ دکھلائی — تو مسکرا کے نبیؐ نے یہ بات فرمائی
بڑی ہے پیشِ خدا قدر آپ نے پائی — کہ ذوالفقار بھی خالق نے تم کو بھجوائی
خدا نے خود یدِ قدرت سے یہ بنائی ہے
نئی اتر کے ابھی چرخ سے تو آئی ہے

وہ تیغ ہاتھ میں لے کر نبیؐ امامِ ہدا — برائے سجدۂ معبود پھر جھکے مولا
ثنا خدا و رسول خداؐ کی کر کے ادا — حبیبِ حق سے یہ کی عرض اب ہے لطفِ وغا
تمام لاشوں سے میدانِ جنگ پاٹوں گا
کہ ایک وار میں سر سیکڑوں کے کاٹوں گا

روانی چاہیے اے صارمِ زباں تجھ کو — کیے ہیں حق نے عطا جوہرِ بیاں تجھ کو
اُگلنے ہیں گہرِ نظم اے دہاں تجھ کو — بھریں گے موتیوں سے صاحبِ زماں تجھ کو
سپاہِ کفر کی دم بھر میں اب صفائی ہے
کہ ذوالفقار ید اللہ کے ہاتھ آئی ہے

چلن حسامِ یداللہ کا اے قلم دکھلا — تنوں سے اہلِ عداوت کے سر قلم دکھلا
شبیہِ جنگِ وصیِ شہ اُمم دکھلا — وہی غضب وہی حملہ وہی حشم دکھلا
ہر ایک دیکھے ولایت پناہ لڑتے ہیں
اکیلے فوج سے شیرِ الٰہ لڑتے ہیں

سبھوں کے سامنے جنگِ احد نظر آئے — جہادِ ضیغمِ ربِّ صمد نظر آئے
احد میں غزوۂ خندق کی حد نظر آئے — قلم سرِ پسرِ عبدود نظر آئے
خروش پیروں میں ہو جوش ہو جوانوں میں
ملائکہ کی صدا آئے صاف کانوں میں

نبیؐ کے پاس کھڑے تھے یہاں شہِ مرداں — سپاہ بھاگ کے تا قتل گاہ پہنچی وہاں
بگڑ کے کہنے لگا سب سے یوں ابوسفیاں — کہ بھاگتی ہے علیؑ سے ہر ایک فوجِ گراں
وہ سخت ہیں تو کوئی یاں بھی ایسا نرم نہیں
مگر سپاہ گری کی کسی کو شرم نہیں

یہ بات کہہ کے رخ اپنا سوئے کنانہ کیا کہ سرکشانِ عرب میں وہ پہلواں تھا بڑا
کہا یہ اس سے کہ تو ہے نہنگِ بحرِ وغا نہیں ہے آج زمانے میں پُر جگر تھا

دمِ نبرد نہ رستم نہ گیو کو چھوڑے
گلا پکڑ لے تو زندہ نہ دیو کو چھوڑے

ہمیشہ تیری تمنا تھی وقت ڈھونڈتا تھا کہ میں کسی نہ کسی دن کروں علیؑ سے وغا
ہبل نے مقصدِ دل تیرا کر دیا پورا کہ ہیں علیؑ ولی آج یکہ و تنہا

اب اپنا حوصلہ دل سے نکال ایسے میں
سپاہ ساتھ لے ، جا ، کر جدال ایسے میں

یہ سن کے پشتِ فرس پر کنانہ جھوم گیا ملوں میں ہوگیا ممتاز عذر کر نہ سکا
سنبھالا خود ، کیا ٹھیک چار آئینہ فرس کے تنگ کو جھک جھک کے زین سے دیکھا

کماں کو از سرِ نو دوش پر سنبھال لیا
جھکا کے تیروں کو ترکش میں دیکھ بھال لیا

ہر ایک فوج سے کہنے لگا ابو سفیاں کہ ساتھ ہولے کنانہ کے سب سپاہِ گراں
علیؑ سے جنگ کا جس وقت یہ کرے ساماں تو جتنی فوج ہے باہم ہو سب وہ حملہ کناں

اٹھاؤ تھوڑا الم پھر خوشی فراواں ہے
علیؑ ہوں قتل تو قتلِ نبیؐ پھر آساں ہے

چلا یہ سن کے کنانہ مع سپاہ اک بار ہلا جگہ سے جو لشکر اٹھا زمیں سے غبار
صدائے کوس سے لرزاں تھا دامنِ کہسار چمک تھی تیغ و سناں کی دل و جگر کے پار

وہ گڑگڑاتے تھے طبل ابر یا گرجتے تھے
صدا سموں کی تھی باہم کہ تاسے بجتے تھے

مع سپاہ کنانہ قریب جب پہنچا تو کر کے گھوڑے کو مہمیز جھپٹے شیرِ خدا
اٹھا کے نیزۂ خطی شقی نے وار کیا سوئے یسار دبے زیں پہ شاہِ قلعہ کشا

سناں جو زین تک آئی تو حق کا نام لیا
بڑھا کے ہاتھ کو نیزہ علیؑ نے تھام لیا

جو دیکھا شیر کی مٹھی میں آ گیا نیزہ جھٹک جھٹک کے کنانہ اسے چھڑانے لگا
لکھا ہے پیس کے دانتوں کو اتنا زور کیا کہ خون ناخنِ دستِ شریر سے ٹپکا
کھنچا نہ اک سرِ مو نابکار سے نیزہ
چھٹا نہ دستِ شہِ ذوالفقار سے نیزہ

جو زور کر کے تھکا خوب وہ عدوئے خدا علیؑ نے چھین لیا اس کے ہاتھ سے نیزہ
بزور مُٹھی میں تھامے ہوئے جو ڈانڈو وہ تھا تو کھال ہاتھ کی لے کر وہ نیزہ اس سے چھٹا
خفیف سا تھا شقی نے کڑی جو جھیلی تھی
لہو لہان ستمگر کی سب ہتھیلی تھی

زمیں پہ چھین کے نیزے کو پھرتی سے پٹکا بڑھا کے گھوڑے سے اس کے ملا دیا گھوڑا
دوال اُس کی کمر کا لپک کے تھام لیا ہلایا زیں سے ستمگر کو دے کے اک جھٹکا
بزور اٹھا کے سوئے عرصہ ہوا پھینکا
کلوخ تھا کہ اُسے جانبِ سما پھینکا

بلند ہو کے وہ اس حد تلک گیا اوپر بغور آتا تھا کنجشک سا سبھوں کو نظر
کھڑے تھے تولے ہوئے ذوالفقار کو حیدرؑ کہ نیچا ہونے لگا ناگہاں وہ بداختر
گرا نہ تھا کہ چلا وار شیرِ داور کا
زمیں پہ آیا تو دو تھا بدن ستمگر کا

یہ حال دیکھ کے سکتے میں آ گیا لشکر پکڑ کے تیغ جھکے فوج پہ شہِ صفدر
زمین پہ گرنے لگے کٹ کے سرکشوں کے سر جو اُس کے صدر کو کاٹا تو کاٹی اس کی کمر
کسی کے دستِ یمین و یسار کو کاٹا
مع سمند کسی شہسوار کو کاٹا

سپاہ کو تھے یوں ہی قتل کر رہے بارے کھلے ہوئے تھے دریچہ سپہر کے سارے
تمام حور و ملک کر رہے تھے نظارے چھپے چھپے نگراں تھے فلک کے سب تارے
ہر ایک وار پہ صدہا دعائیں دیتی تھیں
علیؑ کی دور سے حوریں بلائیں لیتی تھیں

ملائکہ نے ہوا پر تہہ سپہرِ علا کیا تھا تخت کو یاقوت سرخ کے برپا
جلوس حضرتِ روح الامیں کا اس پر تھا صفیں ملائکہ کی راس و چپ تھیں استادہ
زمین پہ شانِ خدائے قدیر دیکھتے تھے
کہ سیرِ جنگ جنابِ امیرؑ دیکھتے تھے

جو کافروں سے علیؑ کارزار کرتے تھے خدا کی حمد ملک بار بار کرتے تھے
جھپٹ جھپٹ کے جو ہر سمت وار کرتے تھے گہر ثنا کے فرشتے نثار کرتے تھے
دہائی سہمے ہوئے بدنہاد دیتے تھے
علیؑ کی ضرب کی جبرئیل داد دیتے تھے

ضیا فگن سی یہاں واں تھی شعلہ باری تیغ مثالِ برق تھی ہر سمت بے قراری تیغ
ملک پکارے گری اٹھکے جب شراری تیغ نہ ہے علیؑ سا جواں اور نہ ذوالفقاری تیغ
وہ راز دارِ خدا ہیں خدا کی راز یہ ہے
وہ خانہ زاد ہیں اس کے تو خانہ ساز یہ ہے

اسی کے واسطے یہ ہاتھ یہ کلائی ہے یہ اُن کے واسطے خاص آسماں سے آئی ہے
خدا نے اِن کے لیے تیغ یہ بنائی ہے یہ تیغ لے کے کچھ آساں نہیں لڑائی ہے
کہ ہاتھ مثلِ علیؑ صاف چاہیے ایسا
بس ایسی سیف کو سیاف چاہیے ایسا

صفِ عدو پہ علیؑ کر رہے تھے وار پہ وار ملائکہ میں تھی لا سیف ولا فتا کی پکار
اُدھر تھے فکر کناں حضرت رسول کبار اِدھر تھا صرفِ مباہات ایزدِ غفار
علیؑ کے وصف میں مصروف حور و غلماں تھے
علیؑ حزیں تھے خدا و رسولؐ شاداں تھے

جو دیکھا سب نے نہیں رُکتی ایک دم تلوار برس رہے ہیں سر آتی ہے خون کی بوچھاڑ
لگے ہیں کشتوں کے میداں میں جا بجا انبار تو سمجھے دل میں کہ اب یاں اماں نہیں زنہار
بچے گی جان نہ شمشیر برق افشاں سے
سلامتی ہے اگر بھاگ نکلیں میداں سے

یہ دل میں سوچ کے جنگی جوان سب بھاگے　　سپہ گری کی متی آن بان سب بھاگے
علیؑ سے ہارے ہوئے پہلوان سب بھاگے　　شکست کے ہوئے پیدا نشان سب بھاگے
اکیلے کر کے لڑائی کو سر علیؑ پلٹے
نبیؐ کے پاس بفتح و ظفر علیؑ پلٹے

بیان کرتا ہے راوی علیؑ کی مضبوطی　　کہ شہ نے کھائے تھے جنگ احد میں زخم اتی
نشان میں تھا کوئی اوچھا تھے سب کے سب کاری　　ہر ایک گھاؤ میں جاتی تھی اک بڑی۔۔
جو دیکھتا تھا تو جراح کانپ جاتا تھا
مگر علیؑ کے نہ تیور پہ میل آتا تھا

قلم جو صبر و رضائے علیؑ کرے ارقام　　تمام عمر نہ افسانۂ الم ہو تمام
زمانہ ہوگیا دشمن ستایا، صبح و شام　　گلہ زبان پہ نہ لائے مگر امامِ انام
سدا تلے رہے اعدا ستم شعار پہ
مگر علیؑ رہے راضی رضائے باری پہ

کتب میں ہے شب ضربت کا حال یوں تحریر　　کہ آہ و زاری میں وہ رات کی علیؑ نی اخیر
کبھی تو لب پہ تھی تسبیح اور کبھی تکبیر　　نڈھال ہو رہی تھی حالتِ جناب امیرؑ
کبھی تو یاس سے اپنے مکاں کو دیکھتے تھے
کبھی ٹہلتے تھے گہہ آسماں کو دیکھتے تھے

جو اضطراب کی زینبؑ نے وجہ کو پوچھا　　تو رو کے بیٹی سے بولے امامِ ہر دوسرا
ہزاروں پیل تنوں سے لڑا ہوں میں تنہا　　مگر ہوا نہیں دل کو کبھی ہراس ایسا
حواس ہوں جو پراگندہ تو بجا ہے آج
تمہارے باپ کا خالق سے سامنا ہے آج

یہ سن کے فق ہوا چہرہ الم ہوا طاری　　سر اپنا پیٹ کے رونے لگی وہ دکھیاری
قلق سے اشک تھے ام البنینؑ کے جاری　　تمام رات رہی گھر میں گریہ و زاری
کہ رنج و غم کا اثر ناگہاں نمود ہوا
سحر کا چرخ بریں پر نشاں نمود ہوا

علیؑ نے کی جو نظر چرخ پر تو کیا دیکھا　　کہ مطلقاً نہیں باقی ہے رات کا حصہ
ستارے چھپتے ہیں ظاہر ہے نور کا تڑکا　　ہے ٹھیک وقت پئے بندگیِ ربِّ علا
علیؑ کا دل ہوا راغب خدا کی طاعت پر
کسا کمر کو یداللہ نے شہادت پر

چلے مکان سے مسجد میں آئے شاہِ ہدا　　کوئی تھا خواب میں اور کوئی شخص جاگتا تھا
کہی اذانِ اخیر آپ نے جو صلِّ علا　　تمام کوفہ میں گونجی صدائے شیرِ خدا
وضو کیے ہوئے سب خاص و عام آ پہنچے
خدا کے گھر میں نمازی تمام آ پہنچے

کھڑے ہوئے جو مصلے پہ آگے آ کے امام　　جمیں عقب میں صفیں بندگانِ حق کی تمام
کھڑا تھا شہ کے عقب ابنِ ملجمِ ناکام　　چھپائے زیرِ بغل زہر کی بجھی صمصام
اٹھایا سجدۂ اولیٰ سے سر جو سرور نے
لگائی تیغ سرِ پاک پر ستمگر نے

لگا کے تیغ کو بھاگا ادھر ستم اطوار　　ادھر لہو میں تڑپنے لگے شہِ ابرار
فلک سے ہاتفِ غیبی نے دی صدا اک بار　　کہ آج پست ہوا دینِ احمدؐ مختار
لعیں نے بادشہِ قلعہ گیر کو مارا
قیامت آئی جنابِ امیرؑ کو مارا

ہر ایک روح عجب غم سے دردمند ہوئی　　دلوں میں درد ہوا روح پر گزند ہوئی
رہِ مسرت و عیش و نشاط بند ہوئی　　صدائے قد قتل المرتضیٰ بلند ہوئی
صدا یہ آئی جو اہلِ حرم کے کانوں میں
ہلے کلیجے پڑی سنسنی سی جانوں میں

لکھا ہے پیٹتی سر دوڑیں زینبؑ دلگیر　　پکاریں یوں سرِ بالینِ شبرؑ و شبیرؑ
کہ بھائی چونکو تو قربان ہوگئی ہمشیر　　کوئی یہ کہتا ہے مارے گئے جنابِ امیرؑ
اُلٹ نہ جائیں زمان و زمین تھرا کر
یہ کون کہتا ہے وامرشد آہ چلّا کر

اٹھے یہ سنتے ہی گھبرا کے شبرؑ و شبیرؑ کہا کہ یاد کرو حق کو خواہر دلگیر
شہید ہو گئے بیشک امام عرش سریر صدائے نوحۂ جبرئیل ہے یہ اے ہمشیر
نہ روؤ تم کہ جگر غم سے تھرتھراتے ہیں
خبر کو ہم شہ خیبر شکن کی جاتے ہیں

یہ کہہ کے جانب مسجد چلے بشور و فغاں جو آ کے پہنچے تو دیکھا یہ حشر کا ساماں
تڑپ رہے ہیں لہو میں کپڑے شہِ مرداں نمازیوں میں ہے غل رو رہے ہیں پیر و جواں
خدائے پاک کا ہے ذکر لب پہ حیدرؑ کے
اُٹھا کے خاک کو بھرتے ہیں زخم میں سر کے

کیا حسنؑ سے اشارہ نماز سب کو پڑھاؤ قضا نہ طاعتِ معبود ہو مصلے پہ آؤ
ہمارے قتل کا اس دم خیال کچھ نہ لاؤ نماز سے جو ہو فارغ تو یاں سے ہم کو اٹھاؤ
سنا علیؑ سے جو یہ مصطفیٰؐ کے جانی نے
نماز سب کو پڑھائی امام ثانی نے

پسِ نماز چلے گھر کو یوں وہ ماہ لقا کہ اک گلیم میں ڈالا امام کا لاشا
ادھر حسنؑ تو ادھر سے حسینؑ نے تھاما جنازہ بن کے چلے بادشاہِ قلعہ کشا
پسر پدر کو لیے آگے آگے جاتے تھے
عقب میں روتے ہوئے روزہ دار آتے تھے

گلی میں آ کے جو پہنچا امام کا لاشا برآمدے پہ تھی اپنے مکاں کے قطاما
لگا کے قہقہہ ہاتھ اس نے ہاتھ پر مارا خدا کے قہر کو جوش آیا پھٹ پڑا کھوٹا
رواں ستر کو لیے دل میں شہ کا کینہ ہوئی
شکستہ عضو ہوئے چور وہ لعینہ ہوئی

اسے اٹھانے لگے آ کے اس کے سب ورثہ پہنچ گیا در دولت پہ شاہ کا لاشہ
محل میں کوک پڑی خادموں میں شور ہوا غلام پیٹتے تھے سر تو روتے تھے آقا
علیؑ کی بیٹیاں سب گھر میں غل مچاتی تھیں
پچھاڑیں حضرتِ ام البنینؑ کھاتی تھیں

محل میں لا کے لٹایا علیؑ کو آخر کار ۔۔۔ بلایا لوگوں نے جراح کو بحالتِ زار
وہ زخم دیکھ کے بولا بدیدۂ خونبار ۔۔۔ بجھی ہوئی تھی ستمگر کی زہر میں تلوار
نہ کچھ علاجِ شہنشاہِ خوش قماش کرو
لحد کی فکر کرو اب کفن تلاش کرو

یہ سن کے اور ہوا اہلبیت میں کہرام ۔۔۔ سروں کو پیٹ کے چلائیں دخترانِ امام
یہ حال دیکھ کے بولے امامِ عرش مقام ۔۔۔ کہ پردہ ہو یہاں باہر کو جائیں لوگ تمام
یہ سن کے روتے ہوئے واں سے خاص وعام اٹھے
محل میں پردہ ہوا لوگ وہ تمام اٹھے

مکان غیروں سے خالی جو ہوگیا اک بار ۔۔۔ تو آ کے باپ کے سینہ سے لپٹی زینبؑ زار
گریں زمین پہ کلثومؑ بادلِ افگار ۔۔۔ بلائیں زخم کی لیتی تھیں بانوئے ناچار
قریب فرش کے فضہؑ پچھاڑ کھا کے گری
علیؑ کے پاؤں پہ ام البنینؑ آ کے گری

سر اپنا قدموں پہ سرور کے رکھ کے چلائی ۔۔۔ کہ رانڈ ہوتی تھے آقا مرے یہ دکھ پائی
یہ ساتھ بچوں کا اور سر پہ باپ کے بھائی ۔۔۔ کنیز کی نہ صد افسوس پہلے موت آئی
بیان ماں کے غم و درد سے جو سنتے تھے
پدر کی پائنتی عباسؑ سر پٹکتے تھے

ہر اک کو شاہ نے سمجھایا اور دلاسا دیا ۔۔۔ اڑھائی بیٹیوں کے سر پہ آپ اپنی ردا
تمام دن رہا رونے کا گھر میں غل برپا ۔۔۔ زمین ہلتی رہی چرخ تھرتھرایا کیا
غم و الم سے کسی دل کو کل نہیں آئی
وہ دن تمام ہوا رات بیسویں آئی

حرم کو پیٹتے رونے میں شب ہوئی وہ بسر ۔۔۔ ہوئی نمود زمانے میں بیسویں کی سحر
علیؑ کا حال دکھائی دیا بہت ابتر ۔۔۔ تمام جسم میں زہر اپنا کر گیا تھا اثر
وہ زخمِ تیغ سم آلود اجل کا حیلہ تھا
غضب کا زہر تھا سب جسمِ پاک نیلا تھا

لکھا ہے تیغ لگا کر شقی جو تھا بھاگا
اندھیرا راہ میں اتنا تھا جلد جا نہ سکا
فلک سے قد قتلِ المرتضیٰ کی سن کے صدا
تھا اپنے گھر سے چلا اک امام کا شیعہ
کہ ناگہاں بنِ ملجم کو راہ میں دیکھا
پر انتشار سے حالِ تباہ میں دیکھا

محبِ شاہ نے پوچھا کہ غل ہے یہ کیسا
علیؑ کے حال سے واقف ہوا تو گر تو بتا
کہا یہ اس نے مجھے کچھ خبر نہیں حاشا
وہ بولا چل سوئے مسجد کریں نماز ادا
کہا کہ کام میں ہوں میں ادھر نہ جاؤں گا
بہت ہے وقت ابھی پھر پلٹ کے آؤں گا

کچھ ایسی باتیں کہیں اس نے کہ شک ہوا پیدا
جو دیکھا تیغ کو اس کی تو خوں تھا اس میں بھرا
یہ اس سے کہنے لگا وہ محبِ شیرِ خدا
تو ہی ہے قاتلِ سرور نہیں ہے کچھ شبہ
یہ چاہا ڈال دے ہاتھ اپنا اس ستمگر پر
کہ اس نے وار کیا دوستدارِ حیدرؑ پر

غلام ساتھ تھا پیچھے اُسے دی مڑ کے صدا
کہ مل گیا ہے مجھے قاتل اپنے آقا کا
لپک کے کر جو گرفتار اسے تو تُو ہے رہا
جھپٹ کے پاس یہ سن کر غلام آ پہنچا
وہ دونوں اُس ستم ایجاد کو پکڑ کے چلے
گنہگار کو اک رسی میں جکڑ کے چلے

اِدھر سے جاتے تھے دوڑے ہوئے امام حسنؑ
ملا جو راہ میں قیدی خدا کا وہ دشمن
لے آئے اس کو حضورِ امامِ قلعہ شکن
کیا یہ حجتِ خالق نے اس لعیں سے سخن
یتیمی بچوں کی میرے تجھے گوارا ہے
برا امام تھا کیا میں جو مجھ کو مارا ہے

یہ سن کے کرنے لگا سر جھکا کے وہ زاری
بدن تھا خوف سے لرزاں اور اشک تھے جاری
پھر اس طرح یہ ہوا حکمِ ضیغمِ باری
ہٹے نگاہ کے آگے سے میرے یہ ناری
میں جب تلک رہوں زندہ، زمانے میں یہ رہے
کریں نہ قتل ابھی قید خانے میں یہ رہے

کہا امام حسنؑ نے یہ پھر بہ لطف و عطا　　کہ اس اسیر کے کھانے کی بھی خبر رکھنا
ہے اختیار مجھے ہوگئی جو مجھ کو شفا　　قصاص اپنالوں یا بخش دوں میں اس کی خطا
وگرنہ ماریو اک ہاتھ اسے عدالت سے
کہ اس نے بھی مجھے مارا ہے ایک ضربت سے

غرض یہ سن کے اُسے لے گئے سوئے زنداں　　یہاں یہ حال ہوا شہ کا ہو چکا جو بیاں
عیاں تھا بیسویں تاریخِ حشر کا ساماں　　کہ نیلے ہوگئے تھے ناخنِ شہِ مرداں
کنیزیں دیکھ کے یہ حال جان کھوتی تھیں
علیؑ کی بیٹیاں منہ ڈھانپ ڈھانپ روتی تھیں

غشی سے ہوش جو خالق کے شیر کو آیا　　بلا کے پاس جنابِ حسنؑ کو بٹھلایا
سب اہلبیت کو پھر اپنے پاس بلوایا　　حسنؑ کو اپنا وصی سب کے آگے فرمایا
پھر ان سے سعی ہر اک کی امام کرنے لگے
وصیتیں شہِ عالی مقام کرنے لگے

کیا پسر کے حوالے تمام اپنا گھر　　ہر اک کا ہاتھ دیا ان کے ہاتھ میں رو کر
کہا حسینؑ کا منہ چوم کر بدیدۂ تر　　کہ ہاتھ تھام لو عباسؑ کا تم اے دلبر
غلام بھائی مددگار یہ تمہارا ہے
ازل کے دن سے علمدار یہ تمہارا ہے

تمام دن یہی باتیں رہیں یہی اذکار　　اخیر بیسویں تاریخ بھی ہوئی اک بار
غضب ہوا شب بست و یکم ہوئی اظہار　　عیاں ہوئے اسدِ حق کی موت کے آثار
تنِ ضعیف کی جو قوتیں تھیں گھٹنے لگیں
ہوا شروع تشنج رگیں سمٹنے لگیں

دمِ اخیر امامِ زمن یہ تھا نقشہ　　کبھی کراہ اٹھے چپ کبھی ہوئے مولا
کبھی تھی چشم کو حرکت کبھی بدن ٹھنڈا　　غشی تھی شہ کو غشی پر تو سکتے پر سکتا
گمان مرگ سے ہر ایک جان کھوتا تھا
محل میں رونے کا رہ رہ کے شور ہوتا تھا

قیامت آ گئی پچھلے پہر ہوا محشر علیؑ کا ڈھل گیا منکا بدل گئے تیور
سقوطِ نبض سے ٹھنڈا ہوا بدن یکسر پسینہ موت کا آیا جبین ہوگئی تر
حرم کا دھیان نہ بچوں کا کچھ خیال کیا
جہاں سے حیدرِؑ صفدر نے انتقال کیا

زبس تھا شوقِ ملاقاتِ ایزدِ داور کہ باندھی کوچ پہ پچھلے سے مرتضیٰؑ نے کمر
جلال تھا رمضاں میں کیا جوشہ نے سفر طلب ہوئی تو نہ کچھ عذر کر سکے سرور
جہاں سے کوچ کیا خلد میں مقام کیا
مکان اجاڑ تو شیعوں کو بے امام کیا

سر اپنے پیٹ کے چلائے شبرؑ و شبیرؑ کہ ہم یتیم ہوئے چل دیے جناب امیرؑ
پچھاریں کھاتی تھیں کلثومؑ و زینبؑ دلگیر مچی تھی کوک تڑپتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک محلہ میں کوفہ کے اک قیامت تھی
تمام شہر تھا زیر و زبر یہ حالت تھی

محل میں غسل و حنوط و کفن کے تھے ساماں درِ علیؑ پہ لگے جمع ہونے پیر و جواں
سبھوں کے چاک گریباں سبھوں کے سر عریاں دلوں میں درد لبوں پر یہ نالہ و افغاں
تباہی آ گئی نازل خدا کا قہر ہوا
جہاں اجڑ گیا بے شہریار ، شہر ہوا

حرم میں جاتی تھی باہر سے رونے کی جو صدا زیادہ ہوتا تھا اہلِ حرم میں جوشِ بکا
جنازہ ہو چکا تیار اس طرف شہ کا ادھر سحر ہوئی خورشید چرخ پر نکلا
مکان بس گیا سب قدسیوں کے آنے سے
اٹھا امام کا تابوت خود سرہانے سے

ہوا بلند جو بالیں سے شاہ کا لاشہ تو رو کے پائنتی فرزندوں نے دیا کاندھا
ہوا محل سے برآمد جنازۂ مولا سب اہلِ کوفہ کو حیرت تھی ذکر باہم تھا
نہ کیوں یہ شان ہو رتبہ خدا سے پائے ہیں
جنازہ حق کے ولی کا ملک اٹھائے ہیں

لکھا ہے راویوں نے یوں یہ حالِ دردومحن　　کہ نکلی گھر سے جو لاشِ امامِ قلعہ شکن
جدھر کو جاتا تھا تابوتِ بادشاہِ زمن　　اسی طرف کو چلے جاتے تھے حسینؑ و حسنؑ
جہاں کی مٹی تھی مولا کی اس طرف آیا
جنازہ شہ کا سوئے وادیٔ نجف آیا

جہاں پہ قبر ہے اب ٹھہری لاش واں آکر　　پڑھی نماز ملائک نے پہلے ہم دیگر
جن و بشر ہوئے مصروف پھر بدیدۂ تر　　پسِ نماز جنازے کو لائے مرقد پر
جہاں کی مٹی تھی لاش اس مقام پر آئی
لحد کھدی ہوئی تیار واں نظر آئی

اُتارنے لگے تربت میں جب بحالت زار　　نظر حسینؑ و حسنؑ کو پڑا یہ حال اک بار
سرہانے قبر میں گریاں ہیں احمدِ مختارؐ　　کھڑی ہیں پائنتی زہراؑ بدیدۂ خونبار
بپا ہے حشر لحد میں وہ بین ہوتے ہیں
سر اپنے پیٹ کے منکر نکیر روتے ہیں

یہ کہہ رہے تھے بقلب حزیں رسولِ خداؐ　　کہ میری گود میں میرے وصی کو دو بیٹا
دیا نواسوں نے نانا کو باپ کا لاشہ　　لگا کے سینہ سے کرنے لگے رسول بکا
پکاریں فاطمہؑ منہ زندگی سے موڑ آئے
ابوالحسنؑ مرے بچوں کو کس پہ چھوڑ آئے

رواں تھے اشک حسینؑ و حسنؑ کے چہروں پر　　سب اہل شہر تھے گریاں بپا تھا اک محشر
دہانِ قبر کیا بند رکھ کے اک پتھر　　ابوتراب کو مٹی دی سب نے رو رو کر
پلٹ کے آئے قیامت کا پھر قیام ہوا
درِ امام پہ انبوہِ خاص و عام ہوا

سروں کو پیٹتے تھے اپنے سب صغیر و کبیر　　حزیں تھے سارے مساکیں تڑپ رہے تھے اسیر
فغان وزاری وشیون میں کہہ رہے تھے فقیر　　ہماری کون خبر لے گا یا جنابِ امیرؑ
سب اقربائے علیؑ اپنی جانیں کھوتے تھے
پچھاڑیں کھاتی تھیں رانڈیں یتیم روتے تھے

گئے جو گھر میں وہ رنجور و بادلِ مغموم   تو لپٹیں بھائیوں سے رو کے زینبؑ و کلثوم
کیا کنیزوں نے شہزادیوں کے گرد ہجوم   ہوئی امام کی عصمت سرا میں رونے کی دھوم
تڑپ رہی تھی کوئی ، کوئی جان کھوتی تھی
مکان ہلتا تھا سینہ زنی وہ ہوتی تھی

جہاں پہ دم شہ خیبر کشا کا نکلا تھا   پڑی تھیں حضرتِ ام البنینؑ غش اس جا
تباہ حال تھا سب سے زیادہ بانو کا   یہ بین کرتی تھیں منہ پر لیے ہوئے پلاّ
قدم سے میں شہ کون و مکاں کے چھوٹ گئی
جو آس تھی مرے دل کی وہ آج ٹوٹ گئی

یہ جانتی ہوں میں اے بادشاہِ عقدہ کشا   کہ میرے سر سے اٹھا آج باپ کا سایہ
شفیق ایسا نہ تھا یزدجرد نہ کسرا   تمام کنبہ مرا آج مرگیا گویا
خوشی سے ظلم اسیری کا سہہ گئی بانو
یہ شہ سے چھٹ کے کہیں کی نہ رہ گئی بانو

بس اے نگیں کہ تلاطم ہے بزم میں برپا   سروں کو پیٹتے ہیں عاشقانِ عقدہ کشا
اٹھا کے ہاتھ جنابِ خدا میں کر یہ دعا   کہ یا کریم مرے مقصدِ دلی برلا
ملال رفع کر اپنے نبیؐ کے صدقے میں
کر اپنا رحم علیؑ ولی کے صدقے میں

وحید

سید محمد ہادی نام اور وحید تخلص، انیس کے بھتیجے اور میر مہر علی اُنس کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔

ان کی ابتدائی تعلیم اور تربیت کے حوالے سے ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں:

""تعلیم بڑی معقول پائی تھی، عربی، فارسی، فلسفہ و منطق سب پر عبور تھا۔ سولہ سال کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی۔ ابتدائی مرثیہ انیس کے پاس اصلاح کے لیے لے گئے لیکن انھوں نے ٹال کر نفیس کو دکھا لینے کا مشورہ دیا۔ وحید کو یہ بے نیازی ناگوار گزری اور واپس چلے آئے۔ اُس کے بعد مستقل طور پر اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ اگر انھیں کہیں انیس کی شاگردی کا موقع مل جاتا اور اُن کی طبیعت پر جلائے انیس ہو جاتی تو پھر شاید وحید جیسا مرثیہ گو اُردو ادب میں دوسرا نظر نہ آتا"۔

(مرثیہ بعد انیس صفحہ ۹۲)

شاد عظیم آبادی کا بیان اس بارے میں مزید معلومات فراہم کرتا ہے کہ:

""اگرچہ استعداد معمولی تھی مگر کد اور شوق نے اُن کو اپنے خاندان پر لگا لیا۔ بڑے شوق سے نظم کی طرف جھکے۔ زبان تو گھر کی تھی۔ بتانے والا باپ سا تجربہ کار مشاق۔ غرض پانچ سات برس میں ان کی بھی شہرت ہو چلی اور میر اُنس کے ہوا خواہوں کا جماؤ ان کے ساتھ بھی ہوا۔ میر مونس مغفور سے مخفی طور پر اصلاح لیا کرتے تھے تا کہ میر انیس کو خبر نہ پہنچے"۔

(پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۷۸)

وحید کے کلام کا باریک مطالعہ کرنے والے اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے کلام پر مونس کے اثرات زیادہ ہیں۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:

""پٹنہ میں میر مونس کی تحریک سے نواب سید لطف علی خاں جنت آرام گاہ کے امام باڑے میں بلوائے گئے۔ اگرچہ اس مجلس میں میر مونس کبھی نہیں گئے مگر میر وحید برابر خلا و ملا میں چچا کی خدمت میں حاضر رہے۔

میر مونس لوگوں کو مشاق بنا بنا کر ان کو ترقی دینے کی کوشش کیا کرتے تھے اکثر مرثیے میر مونس سے پڑھنے کے لیے مانگ کر لے جاتے تھے۔ ایک دن میرے سامنے اُنہوں نے مرثیہ:

""نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری""

مانگا۔ میر مونسؔ نے جواب دیا کہ بھئی مرثیہ تو ہے مگر میں نہ دوں گا۔ خاص کر اس مرثیہ کی خبر لکھنؤ میں پہنچے گی اور بھیا سن لیں گے، ممکن ہے کہ اس مرثیے کے دینے کو بھیا پسند نہ کریں تو مجھ سے کبیدہ ہوں گے"۔

(پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۷۹)

وحیدؔ نے اپنے والد کی حیات ہی میں ۴۵ برس کی عمر میں ۲۳ محرم ۱۳۰۸ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۸۸۶ء کو لکھنؤ کے محلے باورچی ٹولہ میں انتقال کیا۔ حکیم مہدی علی خاں کے مقبرے میں اپنے والد میر انسؔ کے برابر دفن ہوئے۔

شاگرد:

میر وحیدؔ کے شاگردوں میں مولوی خیرات احمد محبؔ نمایاں ہیں۔ ان کی کتاب علم مناظرہ پر "نورِ ایمان" بے حد مقبول ہوئی۔ اس کے علاوہ آثار شہادت اور میر انیسؔ کے کلام کی شرح بھی شائع ہوئی تھی۔ مجموعۂ کلام "خمسۂ کاملہ مع سلام" شمسی پریس گیا (بہار) سے چھپا تھا۔

خاندان میں سید فرزند حسن جلیلؔ اصلاح لیتے تھے ان کا ایک مرثیہ میرے پاس ہے:

یارب کلید گنجِ سخن دستیاب ہو

ان ہی کے خاندان کے ایک اور فرد تھے جمیلؔ لکھنوی، وہ بھی وحیدؔ کے شاگرد تھے ان کے تین مرثیے میرے پاس قلمی ہیں:

۱۔ ہے رشکدۂ حُسنِ معانی سخن اپنا

۲۔ میرے ریاضِ نظم میں آئی بہار پھر

۳۔ شبدیزِ قلم نظم کے میداں میں رواں ہے

میر وحیدؔ کا مطبوعہ کلام:

میر وحیدؔ نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن اب سوائے مرثیوں، سلاموں اور نوحوں کے کچھ محفوظ نہیں رہا۔ ان کے خاندان کے ایک فرد سید محمد جواد شکیلؔ کے پاس ان کا قلمی ذخیرہ موجود تھا۔ ایک جگہ اس کا اشارہ یوں کیا ہے:

"میر وحیدؔ مرحوم کی قدرت بیان کئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً مرثیہ، سلام، قصیدہ، تاریخ، واسوخت اور غزل وغیرہ۔ اس وقت چونکہ میر وحید کی مرثیہ گوئی پر صرف روشنی ڈالنا مقصود ہے لہٰذا دیگر اصناف شاعری سے کوئی بحث کرنا ضروری نہیں"۔

("ادب"، لکھنؤ، اکتوبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۴۴)

وحیدؔ کے مرثیے انسؔ و سرفرازؔ کے ساتھ دو جلدوں میں ریحانِ غم کے نام سے مطبع دبدبۂ

احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئے تھے۔ان جلدوں میں وحید کے ۸ مرثیے اور تین سلام شامل ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں بیس مرثیوں کا مجموعہ ''ریحانِ غم جلد اوّل'' کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا جس کی دوسری جلد کی طباعت کی نوبت نہ آسکی۔

۱۹۵۳ء میں ''مختار وحید'' کے نام سے مہذب لکھنوی نے چھ مرثیے شائع کیے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ مرثیے غیر مطبوعہ ہیں جبکہ ان میں سے بیشتر دوسرے مطلعوں سے مطبوعہ جلدوں میں موجود ہیں۔اس جلد کا تیسرا مرثیہ یہ ہے:

اے نظم ہاں مرقع دشتِ جدل دکھا

یہ مرثیہ دو حصوں میں مرثیہ ۱۳ اور مرثیہ ۴ کے عنوان سے چھپا ہے اور غیر مطبوعہ کہا گیا ہے جبکہ ریحانِ غم کی جلدوں میں یہ اس مطلع سے مطبوعہ موجود ہے مقطع بھی ایک ہے:

آتا ہے ضیغم اسد حق ترائی میں

اس مرثیے کے مزید بند اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔مولانا آزاد لائبریری (ذخیرۂ ادیب) میں یہ مرثیہ ۲۰۷ بند کا موجود ہے۔جس پر لکھا ہے:

''از ملک سید فرزند حسن جلیل عفی عنہ''

باقی مرثیہ ۱، ۲ اور ۵ غیر مطبوعہ ہیں۔مرثیہ ۶ تو وحید کا شاہکار ترین مرثیہ ہے۔فرزندانِ زینبؑ کے حال کا:

پائے کیا حضرت زینبؑ نے بھی نایاب پسر

۱۹۶۶ء میں شبیب علی حسین نے، گہرستان، دریبہ جونپور سے یہ مرثیہ ''شاہکار وحید'' کے نام سے شائع کیا تھا۔

اس کے علاوہ وحید کے متفرق مرثیے جزوی شکل میں مختلف مطبعوں سے بھی چھپتے رہے۔

وحید کے ۱۰ سلام مطبوعہ ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔چند نوحے بھی مطبوعہ شکل میں محفوظ ہیں۔وحید کے مطبوعہ مرثیوں کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔آتا ہے ضیغم اسد حق ترائی میں	حضرت عباسؑ	۱۸۰ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۲۔آیا ہے آفتاب امامت جلال میں	امام حسینؑ	۱۶۹ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۳۔اے بحر طبع جوشِ تکلم دکھا مجھے	حضرت عباسؑ	۸۹ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۴۔اے قلم دامنِ کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر	حضرت عباسؑ	۱۸۰ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۵۔پائے کیا حضرت زینبؑ نے بھی نایاب پسر	عونؑ و محمدؑ	۳۳۲ بند	ریحان غم جلد اول

۶۔ جامِ جہاں نما سخن آبدار ہے	امام حسینؑ	۲۴۷ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۷۔ جب لشکرِ امامِ امم کوچ کر چکا	امام حسینؑ	۱۴۲ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۸۔ حیدر کا شیر عازمِ دشتِ قتال ہے	حضرت عباسؑ	۱۷۲ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۹۔ دستارِ سرِ عرشِ معلّٰی ہیں محمدؐ	حضرت علیؑ	۱۰۲ بند	مختار وحیدؔ
۱۰۔ دل آئینۂ حُسنِ حسینانِ سخن ہے	امام حسینؑ	۱۶۸ بند	ریحان غم جلد دوم
۱۱۔ زیبِ سرِ عرشِ معظم ہیں مصطفیٰؐ	رسول خداؐ	۱۴۲ بند	ریحان غم جلد دوم
۱۲۔ شرحِ منشورِ خداوند ہے فرماں کس کا	رسول خداؐ	۱۳۵ بند	ریحان غم جلد اول
۱۳۔ کعبے میں جب ولادتِ مشکلکشا ہوئی	حضرت علیؑ	۱۹۰ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۱۴۔ مشہور مشتبہت ہیں شرف کس جناب کے	حضرت علیؑ	۱۳۶ بند	ریحان غم جلد دوم
۱۵۔ نوبادۂ ریاضِ حسینی خزاں پہ ہے	حضرت علی اکبرؑ	۱۰۳ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۱۶۔ نیرنگیِ جہاں کا سدا ایک حال ہے	امام حسینؑ	۱۱۷ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۱۷۔ ہاں اے زباں دہن کی گہر ریزیاں دکھا	عونؑ و محمدؑ	۹۸ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۱۸۔ ہاں اے قلم بہار دکھا کارزار کی	حضرت علیؑ	۱۴۳ بند	مختار وحیدؔ
۱۹۔ ہوئے اسیر نبیؐ کے حرم جو زنداں میں	اسیری	۱۷۶ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۲۰۔ ہے ناظمِ قلمروِ مضموں قلم مرا	حضرت حُرؑ	۲۲۵ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۲۱۔ یارب سخن وری کو مرے سر کو تاج دے	امام حسینؑ	۱۰۷ بند	مختار وحیدؔ
۲۲۔ یارب مجھے گلچینِ گلستانِ سخن کر	امام حسینؑ	۱۲۵ بند	ریحان غم (نظامی پریس)
۲۳۔ یارب مرے قلم کو جواہر نگار کر	حضرت قاسمؑ	۱۹۱ بند	ریحان غم (نظامی پریس)

ان کے علاوہ اب بھی بعض قلمی ذخیروں میں کچھ مرثیے ایسے ہیں جو غیر مطبوعہ معلوم ہو رہے ہیں ایسے مرثیوں کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ آج دریائے فصاحت کو رواں کرتا ہوں	۱۲۰ بند (ذخیرۂ ادیب)
۲۔ حکمِ جہادِ حق سے ملا جب امام کو	۱۷۰ بند (ذخیرۂ ادیب)
۳۔ رن میں زینبؑ کے جگر بند وغا کرتے ہیں	۱۲۱ بند (نسخۂ میر سلامت علی)
۴۔ کیا کیا شرف بزمِ عزائے شہِ دیں ہے	۱۰۰ بند (ذخیرۂ ادیب)
۵۔ مدحِ نبیؐ سے باغِ سخن کی بہار ہے	یہ مرثیہ کتبخانہ ریاض التجارت لکھنؤ چوک میں فروخت ہوتا تھا

میر وحیدؔ کا غیر مطبوعہ کلام:

میرے ذخیرۂ مخطوطات میں میر وحیدؔ کا غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔ ان کا ایک مطبوعہ مرثیہ ہے:

کعبے میں جب ولادتِ مشکلکشا ہوئی

یہ مرثیہ دو جگہ مطبوعہ صورت میں ملتا ہے:

۱۔ ۱۸۹ بند ریحانِ غم جلد دوم، دبدبۂ احمدی لکھنؤ

۲۔ ۱۹۰ بند ریحانِ غم نظامی پریس لکھنؤ

اس مرثیہ کا ایک قلمی نسخہ میرے ذخیرے میں ہے جس پر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ کی تاریخ پڑی ہے۔ اس میں ۱۸ بند غیر مطبوعہ ہیں۔ اس سلسلے میں نظامی پریس کے نسخے کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

مطبوعہ بند ۱۷۴ کے بعد یہ تین بند غیر مطبوعہ ہیں:

کیوں مومنو یہ پیٹنے رونے کا ہے مقام　　آبِ جہاں تو مہر میں زہراؑ کے ہو تمام
فرزند اس کا ذبح ہو دو دن کا تشنہ کام　　مرتے ہوئے بھی پایا نہ پانی کا ایک جام
شمشیرِ غم سے کیوں نہ دلِ مصطفیٰؐ کٹے
خنجر سے جب حسینؑ کا پیاسا گلا کٹے

رتبہ تو مرتضیٰؑ کا سبھوں پر ہوا عیاں　　کرتا ہوں اب مصائبِ شیرِ خدا بیاں
دنیا سے جبکہ اٹھ گئے پیغمبرِ زماں　　محتاجِ قوت ہو گئے مولائے مومناں
یاں تک کہ زندگانی کا نقشہ بدل گیا
زہراؑ جہاں سے اٹھ گئیں سب گھر اجڑ گیا

اعدا نے اس پہ بھی نہ کیا خوفِ قہرِ رب　　گزری مہِ صیام کی انیسویں جو شب
بہرِ نمازِ صبح گئے سرورِ عرب　　مارا امامِ خلق کو سجدے میں بے غضب
محراب خونِ کعبۂ ایماں سے بھر گئی
شمشیرِ زہر دار جبیں تک اتر گئی

مطبوعہ بند ۱۸۳ قلمی نسخے میں نہیں ہے اس کی جگہ مندرجہ ذیل ۱۳ بند غیر مطبوعہ ہیں:

سن کر یہ غل ہوا دلِ زینبؑ کو اضطراب　　چلائی بھائیوں کو وہ با دیدۂ پُر آب
کیسا یہ غل ہے جاؤ تو مسجد تلک شتاب　　صاف آتی ہے صدا کہ ہوئے قتل بوتراب
یہ بے سبب نہیں ہے اداسی جہان کی
للہ جلد لاؤ خبر بابا جان کی

ناگاہ در پہ آکے کسی نے یہ دی صدا　　اے اہلبیتِ حضرتِ محبوبِ کبریا
بیٹھے ہو کیا اٹھو کہ قیامت ہوئی بپا　　تلوار شیرِ حق پہ چلی وامصیبتا
مارا شقی نے بادشہِ مشرقین کو
مسجد میں بھیجو جلد حسنؑ اور حسینؑ کو

دوڑیں کہ ان کا والدِ ماجد ہوا شہید　　ماتم کریں امامِ مساجد ہوا شہید
راہِ خدا میں صابر و شاکر ہوا شہید　　سجدے میں حق کے عابد و زاہد ہوا شہید
بالائے خاکِ عرشِ بریں آج گر پڑا
بیت الحرم کا رُکنِ رکیں آج گر پڑا

سنتے ہی یہ سروں کو لگے پیٹنے حرم　　گھر سے علیؑ کے لاڈلے دوڑے بچشمِ نم
منہ پیٹ کر یہ کہتے تھے دونوں کہ ہے ستم　　اماں تو مر چکیں تھیں ہوئے بے پدر بھی ہم
بابا کے بعد گھر کی نبیؐ کے صفائی ہے
چھوٹے سے سن میں لوٹے گئے ہم دُہائی ہے

دونوں ہوئے جو داخلِ مسجد بخوف و بیم　　محراب میں تھا خلق سے اک مجمعِ عظیم
پہنچے ہٹا کے بھیڑ پدر تک وہ جب یتیم　　دیکھا کہ تیغ سے ہے سرِ مرتضیٰؑ دونیم
کھائیں پچھاڑیں رونے لگے ڈھاریں مار کے
پٹکے زمیں پہ سر کے عمامے اتار کے

پھر باپ کے قدم سے لپٹ کر وہ نوحہ گر　　چلّائے ہم نہ مر گئے یا شاہِ بحر و بر
ہے ہے یہ منہ کن آنکھوں سے دیکھیں لہو سے تر　　کس شخص نے کیا ہمیں بچپن میں بے پدر
حیرت میں ہیں کہ باپ پہ کیوں یہ جفا ہوئی
تقصیر ایسی قبلہ و کعبہ سے کیا ہوئی

حضرت تو رحم کرتے تھے دشمن پہ بھی مدام　　آخر کو کون تھا وہ کہ جس نے کیا یہ کام
بیٹوں سے آنکھیں کھول کے کہنے لگے امام　　اے لاڈلو نہ روؤ یہ ہے صبر کا مقام
پائی غم و الم سے رہائی ہزار شکر
تلوار ہم نے سجدے میں کھائی ہزار شکر

بولے حسنؑ سے پھر یہ شہنشاہِ نیک خو　　تجھ کو بھی میرے بعد ستائیں گے کینہ جو
پیارے شہید ہووے گا ظلم و ستم سے تو　　کاٹیں گے تیغِ ظلم سے شبیرؑ کا گلو
بعدِ فنا بھی چین سے یکدم نہ سوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت پہ روئیں گے

یہ کہتے کہتے غش ہوئے پھر شاہِ مشرقین　　زخمی پدر کو لے گئے گھر میں حسنؑ حسینؑ
سر ننگے دونوں بیٹیاں دوڑیں بہ شور و شین　　حضرت کو غش میں دیکھ کے کرنے لگیں بین

ہے ہے لہو میں حیدرِ صفدر نہائے ہیں
مسجد سے بیٹے باپ کے لاشے کو لائے ہیں

مارا گیا امامِ زماں وامصیبتا   آئی ریاضِ دیں پہ خزاں وامصیبتا
زخمی پڑا ہے شیرِ ژیاں وامصیبتا   رخ پر جبیں سے خوں ہے رواں وامصیبتا
پڑھنے بھی دی نماز نہ طاعت گزار کو
ہے ہے شقی نے قتل کیا روزہ دار کو

جراح کو بلا کے دکھایا جو زخمِ سر   بولا وہ دونوں ہاتھوں سے سر اپنا پیٹ کر
سینے تلک تو پھیل گیا زہر کا اثر   دشوار ہے کہ اب کوئی مرہم ہو کارگر
ابرو کا بے لہو کے تھمے زخم بھر چکا
اب کیا علاج زہر تو کام اپنا کر چکا

اے عاشقانِ حیدرِ صفدر بکا کرو   مولا کا اپنے حقِ محبت ادا کرو
رونے میں سب شراکتِ خیر الورا کرو   جی بھر کے آج ماتمِ شیرِ خدا کرو
رخصت ہے روزہ دار سے ماہِ صیام کی
یہ آخری ہے مجلسِ ماتم امام کی

بستم تلک تو گھر میں رہے شاہِ کائنات   نکلی نہ غیرِ شکرِ خدا منہ سے کوئی بات
آ پہنچی اس مہینے کی اکیسویں جو رات   تیغِ اجل نے قطع کیا رشتۂ حیات
پھیلا کے پاؤں اور کلمہ پڑھ زبان سے
پچھلے پہر کو آپ سدھارے جہان سے

مطبوعہ بند ۱۸۸ کے بعد یہ دو بند غیر مطبوعہ ہیں:

ہاں مومنو وداع کرو کرکے آہ آہ   جاتا ہے اب جہاں سے شہنشاہِ دیں پناہ
حالت تمام اہلِ حرم کی ہے اب تباہ   اٹھتا ہے اب جنازۂ شاہنشہِ الٰہ
کرلو وداع بادشہِ مشرقین کو
پرسا تو دے لو آج حسنؑ اور حسینؑ کو

رو رو کے اب کہو شہِ دلگیر الوداع   ہادی امام مومنوں کے پیر الوداع
اے شاہِ خلق و والدِ شبیرؑ الوداع   ہم بیکسوں کے آہ خبر گیر الوداع
جب تک جئیں گے آپ کے ہر غم میں روئیں گے
یہ غم رہے گا آپ کا پر ہم نہ ہوئیں گے

میر وحید کا ایک اور مرثیہ ریحانِ غم (نظامی پریس) میں شامل ہے:

یارب مجھے گلچینِ گلستانِ سخن کر　　درحال امام حسینؑ　　۱۲۵ بند

اس کا قلمی نسخہ بخط میر سلامت علی (شاگردِ انیس) میرے ذخیرے میں موجود ہے جو ۱۳ رشوال ۱۲۹۰ھ کا مکتوبہ ہے۔ مطبوعہ اور قلمی میں ترتیب کا فرق ہے اور متعدد بند غیر مطبوعہ ہیں۔ قلمی میں ۱۱۴ بند ہیں بعض مطبوعہ بند قلمی نسخے میں نہیں ہیں جو بعد میں بڑھائے گئے ہوں گے۔

مطبوعہ بند ۲۹ کے بعد یہ بند غیر مطبوعہ ہے:

عیسیٰ سے علاجِ دلِ پُر غم نہیں ممکن　　اس درد میں آرام کوئی دم نہیں ممکن
اس داغ کی سوزش ہو کبھی کم نہیں ممکن　　آفاق میں اس زخم کا مرہم نہیں ممکن
خونِ جگر آنکھوں سے ٹھہرتے نہیں دیکھا
ناسور یہ وہ ہے جسے بھرتے نہیں دیکھا

مطبوعہ بند ۵۱ کے بعد دو بند غیر مطبوعہ ہیں جو سراپے کے بند ہیں جن کی شمولیت سے سراپا مکمل ہو جاتا ہے:

شمشادِ خیابانِ امامت ہے یہ قامت　　جھکتے ہیں ملک جس سے وہ قامت ہے یہ قامت
قائم ہو جو رن میں تو قیامت ہے یہ قامت　　کعبے کا ستوں وقتِ اقامت ہے یہ قامت
خم اس میں نہیں اور کسی بارِ گراں سے
محراب ہے کو وہ غمِ فرزندِ جواں سے

دشوار ہے رن سے قدمِ پاک کا ہٹنا　　کیونکر نہ ہو در پیش صفوں کا ہے اُلٹنا
بڑھنے کو تو دریا ہیں پہ ممکن نہیں گھٹنا　　جب تک نہ مہم سر ہو یہ کیا جانیں پلٹنا
اب تک کبھی میداں سے پھرے ہیں نہ پھریں گے
زخمی ہوں تو دو چار قدم بڑھ کے گریں گے

مطبوعہ بند ۳۷ کے بعد تلوار کی تعریف میں یہ دو بند غیر مطبوعہ ہیں:

ضو اس کی صدا دیکھ کے کیوں برق نہ شرمائے　　جنگل کو جلا دے دمِ پیکار جو گرمائے
آنچ اس کی وہ ہے سخت کہ فولاد کو برمائے　　وہ نوک غضب کی کہ جگر کوہ کا برمائے
چلّاتے ہیں ناری کہ برش اس میں بڑی ہے
مانا تھا زرہ نے بھی کہ ہاں منہ کی کڑی ہے

شمشیر دو دستی نے ہر اک عضو کو توڑا　　زخمی جو گرا سر کو کچلنے لگا گھوڑا
گھوڑا جو ہٹا موت نے گردن کو مروڑا　　مالک نے لیا جب ملک الموت نے چھوڑا

اٹھ اٹھ کے ستر سے اسے تکنے لگے شعلے
.... کی لَو پا کے لپکنے لگے شعلے

مطبوعہ بند ۹۹ کے بعد یہ بند غیر مطبوعہ ہے:

یہ سن کے تڑپنے لگی شمشیرِ یداللہ چاہا کہ بڑھوں چھپ کے سوئے لشکرِ اعدا
قبضے کو جو پکڑے رہے محکم شہِ ذی جاہ کچھ چل نہ سکا زور ہوا صدمۂ جانکاہ
غم تھا کہ بڑھے آتے ہیں دَل فوجِ عدو کے
منہ پھیر کے رونے لگے اشکوں سے لہو کے

وحیدؔ کا ایک مرثیہ:

مشہور شش جہت ہیں شرف کس جناب کے

یہ ۱۲۶ بند کا شائع ہوا ہے آغا حسن طوبیٰؔ (شاگرد انیسؔ و نفیسؔ) کے نسخے میں اس کے ۱۴۴ بند ہیں۔ اسی طرح وحیدؔ کا مشہور زمانہ مرثیہ ہے:

اے قلم دامنِ کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر

۱۸۰ بند کا مطبوعہ ہے لیکن طوبیٰؔ کی جلد میں اس کے ۲۰۰ بند ہیں۔

ہوئے اسیر نبیؐ کے حرم جو زنداں میں

۱۷۶ بند کا مطبوعہ ہے طوبیٰؔ کے نسخے میں ۱۸۰ بند ہیں۔

(ذخیرۂ ادیب، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ)

میر وحیدؔ کے غیر مطبوعہ سلام:

ریحانِ غم کی جلدوں میں وحیدؔ کے دس سلام ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض میر انیسؔ اور میر مونسؔ کے نام سے بھی شائع ہوئے ہیں اور مشہور بھی ان ہی کے نام سے ہیں۔ یہ سلام وحیدؔ کے نام سے کیوں اور کیسے چھپ گئے اس کا فیصلہ مشکل ہے یہاں ایسے سلاموں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ وحیدؔ کے چند سلام "سلامہائے وحیدؔ" کے نام سے مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے شائع ہوئے تھے۔

وحیدؔ کے مطبوعہ سلاموں کی فہرست یہ ہے:

مطلع	تعداد اشعار	حوالہ
۱۔ آہِ سوزاں لب تک آئی اشکِ ناب آنے کو ہے	۲۵	ریحانِ غم جلد اول
۲۔ تمنا زری رکھتے ہیں نہ حُب جاہ رکھتے ہیں	۱۵	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۳۔ دھیانِ قرآنِ رخِ شہ کا جو آیا دل میں	۱۲	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۴۔ سب عزیز و آشنا نا آشنا ہو جائیں گے	۲۴	ریحانِ غم (نظامی پریس)

۵۔ سحر کو اٹھ کے زباں سے یہ کام لیتے ہیں	۱۵	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۶۔ سلامی خلق ہوئے بوتراب کعبے میں	۲۹	ریحانِ غم جلد اول
۷۔ غمِ شاہِ دیں کے بیاں رہ گئے	۲۴	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۸۔ فقیر طالبِ احسانِ اغنیا بھی نہیں	۱۰	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۹۔ لے کے تب قاصدِ صغریٰ خطِ صغریٰ پہنچا	۲۴	ریحانِ غم (نظامی پریس)
۱۰ ہوا جو عشقِ ثنائے ابوتراب مجھے	۱۴	ریحانِ غم (نظامی پریس)

ان سلاموں کے علاوہ میر وحیدؔ کے تین غیر مطبوعہ سلام میرے پاس ایک قلمی بیاض سے دستیاب ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

سلام

(غیر مطبوعہ)

قلب کے جلتے ہی جا پہنچا دھواں بالائے سر — آتشِ پنہاں ہوئی آخر عیاں بالائے سر

روزِ عاشورہ رہے اس دھوپ میں تنہا حسینؑ — آفتاب آیا جو بہرِ امتحاں بالائے سر

وقتِ پیری ہے گئی باغِ جوانی کی بہار — دیکھ آ پہنچے ہیں ایامِ خزاں بالائے سر

کربلا میں آکے حضرت قافلے سے چھٹ گئے — خاک اڑا تا رہ گیا سب کارواں بالائے سر

تیغ سے کٹتا تھا جب پیاسا گلا شبیرؑ کا — باپ پہلو میں کھڑا تھا اور ماں بالائے سر

حُر کے مرجانے سے حضرت دل پکڑ کر جھک گئے — گر پڑا کوہِ فراقِ میہماں بالائے سر

گلشنِ عالم میں سو کر پھر نہ چونکے اے وحیدؔ
بلبلیں کرتی رہیں شور و فغاں بالائے سر

سلام

(غیر مطبوعہ)

ستم یہ مجرئی شبیرؑ نیک خو کے لیے — کہ تیز سیکڑوں خنجر ہیں اک گلو کے لیے

گہر کی طرح وہ دانا ہے بحرِ عالم میں — جگر پہ زخم اٹھائے جو آبرو کے لیے

لڑے جو لاکھ سے گرمی میں لالِ زینبؑ کے — عطش سے قلب ہے بیتاب آبجو کے لیے

مگر کیا تھا خدا نے جوان کو دور اندیش
نہ قربِ نہر گئے پاسِ آبرو کے لیے
نماز فوجِ خدا نے پڑھی تیمم سے
مجاہدوں کو نہ پانی ملا وضو کے لیے
سمندِ خاصِ نبیؐ پر چڑھے جو ابنِ حسنؑ
فرشتے آگے بڑھے شور ترتو کے لیے
پئے شمیم جہاں سوز غم ہے سرور کا
جہاں میں جلتا ہے عنبر اگر تو، بُو کے لیے
خدا کے دوست کا پیارا عجب رحیم تھا واہ
دعائے بد کبھی جس نے نہ کی عدو کے لیے
حسینؑ کہتے تھے حُر جری سوئے کوثر
چلا ہے دفترِ عصیاں کی شست وشو کے لیے
ثنا کرے کمر شاہ کی وہ دنیا میں
عدم میں جائے جو مضموں کی جستجو کے لیے
جواب دیں گے نکیرین کو بھی مرقد میں
وحیدؔ حق نے زباں دی ہے گفتگو کے لیے

سلام

(غیر مطبوعہ)

اے سلامی گرچہ کم گوئی دہن کے ساتھ ہے
پر فصاحت باادب اپنے سخن کے ساتھ ہے
قبر میں ہم کو نہیں کچھ خوفِ شمشیرِ عذاب
جوشنِ حبِ علیؑ بر میں کفن کے ساتھ ہے
خاک سے پرہیز کیوں ہے کر عناصر پر نظر
احتیاط اُس سے جو ترکیب بدن کے ساتھ ہے
سب مجاہد چھوڑ کر مولا کو پہنچے خلد میں
لشکرِ غربت امامِ بے وطن کے ساتھ ہے
چین انساں نے نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی
تا قیامت ظلمِ نو چرخِ کہن کے ساتھ ہے
کیجیے دنیا میں کس کی دوستی پر اعتماد
روح بھی ہمدم یہاں کچھ دن بدن کے ساتھ ہے
ننگے سر ہے اونٹ پر زینبؑ سناں پر فرقِ شاہ
ساتھ بھائی کے بہن، بھائی بہن کے ساتھ ہے
کہتے تھے شبیرؑ کیا جرار ہیں زینبؑ کے لال
رات دن تیغ وسپر ہر گلبدن کے ساتھ ہے ق
ہم شیروں کے، شورے جنگ کے، تیور کڑے
بات جو بچوں کی ہے وہ بانکپن کے ساتھ ہے
رن میں تنہا ہیں بظاہر پر زہے جاہ وحشم
قدسیوں کی فوج سلطانِ زمن کے ساتھ ہے
ہے غضب کرتے ہیں ظالم لاش کو بھی پائمال
کیا عداوت شاہِ بے گور وکفن کے ساتھ ہے
اے وحیدؔ اک دم نہ ہو موقوف مدحِ اہلبیتؑ
خانۂ دنیا میں جب تک روح تن کے ساتھ ہے

میر وحیدؔ کے نوحے:

"بیاض نوحہ جات شعرائے لکھنؤ" مطبوعہ ۱۹۲۲ء مطبع یوسفی دہلی میں میر وحیدؔ کے مندرجہ ذیل پانچ نوحے شامل ہیں:

۱۔ رو کے یہی کرتی تھی بیاں زینبؑ دلگیر اے عونؑ و محمدؑ .... ۱۱ شعر

۲۔ مہمان کے لاشے پہ کہا شہ نے یہ رو کر اے حرؔ دلاور .... ۱۲ شعر

۳۔ لاش آئی جو خیمے میں تو کبریٰ نے سنایا ہے ہے بنے قاسمؑ .... ۱۳ شعر

۴۔ شہ نے کہا سر پیٹ کے اور رو کے دہائی شیدا مرے بھائی .... ۱۲ شعر

۵۔ رو کر یہی کرتی بیاں بانوئے مضطر ہے ہے علی اکبرؑ .... ۱۰ شعر

وحیدؔ کے نوحے اس عہد کے نمائندہ نوحے ہیں اور یہی انداز اس زمانے میں پسندِ خلائق تھا جس میں بین ہوتے تھے اور رشتوں کے نفسیاتی رخ پیش کیے جاتے تھے۔ یہاں نمونے کے طور پر وحیدؔ کا ایک نوحہ درج کیا جا رہا ہے۔

نوحہ

رو کر یہی کرتی تھی بیاں بانوئے مضطر ہے ہے علی اکبرؑ
تم مر گئے ویران ہوا ہائے مرا گھر ہے ہے علی اکبرؑ

ارمان بہت دل میں تھے مجھ کو کھ جلی کے پر ایک نہ نکلا
صد حیف کہ دولہا نہ بنایا تجھے دلبر ہے ہے علیؑ اکبر

تقدیر میں لکھا تھا کہ اٹھارویں ہی سال ہو تم سے جدائی
برگشتہ مرا ہو گیا کیا آج مقدر ہے ہے علی اکبرؑ

اب شام کو جاتی ہوں میں اے گیسوؤں والے کچھ بس نہیں میرا
اللہ کو سونپا تجھے ہمشکلِ پیمبر ہے ہے علی اکبرؑ

کس طرح سے اے لال تری قبر بناؤں تابوت اٹھاؤں
منہ ڈھانپنے کو بھی نہیں چادر مرے سر پر ہے ہے علی اکبرؑ

بے غسل و کفن خاک پہ یوں لاش پڑی ہے اس جلتی زمیں پر
افسوس کہ سایہ بھی نہیں لاش کے اوپر ہے ہے علی اکبرؑ

اے گیسوؤں والے مرے اے نازوں کے پالے اے راج دلارے
اس دائی کو بھی پاس بلا لے مرے دلبر ہے ہے علی اکبرؑ

افسوس جوانی پہ تری رحم نہ آیا اس بانیٔ شر کو
جس نے تجھے اے لال کیا خون میں یوں تر ہے ہے علی اکبرؑ

کیا کہہ کے تجھے روئے یہ ماں درد کی ماری اے یوسفِ ثانی
بیٹا کہوں جانی کہوں یا ثانیِ حیدرؑ ہے ہے علی اکبرؑ

خاموش وحیدؔ آگے نہ لکھ بانو کی زاری پھٹتا ہے کلیجہ
کہتی رہی تا زیست یہی بانوئے مضطر ہے ہے علی اکبرؑ

میر وحیدؔ کی مرثیہ نگاری:

میر وحیدؔ اپنے خاندان کا فخر تھے۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیت سے اردو مرثیے میں اپنا نام پیدا کیا اور خوب پیدا کیا۔ اگر فنی لحاظ سے مرثیوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنے والد سے آگے تھے۔ شبیرؑ کی مداحی میں ان کی پانچویں پشت تھی خود کہتے ہیں:

صد شکر کہ یاں ایک ہوا ایک سے افضل　　کامل جو اٹھا خلق سے پیدا ہوا اکمل
جوہر نظر آتے گئے کھلتا گیا کس بل　　شمشیرِ فصاحت پہ ہے یہ پانچویں صیقل
یہ تیغ وہ ہے سان پہ جو چڑھتی گئی ہے
ہر بار جلا اور برش بڑھتی گئی ہے

حافظ حفیظ الدین احمد لکھتے ہیں:

"میر انیسؔ صاحب کے صاحبزادے میر محمد ہادی صاحب وحیدؔ بھی اپنے خاندان میں وحید العصر نکلے۔ ان کا کلام پایۂ معراج تک پہنچا اور وہ اپنے خاندان میں خوب چمکے"۔

(میر انیسؔ صاحب مرحوم لکھنوی)

سید جواد شکیل لکھتے ہیں:

"میر وحیدؔ خاندانی مرثیہ گو تھے ان کا کلام زیادہ تر مرثیہ گوئی تھا لیکن طبیعت کی رنگینی خاندانی حصار کی منزلوں کو طے کر کے اپنے جذبات اور خداداد زورِ قلم دکھائے بغیر نہ رہی"۔

(''ادب'' لکھنؤ، اکتوبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۵۲)

اکثر باکمالوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ کسی عظیم شخصیت کے وجود کے سبب ان کی مرثیہ نگاری کے ساتھ انصاف نہ کیا جا سکا۔ ان کے ذاتی اور پاکیزہ کلام پر اساتذہ کے کلام کے دھوکے کیے گئے۔ میر وحیدؔ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے مضامین اور اسلوب اتنا گہرا انیسی رنگ لیے ہوئے تھے کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ انیسؔ کا کلام پڑھتے ہیں۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:

"میر ہادی وحید نہایت منکسر، اُفتادہ مزاج، ذکی اور گویا ضرور تھے۔ علی الخصوص تین چار مرثیے، ایک تو معراج والا اور دوسرا:

پائے کیا حضرتِ زینبؑ نے بھی نایاب پسر

نہایت سلیقے سے کہا ہے جس پر میر انیسؔ سے دلی کدورت رکھنے والوں نے یہ مشہور کر دیا کہ میر نفیسؔ کیسے خود میر انیسؔ سے بہتر ہیں۔ اس تعریف سے ناواقفیتِ فن اور بے جا تعصب وحسد ٹپکتا ہے۔ کلام کی پختگی کے جانچنے والوں کا یہ بیان ہے کہ کلام اور قواعدِ علمیہ کی ترازو کے پلے میں برابر اُترے۔ اگر اُس کی نشستِ الفاظ اور الفاظ بدل دیئے جائیں جس کو مذاقِ سلیم تسلیم کر لے تو وہ کلام پختہ نہیں ہے۔ خدا جانے جانچنے والوں نے یوں ہی جانچا یا میر انیسؔ کی مخالفت اس قسم کے الفاظ زبان سے کہلواتی ہے۔

میر وحیدؔ تین سال تو میر مونسؔ کی زندگی میں آئے اور تین برس بعد کو۔ چند مخالفوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ میر وحیدؔ اپنا کلام نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کا کلام پڑھتے ہیں۔ اس کا جواب میر وحیدؔ نے خوب دیا کہ زہے میرا کلام کہ لوگ اُس کو میرے بزرگوں کا کلام سمجھیں۔ میر وحیدؔ بعد میر مونسؔ و میر نفیسؔ کے اگر دس برس بھی زندہ رہ جاتے تب دیکھا جاتا کہ کتنی ترقی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ضرور ترقی کرتے"۔

(پیمبرانِ سخن، صفحہ ۲۷۹)

ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں:

"وحیدؔ نے بیشتر صنفِ مرثیہ گوئی ہی میں طبع آزمائی کی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ بہت سیر کہنے والوں میں تھے۔ ان کے تخیل کی وسعت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ اپنے مراثی میں جہاں زورِ طبع دکھانے پر آئے ہیں۔ وہاں مصطلحات کا زور اور کلام کی جزالت خاقانیؔ کی یاد دلاتے ہیں جنہیں اُن کا جوشِ بیان نکھار دیتا ہے۔ پھر بھی کچھ مصنوعی بند اُن کے یہاں ضرور ملتے ہیں جو رعایاتِ لفظی و معنوی کے تصنع کا نتیجہ ہیں"۔

(مرثیہ بعد انیسؔ صفحہ ۹۳)

سید امداد امام لکھتے ہیں:

"اگر شعرائے لکھنؤ رزمی شاعری میں ایسا کمال پیدا نہیں کرتے تو مجرد غزل سرائی اور مثنوی نگاری کی بنیاد پر ان کو شعرائے دہلی پر کسی طرح کی ترجیح نہ ہوتی۔ اس صنف شاعری کو فروغ دینے والے میر مونسؔ صاحب بھی تھے۔ پھر میر وحیدؔ صاحب نے

تو میر انیسؔ کے زمانے کو زندہ ہی کرنا شروع کیا تھا"۔

(بہارستانِ سخن جلد دوم صفحہ ۸۴)

پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

"انھیں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ انیسی رنگ کو اور زیادہ فروغ دیتے"۔

(شاہکار وحیدؔ صفحہ ۱۰)

حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

"کلام میں جیسی چاہیے پختگی نہ تھی پھر بھی بہت کامیاب ہے۔ عمر نے وفا نہ کی ورنہ نفیسؔ کے بعد انہی کا درجہ تھا"۔

(مختصر تاریخ مرثیہ گوئی صفحہ ۱۳۹)

تعلی:

وحیدؔ نے مختلف مرثیوں میں تعلیاں کیں جیسا کہ شعرا کا طریقہ رہا ہے۔ چند بند دیکھیے:

نخل بندِ چمنِ مدحتِ حیدر ہوں میں لب نہ کھولے کبھی جس نے وہ سخنور ہوں میں
ناز کیوں کر نہ کروں عاشقِ سرور ہوں میں عندلیبِ گلِ گلزارِ پیمبرؐ ہوں میں
ہو گئی لال زباں فیضِ سخن سے گویا
پھول جھڑتے ہیں سرِ بزم دہن سے گویا

ایک مرثیہ کے چہرے میں اس طرح تعلی کرتے ہیں:

ہے ناظمِ قلمروِ مضموں قلم مرا شاہوں سے ہے وقار میں افزوں قلم مرا
کرتا ہے دشمنوں کے جگر خوں قلم مرا دکھلا رہا ہے فرِ فریدوں قلم مرا
ہر جا سے گر دماغِ سپہر بریں پہ ہے
قبضہ اسی کا نظم کی ساری زمیں پہ ہے

قطرے کو غیرتِ دُرِ نایاب کر دکھائے یوں دے سُہا کو نور کہ مہتاب کر دکھائے
فوجِ عدو کو مجمعِ احباب کر دکھائے آتش کدے کو گلشنِ شاداب کر دکھائے
بھر دے ہزار طرح کے رنگ ایک پھول میں
عاجز ہے گر تو مدحتِ آلِ رسولؐ میں

نعتِ رسولؐ:

رسولِ خداؐ کی مدح میں وحیدؔ کے تین مرثیے ملتے ہیں جس میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کی مدد سے فضائلِ رسولِ اعظم ہوئے ہیں۔ یہ مرثیے عہدِ رسول کے مشہور واقعات اور معجزات کا احاطہ کرتے ہیں جن کو انتہائی دلچسپ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ اندازِ بیان میں خطابت کی جولانیاں پائی جاتی ہیں جو طلاقتِ کلام کی بہترین مثالیں ہیں۔ اس طرح کے چند بند دیکھیے:

کس کا طالب ہے خدا اور وہ طلبگارِ خدا — کون ہے خازنِ گنجینۂ اسرارِ خدا
کون آفاق میں ہے مطلعِ انوارِ خدا — کس کا رخ صاف ہے آئینۂ دیدارِ خدا
جس نے دیکھا اسے حاصل ہوئی دولت گویا
کی خداوندِ دو عالم کی زیارت گویا

کون آفاق میں سردار ہے سرداروں کا — کون مختار ہے فردوس کے گلزاروں کا
کون غمخوار ہے دوزخ کے سزاواروں کا — کون وہ ہے جو وسیلہ ہے گنہگاروں کا
کس کی بیٹی ہے جو کونین کی مخدومہ ہے
کس کی وہ امتِ عاصی ہے جو مرحومہ ہے

تھے سلیمانؑ کے مسخر جو پریزاد و طیور — ان کی طاعت سے نہ سرتاب ملائک تھے نہ حور
فخر موسیٰؑ کو بڑا یہ ہے کہ پہنچے سرِ طور — عرش پر آپ گئے متصلِ پردۂ نور
مائدہ حضرت عیسیٰؑ نے اگر پایا ہے
سورۂ مائدہ احمدؐ کے لیے آیا ہے

امام حسینؑ کا سراپا:

بالائے سر جو سرخ ہے عمامۂ جناب — ثابت ہے صاف یہ کہ شفق میں ہے آفتاب
چیں بر جبیں جو غیظ میں ہے ابنِ بوتراب — افراسیاب آنکھ ملائے یہ کیا ہے تاب
دم میں وغا جو مدِ نظر ہے سیاہ سے
زہرہ ہر اک کا آب ہے برقِ نگاہ سے

آئینۂ جبیں سے جلالت نمود ہے — حُسنِ رسولؐ و نورِ سیادت نمود ہے
سجدے کا ہے نشاں کہ سعادت نمود ہے — مثلِ علیؑ کمالِ عبادت نمود ہے
طاعت سوا جو کی ہے امامِ حجاز نے
کردی ہے مہر بہر گواہی نماز نے

والشمس گر ہے چہرۂ پُر نورِ شاہِ دیں　　عارض ورق ہیں خط ہے عبارت ہوا یقیں
عینِ رکوع چشم ہے مد ابروئے حسیں　　تفسیر جانبین ہے یا زلفِ عنبریں
سجدے کا اس جبیں پہ جو ظاہر نشان ہے
والشمس کی ملی ہوئی لفظوں میں شان ہے

حرؑ کی گفتگو:

حضرت حرؑ پر ایک سے ایک مرثیے لکھے گئے ہیں اور ہر شاعر نے اپنا اپنا فن دکھایا ہے۔ اس حال میں وحید کا ایک ہی مرثیہ ملتا ہے اور وہ بھی طرزِ ادا اور مضامین کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ حرؑ ابنِ سعد سے محوِ گفتگو ہیں اس بارے میں مکالمے میں کیا کیا خوب جدتیں کیں ہیں۔ حرؑ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میرے دل میں حسینؑ اور یزید ایک جگہ نہیں ہو سکتے میں یا تو یزید کا ہوں گا یا حسینؑ کا۔۔ اور یزید کا ہو نہیں سکتا اس لیے کہ:

ایماں میں اور کفر میں مشکل ہے اتصال　　اعجاز و سحر ایک ہوں بے جا ہے یہ خیال
پستی پہ آئے اوج سے خورشید کیا مجال　　باہم ہوں آسمان و زمیں ہے بہت محال
ظلمت سے قرب ہوگا نہ ماہِ تمام کو
دیکھا ہے کس نے ایک جگہ صبح و شام کو

خوشبو چمن کی گلشنِ تصویر میں نہیں　　راحت محل کی خانۂ زنجیر میں نہیں
قرآں کا لطف جہل کی تقریر میں نہیں　　بلبل کا لحن نالۂ شبگیر میں نہیں
تنویرِ صبح کب ہے گریباں کے چاک میں
اکسیر کا اثر نہیں ہر ایک خاک میں

ڈرے سے غرض ہے خانۂ احساں سے اجتناب　　ہے ارتباطِ جسم سے اور جاں سے اجتناب
طرزِ وفا وزیر سے سلطاں سے اجتناب　　آصف کا اشتاق سلیماں سے اجتناب
قطرے کی چاہ دُرِ ثمیں سے غرض نہیں
خاتم سے مدعا ہے نگیں سے غرض نہیں

پیرو جو اہلبیت کا ہے اُس سے تو ہے صاف　　اور اہلبیتِ خاصِ محمدؐ سے برخلاف
قدر محل ہے اور نہیں توقیرِ کوہِ قاف　　مسجد کا احترام ہے کعبے سے انحراف
مجھ سے وداد بغضِ امامِ حجاز سے
رغبت اذاں سے اور تنفر نماز سے

عونؑ و محمدؑ کی مدح:

اس حال میں وحید کا مرثیہ شہرۂ آفاق ہے اس سے قبل بھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس میں کُل ۲۳۳ بند ہیں۔ شاید ہی کوئی پہلو ہو جو وحیدؔ نے اس مرثیے میں چھوڑا ہو۔ چہرے میں فضائل پھر بچپن پھر کربلا میں آنا، ماں کی باتیں، اجداد کا ذکر، جنگیں، شہزادوں کی علم پر گفتگو، ماں کی نصیحتیں، پیار، رخصت، آمد، رجز، تلوار، گھوڑا، لاجواب جنگ وغیرہ سبھی کچھ تمام ترفنی اصولوں کے ساتھ موجود ہے۔

اس مرثیہ کے متعلق پروفیسر احتشام حسین اپنی رائے یوں دیتے ہیں:

''مرثیہ کی ابتدا میں عونؑ و محمدؑ کے سراپا کا ذکر کرنے کے بعد ان کی ذاتی اور اخلاقی صفات کا ذکر ان کی نسبی خصوصیات کا تذکرہ ایسے خوبصورت پیرائے میں کیا کہ شروع ہی سے اس کا ایک ایک بند اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تفصیلات تو وہی ہیں جو مختلف مراثی میں پائی جاتی ہیں لیکن وحیدؔ نے کہیں کہیں ایسے گوشے نکالے ہیں جن سے ان کی جدت ذہن کا اندازہ ہوتا ہے''۔

(شاہکار وحید صفحہ ۱۱)

اس مرثیہ کے چہرے کے بند ملاحظہ ہوں:

پائے کیا حضرتِ زینبؑ نے بھی نایاب پسر ۔۔۔ گلشنِ مرتضویؑ کے گلِ شاداب پسر
مہروش غیرتِ مہتابِ جہاں تاب پسر ۔۔۔ ذی شرف عرش حشم واجب الآداب پسر
طفل ایسے کہ جواں پاسِ ادب کرتے تھے
جن کی تعظیم بزرگانِ عرب کرتے تھے

عابد و زاہد و ابرار و فلک قدر جلیل ۔۔۔ عاقبت بیں وخوش آئین وخوش اطوار جمیل
مرتبے میں کوئی ثانی ہے نہ جرأت میں عدیل ۔۔۔ شان وشوکت ہے بزرگوں کی مگر سن ہیں قلیل
چاند ہر چند ہیں رخ پر ابھی بے ہالہ ہیں
نوجواں بھی نہیں دس سالہ و نو سالہ ہیں

اقدس واطہر و ذی مرتبت وحق آگاہ ۔۔۔ اشجع و اصدق و والاہم و عالی جاہ
نیچے کاندھوں پہ تن تن کے جو رکھ لیں یہ ماہ ۔۔۔ غیر بے ساختہ چلائیں کہ ماشاء اللہ
قد بڑھیں اور تو یکتائے جہاں ہوں دونو
سایہ میں اپنے بزرگوں کے جواں ہوں دونو

ایک ہی ابرِ کرم دونو ہیں اک قلزم جود ۔۔۔ عاشق سبط نبی شیفتۂ رب ودود
عونِ ذیجاہ میں ہے حضرتِ حمزہؑ کی نمود ۔۔۔ دیکھتا ہے جو محمدؑ کو وہ پڑھتا ہے درود

یاد آجاتی ہے خالق کے ولی کی صورت
ایک جعفرؓ کی شبیہ ایک علیؑ کی صورت

آفتابِ فلکِ عزّ و شرف ہیں تو یہ ہیں   خلق میں فخرِ نجیبانِ سلف ہیں تو یہ ہیں
دخترِ شیرِ الٰہی کے خلف ہیں تو یہ ہیں   پاک طینت ہوں نہ کیوں دُرِّ نجف ہیں تو یہ ہیں
آبرو بڑھ گئی ڈھنگ ایسے قرینے ایسے
خاک چھانیں تو نہ ہاتھ آئیں نگینے ایسے

جن سے گھر مطلعِ انوار ہے وہ نور العین   حرزِ جانِ پدر و جوشنِ بازوئے حسینؑ
صفدر و لختِ دلِ فاتحِ صفین و حنین   عاقل و صاحبِ توقیر و نجیب الطرفین
جو ہیں رشتے میں نبیؐ کے یہ گہر ایسے ہیں
نام دھبے کا نہیں جن میں قمر ایسے ہیں

منفعل ابر بھی ہو فیض رسانی ایسی   آب ہو سنگ بھی اعجاز بیانی ایسی
دل میں کٹ جائیں عدو سیف زبانی ایسی   دنگ ہوں عالم و دانا ہمہ دانی ایسی
ذی شرف کرتی ہے ناچیز کو صحبت ان کی
قربِ حق پانے کے لائق ہے لیاقت ان کی

ہیں سعید ازلی ہے یہ خدا کی تائید   بچپنے میں وہ تہور ہے کہ دیدہ نہ شنید
زہد و علم و عمل و فضل میں شہ کی تقلید   اور فنِ جنگ میں عباسؑ کے شاگردِ رشید
ماں نے سکھلائے جو ہیں حق کے ولی کے انداز
چشم و ابرو میں بعینہ ہیں علیؑ کے انداز

جانِ شبیرؑ کی ہیں فاطمہؑ کے پیارے ہیں   طور دادا کے تو نانا کے چلن سارے ہیں
بدر غیرت سے گھٹا جاتا ہے وہ تارے ہیں   جنگ میں قطب ہیں گردش ہو تو سیارے ہیں
رشکِ خورشید ہیں گو کم سن و سال ان کا ہے
آئے مریخ کو لرزہ وہ جلال ان کا ہے

صاف اور تیز زباں تیغِ ہلالی کی طرح   پائے ثابت قدمی قطبِ شمالی کی طرح
حلم و الطاف و کرم سرورِ عالی کی طرح   اور بگڑنا عملِ اسمِ جلالی کی طرح
کیوں شمارانِ کے غضب کا بھی نہ آیات میں ہو
جب رجز خواں ہوں تو سیفی کا اثر بات میں ہو

رخصت کے وقت حضرت زینبؑ اپنے بیٹوں سے جنت کا ذکر کرتی ہیں اور اس منزل پر وحید

نے یہ مصرع دیا ہے۔

تا کجا صدقے گئی رنجِ فراواں دیکھو
نام جس کا ہے بہشت اب وہ گلستاں دیکھو

'نام جس کا ہے بہشت' کہہ کر بچپنے کی کیا خوب ادا دکھائی ہے جیسے ماں بچوں کو کہانی کی طرح بتا رہی ہو۔ اس کے بعد دو مطلع رکھے ہیں:

؎ ساقیا ساغرِ گل رنگ مئے ناب پلا
؎ اے خیابانِ فصاحت گلِ رنگیں دکھلا

اس کے بعد جنت کی منظرنگاری شروع ہوتی ہے:

روح پہلے ہی سے فرحت کا نشاں پاتی ہے
راہِ صد سالہ سے خوشبوئے بہشت آتی ہے

وہ سماں گلشنِ فردوس کا وہ تیاری بار پاتے ہیں وہی جن پہ ہے فضلِ باری
قلمِ قدرتِ معبود کی وہ گلکاری نیچے گنجان درختوں کے وہ نہریں جاری
چشمِ مشتاق کو حاصل ہو فراغت جن سے
تجری من تحتہا الانہار عبارت جن سے

معتدل آب و ہوا فصل ہمیشہ یکساں نہ حوادث کا تردّد نہ کبھی خوفِ خزاں
فکر سے امن بشر کو تو مصیبت سے اماں غنچے ہر دم متبسم تو گلِ تر خنداں
خارِ حسرت نہیں صدمہ نہیں آزار نہیں
اُس گلستاں میں جو نرگس ہے وہ بیمار نہیں

ایک جانب وہ چھلکتا ہوا حوضِ کوثر مثلِ ماہی ہو جسے دیکھ کے بیتاب نظر
سیم و زر کے وہ مرصع بجواہر ساغر دیں گے دیں داروں کو بھر بھر کے جنابِ حیدرؑ
سرد ہو جائے جگر پی کے جو محرور مزاج
آب گوہر کی، مہک عطر کی، کافور مزاج

ان بندوں کے بارے میں پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

''چونکہ یہ باتیں حضرت زینبؑ کی زبان سے ہیں اس لیے ان میں کوئی ایسی بات نہیں بیان کی گئی ہے جو اسلامی کتابوں میں نہ پائی جاتی ہو یعنی یہ محض خیال آرائی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ان عقائد کا اظہار بھی ہے جو جنت کے سلسلہ میں ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ مرثیہ کے نقطۂ نگاہ سے اس بیان کی خوبی یہ ہے کہ وحیدؔ نے اس میں بھی

مرثیت کے غم انگیز پہلو پیدا کر دیئے ہیں۔ جب رسول اللہ کے قصر کا ذکر آتا ہے تو جناب زینبؑ اپنے نانا تک یہ پیغام پہونچا دینا چاہتی ہیں کہ ان کی امت نے ان کے اہلبیت کے لیے کیا کیا ہے"۔

(شاہکار وحید صفحہ ۱۱)

مدحِ حضرت عباسؑ:

عونؑ و محمدؑ کے بعد وحید کا پسندیدہ ترین موضوع یہی ہے۔ اس حال میں وحید کے ۴ مرثیے دستیاب ہیں۔ سب سے زیادہ عمدہ اور شاہکار مرثیہ وہ ہے جو اب تک تحت اللفظ مجالس کی زینت ہے جس میں وحید کی تمام تر شعری توانائیاں مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں اس مطلع یہ ہے:

اے قلم دامنِ کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر

آغاز ہی سے ہیبت و جلالت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر محض فوجِ مخالف پر ہی نہیں بلکہ قلم اور خود صاحب قلم بھی اسی بدحواسی میں مبتلا ہے:

حرکات اپنے مقاموں پہ ہیں سب زیر و زبر ۔۔۔ پیش جو تھے وہ نہیں آتے ہیں اب پیش نظر
نہیں ثابت کہ تشدد میں ہے تشدید کدھر ۔۔۔ جزم کا عزم ہے بالجزم کہ اب یاں نہ ٹھہر
ساتھ رہنے سے جو معذور ہوئی جاتی ہے
صحت الفاظ سے خود دور ہوئی جاتی ہے

لیکن اس ہیبت اور بے سروسامانی میں نجات کا ذریعہ بھی وہ خود تلاش کرتے ہیں:

جو ہے خالق کا ولی اُس کی ولا جوشن ہے

سرغنہ فوج کے اشجاروں کی آڑوں میں چھپے ۔۔۔ سہمے یوں خوف سے افعی کہ دراڑوں میں چھپے
تھے جو صحرا کے پرندے وہ پہاڑوں میں چھپے ۔۔۔ ساکنِ بحر بھی دب دب کے کراڑوں میں چھپے
یہ تلاطم ہو تو ذی روح کا کیا دل ٹھہرے
دخل کیا تھا جو پرندہ لبِ ساحل ٹھہرے

اس مرثیے میں سپاہِ مخالف کے مکالمے اور آپس کی باتیں بھی قابلِ غور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وحید نے مرثیہ کو اس کی کامیاب ترین حد تک پہنچا دیا ہے۔ مارد بن صدیف وہ پہلوان ہے جو حضرت عباسؑ کے مقابلے پر آیا تھا۔ اس نے میدان میں آکر رجز پڑھا اس کے جواب میں وحید نے جو بند لکھا اس کی ہیبت قابلِ دید ہے:

رعب مانے ہوئے ہیں ساکنِ افلاک اب تک ۔۔۔ ڈر سے ہل جاتا ہے اکثر طبق خاک اب تک
خوف سے کانپتے ہیں دشمنِ ناپاک اب تک ۔۔۔ اٹھ گئے آپ مگر خلق میں ہے دھاک اب تک

پہلواں اپنے مقاموں پہ اکڑ لیتے ہیں
جب سنا نامِ علیؑ کان پکڑ لیتے ہیں

اس کے بعد جنگ لکھی ہے کیا خوب لکھی ہے، ہیبت آمیز الفاظ کا چناؤ ہے، رزمیہ اصطلاحات کا بیان ہے، ہتھیاروں کے نام ہیں، مارد بھالے سے وار کرتا ہے، حضرت اسے بھی چھین لیتے ہیں اس موقع کی یہ بیت اب بھی صاحبانِ ذوق کو یاد ہے:

بزدلی دیکھو اور اُس کا قدِ بالا دیکھو
چھن گیا ماردِ نامرد کا بھالا دیکھو

تلوار کی تعریف:

اس قہر کا دم تیغ کہاں سے کوئی لائے — پی جائے لہو سارے زمانے کا جو پائے
کس کی بھی وہ چھی کہ جو سیاف کسائے — نوکیں ابھی قبضے سے ملیں اور نہ بل آئے
تیزی نہیں رکھتی کہ روانی نہیں رکھتی
بس حدِ ثنا یہ ہے کہ ثانی نہیں رکھتی

یہ تیغ ہے مردم کے لیے باعثِ آشوب — ہر ہاتھ میں کیں صاف صفیں صورتِ جاروب
طناز و خوش انداز مگر فوج کی سرکوب — جلوے میں چمک برق کی گو ابر میں سرڈوب
نازک ہے پچھ ایسی نہ بہت گول ہے تلوار
خوش قطع ہے بے مثل ہے انمول ہے تلوار

مصائب:

وحید مصائب بالکل انیسؔ کے انداز میں لکھتے ہیں۔ غم انگیز پہلو اس قدر فطری اور دل خراش ہوتے ہیں کہ براہِ راست قلب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عونؑ و محمدؑ کی لاشوں پر حضرت زینبؑ کی فریاد:

کیسی غفلت تمہیں اس وقت ہے مادر ہوشار — میری آواز بھی سن کر نہیں ہوتے بیدار
نیند میں یوں کبھی دیکھا نہ تھا تم کو سرشار — دل میں دسواس مرے آتا ہے اب ہوشیار
جب ہو تشویش تو کیونکر دلِ پُرغم ٹھہرے
اک ذرا کروٹیں بدلو کہ مرا دم ٹھہرے

زندہ ماں پاس نہ لائیں تمہیں پھر تقدیریں — کرتے جاؤ مرے جینے کی بھی کچھ تدبیریں
پھول سے جسم کہاں اور کہاں شمشیریں — ہے غضب مٹ گئیں یوں چاند سی دو تصویریں
کھو کے دو لال بصد رنج و محن بیٹھ رہے
جھاڑ کر ہاتھ یہ آوارہ وطن بیٹھ رہے

میں نہ سمجھی تھی کہ غربت میں مرو گے بچو　　کھا کے شمشیر و سناں خوں میں بھرو گے بچو
اس سفر میں مجھے برباد کرو گے بچو　　کون پوچھے گا اکیلے جو ڈرو گے بچو
غازیوں تم کو اجل لے گئی تھی مقتل میں
گھر میں اماں رہی اور خاک پہ تم جنگل میں

جلد اول
ریحان غم

''ریحانِ غم'' کا سرورق

در حال کارزار و شہادت جناب امام حسین علیہ السلام۔ مصنفہ
افصح الفصحا و ابلغ البلغا جناب سید ہادی صاحب المتخلص بہ وحید
اعلی اللہ مقامہ فی دار الکرامہ

مرثیہ

جب لشکر امام اُمم کوچ کر چکا

۱۲۲
بند

جس حق اشتراک سید ریاض الحسن موسوی تاجر کتب چوک لکھنؤ

مطلع آخری بیر بند ۱۱۶
مکمل ۷ بند

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مطبع بہار اودھ آتکی محلہ لکھنؤ میں چھپا

مطبوعہ مرثیے کا سرورق

مرثیہ

جب لشکرِ امام امم کوچ کر چکا
آل نبی کا جاہ و حشم کوچ کر چکا
حامل نشان کا دیکھ کے عالم کوچ کر چکا
بیٹا جوان بھی سوئے عدم کوچ کر چکا
تنہا رسول پاک کا دلدار رہ گیا
بے قافلے کے قافلہ سالار رہ گیا

۲

غلطیدہ خاک و خوں میں تھے ارشاد شاہ دیں
آنکھوں میں اشک، داغ کلیجے میں، لب پہ آہ
شہزادے پاس تھے نہ علمدار نے سپاہ
ہو کا مقام ہو گئی تھی رن کی بارگاہ
پرساں حال آل علی کے سوا نہ تھا
اپنا کوئی قریب اجل کے سوا نہ تھا

۳

خنجر تھے اشقیا کے تو تیغیں خوں فشاں سبھی
جاری الم سے اشک تھے شبیر کے سبھی
لاشے زمیں پہ صورت گلہائے تر پڑے تھے
تھا اون میں نوجوان کوئی سامنے بچھڑ گئے تھے
زخمی تھے یوں کہ عضو بدن تک کٹے تھے
قبریں کہاں نصیب کفن تک لٹے تھے

۴

وہ چاند جو قدر رکھتے تھے مہ و آفتاب پر
سورج تھا جن کا اوج و شرف تیغ و شباب پر
قربان حسن تھا جنہیں تھا جن کے شباب پر
لوٹے زمیں پہ نہر غضب انقلاب پر
پامال وہ رسول کے پیارے زمیں پہ تھے
تاروں کی طرح عرش کے تارے زمیں پہ تھے

مطبوعہ مرثیے کا صفحہ

میر وحید لکھنوی

مرثیہ

در حال امام حسینؑ

۱۲۲ بند

جب لشکرِ امامِ امم کوچ کر چکا   آلِ نبیؐ کا جاہ و حشم کوچ کر چکا
حامل نشاں کا دے کے الم کوچ کر چکا   بیٹا جواں بھی سوئے عدم کوچ کر چکا
تنہا رسولِؐ پاک کا دلدار رہ گیا
بے قافلے کے قافلہ سالار رہ گیا

غمگیں کھڑے تھے در کے قریں شاہِ عرش جاہ   آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں لب پہ آہ
شہزادے پاس تھے نہ علمدار نے سپاہ   ہُو کا مقام ہوگئی تھی لُٹ کے بارگاہ
پُرسانِ حالِ اہلِ دغل کے سوا نہ تھا
اپنا کوئی قریب اجل کے سوا نہ تھا

خنجر تھے اُن کے ہاتھوں میں خوں جو سر کے تھے   جاری الم سے اشک شہِ بحر و بر کے تھے
لاشے زمیں پہ دھوپ میں خویش و پسر کے تھے   تھالوں میں خوں کے سامنے ٹکڑے جگر کے تھے
زخمی تھے یوں کہ عضو بدن تک ملے نہ تھے
قبریں کہاں نصیب کفن تک ملے نہ تھے

وہ چاند فوق رکھتے تھے جو آفتاب پر   روشن تھا جن کا اوج و شرف شیخ و شاب پر
خود حسن جان دیتا تھا جن کے شباب پر   الٹی زمیں نہ ہے غضب اس انقلاب پر
پامال وہ رسولؐ کے پیارے زمیں پہ تھے
ذروں کی طرح عرش کے تارے زمیں پہ تھے

وہ لوگ تھے جو حاکمِ اقلیم عقل و داد　　پیارے خدا کے صفدر و ذیشان و خوش نہاد
کڑیل جواں جمال میں یوسفؑ سے بھی زیاد　　بزمِ جہاں سے اُٹھ گئے ناشاد و نامراد
مطلق نہ ان کا غم سپہِ پُر دغل کو تھا
جن کی جوانیوں کا تأسف اجل کو تھا

میدانِ کارزار میں جب دوپہر ڈھلی　　کیا گلشنِ جہاں میں مخالف ہوا چلی
تھا خاک پر قلم چمنِ مرتضیٰ علیؑ　　پژمردہ دل کہیں کہیں بکسی ہوئی کلی
باغی تھے خوش دلوں کو نہ کچھ انقباض تھا
اُس باغباں سے پوچھیے جس کا ریاض تھا

شہ کہتے تھے اُجاڑ ہے دنیا نظر میں آج　　ناسور پڑ گئے ہیں بہتر جگر میں آج
میں لٹ گیا وطن سے نکل کر سفر میں آج　　خالی اجل نے کر دیا گھر دوپہر میں آج
بخشی تھی جو خدا نے بضاعت وہ کھو گئی
برسوں میں جمع کی تھی جو دولت وہ کھو گئی

کر رحم اے اجل مرے اِس حالِ زار پر　　چھریاں سی چل رہی ہیں دلِ داغ دار پر
کیا کیا ستم ہوئے نہ ہر اک گل عذار پر　　لوٹا خزاں نے باغ جب آیا بہار پر
کیونکر قضا کے سامنے زورِ بشر چلے
پودے پھپھک رہے تھے کہ اُن پر تبر چلے

ہے ہے وہ اُن کے حُسن وہ رنگیں بیانیاں　　تحقیق وہ علوم کی وہ نکتہ دانیاں
وہ شوکتیں وہ فضل نمو وہ جوانیاں　　مٹ مٹ گئیں بزرگوں کی کیا کیا نشانیاں
بھائی نشانِ حیدرؑ کرار مرگیا
بیٹا شبیہِ احمدؐ مختار مرگیا

سب مجھ کو دوست رکھتے تھے جانوں سے بھی سوا　　احوال تھا دلوں کا زبانوں سے بھی سوا
تھے صفدری میں پیر جوانوں سے بھی سوا　　بیگانے وہ مجھے تھے یگانوں سے بھی سوا
شوقِ جناں میں فاتحِ ابوابِ خیر تھے
اپنوں سے پہلے مر گئے جو لوگ غیر تھے

یہاں تھیں زباں پہ درد کی باتیں یہ دمبدم   اور پیٹتے تھے خیمۂ عصمت میں سب حرم
در سے پکارتی تھیں یہ زینبؑ اسیرِ غم   وہاں کیا ہے گھر میں آیئے یا سرورِ اُمم
خواہر کے حالِ زار سے غفلت نہ کیجئے
بھیا ابھی سے قطعِ محبت نہ کیجئے

نہوڑائے سر محل میں امامِ انام آئے   نزدیک اہلبیتِ محمدؐ تمام آئے
روئے حسینؑ اور یہ زباں پر کلام آئے   لو بیبیوں شبیہِ محمدؐ بھی کام آئے
بابا کو اب ملیں گے نہ دنیائے زشت میں
رخصت کرو تو ڈھونڈنے جائیں بہشت میں

سر پیٹ کر یہ کہنے لگیں زینبؑ حزیں   کیسی یہ آفت آ گئی اے بادشاہِ دیں
پیاروں سے میرے بھر گئی مقتل کی سرزمیں   بسمل ہوں اور جان نکلتی نہیں کہیں
بے اس کے حکم مر نہیں سکتی میں کیا کروں
اس غم میں صبر کر نہیں سکتی میں کیا کروں

فرمایا آپ نے کہ بجز صبر زور کیا   ہم بھی جدا ہوں تم سے یہ ہے مرضیِ خدا
کی عرض بے قرار ہوں میں غم کی جتلا   لاؤں کہاں سے ایسا جگر یا شہِ ہدا
یہ جبر وہ نہیں ہے کہ ہر اک کا کام ہو
صدقے گئی نبی ہو کوئی یا امام ہو

بھیا جگہ ہے غور کی انصاف کا مقام   داغ اتنے شہ کے سنتی ہوں ماتم کا یہ پیام
ہے آرزو کہ آپ سے پہلے ہوں میں تمام   چرچا یہ جا بجا ہو کہ ہے عشق اس کا نام
کیا جانے دل پہ کون سی ایذا گذر گئی
مرنے چلا تھا بھائی کہ ہمشیر مر گئی

فرمایا حال دل کا تمہارے ہے سب عیاں   چاہے گا جو خدا وہی ہونا ہے بے گماں
دنیا مقامِ رنج ہے اور جائے امتحاں   اس غم کدے میں آ کے گیا کون شادماں
جب تک رہے جہان میں حامل بلا کے تھے
روتے گئے ہیں یہاں سے جو پیارے خدا کے تھے

خالی اجل نے کر دیئے ہیں گھر ہزارہا　بیکس ہوئے ہیں صاحب لشکر ہزارہا
مثلِ گدا مرے ہیں تونگر ہزارہا　بہنوں سے چھٹ گئے ہیں برادر ہزارہا
بندے بہت سفر سے سلامت نہ گھر گئے
موت آگئی جہاں اسی جنگل میں مر گئے

قاروں کی طرح سیکڑوں شاہانِ ذی حشم　مجبور اس جہاں سے گئے ہیں بدرد وغم
ہنگامِ مرگ یاس سے تکتے تھے دمبدم　ہمراہ تھا نہ ملک نہ دولت نہ وہ خدم
گنجینے زیرِ خاک دبا کر چلے گئے
خالی سبھوں کو ہاتھ دکھا کر چلے گئے

پیرِ فلک دکھاتا ہے نیرنگ سیکڑوں　دب دب گئے زمین میں سرہنگ سیکڑوں
اس موت نے اُلٹ دیئے اورنگ سیکڑوں　سلطاں دلوں میں لے گئے آہنگ سیکڑوں
زاغ و زغن کے گھر ہوئے عالی رواق میں
خاک اُٹھ کے بیٹھ جاتی ہے کسرا کے طاق میں

وہ سلطنت جنابِ سلیماں کی اور وہ خیر　کرتے تھے سب جہاں کی جو دوشِ ہوا پہ سیر
انسان و مرغ و مور و پریزاد وحش وطیر　ہلتے نہ تھے جگہ سے کبھی حکم کے بغیر
شورِ مروّت و کرم و عدل و داد تھا
لشکر وہ تھا جو مور و ملخ سے زیاد تھا

قصرِ رفیع پر تھے سلیمانِ ذی وقار　تکیہ کیے عصا پہ کھڑے تھے بافتخار
ہر سُو تھی سیرِ مملکت و جاہ و اقتدار　نازل ہوئے وہیں ملک الموت ایک بار
تنہائی میں قریب جو وہ یک بیک گئے
حیرت ہوئی جنابِ سلیمانؑ جھک گئے

پوچھا کہ تم ہو کون جو بے اذن آئے یہاں　بولے کہ حکم دے چکا خلاقِ انس و جاں
گلزارِ عمر آپ کا اس دم ہوا خزاں　آیا ہوں قبضِ روح کو یا سرورِ زماں
چلیے کہ سلطنت کا زمانہ گذر چکا
مدت تمام ہوگئی پیمانہ بھر چکا

کہنے لگے رسول کہ جو مرضیِ خدا　　مجھ کو خیال کچھ تھا یہاں اور کچھ ہوا
بندے کو حکمِ خالقِ اکبر میں دخل کیا　　مامور جس پہ تم ہو اسے لاؤ اب بجا
آخر فراقِ روح کے صدمے گذر گئے
جس شان سے کھڑے تھے اسی طرح مر گئے

سمجھو بہن یہ موت ہے کیا چیز امرِ رب　　ہوگا کسی کے وقتِ معیّن میں فرق کب
ذی روح پنجۂ ملک الموت میں ہیں سب　　پھر اک نفس محال ہے آجائے حکم جب
دم مارے تاب کیا یہ کسی نیک نام کی
پائی نہیں کلیم نے مہلت کلام کی

منصف ہو انبیا نہ رہے جب تو میں ہوں کیا　　دنیا میں مجتبیٰ نہ رہے جب تو میں ہوں کیا
سلطانِ لافتیٰ نہ رہے جب تو میں ہوں کیا　　محبوبِ کبریا نہ رہے جب تو میں ہوں کیا
وہ نفس کون سا ہے کہ جس کو فنا نہیں
جز ذاتِ کردگار کسی کو بقا نہیں

مرضی خدا کی جو ہو بشر اُس میں کیا کرے　　قسمت میں جس کی جو ہو مصیبت اُسے بھرے
موت آئے گی ہر ایک کی راضی ہو یا ڈرے　　سچ ہے جہاں کی خاک ہو انساں وہیں مرے
تقدیر دشت و کوہ کے دامن میں لائی ہے
کھینچے ہوئے اجل ہمیں اس بن میں لائی ہے

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ انس و جاں　　فرمایا دم میں ہم ہیں کہاں اور تم کہاں
ڈر ہے کہ بڑھ نہ آئے کہیں لشکرِ گراں　　لو تم سبھوں کا خالقِ اکبر نگاہباں
بھولے سے بھی نہ شکوۂ بیداد کیجیو
جو کُل کا دادرس ہے اُسے یاد کیجیو

آمادہ مرگ پر جو شہِ جز و کُل ہوا　　روشن چراغ خانۂ اُمید گُل ہوا
ابتر تمام دفترِ ختم رسلؐ ہوا　　ماتم محل میں پڑ گیا رونے کا غل ہوا
لشکر الم کا خیمۂ شاہی میں آ گیا
سادات کا جہاز تباہی میں آ گیا

دل قدسیوں کے ہلتے تھے پُردرد تھے وہ بین　　اک حشر تھا کہ مٹتی ہے دنیا کی زیب و زین
تھا قبر میں جو فاطمہؑ زہرا کو بھی نہ چین　　آواز صاف آتی تھی ہے ہے میرے حسینؑ
مجبور سب طرف سے ہوئے موت ٹھن گئی
اے لال سونے دشت میں کیا تجھ پہ بن گئی

اُمت پہ ایک دم ترا یوں ہوگیا ہے بار　　مظلوم و فاقہ کش تری غربت کے ماں نثار
زہراؑ کو جس پہ خطِ گریباں تھا ناگوار　　دو دن کی تشنگی میں وہ حلق اور چھری کی دھار
اعداد سے جانِ کشتۂ اندوہ و غم بچے
پیارے کدھر میں تجھ کو چھپاؤں کہ دم بچے

مرنے کا عزم دل میں جو ٹھنتے ہوئے چلے　　پیاروں کے اشتیاق میں تنتے ہوئے چلے
میت کی شکل خیمہ سے بنتے ہوئے چلے　　زیرِ قبا کفن بھی پہنتے ہوئے چلے
مطلب یہ تھا کہ لُٹ کے نہ جب پیرہن رہے
شاید بدن میں اک یہی کہنہ کفن رہے

تھی بس کہ شاق فرقتِ مولائے نیک ذات　　آگے بڑھے تو راہ میں حائل ہوئی قنات
شقوں نے سر ہلائے تو ثابت ہوئی یہ بات　　یعنی نہ رن کو جایئے یا شاہِ خوش صفات
اس پر بھی بڑھ کے پائے مبارک جو پھر پڑا
پردا امامِ پاک کے قدموں پہ گر پڑا

آخر طلوع نیرِ دینِ مبیں ہوا　　اونچا فلک سے پایۂ اوجِ زمیں ہوا
زیں پر سوار دوشِ محمدؐ مکیں ہوا　　نازاں وقار پر فرسِ نازنیں ہوا
دعویٰ یہ تھا کہ تیز روی میں بھی طاق ہوں
میں مرکبِ قدیم سوارِ براق ہوں

ذیشاں بھی بردبار بھی ہوں اور شکیل بھی　　قانع بھی باوفا بھی جری بھی اصیل بھی
کرتے تھے پیار مجھ کو رسولِ جلیل بھی　　اکثر مری جلو میں چلے جبرئیل بھی
جاؤں گا اس جہان سے حرمت لیے ہوئے
ہوں پشت پر خدا کی امامت لیے ہوئے

میں وہ فرس ہوں جس پہ رسولِ خدا چڑھے — اب مجھ پہ چڑھ کے رن پہ شہِ کربلا چڑھے
تیزی کسی کی میری نگاہوں پہ کیا چڑھے — بس کہہ دیا نہ منہ مرے بادِ صبا چڑھے
سبزی پہ جو گزرتا ہے وہ حال ہو نہ جائے
ہٹ جائے راہ سے کہیں پامال نہ ہو جائے

رہوار ہوں کہ نہ گرمِ عناں میرے سامنے — دریائے نیل ہو نہ رواں میرے سامنے
بھولیں غزال چوکڑیاں میرے سامنے — کوندے تو برق شعلہ فشاں میرے سامنے
مجھ میں جو سرعتیں ہیں کوئی آزمائے تو
ہے کس طرف براقِ فلک سیر آئے تو

مولا فرس پہ تھے کہ نبیؐ تختِ نور پر — گردوں پہ آفتاب تھا قرآں زبور پر
روشن تھی شمعِ قبرِ نبیؐ دستِ حور پر — کہتی تھی رُخ کی ضو کہ تجلی ہے طور پر
لکہ سحابِ رحمتِ حق کا ہوا پہ تھا
خالق کا شیر منبرِ عرشِ علا پہ تھا

آئی صدا جو آہ و بکا کی خیام سے — ڈھل آئے اشک چشمِ شہِ تشنہ کام سے
رہوار نے قدم نہ بڑھایا مقام سے — گویا ہوا تھی رہی حکمِ امام سے
اک دم کے بعد ہاتھ بڑھایا جو باگ پر
ثابت ہوا کہ رکھ دیا پارے کو آب پر

بجلی سا کوندتا ہوا ڈر کر فرس چلا — جنگل نے دی صدا کہ وہ صرصر نفس چلا
جھونکا ہوا کا بھی نہ کوئی پیش و پس چلا — طائر اڑے تھے ساتھ مگر کچھ نہ بس چلا
پہنچا سمند رن میں شکوہِ حشم کے ساتھ
وہ تھک کے پیچھے رہ گئے گردِ قدم کے ساتھ

وہ رعب و داب و منزلت و شوکت و نہیب — وہ گُل سا جسم اور وہ قبائے علیؑ کی زیب
چہرہ وہ آفتاب سا وہ شانِ دلفریب — وہ حُسن جس کے عشق میں حوریں ہوں بے شکیب
رنگیں عمامہ فرقِ امامِ سعید پر
گلدستۂ جناں ہے کلامِ مجید پر

وہ آب وتاب چہرے کی اور کندنی وہ رنگ   جس کی دمک کو دیکھ کے ہے آفتاب دنگ
دیتے ہیں جان شعلۂ آتش پہ گر پتنگ   پروانے اس کے ہم ہوں یہ حوروں کی ہے اُمنگ
غرفوں میں منہ ہیں حال جو ہے انتظار کا
یہ وجہ ہے کہ نور ہے پروردگار کا

افروختہ ہے روئے تجلّی نما جدا   بینی کی شکل شمعِ فروزاں ضیا جدا
مثلِ سحر بیاضِ گلو کی صفا جدا   مشکل ہے سب کی مدح جو لکھوں جدا جدا
تابندہ ہے جبیں جو رُخِ لاجواب پر
دسویں کا چاند دیکھتے ہیں آفتاب پر

وہ زلفِ مشک فام وہ آئینۂ عذار   گویا کہ گردِ مُلکِ حلب آ بسا تتار
رخ پر ہوا سے آتے ہیں یہ موئے پیچ دار   ملتی ہے صبحِ عید و شبِ قدر بار بار
دیکھو نشان سجدۂ ربِ مجید کا
رکھا ہے آئینہ پہ نگینہ حدید کا

پیدا ہے رعب چشمِ مروت نہاد سے   غافل جو ایک پل نہیں خالق کی یاد سے
اب چشم واشت کچھ نہیں اہلِ عناد سے   مطلب یہی عیاں ہے بیاض و سواد سے
دنیائے بے ثبات سے پھیرو نگاہ کو
دیکھا بہت جہاں کے سپید و سیاہ کو

دی شمر نے صدا کہ شہِ مشرقین آئے   لڑنے کو مثلِ فاتحِ و بدر و حنین آئے
سر ہو یہ معرکہ بھی تو کیا دل کو چین آئے   ہشیار مورچوں سے جوانو حسینؑ آئے
برساؤ تیر فاطمہؑ زہرا کے لال پر
سب مل کے مستعد ہو جدال و قتال پر

بڑھنے لگا یہ کہہ کے جو وہ تیرہ رنگ بھی   دھڑکے بھی دل وغا کی ہوئی کچھ اُمنگ بھی
بولے نقیب فوج بجا طبلِ جنگ بھی   بھاگے دہل کے بن سے اسد بھی پلنگ بھی
ڈورے سروحیوں کے پئے امتحاں کھلے
جنگل سیاہ ہو گیا کالے نشاں کھلے

جوڑے خطا شعاروں نے چلّے میں تیر جب   دو چار گام یہاں سے بڑھے شاہِ تشنہ لب
فرمایا آؤ ہوش میں کرتے ہو کیا غضب   کس پر پئے جفا و ستم مستعد ہو سب
ہر حال میں خدا سے طلبگار عون ہوں
تم جس کا کلمہ پڑھتے ہو میں اس کا کون ہوں

جد ہیں مرے محمدؐ ذی جاہ یا نہیں   بابا بھی میرے ہیں اسداللہ یا نہیں
اُمت کا ہوں معین و ہوا خواہ یا نہیں   بے جرم ہوں میں یہ بھی ہو آگاہ یا نہیں
ثابت ہو گر گناہ نہ مجھ دل ملول کا
دے دو اماں، سمجھ کے نواسا رسولؐ کا

باز آؤ اس خیال سے مانو مرا کہا   کیوں خون میں امام کے ہوتے ہو مبتلا
گر رحم کھا کے دامِ بلا سے کرو رہا   تا عمر گوشہ گیر ہوں میں کشتۂ جفا
دنیا سے دل اٹھا کے مہیا ہوں صبر پر
دن زندگی کے کاٹ دوں نانا کی قبر پر

حجت تمام کرتا ہوں اے قومِ نابکار   ہے ورنہ ایک دم مجھے اب زیست ناگوار
عاجز ہوں تم سے میں یہ سمجھنا نہ زینہار   اس بیکسی میں بھی مجھے سب کچھ ہے اختیار
مضطر ہیں جن وغا کی اجازت کے واسطے
موجود ہیں ملک مری نصرت کے واسطے

سب پر کھلا ہے خلق میں خیبر کشا کا زور   جن سے چلا نہ جن و بشر، نہ ہوا کا زور
حق نے دیا مجھے بھی شہِ لافتا کا زور   اس دستِ مرتعش میں ہے دستِ خدا کا زور
آمادہ ہوں چڑھا کے جو چاک آستین کا
تم جس پہ ہو اُلٹ دوں یہ طبقہ زمین کا

تلوار میری قاتلِ عنتر ہے ظالمو   برہم گنِ جماعت خیبر ہے ظالمو
سرکوبِ سرکشانِ قوی تر ہے ظالمو   سب اک طرف عطیۂ داور ہے ظالمو
ہمدم ہے تیغ فاتحِ بدر و حنین ہے
جوہر شناس اس کا علیؑ ہے، حسینؑ ہے

ہوں دیو اس کہ زد پہ تو ٹکڑے یہیں اُڑیں   ہر سمت پارۂ سپرِ آہنیں اُڑیں
اس کا عجب ہے کیا جو سرِ اہلِ کیں اُڑیں   نزدیک ہوں تو پھر پرِ روح الامیں اُڑیں
پیشِ نظر ہے معرکہ جو یادگار ہے
دستِ قوی وہی ہے، وہی ذوالفقار ہے

کرتے رہے امام نصیحت بہت مگر   ان کافروں کے دل پہ نہ مطلق ہوا اثر
تکنے لگے فلک کی طرف شاہِ بحر و بر   آئی صدائے غیب کہ بس اب نہ دیر کر
جنگِ علیؑ سے کم نہیں تیری جدال بھی
اے صابروں کی فخر دکھا دے جلال بھی

ہے سرکشی پہ لشکرِ بے پیر یا حسینؑ   چلتے ہیں دم میں تیری طرف تیر یا حسینؑ
دکھلا دے ماں کے دودھ کی تاثیر یا حسینؑ   ہاں کھینچ لے نیام سے شمشیر یا حسینؑ
یوں کیا دبیں گے دشمنِ دیں حرب چاہیے
فولاد ان کے دل ہیں کڑی ضرب چاہیے

یہ سنتے ہی بدل گئی چتوں جناب کی   زیں پر تنے عیاں ہوئی شوکت شباب کی
ہیبت سے آنکھ مل نہ سکی آفتاب کی   تصویر سب کے سامنے تھی بوتراب کی
نکلی تڑپ کے تیغِ عدالت پسند بھی
جھوما کنوتیوں کو بدل کر سمند بھی

باہر ہوئی نیام سے یوں تیغِ جاں گزا   جس طرح دل سے دردرسیدہ کی بددعا
غرفے سے باہر آ گیا معشوقِ کج ادا   ظاہر ہوا جو تھا دلِ نصرت کا مدعا
چھوٹا مکانِ تنگ یکایک مکین سے
نکلا غضب میں دستِ اجل آستین سے

نعرہ کیا کہ قوتِ مظلوم دیکھ لو   اے اہلِ شام جو نہیں معلوم دیکھ لو
ہاں الاماں کی چار طرف دھوم دیکھ لو   گمراہ ہو تو ضربتِ معصوم دیکھ لو
ہر چند حاملِ ستم و ظلم و جور ہوں
حکمِ جہاد آ چکا بس اب میں اور ہوں

آگے بڑھے امامِ دو عالم ہلے جبال　　کانپی سمک کھڑے ہوئے گاؤ زمیں کے بال
گھبرائے جن کہ دیکھیے ہوتا ہے کیا مآل　　بولے ملک بچائیو دنیا کو ذوالجلال
آثارِ انقلاب نظر آ کے رہ گئے
ساتوں طبق زمین کے تھرا کے رہ گئے

دبکے تھے سب درندگریزاں تھے وحش وطیر　　خورشید کانپتا تھا کہ ممکن نہیں ہے خیر
کاہش سے اپنی جا پہ قمر کا تھا حال غیر　　بیتاب تھے بروج میں سیار کیسی سیر
رہ رہ کے قطب خون میں جنباں تھے اس طرح
قندیلیں دو ہوا میں لٹکتی ہیں جس طرح

یکساں جو خشک و تر میں تلاطم ہوا عیاں　　پہنچیں اُچھل کے ریگ میں دریا کی مچھلیاں
گلشن سے جنگلوں ہوئیں بلبلیں رواں　　ہر سنگ سے نکل کے شرر ہو گئے نہاں
بھاگی ہوا حباب کے شیشوں کو توڑ کے
خوشبو گریز کر گئی پھولوں کو چھوڑ کے

چلنے لگی جو تیغ جناب امیرؑ کی　　بھاگی دہل کے حیز سپاہ شریر کی
صورت دکھائی قہرِ خدائے قدیر کی　　دو چار وار میں صفِ اوّل اخیر کی
غل پڑ گیا کہ رنگ یہ جب ابتدا میں ہو
آثار بد ہیں دیکھیے کیا انتہا میں ہو

رن میں وغا پہ تھے شہِ صفدر تُلے ہوئے　　ہر سو تھے بھاگنے پہ ستم گر تُلے ہوئے
تھے ضربتِ امام کے جوہر تُلے ہوئے　　دو ٹکڑے تھے ہر اک کے برابر تُلے ہوئے
حیرت میں بار برا عدو کی سپاہ تھی
میزانِ عدل تیغ عدالت پناہ تھی

دیتی تھی تیغ زخم اِدھر گھاؤ اُس طرف　　تھالے اِدھر تھے خون کے چھڑکاؤ اُس طرف
اس سمت میں قتلِ عام تھا ستھراؤ اُس طرف　　دستہ جدھر تھا ایک رہا پاؤ اُس طرف
ششدر تھے سب مگر نہ مجالِ گریز تھی
تھے قتل تین حصے غضب کی ستیز تھی

ٹکڑے تھے پیل تن سپرِ آہنیں سمیت ہر جسم پر عذاب تھا جانِ حزیں سمیت
تھے مضطرب ملائکہ روح الامیں سمیت ہر دم تھا آسماں متزلزل زمیں سمیت
تلوار تھی کہ قہر تھا ربِ کریم کا
عالم تھا تحت و فوق میں اُمید و بیم کا

جاتی تھی ذوالفقار جو تا چرخ ہر گھڑی گردوں پہ قدسیوں کو بھی تشویش تھی بڑی
مداح کو گماں یہ ہوا عقل جب لڑی شاید تنِ فلک پہ چھلتی ہوئی پڑی
ہر ضرب ضربِ حق تھی تعجب کی جا نہیں
اب تک وہی نشاں ہے خطِ استوا نہیں

پستی میں آئی کوند کے جب تیغِ بوتراب تھرا گئی سمٹ کے زمیں کی ہر اک طناب
تن کر بلند ہوگئی جس دم وہ لاجواب چلائے سب کہ اب ہوا دو ٹکڑے آفتاب
آفت ہے پھر جو رختِ حفاظت نہ یہ بنے
تارِ شعاع گرد اُلجھ کر زرہ بنے

اُترا ہر ایک فرقِ بد افعال دوش سے لے کر کماں زمین پہ گری ڈھال دوش سے
ہر چند گر گئے یہ سب اثقال دوش سے اتری نہ پر گرانیِ اعمال دوش سے
قہرِ خدا میں گھر کے بصد درد و غم چلے
پشتارے لے کے جرم کے سوئے عدم چلے

ہلتا تھا رن صفوں کی صفائی تھی ہر طرف ہر بد نظر کو چشم نمائی تھی ہر طرف
ہر سمت کشت وخوں تھا لڑائی تھی ہر طرف فریاد ہر طرف تھی دُہائی تھی ہر طرف
غل تھا کہ ساری فوج پہ حاوی یہ تیغ ہے
بھاگیں کدھر بلائے سماوی یہ تیغ ہے

بے خود لعیں تھے جرأت پیکار کی جگہ سریاں ملیں تھیں چلوں سے سوفار کی جگہ
بچتے تھے وہاں پہ آپ جو تھی وار کی جگہ نامرد ڈھال اٹھاتے تھے تلوار کی جگہ
بودے تھے وہاں جہاں پہ دلیری کا کام تھا
پسپا تھے تنکے بڑھنے کا جس جا مقام تھا

حملہ نہ کر سکا کوئی مکار اُس طرف   تو لے بھی تیغ گر تو نہ تھی وہاں اُس طرف
اس شان سے کیا جو کوئی وار اُس طرف   شہ مسکرائے روک کے تلوار اُس طرف
فرمایا دل قوی دمِ یاس ایسے ہوتے ہیں
رن میں بہادروں کے حواس ایسے ہوتے ہیں

مولا کی زد پہ آتا تھا جو بانیِ ستم   دہشت سے ہٹ نہ سکتا تھا جم جاتے تھے قدم
موجود گرچہ ہوتا تھا زندہ وہ بدشیم   لیکن تھا ذوالفقار کے نزدیک کالعدم
منہ کھول کر نہ جھکتی تھی اژدہم کے واسطے
بنتے تھے عین تیغ دو پیکر کے واسطے

چرکا کس کو تیغِ علیؑ کا لگا اگر   پتھر سے تن پہ ہوگیا وہ نقش کالحجر
ہونے لگا علاج تو دیکھا نہ کچھ اثر   مرہم سے فائدہ تھا نہ ٹانکے تھے کارگر
ایذا سے نابکار اماں پائے کس طرح
جو سنگ کٹ گیا ہو وہ جڑ جائے کس طرح

لشکر میں تھا نہ گرز نہ خنجر اٹھا ہوا   دنیا سے تھا ہر اک دل مضطر اٹھا ہوا
طوفانِ آبِ تیغ تھا یکسر اٹھا ہوا   تھا ہر جہاز عمر کا لنگر اٹھا ہوا
آندھی میں ہوں تباہ تو کیونکر پتا لگے
بہتے ہوئے سقر کے کنارے پہ جا لگے

چاروں طرف جو دشت میں تھا خون کا بہاؤ   جس سمت ہو نگاہ تلاطم اُدھر کو پاؤ
ہر لاش ترتی پھرتی تھی دریا میں جیسے ناؤ   پایاب تھی زمین کہیں اور کہیں ڈوباؤ
کچھ دم شناوروں میں بھی پائے نہ جاتے تھے
دو ہاتھ ڈوبنے میں لگائے نہ جاتے تھے

بے دست تھے کند ستمگار پھینک کر   بھاگے کمان و تیر کماندار پھینک کر
چوٹیں سہیں پھکیتوں نے تلوار پھینک کر   جو دور تھا نکل گیا رہوار پھینک کر
چلائے شاہ جرأتِ جنگ و جدل نہ تھی
او نابکار بچ گیا تیری اجل نہ تھی

سر خوف سے جدا ہوئے تن چھوڑ چھوڑ کر　　نامی دلیر ہٹ گئے رن چھوڑ چھوڑ کر
پیل دماں نکل گئے بن چھوڑ چھوڑ کر　　افعی گریز کر گئے مَن چھوڑ چھوڑ کر
گو دیو خود بلا تھے پہ دہشت سے ٹل گئے
بچوں کو شیر پھینک کے کوسوں نکل گئے

وہ تیغ تیز جاتی تھی یوں سوئے عُمر و زید　　شاہین کین چھٹتا ہے جس طرح بہرِ صید
ہر چند تھے شریر حصارِ اجل میں قید　　لیکن تھے مرتے مرتے بدستور مکر و کید
گمراہیاں تھیں روحِ ضلالت اثر کے ساتھ
شیطان گردنوں سے اترتا تھا سر کے ساتھ

لشکر کے غل سے ہوش نہ تھے طبل کے بجا　　تاشے تھے سینہ زن کہ قیامت ہوئی بپا
قرنا پکارتے تھے کہ سوراب ادھر پھُنکا　　شہنا کا شور تھا کہ اماں یا شہِ ہُدا
رُخ تھے دفوں کے جانب سرور مُڑے ہوئے
تھرّا رہے تھے دستِ جلاجل جُڑے ہوئے

تھا ہر طرف یہ شور کہ جاں اس جدل نے لی　　قبضے میں فوج تیغ دو پیکر کے پھل نے لی
جب آئی سانس بھی نہ کسی پُر دغل نے لی　　وار اس کا ہو چکا تھا کہ گردن اجل نے لی
سختی ہر اک گزر گئی جب اس طریق کی
آواز آئی ذوقو عذابُ الحریق کی

برہم جو ابنِ صاحب دلدل تھا دمبدم　　تسکیں نہ تھی زمیں کو تزلزل تھا دمبدم
برباد فوجِ کین کا تجمل تھا دمبدم　　ہر سمت بھاگ بھاگ کا اک غُل تھا دمبدم
بے جان تھے اُنھیں بھی قرار اک نفَس نہ تھا
قبروں سے بھاگ جائیں یہ مُردوں کا بس نہ تھا

نعرہ حسینؑ کا تھا کہ مضطر نہ ہو تم تھمو　　یہ خوف ابنِ سعد ستمگر کے ہم دمو؟
کیوں پاؤں اُکھڑے جاتے ہیں میدان میں جمو　　مجبور جنگ سے مجھے سمجھے تھے اظلمو
جانا نہ یہ کہ ابنِ شہِ قلعہ گیر ہوں
جوہر کشائے تیغِ جنابِ امیرؑ ہوں

پھل برچھیوں نے ڈر سے لرز کر گرا دیئے　　نیزوں نے طائروں کی طرح پر گرا دیئے
ڈھالوں نے اپنے پھول برابر گرا دیئے　　تیغوں نے کانپ کانپ کے جوہر گرا دیئے
ڈر تھا کہ کوئی اور نہ افتاد پھر پڑے
پانی کی طرح آب چھلک کر نہ گر پڑے

سنتی تھی اپنی قوت دستی پہ ذوالفقار　　قہرِ خدا تھی ظلم کی بستی پہ ذوالفقار
بنتی تھی برق خرمنِ ہستی پہ ذوالفقار　　اٹھ کر جو آنے لگتی تھی پستی پہ ذوالفقار
گھبرا کے بھاگنے میں ہوا ہانپ جاتی تھی
ٹل جاتے تھے پہاڑ زمیں کانپ جاتی تھی

دبتا تھا مہر دھوپ کا بستر سمیٹ کے　　ذرے بھی رن سے بھاگتے تھے زر سمیٹ کے
چھپتے تھے غار میں بدن اژدر سمیٹ کے　　ہنستے تھے جبرئیلِ امیں پر سمیٹ کے
مثلِ علیؑ حسینؑ کو بھی مانتے تھے وہ
ضربت کو ذوالفقار کی پہچانتے تھے وہ

تعریف کر سکے کوئی کیا ذوالفقار کی　　مشکل ہے قدسیوں کو ثنا ذوالفقار کی
شہرت ہے تا بہ عرشِ علا ذوالفقار کی　　ہاں مدح گر کرے تو خدا ذوالفقار کی
تھی دوشِ مرتضیٰؑ پہ جگہ کس کے واسطے
لاسیف خاص وصف ہو اُس کے واسطے

با آبرو جہاں میں رہی چار سو یہ تیغ　　کن کن لڑائیوں سے پھری سرخرو یہ تیغ
ہو ہیرِ بحث برق سے گر دوبدو یہ تیغ　　دو فقروں ہی میں قطع کرے گفتگو یہ تیغ
اس سے زباں ملا سکے کس کی یہ تاب ہے
لاکھوں سے ہو نہ بند وہ حاضر جواب ہے

جو اس کی آبرو ہے پیمبرؐ سے پوچھیے　　جیسی برش ہے مرحب و عنتر سے پوچھیے
پائی کہاں سے فاتحِ خیبر سے پوچھیے　　کیسی یہ تیغ ہے شہِ صفدر سے پوچھیے
تلوار اس کی مثلِ میانِ جہاں نہیں
اس کا بجز امام کوئی قدرداں نہیں

پیاری ہے شکل ایسی کہ دشمن کو پیار آئے دیکھے جو قیس آنکھ میں لیلیٰ نہ پھر سمائے
وہ قد وہ بانکپن وہ بدن گول ہائے ہائے چوما کرے بشوق کوئی قدرداں جو پائے
صدقے ہو نازنیں وہ نزاکت بدن میں ہے
جوہر نہیں ہیں زیورِ الماس تن میں ہے

گھوڑا قدم زمیں پہ نہ دھرتا تھا ہر طرف چالاکیاں نبرد میں کرتا تھا ہر طرف
کوئی غزال چوکڑی بھرتا تھا ہر طرف نیزوں بلند ہو کے اُترتا تھا ہر طرف
آنکھیں بچھا رہے تھے پریزاد راہ پر
گویا چڑھا ہوا تھا سبھوں کی نگاہ پر

چستی میں چابکی میں تک و دو میں لاجواب تھمنے میں بھی تھا صورتِ سیماب اضطراب
مہمیز کیسی برق تھا گر ہل گئی رکاب تیغی کی شکل دیکھ لے کب تھی یہ دل کو تاب
سیلانِ خوں ہوا تو ہو کوسوں روانہ تھا
پٹھے کی رگ اُچھل جو گئی تازیانہ تھا

جس سمت رخشِ سرورِ مقبول آگیا روندا اسے جو سامنے مقتول آگیا
جس جا سبک روی میں وہ مشغول آگیا سالم رہا جو زیرِ قدم پھول آگیا
مقتل میں گو پڑا قدم اُس لاجواب کا
ٹوٹا نہ جامِ سرخ لہو کے حباب کا

تھم کر جو سرو وہ صاحب توقیر کھینچ لے آئیں نظر وہ ٹھاٹھ کہ تصویر کھینچ لے
معشوق بن کے ناز کی شمشیر کھینچ لے سینے سے قلب عاشقِ دلگیر کھینچ لے
تن پر پسینہ پھول پہ قطرے ہوں اوس کے
رہ جائیں خوبرو بھی کلیجہ مسوس کے

کیا دلفریب شکل ہے اس مہ جبیں کی بھی یاں آنکھ جھپ جاتی ہے ہر اک حسیں کی بھی
حیرت ہے نازکی پہ تنِ نازنیں کی بھی ڈھیلا پڑے جو آنکھ پڑے حورعیں کی بھی
سایا پڑے جو مردمکِ چشم غور کا
ظاہر بدن پہ نیل ہو سوسن کے طور کا

غلطاں لہو میں اہلِ ستم تھے زمین پر لغزش میں سرکشوں کے قدم تھے زمین پر
نیزے قلم کی طرح قلم تھے زمین پر حامل تھے بے نشاں تو علَم تھے زمین پر
رفعت سپاہِ شام کی قسمت نے پست کی
تیغوں کا لوٹنا تھا علامت شکست کی

ناگاہ غل اُٹھا کہ اماں دیجے یا حسینؑ اکبرؑ کے خوں کا اب نہ عوض لیجے یا حسینؑ
پہنچے سزا کو رحم بس اب کیجے یا حسینؑ حاضر ہے نہر آب رواں پیجے یا حسینؑ
بچے بھی تشنہ لب ہیں حریم امامؑ میں
گر حکم ہو تو بھیج دیں مشکیں خیام میں

غصے میں کانپتے ہوئے ٹھہرے شہِ زماں فرمایا کرلیا میری جرأت کا امتحاں
کیسے دلیر تھے وہ ارادے گئے کہاں لو خیر دی اماں بھی جو ہو طالبِ اماں
غصے میں تیغ روک لی جبر اس کو کہتے ہیں
دانستہ قتل ہوتا ہوں صبر اس کو کہتے ہیں

ہر چند جانتا ہوں کہ تم لوگ ہو عدو رحم آگیا مگر کہ ترحّم ہے اپنی خُو
اس دم یہ کیا ضرور تھا اے قومِ کینہ جو پانی کا نام لے کے جگر کر دیا لہو
بجھ جائے آگ قلب میں ایسی لگی نہیں
حسرت ہے آبِ تیغ کی اب تشنگی نہیں

سب تشنہ لب گزر گئے پانی پیے حسینؑ دریا پہ تُف وہ کر گئے پانی پیے حسینؑ
ناکام خوں میں بھر گئے پانی پیے حسینؑ پیاسے عزیز مر گئے پانی پیے حسینؑ
اب تک جگر میں خارِ الم ہیں گڑے ہوئے
تھے مرتے دم زبانوں میں کانٹے پڑے ہوئے

کیا پیاس میں تھا عون و محمدؑ کا صبر واہ قاسمؑ نے لی عطش میں بہشت بریں کی راہ
رغبت سے میں کروں گا سوئے نہر کیا نگاہ بازو یہیں کٹے مرے بھائی کے آہ آہ
جانکاہ گو ہے تشنہ دہانی مرے لیے
عباسؑ کا لہو ہے یہ پانی مرے لیے

کیا کیا نہ حال دیکھ چکا میں جگر کباب   پتھر کا بھی ہو قلب تو لائے کبھی نہ تاب
ہنگامِ مرگ وہ علی اکبرؑ کا اضطراب   سوکھی زباں دکھا کے وہ کہنا کہ آب آب
طرفہ ستم سہا اسی پانی کے واسطے
اکبرؑ کا خوں بہا اسی پانی کے واسطے

جب سے ہوا شہید وہ معصوم تشنہ لب   بچوں کو بھی خیام میں ہے صدمہ و تعب
شکوہ نہ بھوک کا ہے نہ پانی کی ہے طلب   یہ حال ہے کہ سہم کے چپ ہو گئے ہیں سب
ذکرِ عطش بھی اب نہیں غم کے وفور ہیں
اے ظالمو غیور کے بچے غیور ہیں

فرما کے یہ نیام میں تیغ دو سر رکھی   قبضہ کو زیں میں باندھ دیا اور سپر رکھی
چار آئینہ رکھا نہ زرہ جسم پر رکھی   آمادہ مرگ پر ہوئے حق پر نظر رکھی
گھوڑے سے یہ کہا کہ اسیرِ ستم ہوں میں
ہٹنا نہ اب جگہ سے کہ ثابت قدم ہوں میں

فرمایا اب نہ دیر کرو آؤ ظالمو   قبضوں پہ دستِ ظلم دھرو آؤ ظالمو
حربے لگاؤ خوں میں بھرو آؤ ظالمو   میں جنگ کر چکا نہ ڈرو آؤ ظالمو
ہے وقتِ عصر موت کا پیغام آ گیا
خنجر کے نیچے سجدے کا ہنگام آ گیا

یہ سُن کے ہر طرف سے جفا کار آ گئے   دیوارِ کعبہ ڈھانے کو کفار آ گئے
پیدل ہزاروں سیکڑوں اسوار آ گئے   اک سر کے بے شمار خریدار آ گئے
ریلے تھے ایک صابر و شاکر کے واسطے
مجمع تھا رہزنوں کا مسافر کے واسطے

باغی بڑھے کہ قطع کریں فاطمہؑ کا باغ   کنجِ مزار میں بھی نہ ماتم سے دیں فراغ
اک دل ہوئے شریر کہ دیں مرتضاؑ کو داغ   آندھی چلی کہ قبرِ نبیؐ کا بجھے چراغ
ایماں کو مشرکینِ عرب نے چھپا لیا
مہرِ مبیں کو ظلمتِ شب نے چھپا لیا

تیرِ ستم بتولؑ کے پیارے پسر پہ آئے پروانے ہر طرف سے چراغِ سحر پہ آئے
حربے جو دشمنوں کے شہِ بحر و بر پہ آئے در پردہ سب رسولِ خداؐ کے جگر پہ آئے
زخموں سے پاش پاش تنِ پاک ہوگیا
قرآں کی شان مٹ گئی صد چاک ہوگیا

وہ گرد فوجِ قاہرہ وہ گرد ہے غضب مجبور کر کے شیر تھے نامرد ہے غضب
اک جانِ ناتواں پہ یہ دکھ درد ہے غضب خون بہہ کے ہوتا جاتا تھا رخ زرد ہے غضب
بے زخم اک وجب تنِ اطہر پہ جا نہ تھی
تیروں کا کچھ شمار نہ تھا انتہا نہ تھی

تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے عمامہ تھا سر فگار تیر و سناں سے گُل سا بدن تا کمر فگار
بازو بھی پسلیاں بھی اِدھر اور اُدھر فگار ہے ہے یہ وار قہر کے اور اک جگر فگار
سارا جہاں ہوا تھا عدو بے گناہ کا
ریتی پہ بہہ رہا تھا لہو بے گناہ کا

سینے میں تیر سیکڑوں گڑتے تھے دمبدم آثار زندگی کے بگڑتے تھے دمبدم
ہر سُو سے وار تیغوں کے پڑتے تھے دمبدم تن کے قریب چیلے لڑتے تھے دمبدم
کیوں مومنوں یہ ظلم شہِ تشنہ کام پر
لوہا برس رہا تھا تمہارے امامؑ پر

لے لے کے خونِ تازہ شہ آسمان وقار ملتے تھے اپنے روئے محاسن پہ بار بار
کہتے تھے مڑ کے سوئے مدینہ بحالِ زار اُمت کے ظلم سہتا ہوں اے دیں کے تاجدار
خوں دو شبانہ روز کے پیاسے کا دیکھیے
نانا یہ حال اپنے نواسے کا دیکھیے

یہاں تھا یہ ظلم اور اُدھر بنتِ شیرِ حق خیمے کے در پہ پیٹ رہی تھی بصد قلق
لب خشک سر برہنہ کھلے بال رنگ فق دیکھے وہ اضطراب تو پتھر کا دل ہو شق
چلّاتی تھیں کہ حق کے فدائی پہ ظلم ہے
میں کیا کروں ارے میرے بھائی پہ ظلم ہے

اے کلمہ گویو رحم کرو بے گناہ پر　　اے نیزہ دارو ختم ہُسل کا ہے یہ جگر
اے ابنِ سعد نحس خدا کے غضب سے ڈر　　اے حُرؑ کے ساتھ والو حمیت گئی کدھر
محسن کو بھولتے ہو عجب کا مقام ہے
پانی دیا تھا جس نے یہ وہ تشنہ کام ہے

اے اژدرو پہاڑوں سے اس دم عیاں ہو تم　　حیدرؑ کے لال پر ہے ستم اور نہاں ہو تم
اے دشتِ ہولناک کے شیروں کہاں ہو تم　　پاس ابنِ شیر حق کا کرو رتبہ داں ہو تم
اے قومِ جن بلا شہِ بیکس کی رد کرو
اے قدسیو امامِ زماں کی مدد کرو

کہتی تھیں مضطرب کبھی ہو کر بصد تعب　　کس سے کہوں مدد کو پکاروں کسے میں اب
اے ساکنانِ ماریہ نکلو گھروں سے سب　　اے راہ گیرو ظلم ہے سید پہ بے سبب
قاتل ہزاروں گرد ہیں اک دل ملول ہے
مل کر اسے بچاؤ یہ جانِ رسولؐ ہے

ناگاہ صدرِ زیں سے امامِ امم گرا　　میدانِ صبر و شکر کا ثابت قدم گرا
رن کی زمیں لرز گئی یوں کوہِ غم گرا　　چلّائے جبرئیل کہ رکنِ حرم گرا
برپا ہے تہلکہ قدمِ صور ہٹ نہ جائے
یا رب بچائیو کہیں طبقہ اُلٹ نہ جائے

ہر سو اٹھا یہ شور کہ لو جنگ سر ہوئی　　غربت میں بنتِ شاہِ زمن بے پدر ہوئی
تلواریں وہ چلیں کہ زمیں خوں سے تر ہوئی　　سالارِ فوج کو ہو مبارک ظفر ہوئی
ہے غیر حال فاطمہؑ کے نورِ عین کا
کٹتا ہے سر بھی اب کوئی دم میں حسینؑ کا

اُترا فرس سے سنتے ہی یہ شمرِ بے حجاب　　خنجر کمر سے کھینچ کے دیکھی شقی نے آب
غصہ میں آستیں کو اُلٹ کر بصد شتاب　　تنتا ہوا چلا طرفِ ابنِ بوتراب
دم میں قریب سرورِ بر حق پہنچ گیا
پہلو میں شیر کے سگِ ابلق پہنچ گیا

یارو یہ حالِ سرورِ خوش خو، ہزار حیف　　نامرد کا دلیر پہ قابو، ہزار حیف
خنجر گلے پہ سینہ پہ زانو، ہزار حیف　　سر کاٹ کر اٹھا وہ جفا جو، ہزار حیف
لاشے پہ ہر طرف سے شقی ٹوٹنے لگے
پوشاکِ بادشاہِ زمن لوٹنے لگے

لینے لگا عمامہ و نعلینِ پا کوئی　　لیتا تھا دوش سے بدرشتی ردا کوئی
پٹکا کمر سے کھولتا تھا بے حیا کوئی　　مجروح تن سے کھینچ رہا تھا قبا کوئی
ظاہر تھی دشمنی سپہِ بدخصال کی
میت بھی تھی کشش میں محمدؐ کے لال کی

جھٹکوں سے کھینچتے تھے جو ملبوس روسیاہ　　اٹھتا تھا دمبدم تنِ بے سر زمیں سے آہ
سید پہ بعدِ ذبح یہ جور و جفا پناہ　　پوشاک لے چکے تو ہٹے دشمنِ الہ
عریاں زمیں پہ حضرتِ شبیرؑ رہ گئے
سب زخم تن میں رہ گئے اور تیر رہ گئے

پتھر سے سخت تر تھے دلِ لشکرِ یزید　　ایسے ستم عرب کی حمیت سے تھے بعید
لاشے پہ کوئی کرتا ہے یہ بدعتِ شدید　　دل غم سے پائمال ہے خاموش اے وحیدؔ
صدمہ دیا یہ اور تن پاش پاش پر
دوڑائے گھوڑے فوج نے بیکس کی لاش پر

مرزا ہادی حسین فیض آبادی

فنِ خوانندگی میں میر انسؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر شاد عظیم آبادی نے کیا ہے۔ مرزا ہادی حسین خود بیان فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ جبکہ میر انیسؔ مرض الموت میں مبتلا اور صرف دو دن کے مہمان تھے، میں اپنے استاد میر انسؔ کے ساتھ ان کی عیادت کو گیا۔ ضعف کی حد نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے بھائی میر انسؔ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے بھئی میر مہر علی، میں نے بھی بہت شعر کہے، تم نے اور میر نواب اور خورشید علی نے بھی کچھ کم نہیں کہا مگر ہائے، دادا جان اس شعر کا جواب نہ ہو سکا۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے............ پڑھ کر ایسا جوش آیا کہ اٹھ بیٹھے"۔

(فکرِ بلیغ)

میر انیسؔ کو فیض آباد کا تمبا کو بہت مرغوب تھا۔ اس لیے مرزا ہادی حسین اُن کی برابر خدمت فرمایا کرتے تھے۔ خاندانِ انیسؔ کے اکثر خطوط میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

maablib.org

تلامذۂ مونس

الم

سید محمد ذکی نام، سید محمد صاحب عرفیت، الم تخلص، میر مونس کے نامور شاگرد تھے۔
لالہ سری رام ان کے بارے میں صرف اتنا لکھ گئے کہ:
''اگرچہ دورِ موجودہ کے شعراء میں ہیں مگر زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔''
(خمخانہ جاوید جلد ا صفحہ ۳۹۹)

الم اور ذاکر حسین یاس ایک ہی دن میر مونس کے شاگرد ہوئے تھے۔ الم کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ برجستہ تاریخیں کہا کرتے تھے۔ متعدد دواوین اور تذکروں کے آخر میں ان کی تاریخیں کثرت سے ملتی ہیں۔ میر انیس کی تاریخ جو انھوں نے کہی تھی اسے غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور اسے سب سے پہلے اودھ اخبار مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۸۷۴ء مطابق ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۹۱ ہجری روز سہ شنبہ نے شائع کیا:

اے وائے شد خزاں چو بہارِ گلِ سخن — از باغ نظم بلبلِ رنگیں کلام رفت
می بود پنج شنبہ و بست و نہم ز عید — قبل از غروب پیش شہ خاص و عام رفت
سہ سال چند ماہ بہ ہفتاد شد فزوں — چوں آں رفیع مرتبہ و ذو الکرام رفت

از دل کشید سر آہ زد ندا
سوئے ارم انیسِ امامِ انام رفت

۱۲۹۱ھ

الم کا رنگِ تغزل یہ ہے:

ہاتھ اُٹھا کر رُکا جو قاتل کا — بڑھ گیا اضطراب بسمل کا
توڑیے پھول دستِ نازک سے — بے چھری خون ہو عنادل کا
قیس ناقے کے ساتھ ہے لیلیٰ — دیکھ پردہ اُٹھا کے محمل کا

سختیاں کرنے لگے نام وفا جاتا رہا — اے بتو بالکل تمھیں خوفِ خدا جاتا رہا
لوٹنے کو دولتِ وصل آئے تھے اس بزم میں — نقدِ دل بھی ہاتھ سے اے دلربا جاتا رہا

الہامؔ

نام سید الہام حسین، فارسی شاعری میں تخلص شریفؔ اور اردو میں بدر کرتے تھے لیکن بدرؔ سے الہام کر دیا تھا۔ مرثیے میں تخلص الہام ملتا ہے جو میر انیسؔ یا میر مونسؔ نے اصلاح کے موقع پر بدرؔ سے الہام کر دیا تھا۔

الہامؔ کا تعلق زید پور کے سادات و رئیس گھرانے سے تھا۔ ان کے حالات سب سے پہلے ڈاکٹر عابد حسین حیدری نے ''دبستانِ زید پور کی مرثیہ گوئی'' میں درج کیے ہیں۔

الہامؔ نے شعبان ۱۳۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء میں وفات کی۔ تاریخ رحلت یونسؔ زید پوری نے اس مصرعہ سے نکالی:

میر الہام حسین رحلت کرد (۱۳۱۷ھ)

ان کی فارسی مثنوی ''باغ ارم'' ۱۳۰۴ھ میں مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے باہتمام سید عابد علی طبع ہوئی تھی۔

اس میں الہام کا تخلص شریفؔ ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

سرورق کی عبارت درج ذیل ہے:

''للہ الحمد کہ مثنوی عجیب و نظم و غریب واقع ہموم قلوب مومنین و دافع غموم خواطرِ مسلمین رشک افزائے نگار خانۂ ارژنگ و مانی آبرو بخش گوہر نظم عرفی و خاقانی محتوی بر حکایات عجیبہ و نکات غریبہ عبارتش نہایت فصیح و شیریں و نظم بانتظامش رونق افزائے نظم پروین، مطبوع خاطر ماہرانِ فنون، اشعار آئینہ حیرت نمائے شاعرانِ روزگار، گلِ سرسبز بہارستان، زبان عجم، لقب مثنوی 'باغ ارم' تصنیف شاعر عدیم المثال، جادو مقال، شہوار عرصہ فصاحت، یکہ تاز میدانِ بلاغت، ناظم اشعار لطیف جناب علامی و فہامی السید الہام حسین متخلص بہ شریف ابن سید اصغر حسین مرحوم متوطن و رئیس قصبہ زید پور''

اس مثنوی کے آخر میں مولوی سید علی میاں کاملؔ، سید محمد علی زائرؔ زید پوری، میر سید علی فکرؔ، منشی مصاحب علی اور الہامؔ کے قطعاتِ تاریخ طباعت بھی درج ہیں۔ الہام کو تاریخ گوئی میں قدرتِ خاص حاصل تھی۔ ڈاکٹر عابد حسین حیدری نے حسینیہ ظل حسین زید پور میں آویزاں ان کی دو تاریخیں درج کی ہیں:

بنائے تاب و مجد زنہادِ ظلِ حسین

۱۲۵۰ھ

دوسری تاریخ سنِ عیسوی میں ہے:

سالِ تاریخش مسیحی شد بزبرو بینات
ظلمنا ارواح و فردوس و اطراف نعیم

۱۸۹۰ء

(دبستان زید پور کی مرثیہ گوئی صفحہ ۴۳)

الہامؔ کا ایک مرثیہ جس پر میر انیسؔ اور میر مونسؔ کی اصلاح ہے لکھنؤ میں سید محمد رضا عابد کے ذخیرے میں موجود ہے۔ ہمارا ان سے کئی بار رابطہ ہوا، انھوں نے مرثیہ دینے کا وعدہ بھی فرمایا لیکن نقلِ مکانی اور طبیعت کی ناسازی کی مصیبتوں کے سبب وہ اس مرثیے کو تلاش نہ کر سکے اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ جب دوبارہ بات کی گئی تو انھوں نے انتہائی افسوس کے عالم میں کہا کہ گھر میں دیمک لگ جانے کے سبب بہت سے قلمی مرثیے تباہ ہو گئے جن میں وہ مرثیہ بھی تھا۔

ڈاکٹر عابد حسین حیدری نے یہ مرثیہ دیکھا تھا ان کے مطابق اس کے سرورق پر یہ تحریر تھی:

''از ملاحظہ میر ببر علی انیسؔ و میر نواب مونسؔ گزشتہ''

اس مرثیے کے مقطع کا مصرعہ یہ تھا:

خاموش بس اے بدر کہ ہے جوش پہ ماتم

مخطوطے میں اس مصرعہ کا کاٹ کر یوں کر دیا گیا:

خاموش ہو الہامؔ کہ ہے جوششِ ماتم

اس مرثیے کے چند بند درج کیے جا رہے ہیں۔ یہ مرثیہ حضرت علیؑ کی شان میں ہے:

خورشیدِ فلک شمسۂ ایوانِ علیؑ ہے — مہتاب چراغِ چمنستانِ علیؑ ہے
رضواں جسے کہتے ہیں وہ دربانِ علیؑ ہے — تقدیر بھی اک تابعِ فرمانِ علیؑ ہے
جبرئیلؑ امیں کون ہیں خادم ہیں علیؑ کے
میکائلؑ و سرافیلؑ ملازم ہیں علیؑ کے

عیسیٰؑ نفس و صاحبِ اعجاز علیؑ ہے — احمدؐ کی طرح خلق میں ممتاز علیؑ ہے
خاصانِ الٰہی میں سرافراز علیؑ ہے — توڑا درِ خیبر کو وہ جانباز علیؑ ہے
ہر معرکہ میں پیشِ نظر تھے تو یہی تھے
محبوبِ الٰہی میں سرافراز علیؑ تھے

تلوار کی تعریف:

سر پر جو پڑی منہ میں وہ تیغ دوسر آئی　　پانی کی طرح منہ سے گلے میں اتر آئی
حلقوم سے پھر سینۂ کافر میں در آئی　　سینہ سے جو مرحب کے بڑھی تا کمر آئی
دو کر کے مع اسپ کیا چار لعیں کو
اور کاٹ گئی ایک وجب کر کے زمیں کو

یہ بند مدح کے تھے ذیل میں شہادت کے بند ملاحظہ فرمائیں:

اب خاک اڑاؤ کہ یہ زاری کا ہے ہنگام　　ماتم کرو اور حیدر کرار کا لو نام
جاتے ہیں سوئے خلد شہنشاہِ خوش انجام　　سر کھولے ہوئے پیٹتی ہیں زینبؑ ناکام
سبطینِ محمدؐ پہ پڑا وقت غضب کا
ہاں یاد کرو واقعہ انیسویں شب کا

پر کچھ نہ ہراساں ہوا وہ خاصۂ باری　　بس ضعف سے حضرت پہ غشی ہو گئی طاری
چلّائے نمازی یہ بصد گریہ وزاری　　حیدرؑ پہ چلی ہائے غضب ضربتِ ناری
جو رونق اسلام تھا مارا گیا ہَے ہَے
بیوؤں کا یتیموں کا سہارا گیا ہَے ہَے

خاموش ہو الہامؔ کہ ہے جوششِ ماتم　　رقت کا یہ عالم ہے کہ مجلس میں نہیں دم
کر عرض علیؑ سے یہی بادیدۂ پُر نم　　مطلب ہو روا جلد مرا یا شہِ اکرم
مل جائے طلب ہے مجھے جس عز و شرف کی
دیکھوں میں ان آنکھوں سے بس اب راہ نجف کی

مثنوی باغ ارم

مثنوی "باغ ارم" کا سرورق

مثنوی باغ ارم ۲

هو المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نخلبندی ریاض کلام در حمد خالق انام مؤسس اساس جہان و مبدع کون و مکان

سر نامہ بنام ایزد پاک | کہ بالاتر بود از فہم و ادراک
توانا ہست و ہم دانای اسرار | بکنہش پا بگل شد بر ز افکار
بود بینا و لے ناید بدیدن | سمیع و نیست آذان شنیدن
بخوان آنکہ از دان لفظ ارانی | بیاد آور کلام لن ترانی
خبیر از راز نہان و علیم است | ندارد خود زبان لیکن کلیم است
نہ خواب آرد ہمیشہ ہست بیدار | ندارد غفلت و دایم خبر دار
بامر کن ہویدا کرد عالم | ز تیرہ خاک پیدا کرد آدم

مثنوی کا پہلا صفحہ

امیرؔ

نام میر محمد حسین رضوی، تخلص امیرؔ، میر مونسؔ کے خاص شاگردوں میں شمار تھا۔ وزیر الوزراہ نواب معتمد الدولہ آغا میر کے خاندان سے تھے۔ ان کی مثنوی ''نظم رہنما'' میں انھیں ''نبیرۂ آغا میر'' لکھا گیا ہے۔ آغا حجو شرف ان کے بارے میں کہتے ہیں:

یہ ہیں جو محمد حسن خاں امیرؔ　　یہ سید ہیں اخلاق ہیں بے نظیر
دلی تھا جو اُن کو زیارت کا شوق　　کشش لے گئی لے گیا اُن کو ذوق
یہ زائر ہیں آسودہ و شاد ہیں　　امیر اور مرزا کے داماد ہیں
یہ شاگرد مونسؔ کے ہیں آشکار　　وثیقے میں تنخواہ ہے اک ہزار

(افسانۂ لکھنؤ صفحہ ۷۷)

پہلے مصرع میں 'محمد حسین' کے بجائے 'محمد حسن' نظم ہوا ہے جو تسامح ہے۔

امیر کو عزاداری میں بے حد انہماک تھا۔ آغا میر کی ڈیوڑھی میں اپنے مکان پر ہر قمری مہینے کی چھبیسویں تاریخ کو مجلس کرتے تھے جس میں انیسؔ و مونسؔ کو پڑھواتے تھے۔ میر انیسؔ کی زمین میں مشہور سلام مونسؔ نے ان ہی کے گھر پر پڑھا تھا جس سے انیسیوں اور دبیریوں میں شعری معرکہ ہو گیا تھا:

اٹھا چکے ہیں زمیں دار جن زمینوں کو　　بھلا تر ذہے جا سے ان میں کیا حاصل

(معرکۂ انیسؔ و دبیرؔ)

محسنؔ ذوالقدر نے میر مونسؔ کی فرمائش پر پہلا مرثیہ ان ہی کے گھر پر کہا تھا۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ جونپوری)

۱۲۷۸ھ میں امیر کربلائے معلّی سے روضۂ امام حسینؑ کی چوبی نقل لائے تھے۔ شادؔ لکھنوی پیرو میر نے ''شبیہ مشہدِ پاکِ حسینؑ است'' سے تاریخ نکالی۔

(سخنِ بے مثال صفحہ ۵۸)

امیر کو میر انیسؔ کی خدمت میں قربتِ خاص حاصل تھی۔ انیسؔ ان کی باتوں کو بھی اہمیت دیا کرتے تھے۔

جب انیسؔ کے مشہور مرثیہ ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' پر اعتراض ہوا کہ

مسافتِ شب آفتاب نہیں بلکہ ماہتاب طے کرتا ہے تو اس سلسلے کے ایک واقعہ میں احسن لکھنوی، امیرؔ کا ذکر کیوں کرتے ہیں:

''ایک صاحب نے غائبانہ اعتراض کیا یعنی آفتاب اور مسافتِ شب کا طے کرنا ایک تازہ خیال ہے مسافتِ شب ماہتاب طے کرتا ہے نہ کہ آفتاب...... میر صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور دو مرتبہ فرمایا خیر دیکھا جائے گا......... دوسری مجلس میں جب میر صاحب منبر پر تشریف لے گئے .... [اور کہا] اگر مردِ میدان ہے تو بر سر معرکہ اعتراض کرے.......... وہ شیر بیشۂ فصاحت بہت دیر تک بیٹھا ہوا منبر پر جھوما کیا آخر نواب محمد حسین خان صاحب نے اس مہر خاموشی کو توڑا اور نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضور کا کیا خیال ہے کس کی مجال ہے جو آپ پر اعتراض کرے۔ میرے نزدیک یہ سب مفسدہ پردازوں کی باتیں ہیں۔ بسم اللہ مرثیہ شروع کیجیے مجلس مشتاق ہے اس پر بھی ان کا جوش کم نہ ہوا جب تک علم ہیئت کے استدلال سے فاصلۂ شب میں دورۂ شمسی کو ثابت نہ کر دیا''۔

(واقعاتِ انیس صفحہ ۴۲)

امیرؔ کے مرثیے:

امیرؔ کے مرثیے نایاب ہیں۔ اردو میں امیر تخلّص کے متعدد شعراء ملتے ہیں جن میں، امیرؔ لکھنوی (قدیم)، امیر مرزا امیرؔ (شاگردِ دبیرؔ)، نواب محمد علی خاں امیرؔ، میر عابد علی امیرؔ، مرزا امیر علی خاں امیرؔ، سید محمد ولی عرفیت نواب جان امیرؔ (شاگردِ قدیرؔ) اور سید امیر حسن امیرؔ امروہوی شامل ہیں لیکن زبان وبیان سے مرثیے کی پہچان ہو جاتی ہے کہ کس کا ہو سکتا ہے۔ مجھے بہت تلاش کے بعد ایک مرثیہ ملا جس کے سروق پر لکھا ہے ''مصنفہ نواب محمد حسین خاں امیر لکھنوی''، یہ مرثیہ فرزندانِ حضرتِ زینبؑ کے حال میں ہے اور اس میں ۶۴ بند ہیں۔ یہ امیرؔ کا ابتدائی مرثیہ معلوم ہوتا ہے۔ تمام اجزائے مرثیہ اس میں موجود ہیں۔ اس مرثیہ کا آغاز عونؑ ومحمدؑ کی آمد سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد رجز خوانی اور جنگ ہے۔ تلوار کی تعریف ہے، پیکار کا بیان ہے۔ پھر مصائب ہیں۔ شہادت لکھنے کا طریقہ وہی ہے جو انیسؔ و مونسؔ کا امتیاز ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ بعض بیتیں غیر مردّف لکھی ہیں۔ بہر حال جب تک امیرؔ کے شاہکار مرثیے نہیں مل جاتے اس وقت تک یہی اُن کا نمونۂ کلام ہے۔ یہ مکمل مرثیہ شاملِ کتاب ہے۔

امیرؔ کے نوحوں کا مجموعہ ''سروِ غم'' ۱۳۳۸ھ میں مطبع شوکت جعفری لکھنؤ سے طبع ہوا تھا۔

مثنوی 'نظمِ رہنما':

امیرؔ کی مثنوی ''نظمِ رہنما'' پہلی بار ۱۲۸۸ھ میں بہ اہتمام حاجی حسن علی، لکھنؤ سے شائع ہوئی اس کے بعد ۱۳۱۳ھ میں مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کا ایک نادر نسخہ میرے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کے سرورق پر امیرؔ کا تعارف ان الفاظ میں درج ہے:۔

"تصنیف شریف فخر روزگار زائر دیندار عالی جناب نواب سید محمد حسین خاں بہادر المتخلص بہ امیر شاگرد رشید افصح الفصحا جناب میر نواب صاحب مونسؔ مرحوم"

یہ مثنوی ۱۲۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ میر مونسؔ کی تعریف میں چند شعر بھی کہے جو یہ ہیں:

نہیں قابلِ مدح میرا کلام — لطائف سے خالی ہے یہ لاکلام
مگر جو ہے مطبوع خلقِ خدا — یہ باعث ہے اصلاحِ استاد کا
دیارِ سخن میں یگانہ ہیں یہ — بلاشک فصیحِ زمانہ ہیں یہ
کروں کیا میں ان کے سخن کا بیاں — کہ دھوئی ہو کوثر سے جن کی زباں
مقر ہیں سبھی قدردانِ سخن — کہ ان سے دو بالا ہے شانِ سخن
صفا ان کی بندش ہے رنگیں کلام — یہیں ختم ہے نظم کا انتظام
ثنا خوانِ بستانِ آلِ رسولؐ — نظر کردۂ مرتضیٰؑ و بتولؑ
شناسائے نظمِ بیاضِ انیسؔ — یہ ہیں عندلیب ریاضِ انیسؔ
کریں اُنسؔ ان سے نہ کیوں خاص و عام — کہ ہے مونس الذاکرین ان کا نام
وہ طبع رواں ہے کہ دریا خجل — گہر ہائے معنیٰ کا معدن ہے دل
خزانہ ہے مضموں کا گویا دہن — جواہر اگلتے ہیں وقتِ سخن
سخن کے ہیں شہرے بہت دور دور — پھر اس پر تکبر ہے کچھ نہ غرور
ہر اک کے ہیں مونسؔ یہ عالی نسب — خلیقؔ ان کے جد و پدر بھی تھے سب
حسد ان کے گھر کا قرینہ نہیں — دل آئینہ ہے بغض و کینہ نہیں
یہ سب ذی شرف ہیں بنی فاطمہؑ — محبت مروّت کا ہے خاتمہ
امامِ دو عالم کے دلبند ہیں — یہ قرآنِ ناطق کے فرزند ہیں
بس اب مختصر کر یہ نظمِ بلند — کہ اپنی ثنا ہے انھیں نا پسند

(صفحہ ۳، ۴)

مونسؔ کیونکہ امیرؔ کے قدر دان اور مشفق تھے اس لیے فرطِ مسرت سے اس مثنوی کی دو تاریخیں بھی کہیں۔ ایک سنِ تصنیف کی دوسری سنِ طباعت کی۔ جو یہ ہیں:

ہے عجب نظمِ معجزاتِ امیرؔ — کہ معرف ہیں جس کے شاعر سب
منتخب معجزے آئمہؑ کے — ہوئے موزوں اس آب و تاب سے کب
کی مدد کارِ خیر میں اُس نے — تجھ پہ بے شبہ ہے عنایتِ رب

تیرا مونسؔ نہ کیوں لکھے تاریخ
مثنوی ایسی بے مثال ہو جب

۱۲۸۶ھ

بسکہ ہے یہ مثنوی مطبوعِ طبع　　　دیکھتے ہیں شیعیانِ حق پسند
معجزے کس حُسن سے موزوں کیے　　　اے خوشا طبعِ امیرِ ارجمند
ہے نبات و قند یہ شیریں سخن　　　لب حلاوت سے ہوئے جاتے ہیں بند
مختصر مونسؔ پئے تاریخِ طبع
لکھ پسندِ طبع ہے نظمِ بلند

۱۲۸۸ھ

اس مثنوی میں بارہ آئمہ کے مختلف معجزات کو نظم کیا گیا ہے۔ امیر کو حضرت علیؑ کے پیروکاروں میں ہونے پر فخر ہے۔ کہتے:

ترا لطف کیا کم ہے یہ اے خدا　　　کہ حیدرؑ کے شیعوں میں پیدا کیا
سمیِ خدا سب سے اول علیؑ　　　وہ اعلیٰ ہے اور میرا مولا علیؑ
علیؑ بعدِ احمدؐ ہیں مسند نشیں　　　امیرِ امم خسروِ مومنیں

اس مثنوی کے بعض اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر کا مطالعہ بھی غیر معمولی تھا۔ بیشتر معجزات و واقعات میں کتابوں کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں۔ غدیر خم کا احوال نظم کرتے وقت انھوں نے کتبِ علمیہ کے حوالوں کا انبار لگایا ہے۔ چند اشعار:

معالی جو گذرا ہے عالم کوئی　　　لکھیں اُس نے اُنیس جلدیں یہی
مؤرخ وہ طبری جو ہے بے حجاب　　　اسی حال میں اک لکھی ہے کتاب
جو تفسیر ہے ثعلبی نے لکھی　　　ہے اس میں بھی تفصیل اس ذکر کی
کتاب ایک لکھتا ہے جو ہے ترمذی　　　روایت ہے اس نے بھی اس کی لکھی
ہریرا ہے اور ابنِ داوٗد ہے　　　بن عقدہ اور ابنِ مسعود ہے
یہ شرح بخاری میں دیکھے کوئی　　　ہے ابنِ حجر نے روایت لکھی
کتاب ایک اس کی ہے جامع اصول　　　ہے اس میں بھی حالِ وصیِ رسولؐ
کتاب ایک مشکوٰۃ موسوم ہے　　　یہ احوال اس میں بھی مرقوم ہے
وہ راوِ دگر سے ہے گو مستقیم　　　مگر راست لکھتا ہے حافظ نعیم
سیوطی بھی گزرا ہے عالم کوئی　　　روایت ہے اس طرح اس نے لکھی

کتاب اس کی جو دُرِ منثور ہے — یہ حالِ غدیر اُس میں مسطور ہے

اس کے بعد شرح و بسط کے ساتھ احوالِ غدیر نظم کیا ہے۔

معجزۂ حضرت امام زین العابدینؑ

یہ اعجاز لکھتے ہیں خوش اعتقاد — کہ بیٹھے تھے مجمع میں زین العبادؑ
معاند بھی حاضر تھے اور دوست بھی — کہ اِک ہرنی صحرا سے وارد ہوئی
نہایت پریشان اور بے حواس — کھڑی ہوگئی آ کے حضرت کے پاس
زمیں پر تڑپ کر وہ ناشاد کام — لگی چومنے دست و پائے امامؑ
پھر اپنی زباں میں کچھ اُس نے کہا — سوا شہ کے کوئی نہ سمجھا ذرا
کئی دوستوں نے یہ شہ سے کہا — کہ یا شاہ ہرنی یہ کہتی ہے کیا
جواب اس کا شہ نے یہ اُن کو دیا — کہ صیاد بچہ پکڑ لے گیا
یہ چاہا تھا کل اِس نے دے اُس کو شیر — جُدا ہوگیا بس وہ ہو کر اسیر
تو مطلب یہ اس کا ہے فریاد سے — کہ بچہ دلا دوں میں صیاد سے
سنا یہ تو حیراں ہوئے خاص و عام — ہوا تب یہ حکمِ امامِ انام
کہ صیاد کے گھر پہ جائے کوئی — میرے پاس جلد اُس کو لائے کوئی
غرض جب کہ صیاد حاضر ہوا — یہ کہنے لگے اُس سے شاہِ ہدا
وہ بچہ جو کل تو پکڑ لے گیا — تو ہے آج ہرنی کا یہ مدعا
میں اُس بچہ کو تجھ سے اس وقت لوں — اسے دودھ اُس کو پلانے کو دوں
جو ہیں دودھ سے پیٹ اُس کا بھرے — وہ بچہ تجھے پھر یہ واپس کرے
یہ سنتے ہی قدموں کو بوسہ دیا — وہیں لا کے بچے کو حاضر کیا
وہ ہرنی تھی الفت میں اُس کی اسیر — پلانے لگی رو کے بچہ کو شیر
وہ روئی جو منہ دیکھ کر شاہ کا — میں قربان حضرت کو رحم آ گیا
کہا اشک بھر کر یہ صیاد سے — کہ لے قیمت اور مجھ کو بچہ یہ دے
یہ صیاد نے عرض اُس دم کیا — یونہی بچہ یہ شہ کو میں نے دیا
یہ ہرنی سے اُس وقت شہ نے کہا — کہ بچہ کو لے اور صحرا کو جا
غرض لے کے بچہ کو باصد خوشی — سوئے دشت ہرنی روانہ ہوئی
مگر راہ میں وہ یہ کہتی چلی — کہ برحق امامِ زماں ہیں علیؑ

جو دشمن کہ اُس وقت موجود تھے
وہ سب دل سے حضرت کے شیعہ ہوئے

بعون صانع مکین و مکان و بفضل خلاق زمین و آسمان

درین زمان برکات توامان سعادات اقتران کتاب مستطاب مستفیض

بمعجزات حضرات آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین نسخۂ متبرکہ [illegible]

مثنوی نظم رہنما

۱۲۸۶

[illegible]

[illegible] ۱۳۱۳ [illegible] ۲۲-۱-۰۱

تصنیف لطیف فخر روزگار زبان اُردو دیدہ اعلیٰ جناب نواب سید محمد حسین خان بہادر

المتخلص بہ امیر شاگرد رشید فصیح الفصحا جناب میر نواب صاحب مونس مرحوم

مطبوعہ مطبع اثنا عشری سید عابد علی رضوی طبع پوشید

قیمت فی جلد ۵ر | جملہ حقوق محفوظ | تعداد طبع ۲۰۰

مثنوی "نظم رہنما" کا سرِ ورق

قلمی مرثیے کا پہلا صفحہ

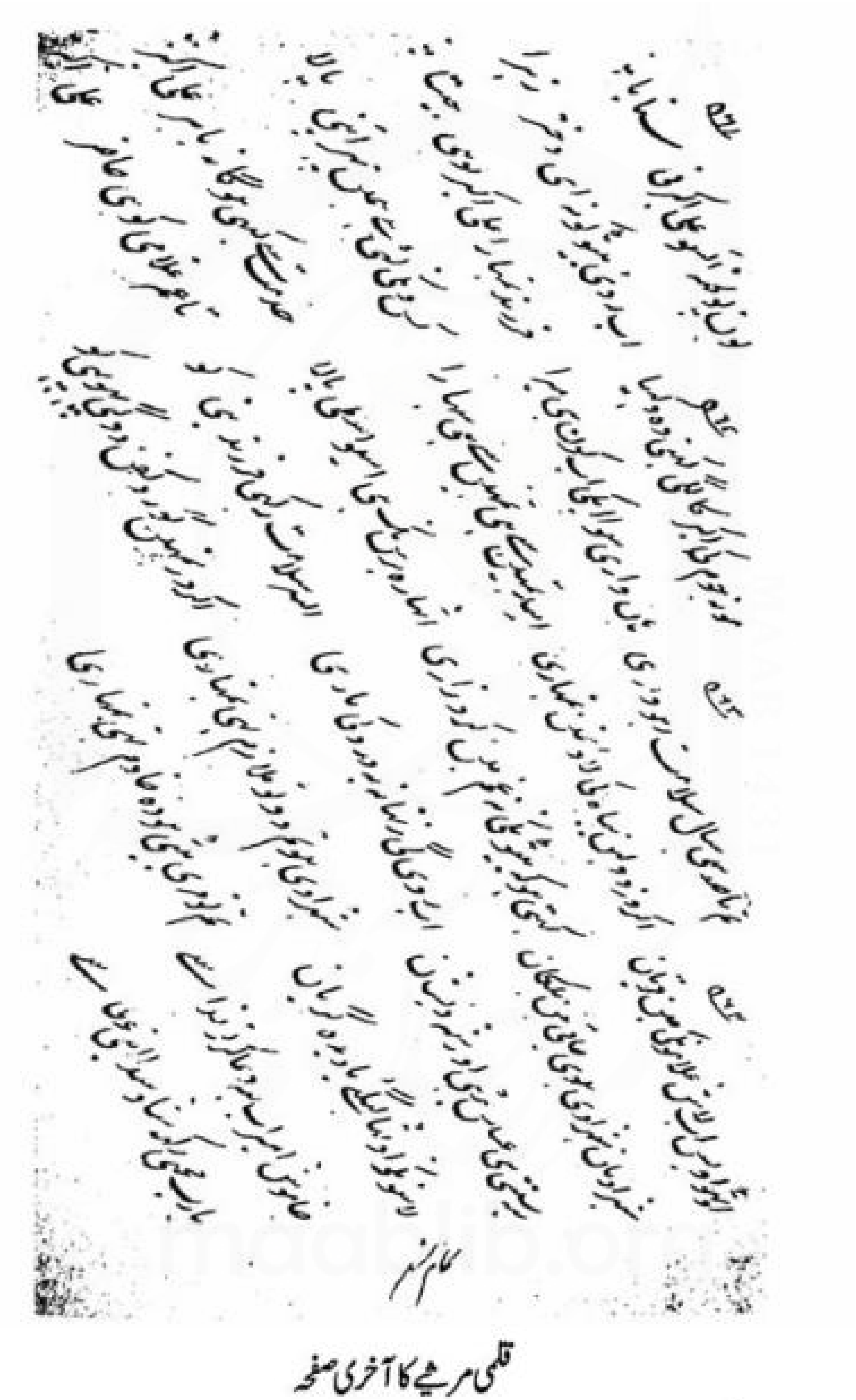

قلمی مرثیے کا آخری صفحہ

نواب سید محمد حسین خاں امیرؔ　　　　غیر مطبوعہ

مرثیہ

درحال عونؑ و محمدؑ

۶۴ بند

کیوں خودِ قمر زیبِ سرِ چرخِ بریں ہے　　کیوں دستِ فلک میں سپرِ مہرِ مبیں ہے
کیوں قوسِ قزح سہم کے اب گوشہ نشیں ہے　　کیوں پر کو سمیٹے ہوئے جبریلِ امیں ہے
کیوں خوف سے رعشہ ہے تنِ چرخِ کہن میں
ہاں جعفرِ طیارؑ کے شیر آتے ہیں رن میں

آنکھوں میں جو چھایا ہوا ہے نشۂ پیکار　　گھوڑوں کو دبائے چلے آتے ہیں وہ جرار
کہتا ہے بڑے بھائی سے چھوٹا یہی ہر بار　　دریا بھی بہے خوں کا چلے آج جو تلوار
ہرگز نہ کروں گا میں کمی قتلِ عدو میں
جب تک کہ نہ گھوڑا مرا ڈوبے گا لہو میں

گھوڑے کو بڑھاتا ہے کبھی عونؑ خوش اختر　　کہتا ہے ہر اک بار محمدؑ سے یہ بڑھ کر
بہتر ہے جو اس رُخ سے چلو فوجِ ستم پر　　مہلت بھی سنبھلنے کی نہ پائیں یہ ستمگر
لشکر کو بس اب شیر سا جاتے ہی دبا لو
روباہوں کو نوکوں پہ سنانوں کی اٹھا لو

کہتا ہے محمدؑ کہ بہت خوب برادر　　نیزوں کے تلے رکھ لو ستمگاروں کو چل کر
گھوڑوں کی ہی ٹاپوں سے کچل جائیں گے خودسر　　کچھ فوج کے انبوہ سے ڈرتے نہیں صفدر
ہم آپ کے ہر ایک قدم ساتھ ہیں بھائی
جس سمت سے چاہو چلو ہم ساتھ ہیں بھائی

اعدا کے تو ہم قتل پہ حاضر ہیں برادر — اظہار نسب پہلے مگر کرنا ہے بہتر
اکثر اسی انداز سے لڑتے ہیں دلاور — باور نہ ہو تو پوچھ لو عباسؑ سے چل کر
کچھ خوف نہیں شیر ہیں ہم حق کے ولی کے
جعفرؑ کے تو پوتے ہیں نواسے ہیں علیؑ کے

بھائی کا سخن سن کے کہا بھائی نے اچھا — واجب ہے بیاں پہلے حسب اور نسب کا
یہ سن کے کیا رخش کو بس عونؑ نے کوڑا — اور ساتھ ہی رہوار محمد نے اٹھایا
شیروں کی طرح عازمِ میداں ہوئے دونوں
اک آن میں لشکر میں نمایاں ہوئے دونوں

اعدا کے انھیں دیکھ کے ہوش اُڑ گئے اک بار — جا کر پسر سعد سے بولے کئی مکار
آرام سے کیا خیمے میں بیٹھا ہے تو سردار — دو اور دلاور ہوئے میداں میں نمودار
چتون سے عیاں قہر ہے، تیور ہیں بلا کے
اک فوج پہ دُہرے غضب آتے ہیں خدا کے

گھبرا کے یہ تب شمر سے بولا وہ ستم گار — ہاں دیکھ تو لو کون سے دونو یہ ہیں جرار
جو خوف سے سب فوج کے ہوش اُڑ گئے اک بار — شاید کہ نمودار ہوئے رن میں علمدار
دو شیر بتائے ہیں جوان لوگوں نے آ کے
اکبرؑ نہ چلے آئے ہوں ہمراہ چچا کے

جاسوس نے ناگاہ کہے آ کے یہ اخبار — زینبؑ کے پسر شہ سے رضا لے کے بس اک بار
رہواروں پہ جا کر مرے آگے ہوئے اسوار — اغلب ہے کہ میداں میں ہوئے ہوں وہ نمودار
بل تیوریوں پر خشم سے دونوں کے پڑے ہیں
گو عمر میں کم ہیں پہ ارادوں میں بڑے ہیں

بولا عمرِ سعد انھیں کا ہے یہ شہرہ — میں نے انھیں دیکھا ہے سن ان کے ہیں ابھی کیا
تب شمر یہ بولا کہ تو کمسن نہ سمجھنا — جعفرؑ کے وہ پوتے ہیں وغا کھیل ہے اُن کا
دادا کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں وہ بھی
حیدرؑ کے نواسے ہیں ارے شیر ہیں وہ بھی

بولا عمرِ سعد کہ جا دیکھ تو پیکار — کس رنگ کے رہوار ہیں کس ڈھنگ کے اسوار
کس طرح رجز پڑھتے ہیں کیا کرتے ہیں اظہار — آتے ہی وغا کرتے ہیں یا کرتے ہیں گفتار
لشکر میں تو رعبان کے سے ہل چل ہی پڑے گی
میں پاس کھڑا ہوں گا تو فوج اُن سے لڑے گی

زینبؑ کے پسر جبکہ ہوئے عازمِ پیکار — اور دشتِ وغا میں ہوئے شیرانہ نمودار
آتے ہی عناں روک لی رہواروں کی اک بار — اور گاڑ کے نیزوں کو یہ کی فوج سے گفتار
شمشیر زنی جنگ میں ہیں کام ہمارے
اور عونؑ و محمدؑ میں سنو نام ہمارے

دادا ہے علمدارِ نبیؐ ، جعفرِ طیارؑ — جلتے ہیں سدا نام سے جن کے دلِ کفار
مشہور ہے آفاق میں اُس شیر کی تلوار — شانوں کو کٹا ہو کے جب رن میں سبک بار
یہ درجے طفیلِ نبوی اُن کے لیے ہیں
اللہ نے پَر اُن کو زمرد کے دیئے ہیں

نانا ہے شہنشاہِ عرب حیدرِ کرارؑ — اللہ نے بھیجی ہے جسے عرش سے تلوار
جس وقت کہ خیبر میں ہوئے عازمِ پیکار — مرحب سے جواں کو کیا اک ضرب میں فی النار
کفاروں کے سر کاٹے ہیں تلوار نے اُن کی
جبرئیل کے پَر کاٹے ہیں تلوار نے اُن کی

ماموں وہ ہیں جن کی ہے عیاں خلق پہ توقیر — اک حضرتِ شبرؑ ہیں تو اک حضرت شبیرؑ
اور تیسرے عباسؑ یداللہ کی تصویر — حیدرؑ نے کہا ہے جنہیں اللہ کی شمشیر
ہوتے ہیں جری زیر و زبر نام سے اُن کے
شیروں کے لرزتے ہیں جگر نام سے اُن کے

عبداللہ جعفرؑ ہے پدر ، غازی و صفدر — اور دخترِ خاتونِ جناں اپنی ہے مادر
اک روز عبادت میں گری سر سے جو چادر — طالع نہ ہوا ظہر تلک مہرِ منور
اعزاز و شرف اُن کے بھلا کیا کوئی جانے
بھیجی ہے جسے چادرِ تطہیر خدا نے

یارو تمہیں انصاف سے بتلاؤ خدارا   جیسا کہ حسب اور نسب اپنا ہے اعلا
عالم میں نجیب الطرفین اور ہے ایسا   کن شیروں کے ہم شیر ہیں واقف نہیں تم کیا
اماں کی طرف سے تو نواسے ہیں علیؑ کے
اک رشتے سے پوتے ہیں رسولِ عربیؐ کے

ماموں سے ہمارے ہے شرف عرشِ بریں کو   تعلیم ہمیں نے کیا جبرئیل امیں کو
روشن کیا نور اپنے سے خورشید مبیں کو   اور پاک کیا کفر کی ظلمت سے زمیں کو
مغلوب کیا فرقۂ کفار ہمیں نے
اور خلق پہ ایماں کیا اظہار ہمیں نے

ہے فخرِ شجاعانِ عرب نام ہمارا   بچپن سے ہے شمشیر زنی کام ہمارا
ہر دم ہے معیں، خالقِ علام ہمارا   لو آخری یہ تم سے ہے پیغامِ ہمارا
بیعت جو کرو اب بھی تو ہم تم سے جھکیں گے
جب تیغے کھینچیں گے تو ہرگز نہ رکیں گے

یہ سن کے عمر نے کیا لشکر کو اشارہ   ہاں کاٹ لو سر ان کے، کھڑے دیکھتے ہو کیا
یہ سنتے ہی سب فوج ہوئی عازمِ ہیجا   یاں بھائیوں کو ہٹ ہٹ کے دلیروں نے سنبھالا
ہشیار ہوئے مثلِ علیؑ تیغ و سپر سے
دامانِ قبا باندھ لیے چشت کمر سے

پھر کاوے پہ رہوار شجاعوں نے لگائے   نیزے بھی کئی طرح سے میداں میں ہلائے
سب کو ہنرِ حیدرِ کرار دکھائے   پھر قہرِ الٰہی کی طرح فوج پہ آئے
لشکر کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ملی تھی
جو پشت سے ہر ایک کے پار انی تھی

اک غول نے گرجم کے کیا عونؑ پہ حملہ   جاتے ہی محمدؐ نے انھیں کر دیا پسپا
کاوے پہ محمدؐ کو جو دس بیس نے گھیرا   تو عونؑ برادر کی مدد کو وہیں پہنچا
از بس تھے دھنی نیزہ و شمشیر کے دونوں
ہر غول کو یوں مارتے تھے گھیر کے دونوں

نیزوں کی وغا سے جو ہوئے تنگ ستم گر　　اک دفع پڑا تہلکہ اُس فوج کے اندر
آخر یہ محمدؑ سے کہا عونؑ نے ہنس کر　　نیزوں سے تو سر بر نہ ہوئے تم سے ستم گر
ہاں اب تہہِ شمشیر جفا کاروں کو کھینچو
نیزوں سے وغا کر چکے تلواروں کو کھینچو

یہ سن کے ہوئے تیغ بکف دونوں وہ صفدر　　اور فوج پہ حملہ کیا جھپٹا کے تگاور
دو بجلیاں اعدا پہ یکا یک گریں آکر　　جل جل گئے تلواروں کے شعلوں سے ستم گر
قربان سرِ تیغ و سناں ہوتی تھیں روحیں
کیا جلد جہنم کو رواں ہوتی تھیں روحیں

جس صف پہ یہ دو نیمچے گرتے تھے چمک کر　　ہو جاتی تھی ششدر صفِ کفار جھجک کر
اُڑتے تھے عدو گھوڑوں نے باندھے تھے وہ چکر　　جا سکتے نہ تھے ان سے جفا کار سرک کر
لاشوں سے جفا کاروں کی رن پاٹتے تھے یہ
ہر غل میں دس بیس کے سر کاٹتے تھے یہ

جب نام علیؑ لے کے اٹھاتے تھے وہ گھوڑے　　دل رعب سے کفار کے ہو جاتے تھے تھوڑے
کہتے تھے کماں دار یہی ہاتھوں کو جوڑے　　ہاتھ اُس کا قلم کیجے جو تیر اب کوئی چھوڑے
تم شیر ہو شیروں سے وغا ہم سے نہ ہوگی
ہم تیر لگا دیں یہ خطا ہم سے نہ ہوگی

کہنے لگا لشکر کے عمر دیکھ کے تیور　　کچھ مکر کیا چاہیے ان شیروں سے بڑھ کر
بے اس کے کبھی مارے نہ جائیں گے یہ صفدر　　آخر یہ لگا کہنے دلیروں سے ستم گر
معلوم ہوا آپ کے اندازِ جلی سے
جعفرؑ کے تو پوتے ہو، نواسے ہو علیؑ کے

پر جنگ سے حیدرؑ کی تو سب خلق ہے آگاہ　　لڑتے تھے ہزاروں سے اکیلے اسد اللہ
ہمراہ نہ ہوتے تھے کبھی جعفرؑ ذی جاہ　　تم دونو برادر تو وغا کرتے ہو ہمراہ
جو مل کے کرے جنگ وہ جانباز نہیں ہے
حیدرؑ کے گھرانے کا یہ انداز نہیں ہے

بھائی کی طرف دیکھا محمدؐ نے یہ سن کر   وہ بولا کہ تنہا ہی لڑو ان سے برادر
سچ کہتا ہے لڑتے تھے یوں ہی فاتحِ خیبر   ہم دیکھتے ہیں حملہ کرو فوجِ ستم پر
حق کیسا شجاعت کا ادا کرتے ہو بھائی
دیکھیں تو سہی کیسی وغا کرتے ہو بھائی

پھر ہنس کے سے بولا عمر سعد یہ جرار   لے فوج کو دے حکم کہ ہو عازمِ پیکار
لڑتا ہے اکیلا جگرِ جعفرِ طیارؓ   یہ سنتے ہی حکم اس نے دیا فوج کو اک بار
تنہا ہی سب آمادہ ہوئے فوجِ وغا پر
یاں حملہ کیا شیر نے گھوڑے کو اٹھا کر

جس صف پہ گری برق صفت تیغ شرر ریز   لاشوں سے وہیں بھر گیا میدانِ بلا خیز
آفت ہوئی برپا کیا توسن کو جو مہمیز   اک پل میں صفیں روند گیا بیسیوں شبدیز
تھے تیغ وفرس تیر نہ خونخواروں کی خاطر
دوہری یہ قضائیں تھیں ستم گاروں کی خاطر

اعدائے نگوں بخت کا سرتن پہ نہ چھوڑا   باقی کوئی تسمہ کسی گردن پہ نہ چھوڑا
ثابت کوئی چار آئینہ جوشن پہ نہ چھوڑا   بے دو کیے اسوار کو توسن پہ نہ چھوڑا
مصری تھا وہ خود آب مگر زہر تھی اُس کی
تھی بارہ قیامت تو برش قہر تھی اُس کی

تھا عازمِ پیکار لعینوں سے وہ صفدر   ناگاہ لگی ایک سناں سینہ پہ آکر
گرتے ہی صدا بھائی کو دی ہاتھ اٹھا کر   اب تم لڑو اعدا سے گرے ہم تو برادر
اور والدہ کے حق سے ادا ہو گئے بھائی
صد شکر کہ ماموں پہ فدا ہو گئے بھائی

سنتے ہی یہ آواز چلا عونؑ خوش اطوار   تا آئے برادر کا نظر آخری دیدار
غصے سے کف آلودہ دہن چشم تھی خونبار   ناگاہ ندا فوج کو دی شمر نے اک بار
اس شیر کو اس لاش تلک آنے نہ دینا
ہاں بھائی کو بھائی کے قریں جانے نہ دینا

یہ سن کے ہوئی سدِ رہ افواجِ ستم گار غازی نے بھی جھنجلا کے وہیں کھینچ لی تلوار
لشکر میں در آئے صفتِ حیدرِ کرارؑ اک آن میں لاشوں کا ہوا دشت میں انبار
مصروف تھا جرار زد و کشت کے اوپر
حاضر مع نصرت تھی ظفر پشت کے اوپر

جس وقت ہوئی ناریوں پر شعلہ فشاں تیغ روحوں کو لگی کرنے جہنم کو رواں تیغ
اعدا کو دمِ قتل نہ دیتی تھی اماں تیغ مغفر میں تو سر چھپتا تھا اور سر میں نہاں تیغ
رہتی تھی نہ بے چاٹے ہوئے خون عدو کا
تھا اس کو مزا پڑ گیا اعدا کے لہو کا

اسوار چڑھا منہ پہ تو سر تن سے اتارا پیدل جو مقابل ہوا فوراً اسے مارا
تیغوں نے کیا جنگ کے میداں سے کنارا غل ہوتا تھا کرتی تھی سپر کو جو دوپارا
ہے ڈھال سے پھل تیغ کا پُر ضو نکل آیا
یا پھاڑ کے بادل کو مہِ نو نکل آیا

گھوڑا بھی دمِ جنگ بہت گرم عناں تھا تلوار کی صورت صفِ اعدا پہ رواں تھا
بجلی کی طرح سے کبھی یاں تھا کبھی واں تھا ہمراہ اجل پھرتی تھی اس کے وہ جہاں تھا
رکھ دیتا تھا پیہم صفِ کفار چبا کے
ٹاپوں سے کچل جاتا تھا منہ اہلِ جفا کے

دی داد بہت شیر نے میدانِ وغا کی کیا کیا تہ و بالا کی نہ فوجِ اہلِ جفا کی
پر حیف کہیں ٹلتی ہے تحریر قضا کی برچھی لگی سینے پہ کسی اہلِ وغا کی
دی شہ کو صدا شکل دکھا جایئے ماموں
زخمی ہوا نیزے سے جگر آیئے ماموں

سنتے ہی اس آواز کو تڑپے شہِ صفدر عباسؑ سے فرمایا کہ اے ثانیِ جعفرؑ
معلوم ہوا مارے گئے دونوں برادر لاشہ پہ بلاتا ہے مجھے عونِ خوش اختر
جاتا ہوں میں اُس کے تنِ صد پاش پہ بھائی
تم بھی مرے ہمراہ چلو لاش پہ بھائی

عباسؑ چلے ہمرہ شاہنشہِ والا اعدا نے جو آتے ہوئے ان شیروں کو دیکھا
یک دفع کیا جنگ کے میداں سے کنارا ناگاہ پڑا شہ کو نظر عونؑ کا لاشا
تھا زخمِ سناں سینۂ صد چاک کے اوپر
بہتا تھا لہو لوٹتے تھے خاک کے اوپر
اتنے میں نظر آیا محمدؑ کا بھی لاشا پر جان تنِ زار میں باقی نہ تھی اصلا
عباسؑ سے شہ بولے ابھی عونؑ ہے جیتا میں اس کو لگاتا ہوں گلے دے کے دلاسا
ہاں جاؤ تم اُس کے تنِ صد پاش کے نزدیک
لاش اس کی بھی لے آؤ اسی لاش کے نزدیک
عباسؑ تو اُس سمت بڑھے لینے کو لاشا سر عونؑ کا یاں خاک سے آقا نے اٹھایا
اور زانوئے اقدس پہ پھر آہستہ سے رکھا وہ بولا کہ کیا آئے شہِ یثرب و بطحا
شہ بولے کہ محزوں تری خاطر ہوا ماموں
لاشہ پہ لو آتے ہیں لو حاضر ہوا ماموں
تب عونؑ نے یوں حضرت شبیرؑ سے پوچھا معلوم ہے کچھ حال محمدؑ کا بھی آقا
گرتے ہوئے رہوار سے تھا مجھ کو پکارا میں جانتا تھا نیزے سے دل چھد گیا سارا
گرتے ہوئے رہوار سے بس مر گیا ہوگا
اغلب ہے کہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا
حضرت نے کہا راہیِ جنت ہوا صفدر لینے گئے لاش اُس کی ہیں عباسؑ دلاور
تم کو بھی لیے چلتے ہیں اب خیمہ کے اندر وہ بولا یہ ہے آپ کو تکلیف سراسر
کیوں جائیے اب خیمہ تلک بوجھ اٹھائے
تھوڑی یہ عنایت ہے کہ شہ لاش پہ آئے
یہ کہتا تھا جو موت کی ہچکی اسے آئی آخر ہوا گودی میں وہ حضرت کا فدائی
سر پیٹ کے پس روئے شہِ کرب و بلا پھر گود میں وہ بھانجے کی لاش اٹھائی
عباسؑ بھی آئے تنِ صد چاک کو لے کر
خیمے کو چلے شاہِ امم لاش کو لے کر

پہنچے جو قریں خیمے کے شاہنشہِ صفدر — دروازے ہی پر جمع تھی سب آلِ پیمبرؑ
سیدانیوں سے رو کے یہ بولے شہِ مضطر — ہاں خیمہ کا پردا تو اٹھا دو کوئی چل کر
دونوں کی برات آتی ہے میدانِ وغا سے
نوشاہ بنے آتے ہیں حیدرؑ کے نواسے

رانڈوں میں یہ سنتے ہی قیامت ہوئی برپا — اور پردہ درِ خیمہ کا فضہؑ نے اٹھایا
داخل ہوئے لاشے لیے گھر میں شہِ والا — اور لاتے ہی مسند پہ انھیں شہؑ نے لٹایا
اسباب کیا دور بدن سے جو وغا کا
سیدانیوں میں شور ہوا آہ و بکا کا

پر حضرت زینبؑ کو تھا زنہار نہ کچھ غم — رونے کا تو کیا ذکر نہ تھی چشم تلک نم
کہتی تھی حرم سے ابھی ہرگز نہ ہو ماتم — ٹھہرو کہ میں کچھ پوچھ لوں عباسؑ سے اس دم
بے پوچھے تو مغموم میں ہوتی نہیں لوگو
پرسا کسے دیتے ہو میں روتی نہیں لوگو

عباسؑ سے پھر بولی کہ صدقے ہو یہ خواہر — سچ سچ کہو تم کو قسم دینِ پیمبرؑ
میداں میں ہوئے عازمِ پیکار یہ کیونکر — منہ تو نہیں تیغوں سے پھرا اس کا برادر
واجب ہے تفحص کہ مرا دودھ پیا ہے
پیچھے تو نہیں رن سے قدم ان کا ہٹا ہے

عباسؑ نے کی عرض یہ کیا کہتی ہو بھینا — جراروں کے بیٹے ہیں کہیں ہوتے ہیں پسپا
حیدرؑ کا سنا ہے کہیں منہ رن سے پھرا تھا — زینبؑ کا یہ بس سنتے ہی دم غم سے بھر آیا
یاد آئی بچے دودھ وہ منت پسروں کی
بس دل میں ہوئی جوش زن الفت پسروں کی

پھر اہلِ حرم سے کہا شاہد ذرا رہنا — جو حق تھا ادا سب کیا فرزندوں نے میرا
میں راضی ہوئی دودھ بھی میں نے انھیں بخشا — سر سبز رہیں خلد میں باعیش و تمنا
پھر سب سے کہا صرف بکا ہوتی ہے زینبؑ
اب شوق سے پرسا دو مجھے روتی ہے زینبؑ

یہ سنتے ہی دوڑے حرمِ سیدِ عالم اور باندھ کے حلقہ کیا سب بیوؤں نے ماتم
لاشوں پہ فدا پہلے ہوئی زینبؑ پُر غم پھر لے کے بلائیں کہا بادیدۂ پُرنم

صدقے ہوئے قدموں پہ امام دو جہاں کے
واری گئی روشن کیا کیا نام کو ماں کے

کیا میری اطاعت کی جزا دے تمہیں داور کہنے کو نہ اک روز ہوئے حکم سے باہر
تھی صبح سے دھن پہلے ہمیں ہوئیں گے بے سر حسرت تھی کسی طرح رضا مند ہو مادر

آتا ہے مجھے پیار سعادت پہ تمہاری
صدقے یہ دل افگار شہادت پہ تمہاری

اس ہمت عالی پہ تمہاری یہ فدا ماں واری کیا کیا پالنے والی پہ یہ احساں
نانی سے کیا سرخ رُو اتاں کو مری جاں جو حکم کرو اب وہ بجا لاؤں میں قرباں

ہو فدیۂ شبیرؑ یہ شوکت ہے تمہاری
صدقے گئی خدمت بھی عبادت ہے تمہاری

ان چھوٹی سی لاشوں کے فدا پالنے والی جنگل کو بسایا مرا گھر کر دیا خالی
کام آچکے ہیں جنگ میں مولا کے موالی لو بہرِ وغا جاؤ حضورِ شہِ عالی

رخصت کے بھی اب شاہ سے خواہاں نہیں ہوتے
صدقے گئی شبیرؑ پہ قرباں نہیں ہوتے

کیا حوصلے تھے صبح سے میدانِ وغا کے ہر وقت طلب گار تھے مرضی کے رضا کے
ہر مرتبہ کہتے تھے مرے روبرو آ کے دلوا دو رضا اب ہمیں ماموں کو بلا کے

ہوں پہلے فدا ایسا سر انجام ہو اماں
گر ہوویں ہراول تو بڑا نام ہو اماں

اب ہاتھ نہیں جوڑتے رخصت کو میں واری لو رن کی رضا دیتی ہے ماں درد کی ماری
اٹھتے ہی نہیں کرتی ہوں میں منت و زاری صدقے گئی ایسی تو نہ تھی نیند تمہاری

لب تشنہ جہاں سے لب کوثر گئے پیارو
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم مر گئے پیارو

آنکھوں کے تلے پھرتی ہیں وہ صورتیں پیاری
مجھ کو کوئی صدقے کرے لاشوں پہ تمہاری
کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ ماں کرتی ہے زاری
اماں کو ضعیفی میں دغا دے گئے واری
صدقے گئی سونپا کسے اب کوکھ جلی کو
پردیس میں برباد کیا بنتِ علیؑ کو

زینبؑ کا بیاں سنتے ہی محشر ہوا برپا
بے ساختہ رونے لگے شاہنشہِ والا
اور رونے میں شہ نے کیا اکبرؑ سے اشارا
تم اپنی پھوپھی کو دو گلے مل کے دلاسا
نالے گئے تا عرشِ بریں بنتِ علیؑ کے
روئے علی اکبرؑ جو گلے مل کے پھوپھی کے

یوں پونچھ کے آنسو علی اکبرؑ نے سنایا
اب روئیے بیٹوں کو نہ اے دخترِ زہراؑ
فرزند تمہارا علی اکبرؑ تو ہے جیتا
کس دن کے لیے ہے ہمیں پھر آپ نے پالا
خدمت سے کبھی ہوگا نہ باہر علی اکبرؑ
تا عمر غلامی کو ہے حاضر علی اکبرؑ

منہ چوم کے اکبرؑ کو لگی کہنے وہ دکھیا
ہاں واری سوا آپ کے اب کون ہے میرا
امید تمہیں سے ہے تمہیں سے ہے سہارا
اٹھارہ برس تک ہے اسی واسطے پالا
اللہ سلامت رکھے فرزندِ نبی کو
اک روز تمہیں گور و کفن دو گے پھوپھی کو

تم تا صد و سی سال سلامت رہو واری
اک روز دلہن بیاہ کے لاؤں گی تمہاری
کہتے ہو کہ بیٹوں کے نہ غم میں کروں زاری
اب روئے گی زنہار نہ یہ درد کی ماری
شہزادے ہو تم دونو ملازم تھے تمہارے
تم تو مرے بیٹے ہو وہ خادم تھے تمہارے

اٹھواؤ بس اب لاش غلاموں کی میں قرباں
شہزادیاں، شہزادے ہوئے جاتے ہیں ہلکاں
یہ سنتے ہی عباسؑ بڑھے اور شہِ ذیشاں
لاشوں کو اٹھا لے گئے بادیدۂ گریاں
خاموش امیرؔ اب تو دعا کر یہ خدا سے
یا رب مجھے رکھ شاد صدا اپنی عطا سے

انجمؔ

نام بہادر حسین خاں، تخلص انجمؔ، غزل میں امیرؔ کے اور مرثیے وسلام میں میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ نواب سیّد حسین خاں رسالدار لکھنؤ کے فرزند تھے۔ ان کے دادا نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سیّد احمد علی خاں عرف نواب میر آفتاب، نواب منتظم الدولہ وزیر نصیر الدّین حیدر کی ہمشیرہ کے داماد تھے۔ اس حساب سے خاندانی طور پر ان کے نام کے ساتھ ''نواب'' لکھا جاتا تھا۔

عبداللہ ضیغم لکھتے ہیں:

''لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ عمر بتیس برس کی ہے۔ ابتدائے شعر و سخن میں میر نواب مونسؔ سے اصلاح لی پھر امیرؔ مغفور لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ عراق وحجاز وغیرہ کی بہت سیاحت کی ہے۔ تصویر عکس کشی میں مہارتِ کامل حاصل ہے۔ انھوں نے پہلے اپنی تصنیف کو ناپسند کر کے چاک کر ڈالا تھا۔ اب پھر جمع ہو گیا ہے۔ ایک دیوان، مثنویات، واسوخت، رباعیات، قطعات ان کی تصنیف سے موجود ہیں۔ آدمی ذکی الطبع ہیں۔ شوکتِ کلام کہتی ہے کہ مضمون آفرینی ان کی ذات میں خمیر ہے۔''

(یادگار ضیغم، صفحہ ۳۳، ۳۴)

لالہ سری رام لکھتے ہیں:

''نواب بہادر حسین خاں انجمؔ نیشاپوری ابنِ نواب سیّد حسین خاں رسالدار بن نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سیّد احمد علی خاں عرف نواب میر آفتاب داماد ہمشیرۂ نواب منتظم الدّولہ وزیر نصیر الدّین حیدر۔ فنِ شاعری میں ان پر میر نواب صاحب مونسؔ لکھنوی نے سات برس تک بہت ریاضت کی اور جملہ نکاتِ شاعری بڑی دلسوزی وتوجہ سے ان کے ذہن نشین کیے اُن کے انتقال کے بعد آپ نے تدبیر الدّولہ حضرت امیرؔ سے تلمذ اختیار کیا وہ بھی نہایت توجہ سے آپ کا کلام درست فرمایا کرتے تھے۔ آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔ صورتِ معاش یہ ہے کہ گھر سے آسودہ ہونے کے علاوہ آپ امام باڑہ حسین آباد میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار ہیں۔ شبانہ روز شاعری کا مشغلہ ہے۔ اب ۱۳۲۵ھ میں آپ کی ۵۴ برس کی عمر ہے۔ عرصۂ دراز سے آپ کو فوٹو گرافی کا شوق ہے چنانچہ اس فن میں کثرتِ مشق سے دستگاہ کامل بہم پہنچائی ہے۔ .... مقامی مشاعروں کے ماسوا آپ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی بڑے شوق سے شرکت فرماتے ہیں۔

حاضر جوابی اور نکتہ سنجی میں فرد ہیں۔ خوش فکر اور طباع شاعر ہیں"۔

(خمخانہ جاوید جلد ۱)

بہادر حسین انجم، ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا اس لیے بہت جلد میر مونس کے شاگرد ہو گئے اور سات برس تک اُن سے اصلاح لیتے رہے اور بقول لالہ سری رام "[مونس نے] جملہ نکاتِ شاعری بڑی دلسوزی و توجہ سے اُن کے ذہن نشین کیے۔" میر مونس کے انتقال کے بعد ۱۲۹۲ھ میں اسیر لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا۔ وہ بھی نہایت توجہ سے کلام درست فرماتے تھے۔ انجم نے میر مونس کی شاگردی پر فخر کیا ہے اور اس کا اظہار اُن کی رباعی میں اس طرح ہوا ہے:

الطاف اساتذہ سے پائی یہ مراد   حاصل سرِ منبر ہوئی ہر نظم کی داد
کیوں مجھ سے نہ مومنوں کو ہو انس انجم   مونس استاد، انیس اُن کے استاد

انجم ذاکر بھی تھے اور امام باڑہ حسین آباد لکھنؤ میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار بھی تھے۔ زیاراتِ عتباتِ عالیات اور حج و عمرہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ فوٹو گرافی کے فن میں بھی انھیں دست گاہِ کامل حاصل تھی۔

انجمنِ معیار کے بھی ممبر تھے اور مشاعروں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ رسالہ "معیار" کے متعدد شماروں میں ان کی طرحی غزلیں میری نظر سے گزر چکی ہیں جن کی سرخی میں انھیں شاگرد اسیر لکھا جاتا تھا اس کے علاوہ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے تھے۔ آپ آخری عمر تک شاعری میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ ۲۹ رفروری ۱۹۲۰ء کو لکھنؤ میں وفات پائی۔

انجم کی آخری غزل دل ہوں، محمل ہوں، ماہنامہ "سخن ور" مارچ ۱۹۲۰ء میں چھپی تھی جس کے نیچے یہ نوٹ درج تھا کہ:

"حضرت انجم نے یہ غزل مرحمت فرما کر دفعتاً انتقال کیا۔"

کلام:

انجم نے اپنا ابتدائی کلام ضائع کر کے از سرِ نو جمع کرنا شروع کیا تھا جس میں ایک دیوانِ غزلیات مرتب کر لیا تھا۔ لالہ سری رام کے بیان کے مطابق:

"دیوان جس میں غزلیات کے علاوہ چند مراثی اور سلام بھی ہیں ہنوز مرتب نہیں ہوا۔ ایک مثنوی موسوم بہ 'پرستان خواب' بھی چار ہزار بیت کی آپ کی تصنیف ہے"۔

(خمخانہ جاوید جلد ۱)

ان کے فرزند افسر نواب لکھنؤ کے نامور مرثیہ گو و مرثیہ خوان تھے اُن کے پاس انجم کا کل ذخیرہ

کلام موجود تھا۔ راقم الحروف نے لکھنؤ میں ان کے ورثہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ سب کلام ضائع ہو گیا ہے اب کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس ہی ذخیرے میں انجم کے مرثیے بھی تھے جواب مفقود ہیں۔

لالہ سری رام نے ان کی مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کے متعلق لکھا ہے:

''آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔''

(خمخانہ جاوید، جلد ۱)

لکھنؤ سے انجم کے نوحوں کی ایک بیاض شائع ہوئی تھی جو میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چار ہزار ابیات پر مشتمل ایک مثنوی ''پرستانِ خوان'' بھی شائع ہو چکی ہے۔

انجم کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زبان کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ محاورات و تشبیہات کی طرف بہت توجہ دیتے تھے اور اسلوب بیان میں میر مونس کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے یہاں وہی دبستانِ انیسؔ والے لوازمات پائے جاتے ہیں۔ سلاست، قدرتِ بیان، روزمرہ، مضمون آفرینی، زود گوئی اور الفاظ کی بے ساختگی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ذیل میں انجم کے کلام کے مختلف نمونے درج کیے جا رہے ہیں۔

سلام

جب سروں پر زینبؑ و کلثومؑ کے چادر نہ ہو — مجرئی جنت میں زہراؑ ننگے سر کیوں کر نہ ہو
بے کفن کیوں کر نہ ہو سے رن میں لاشِ شاہ دیں — جبکہ آلِ مصطفیٰؐ کے سر پہ اک چادر نہ ہو
لاشِ اکبرؑ دیکھ کر حوروں سے زہراؑ نے کہا — ہے میرے بابا کا جو ہم شکل یہ اکبرؑ نہ ہو
کس طرح پہچانے زہراؑ پھر بھلا بیٹے کی لاش — جبکہ زخمی سب بدن ہو اور بدن پر سر نہ ہو
شان و شوکت دیکھ کر عباسؑ کی بولے عدو — کس طرح اس سے لڑیں ہم، یہ کہیں حیدرؑ نہ ہو
گود خالی دیکھ کر کہتی تھی بانو اے فلک — ہائے میں جیتی رہوں اور گود میں اصغرؑ نہ ہو
بولی زینبؑ جب زیادہ دل کو بیتابی ہوئی — حلق پر بھائی کے چلتا اس گھڑی خنجر نہ ہو
چیر کر گوشِ سکینہؑ جبکہ لیویں دُر لعین — کیوں صدف میں شرم کے مارے نہاں گوہر نہ ہو
جب لبِ دریا پہ پیاسا قتل ہو جائے حسینؑ — کس طرح کوثر پہ غش پھر ساقیِ کوثر نہ ہو
آیۂ تطہیر جن کی شان میں نازل ہوئی — سر برہنہ وہ پھریں بلوے میں اور چادر نہ ہو

ہو عذابِ حشر کا تب خوف اے انجم تجھے
جب حسین ابنِ علیؑ سا شافعِ محشر نہ ہو

سلام

ہو جس کو غبارِ درِ شبیرؑ کی خواہش
مجرائی اُسے خاک ہو اکسیر کی خواہش

کیا قتل جوانانِ علیؑ ہو گئے رَن میں
بر آئی یہ کیا اُس فلکِ پیر کی خواہش

لاشِ علی اصغرؑ سے کہا بانو نے بیٹا
جب تک تھے میرے پاس تو تھی شیر کی خواہش

پانی کو گئے رَن میں تو وہاں حلق چھدایا
معلوم ہوا پیاس میں تھی تیر کی خواہش

شہ کہتے تھے ہوگا مرے حق میں وہی بہتر
جو ہوگی مرے مالک تقدیر کی خواہش

یوں شمرِ لعیں کہتا تھا چھوڑو شہِ دیں کو
عباسؑ ہے گر خلعت و جاگیر کی خواہش

وہ کہتے تھے ہرگز نہیں ان چیزوں کی پرواہ
ہے دل کو مرے خُلد کی تعمیر کی خواہش

فرماتے تھے شہ پانی کی پروا نہیں مجھ کو
ہے پیاس میں آبِ دمِ شمشیر کی خواہش

خم کر دیا گردن کو پہ ہرگز نہ ہوئے تنگ
عابدؑ کو یہ تھی طوقِ گلوگیر کی خواہش

زینبؑ نے کہا شہ سے کہ کچھ عرض کروں میں ق
بر لائیں اگر آپ وہ ہمشیر کی خواہش

بیٹوں کو تصدق کروں میں آپ کے سر پر
اے بھائی یہ ہے زینبؑ دلگیر کی خواہش

پیاسوں نے خوشی ہو کے پیا جامِ شہادت
تھی کیا انھیں آبِ دمِ شمشیر کی خواہش

حلقوم چھدا دیکھا تو کہنے لگی بانوؑ
اس بن میں تھی اصغرؑ کو میرے تیر کی خواہش

عابدؑ نے کہا سلسلۂ صبر نہ چھوٹے
ہے بس یہی مجھ بستۂ زنجیر کی خواہش

کیا دولتِ دنیا کی تمنا نہیں انجمؔ
ہے دیدِ مزارِ شہِ دلگیر کی خواہش

نوحہ

زینبؑ نے کہا ہائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے
میداں سے نہ پھر آئے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے

فریاد ہے اس غم سے لبِ گور ہوئی میں کیا درد و الم ہیں
پیغامِ اجل لائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے

تعریف کے قابل ہے یہ دونوں کی حمیت اللہ ری غیرت

دریا پہ نہ لہرائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے
قربان ہو ماں بن گئی کیا خشک گلوں پر جانیں گئیں کیوں کر
ہیں زخم کہاں کھائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے
جی جاؤں جو مرجاؤں کہ لاشوں کو نہ دیکھوں دل غم سے نہ ہو خوں
دم میرا نکل جائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے
کیا وقتِ مصیبت تھا جب اے انجم مضطر ماں کہتی تھی رو کر
اس بن میں یہ دکھ پائے مرے عونؑ و محمدؑ پیاسے گئے مارے

نوحہ

بین کرتی تھیں کبریٰؑ یہ رو رو ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو
خوف جنگل میں آتا ہے مجھ کو، ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو
ہائے جنگل میں کیسی لٹی ہوں کن عزیزوں سے اپنے چھٹی ہوں
کیوں نہ روؤں یہ کہہ کہہ کے لوگو، ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو
اب کہاں جا کے بیٹھوں میں دکھیا، ہیں نہ عمو نہ بھائی نہ بابا
کتنے ماتم ہیں اور ہاتھ ہیں دو، ہائے دولہا بنے تم کہا ہو
سر برہنہ ہوں میں زار و مضطر کوئی والی نہ وارث ہے سر پر
جمع ہیں آلِ احمدؐ کے بد گو، ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو
چپ لگی ہے زباں کو یہ کیسی، میں نے دیکھی نہیں بات ایسی
منہ سے بولو ذرا کچھ کہو تو، ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو
غم سے تنگیٔ نفس کر رہا ہے دم بہت اب تفس کر رہا ہے
ظلم کرتے ہیں جلاد ہیں جو، ہائے دولہا بنے تم کہا ہو
ہائے کیا حال لکھوں اب انجم، وہ اسیری وہ گھر کا تلاطم
بین کرنا دولہن کا وہ رو رو، ہائے دولہا بنے تم کہاں ہو

نوحہ

کرتی تھیں یہ رو رو کے بیاں فاطمہ صغرا بھیا علی اکبرؑ
اب حال جو دل کا ہے وہ کہتے نہیں بنتا بھیا علی اکبرؑ

تم کہہ گئے تھے آئیں گے ہم جلد سفر سے اب تک نہیں پلٹے
جیتی ہوں اُسی آس پہ مر مر کے میں دُکھیا بھیا علی اکبرؑ

روتی ہوں بلکتی ہوں تڑپتی ہوں زمیں پر ہیں زخم جبیں پر
سر پھوڑ لیا ہے یہ بڑھا ہے مرا سودا بھیا علی اکبرؑ

بابا ہیں نہ عمو ہیں نہ خواہر نہ برادر کوئی نہیں سر پر
مر جاؤں تو گاڑے مجھے کوئی نہیں اتنا بھیا علی اکبرؑ

سُن ہو گئی ہوں سب کی سنی ہے جو سنائی دانہ ہے نہ پانی
خالق یہ خبر جھوٹ کرے سب رہیں زندہ بھیا علی اکبرؑ

سنتی ہوں سناں کھائی وہاں تم نے جگر میں دی جان سفر میں
یاں درد سے نیلا ہوا خواہر کا کلیجا بھیا علی اکبرؑ

کیا حال کہوں اُس جگر افگار کا انجم تھا گھر میں تلاطم
دن رات یہی پیٹنا تھا اور یہی رونا بھیا علی اکبرؑ

غزلوں سے منتخب اشعار:

انجم کا رنگِ تغزل یہ ہے:

عبث وہ شاد ہوئے توڑ کر ہمارا دل — کہ آئینہ تھا انھیں کی یہ خود نمائی کا
نہ ذکرِ خلد خراباتیوں میں کر اے شیخ — انھیں یقین کہاں اس سُنی سنائی کا

میدانِ حشر گو کہ نہایت وسیع تھا — دیکھا تو سب تمھارے شہیدوں سے پٹ گیا
انجم فراقِ یار میں تڑپو نہ اس قدر — مر جاؤ گے جو زخم کلیجے کا پھٹ گیا

وہ کیوں کھڑے ہیں قیامت میں سر جھکائے ہوئے — کہ عشق میں جو کیا وہ قصور بنے گیا

دیکھا جب اُس صنم کو کیا کیسے حال کیا تھا
ایمان کی تو یہ ہے اسلام کا خدا تھا

شکرِ خدا جو منہ سے نکلا قصور کیا تھا
میری زبان کاٹو گر شکوۂ جفا تھا

خود حال پوچھ کر وہ بگڑا ہے اُف رے ظالم
یہ کیوں کہا کہ میں تھا اور رات بھر خدا تھا

کیوں نظر ہے طرفِ گنجِ شہیداں قاتل
وہ بھی بستی کہیں ہو جائے نہ ویراں قاتل

لب ہر زخم پہ اب آ گئی ہے جاں قاتل
اِک چھری اور پلٹ کر ترے قرباں قاتل

زنداں میں جب رہے نہ بتوں کی جفا سے ہم
پھر موت کس امید پہ مانگیں خدا سے ہم

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم
کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرا سے ہم

واں کیا ہے خوفِ حشر جہاں یہ خیال ہے
کچھ کم نہیں ہیں فتنۂ روزِ جزا سے ہم

وہ بحرِ غم میں کشتیِ دل کیا ڈبوئیں گے
سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں ناخدا سے ہم

آتے ہیں لاش پر وہ منانے کی فکر میں
اب کچھ اُنھیں دکھائی دیے ہیں خفا سے ہم

ترے درد کا دل مبتلا ہے غم علاج میں کیا کروں
نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

بال کھولے تم سوئے گورِ غریباں کیوں گئے
اور بھی روحیں اندھیرے میں پریشاں ہو گئیں

یاں بھی آنکھیں پھر گئیں آیا غرض کے نزع میں
ہم بھی ٹیڑھے ہیں جو برگشتہ وہ مژگاں ہو گئیں

بن گئیں بدمستیاں آخر پسینہ شرم کا
چھن گئیں جب کفر کی باتیں تو ایماں ہو گئیں

دل جلاتے ہیں وہ ابرو تو بجھا بھی دیں گے
کہ جہاں آگ ہے پانی بھی ہے تلواروں میں

اس کا بلبل ہوں جو خوشبو پہ بھی کرتا ہے ستم
پھول بھی چھید کے گوندھے گئے ہیں ہاروں میں

اور اندھیر کیا قبر پہ تم نے آکر
بال کیوں کھول دیے میرے عزاداروں میں

پس گیا خاک ہوا آہ نہ کی واہ رے دل
مرحبا بارِ محبت کے اُٹھانے والے

مے واعظا حرام ہے پھر کیا کرے کوئی
کیوں کر تلاشِ غمِ دنیا کرے کوئی

پردہ دوئی کا دیدۂ مجنوں سے اُٹھ گیا
یوں ہو سکے تو الفتِ لیلیٰ کرے کوئی

دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے   پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی
سب روزِ حشر تشنۂ دیدار جمع ہیں   اب تو وفائے وعدۂ فردا کرے کوئی
اللہ دے جہان میں سب کچھ مگر نہ دے   وہ دل کہ جس میں تیری تمنا کرے کوئی
اللہ رے دردِ شوق کہ پھر عرضِ حال ہے   سو بار سن چکا ہوں کہ "پھر کیا کرے کوئی"
توفیق اپنی اپنی ہے انجم شبِ وصال   ہم تو دعائیں دیتے ہیں کوسا کرے کوئی

شرم کس سے آرہی ہے آپ ہی تو یاں بھی ہیں   دل کے آئینے سے آنکھیں چار رہنے دیجئے
حلق تک دم آ چکا ہے اشتیاقِ دید میں   اب چھری کا کام ہے تلوار رہنے دیجئے

یہاں سے قابضِ ارواح جائیں دشمنوں کے گھر   وہ آ بیٹھے تو مرنے کی ہمیں اب کیا ضرورت ہے

پسینے میں نہ کیوں لہرائیں زلفیں روئے رنگیں پر   یہ جوڑا سانپ کا ہے چاٹنے شبنم نکلتا ہے
ہمارے داغِ دل مٹتے ہیں اٹھتی ہے نقاب اس کی   ستارے ڈوبتے ہیں نیرِ اعظم نکلتا ہے
تمھیں بھی کچھ محبت آزمائی ہے دمِ رخصت   ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیوں کر دم نکلتا ہے

رو رہا ہوں میں شبِ ہجر جو اے نخلِ امید   پانی دیتا ہوں تیرے پھولنے پھلنے کے لئے

وائے میرے حال پر گھر بن ترے ویرانہ ہے   ہائے اُس کا بخت جس کا تُو چراغِ خانہ ہے
نیند وقتِ ذبحِ قاتل آئی جاتی ہے مجھے   تیرے خنجر کی زباں پر کون سا افسانہ ہے
واعظا ہم کو غمِ دنیا و عقبیٰ ہے معاف   رند ہیں بوتل بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

---

maablib.org

حبیبؔ

نام امیر حسن خاں، مرثیے میں تخلص حبیبؔ غزل میں سحرؔ، راجہ صاحب محمود آباد کے دادا تھے۔ غزلیات میں تجمل حسین خاں تجمل سیتاپوری کے اور سلام و نوحہ مرثیہ میں مونسؔ و نفیسؔ کے شاگرد تھے۔ امین الحرمین، نصیر الملت والدین، ملک الشعراء، ممتاز جنگ، امیر الدولہ اور سعید الملک آپ کے مشہور خطابات ہیں۔

شجرۂ نسب

(قاضی نصرت اللہ ۱۸ ویں پشت میں حضرت محمد بن ابوبکر سے جا ملتے ہیں)

قاضی نصر اللہ — شیخ نظام الدین — شیخ غلام مصطفیٰ — نواب داؤد خاں

محمد قائم خاں — عنایت خاں — نواب بایزد خاں — نواب محمود خاں

محمد مرحمت خاں — محمد غلام امام — محمد مظہر علی خاں — امیر علی خاں

نواب علی خاں وہبؔ (شاگرد ناسخ)

راجہ امیر حسن خاں حبیبؔ (شاگرد مونسؔ و نفیسؔ)

مہاراجہ محمد علی محمد خاں محبؔ (شاگرد عارفؔ)

راجہ محمد امیر احمد خاں محبوبؔ — راجکمار محمد امیر حیدر خاں حبؔ

محمد امیر محمد خاں عرف سلیمان میاں — محمد امیر سجاد

ولادت اور پرورش:

امیر الدولہ کی ولادت ۱۶ر جون ۱۸۴۹ مطابق ۱۳ رجب ۱۲۶۵ھ بروز شنبہ کو ہوئی ۹ برس کے سن میں آپ کے والد مرحوم کا سایہ سر سے اٹھ گیا غدر کے فرو ہونے کے بعد برٹش گورنمنٹ کا پورے طور پر تسلط ہو چکا تھا اور خیر خواہانِ سرکار گورنمنٹ انعام واکرام سے مالا مال ہونے لگے اور بدخواہان کو سزائیں ملنے لگیں۔

محمد اکبر سیتاپوری لکھتے ہیں:

''مختصر یہ کہ ان [راجہ نواب علی خان] کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے [امیر الدولہ] قائم مقام ہوئے جن کا سن نو برس کا تھا۔ ۹ برس کے سن میں مسند نشین ریاست ہو گئے ایسے زمانے میں تزک واحتشام ہی کیا لیکن پھر بھی بیگم صاحبہ یعنی والدۂ برجیس بہادر جو چھوٹی سے قریب بونڈی کے مقام پر موجود تھیں لہٰذا اطلاع عرضداشت ایک ریاست کے معتمد کے ذریعے روانہ کی گئی اور خلعت وخطاب امیر الدولہ سعید الملک ممتاز جنگ سرکار اودھ سے روانہ کیا گیا دوسری جانب افسران گورنمنٹ برطانیہ کو جس کی تحقیق ہوئی اور یقین ہو گیا کہ راجہ مقیم الدولہ نے رحلت فرمائی اور ۹ برس کا کم عمر فرزند نابالغ وارث وجانشین چھوڑا ہے تو بمقتضائے معدلت گستری وانصاف پسندی بخیال تحفظ جان ومال ریاست محمود آباد زیر انتظام کورٹ آف وارڈس ۱۴رفروری ۱۸۵۹ء کو لے لی گئی۔ بزمانہ کورٹ آف وارڈس ریاست کی دیکھ بھال وتامل کے زیر نگرانی جو نہایت منتظم اور بہی خواہ ریاست تھا۔ ملازمین قدیم سے متعلق ایک عملہ راجہ صاحب بہادر کے ہمراہ تھا اور اس سے فی الجملہ والدہ امیر الدولہ کو اطمینان رہا اور دل کو تسکین تھی چنانچہ تعلیمی سلسلہ سیتاپور کوئنز کالج بنارس اور کیننگ کالج لکھنؤ میں جاری رہ کر ۶ر مارچ ۱۸۶۷ مطابق ۱۲۸۳ھ کو سرٹیفکیٹ ہو گئی اور اب سن وسال ۱۸ر برس کا ہو چکا تھا''۔

(تاریخ سیتاپور، جلد اول، قلمی)

تعلیم وتربیت:

محمد اکبر سیتاپوری لکھتے ہیں:

''جب امیر الدولہ تعلیم مکمل کر کے سیتاپور تشریف لائے تو بہ منشاء حکام ضلع ابتدا میں ہمارے پردادا یعنی (نظیر احمد وکیل کے دادا) میر مہربان علی اس خدمت پر مقرر ہوئے لیکن وہ بوجہ پیرانہ سالی کیونکہ باہر جانے سے قاصر تھے اس بنا پر انھوں نے اپنے بھائی مولوی امتیاز علی کو اپنی جگہ مقرر کرا دیا۔

راجہ امیر الدولہ کے معلم عربی وفارسی امتیاز علی (متوفی: ۶ر رمضان ۱۳۱۱ھ) اور حکیم طاہر علی (متوفی: نوربیع الاول ۱۳۱۱ھ) ساداتِ علامِ سیتاپور

تھے، ۹ برس سے ۱۸ برس تک ان حضرات نے تعلیم عربی و فارسی کا ایسا درس و سبق دیا کہ آج ان کی کتب شاہد ہیں کہ آپ میں کیا قابلیت پیدا ہوگئی تھی۔ بلکہ خطبہ غدیر کا ترجمہ، بحار الانوار جلد ۱۷، السماء والعالم (انگریزی) کا ترجمہ، صحیفہ کاملہ کا ترجمہ معیار جاننے کیلئے کافی ہیں۔

(تاریخ سیتاپور، قلمی)

امیر امام حرّان کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"راجہ محمد نواب علی خاں صاحب مرحوم جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آزادی خواہوں کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے لکھنؤ کے ایک مورچے پر شدید مجروح ہوئے اور اپنی ریاست کے دیہات چھوٹی میں جا کر جاں بحق ہوئے۔ ان کے انتقال کے وقت ان کے بیٹے مسمّی بہ محمد امیر حسن خاں صرف تقریباً ۹ سال کے تھے۔ ان کی کمسنی کے علاوہ خود ہندوستان کے انقلابی رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزوں نے دوبارہ حکومت ہند سنبھالنے کے بجائے ریاست محمود آباد کو ضبط کرنے، اس کے سابق والی [نواب علی خاں] کے یتیم بیٹے [راجہ امیر حسن خاں] کو بہ حکمتِ عملی بچپن ہی سے اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے مغربی تعلیم بھی دلوانے کا انتظام کیا چنانچہ راجہ محمد نواب علی خاں صاحب کے بیٹے [راجہ امیر حسن خان] کی تعلیم کوئنز کالج بنارس میں ہوئی جہاں انھوں نے انگریزی زبان اور مغربی ادب و علوم حاصل کئے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبان اور ادب کی تعلیم بھی جاری رہی۔ جب وہ جوان ہوئے تو انگریزوں نے ان کو ریاست محمود آباد کا والی اور راجہ تسلیم کر لیا اور اس طرح بلرامپور کے بعد اودھ کی یہ سب سے بڑی ریاست مٹنے سے بچ گئی"۔

(طلوعِ افکار، راجہ صاحب محمود آباد نمبر صفحہ ۳۳، ۳۴)

تلمذ:

جب شاعری کی ابتدا ہوئی تو تجمل حسین تجمل سیتاپوری کے شاگرد ہو گئے۔ مرثیے پر میر مونسؔ سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد میر نفیسؔ کے شاگرد ہو گئے تھے۔ مہاراجکمار محمد امیر حیدر خان لکھتے ہیں:۔

"انھوں نے اپنے والد مرحوم کی تاسی کرتے ہوئے انصار حسینؑ میں سے ایک نہایت برگزیدہ ہستی کا نام چن کر اپنا تخلص حبیب، اختیار کیا اور ان کو میر مونسؔ، میر نفیسؔ اور استاد میر تجمل حسین

صاحب سیتاپوری [شاگردِ آتش] سے تلمذ حاصل تھا"۔

(مراثی محب صفحہ ۷)

ایک مرثیے میں میر مونسؔ کی شاگردی پر اس طرح فخر کیا ہے:

مجھ کو سودا نہیں ہے سر میں ہوائے مونسؔ　　عہد طفلی سے دل و جاں ہیں فدائے مونسؔ
نہیں چھپتی کسی پردے میں صدائے مونسؔ　　مجھ سے پوچھے کوئی آہنگِ نوائے مونسؔ
لحنِ داؤد کا مجلس کو پتہ دیتا ہوں
ہو کسی ڈھن میں، میں اُس لے کو بتا دیتا ہوں

دوسرے مرثیے میں میر نفیسؔ کی شاگردی پر فخر کیا ہے:

ہے مری نظم میں ہر بیت کی بنیاد نفیسؔ　　رکن ہر شعر کے دلچسپ ہیں اوستاد نفیسؔ
رزم کا ڈھنگ نیا بزم کی ایجاد نفیسؔ　　کیوں نہ شاگرد ہو اچھا کہ ہے استاد نفیسؔ
فیضِ استاد سے کیا نام ہمارا چمکا
مہرِ خورشید سے ذرّے کا ستارہ چمکا

امیر الدولہ میر نفیسؔ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور میر نفیسؔ رمضان میں حضرت علیؑ کی شہادت کی مجالس کے سلسلے میں بطورِ خاص ریاست محمود آباد بلائے جاتے تھے۔ امیر الدولہ ان کی خوب خاطر مدارات فرماتے تھے۔

سید علی حسن رمالؔ لکھتے ہیں:

"میر نفیسؔ قبلہ جب پہلی مرتبہ محمود آباد قلعہ میں مجلس پڑھنے آئے اور روضہ کربلا کی زیارت کو تشریف لے گئے تو جذبات سے بے خود ہو کر ایک سلام کربلا میں بیٹھ کر نظم فرمایا، جس کو بہت جلی حروف میں پتھر پر کندہ کروایا، جو برآمدے کے چھجر کے نیچے پورے برآمدے پر موجود ہے"۔

(شیعہ، لکھنؤ، عزا نمبر، صفحہ ۱۵۸، ۱۹۸۵ء)

زودگوئی:

امیر الدولہ بہت زودگو تھے۔ جب مرثیہ کہنے بیٹھتے تو جوشِ طبیعت سے مضامینِ نادر کے بحر مواج میں طغیانی آجاتی تھی اور بہت تیزی سے بند کے بند کہہ ڈالتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض مرثیے چار سو بند تک کے ہیں۔ مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں اس سلسلے میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

"ان [حبیبؔ] کی سرعتِ تصنیف کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرثیہ لکھوانے بیٹھتے تو بند کے بند سیلاب کی طرح امنڈنے لگتے تھے کہ زود نویس کاتب بھی ان کو قلمبند کرنے سے عاجز رہ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی حقیقت کی تفصیل میں ایک دلچسپ حکایت یاد آ گئی،

وہ یہ ہے کہ مہاراجہ مرحوم (راجہ صاحب کے والد) نے اگرچہ اپنے مکتب کے زمانے میں حسب دستور تختی پر خوشنویسی کی پوری پوری مشق کی تھی لیکن بعد کو عادتاً اپنی تحریر میں نقطہ بہت کم دیتے تھے۔ ایک دن کسی نے سبب پوچھا تو انھوں نے بیان فرمایا کہ "راجہ ابا" اکثر مرثیہ تصنیف کرتے وقت مجھ کو حکم دیتے تھے کہ لکھو اور خود بولتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ ان کی روانیِ طبع کا یہ عالم تھا کہ اگر میں نقطہ دینے کے لیے توقف کرتا تو اتنی جلدی نہ لکھ سکتا یہی سبب تھا کہ نقطہ دینے کی عادت چھوٹ گئی"۔

(مراثی محب صفحہ ۸)

زود گوئی کے سبب مشکل سے مشکل ترین شعر کا جواب دینا ان کیلئے معمولی سی بات تھی۔ لالہ سری رام نے ناسخ کے ایک شعر پر امیر الدولہ کے جوابی شعر کا تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ناسخ کی مشہور غزل جس کا مطلع یہ ہے

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ چرخِ ہجراں کا

اسی زمانے میں مقبولیت حاصل کر چکی تھی اور ہر شخص کی زبان پر یہ مطلع تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ کا قول تھا کہ اس مطلع کا جواب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ناسخ خود بھی چاہیں تو ایسا نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب آپ نے یہ مطلع کہا:

شگافِ دامنِ شب چاک ہے میرے گریباں کا جنوں انداز ہے عنواں نمودِ روزِ ہجراں کا

تو تمام لکھنؤ میں دھوم مچ گئی۔ جو سنتا تھا راجہ صاحب کی فکرِ صائب اور طبعِ بلیغ کو آفرین کہتا تھا۔

(خمخانہ جاوید جلد چہارم صفحہ ۱۱۲)

مرثیہ خوانی:

امیر الدولہ کو مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ عبد الشکور شیدا نے ان کو پڑھتے سنا تھا وہ ان کے فنِ خوانندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فضل و کمال سے سلف کی یادگار تھے اور شانِ امارت میں فردِ روزگار۔ میں نے مرحوم کو دیکھا اور سرِ منبر مرثیے پڑھتے سنا ہے۔ وہ نورانی پُرشکوہ صورت آج بھی نظر میں ہے"۔

(بیاضِ سخن صفحہ ۱۳۰)

عزاداری میں اہتمام:

امیر الدولہ کو عزاداری سید الشہداءؑ میں بے انتہا انہماک تھا۔ جب وہ زیارات سے واپس آئے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ لکھنؤ کی طرح محمود آباد میں بھی حضرت علیؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے روضوں کی شبیہ ہونی چاہیے سو انھوں نے اس کارِ عظیم کا بھی اہتمام کیا۔ علی حسن رمال لکھتے ہیں:۔

''امیر الدولہ راجہ امیر حسن خاں صاحب مرحوم اپنے ہمراہ بہترین معماروں کو عراق لے گئے اور بالکل اسی نقشہ کے مطابق جیسا کہ اب سے ڈیڑھ صدی پہلے روضۂ کربلا تھا، ویسا ہی روضہ تعمیر کروایا۔ صرف بڑے اور چھوٹے کا فرق تھا۔ روضہ نجف اشرف بھی بالکل مشابہ روضۂ مولائے کائنات ہے۔ روضہ عباسؑ ڈیڑھ سو سال قبل جیسا تھا ویسا ہی ہے''۔

(شیعہ لکھنؤ، عزا نمبر، صفحہ ۲۱۵، ۱۹۸۵ء)

۱۸۷۱ء میں انجمن تعلقہ داران اودھ کے وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے اور بعد وفات مہاراجہ سر دگنج سنگھ ۱۸۸۲ء میں پریذیڈنٹ منتخب ہوئے اور ۱۹۰۰ء تک اس عہدے پر برقرار رہے۔ (تاریخِ انجمنِ ہند)

لارڈ لارنس وائسرائے گورنر جنرل بہادر کے عطایا:

امیر الدولہ بہادر کو وائسرائے بہادر نے دربار میں خلعت مع شمشیر ولایتی عنایت فرمائی اور بذریعہ مراسلت نمبر ۵۳۶ مورخہ ۲ر فروری ۱۸۷۲ء خطاب امیر الدولہ، سعید الملک، ممتاز جنگ عطا ہوئے۔ جو بر بنائے تحریک ہنری ڈیوس سابق چیف کمشنر ۵ر مئی ۱۸۷۱ء ہوئی تھی جس کو وائسرائے بہادر نے منظور فرمایا تھا۔

(تاریخِ انجمنِ ہند)

قحط ۱۸۷۷ء کی خدمات:

قحط کے زمانے میں آپ نے بڑی فیاضی اور کشادہ دلی سے اپنی رعایا کی امداد فرمائی۔

سر مارج کوپر لفٹنٹ گورنر ممالکِ مغربی وشمالی و چیف کمشنر نے اودھ نے دربار میں آپ کی فیاضی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو خلعتِ فاخرہ عطا فرمایا۔ (تاریخِ انجمنِ ہند)

مسئلہ الحاقِ اودھ:

مسئلہ الحاقِ اودھ و دیگر قوانین کے نفاذ میں آپ نے بڑی دلیری اور بے خوفی کا اظہار فرمایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ۱۸۸۶ء میں ایکٹ لگانِ اودھ کی ترمیم کا مسئلہ پیش تھا تو آپ وائسرائے کونسل کے ممبر تھے۔

(تاریخِ انجمنِ ہند)

زیارتِ عتباتِ عالیات و سرکار امام حسینؑ سے خطابات:

تاریخِ انجمنِ ہند میں لکھا ہے کہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۸ء میں آپ عتباتِ عالیات کی زیارت کیلئے عراق تشریف لے گئے جہاں منجانب دولت عالیہ عثمانیہ ترکی، بڑی عزت سے استقبال ہوا۔ دس سوار

بغرض حفاظت جان و مال خشکی کے سفر میں ہمراہی کے لیے مقرر ہوئے سرکار سید الشہداء سے خطاب ''نصیر الملت'' مع خلعت عطا ہوا اور حضرت علیؑ کے دربار سے ''امین الحرمین'' عطا فرمایا گیا۔ ۵ ردسمبر ۱۸۸۹ء کو اس سفر سے واپسی ہوئی۔

۱۳۰۷ھ کے سفرِ زیارت میں مولوی سید محمد رضا لکھنوی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ امیر الدولہ امام حسینؑ کی اصل قبرِ اقدس کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے وہ لکھتے ہیں:۔

''۱۲۸۰ھ میں جب کاتب کا ورود مشہدِ پاک سید الشہداء ہوا تھا سرداب قبر مشتبہ تھا جب بار دوم ۱۳۰۷ھ میں ہمرکابِ فیض انتساب آقائے نعمت اعلیٰ حضرت امین الحرم نصیر الملۃ والدین ملک الشعراء دی ازا یبلی امیر الدولہ سعید الملک راجہ محمد امیر حسن خان صاحب بہادر ممتاز جنگ والی ریاست محمود آباد مشرف ہوا، اشتباہ رفع ہوا چنانچہ حضرتِ محتشم الیہ قبرِ مطہر سے تربت لائے ہیں''۔

(کشف الداعیہ فی شرح زیارت ناحیہ جلد ۲ صفحہ ۲۳)

دیگر خطابات: ۲۴ رمئی ۱۸۸۳ء سی آئی اے اور ۵ رمارچ ۱۸۸۴ء خان بہادر کا خطاب موروثی ملا۔ راجہ کا خطاب ۱۸۷۷ء ہی میں گورنمنٹ موروثی تسلیم کر چکی تھی۔

آپ کی فیاضی وسخاوت:

عراق میں آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بڑا شہرہ ہوا۔ آپ نے کربلا میں حجۃ الاسلام جناب مولانا شیخ زین العابدین مازندرانی کا کل قرضہ جس کی تعداد ستر ہزار روپے تھی اپنی جیب خاص سے ادا فرمایا تھا۔ ضریح اقدس پر از سرِ نو چاندی چڑھوائی اور جب تک وہاں قیام رہا برابر خیرات ولنگر وطعام جاری رہا۔ لکھنؤ کی انجمن رفاہِ عام و مدرسہ اسلامیہ آپ کی فیاضی کی یادگاریں ہیں آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو آپ ایک سو روپے غربا و مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔ (تاریخ انجمن ہند)

امیر الدولہ کی ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ قومی خدمات بھی قابل قدر رہی ہیں۔ انھوں نے دل کھول کر اپنے سرمائے سے قوم وملت کیلئے بے بہا خدمات انجام دی ہیں جن کی یادگاریں آج تک باقی ہیں۔ امیر الدولہ لائبریری قیصر باغ، امیر الدولہ اسلامیہ کالج اور امیر الدولہ ہائی اسکول ان ہی کے نام سے منسوب ہیں۔ لالہ سری رام لکھتے ہیں:۔

''آپ کے ملکی اور قومی کارنامے صفحہ عالم پر آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ سینکڑوں انجمنوں، مسجدوں، امام باڑوں کو آپ نے امداد دی، مسئلہ تعلیم کی قومی دقتوں پر غور کرتے ہوئے مدارس کی ہمدردی میں حصہ لیا''۔

(خمخانہ جاوید جلد چہارم صفحہ ۱۱۰)

امیر امام حر لکھتے ہیں:

"جب لکھنؤ یونیورسٹی کی ابتدا کیننگ کالج کی شکل میں ہوئی تو اس کے لیے بھی راجہ امیر حسن خاں امیر الدولہ والی محمود آباد نے دل کھول کر سرمایہ دیا"۔

(طلوع افکار، راجہ صاحب، محمود آباد نمبر، صفحہ ۳۴)

تعمیر اسکول، کالونی اور خطاب کے سی آئی اے:

۱۸۸۹ء میں یہ یادگار سر آکلینڈ کالون صاحب لفٹنٹ گورنر، محمود آباد میں ایک اسکول تعمیر کرایا جس کا بنیادی پتھر حضور ممدوح نے نصب کیا اور ۱۸۹۳ء میں آپ کو گورنمنٹ برطانیہ سے خطاب "کے سی آئی اے" مرحمت ہوا۔ (تاریخ انجمنِ ہند)

خطاب آنریبل امیر الدولہ بہادر:

۱۱ر جنوری ۱۸۸۶ء گورنمنٹ انگلیشیہ نے عطا کیا۔ (تاریخ انجمنِ ہند)

توپ رکھنے کی اجازت:

۲۵ر نومبر ۱۸۹۵ء کو بذریعہ گورنمنٹ آپ کو توپ رکھنے کی اجازت ہوئی۔ (تاریخ انجمنِ ہند)

وفات:

شیخ علی حسن مؤلف "مختصر تاریخ محمود آباد" نے تاریخِ وفات ۳۱ر مئی ۱۹۰۳ء تحریر فرمائی ہے مگر ریاست کی یادداشت میں ۳۰ر مئی ۱۹۰۳ء مطابق ۲ر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ بروز جمعہ ہے۔ جب امیر الدولہ کی وفات ہوئی تو اس روز شبیہِ تابوت رسولِ خدا اٹھایا جا رہا تھا چنانچہ امیر الدولہ کا جنازہ تابوت کے پیچھے پیچھے لے جایا گیا اور دفن کیا گیا۔

(تاریخ سیتاپور، جلد اول، قلمی)

امیر الدولہ لائبریری کے سنگِ بنیاد کی تقریب:

تاریخ انجمن ہند میں ہے کہ "امیر الدولہ مرحوم جنت آرام گاہ چونکہ تعلقہ داران اودھ میں پریسیڈنٹ انجمن ہند کے ممتاز عہدے پر فائز رہ چکے تھے لہٰذا ۷ر فروری ۱۹۰۴ء کے جلسے میں نرائن سنگھ کے سی آئی اے لائف پریزیڈنٹ انجمن ہند اودھ نے سر راجہ صاحب مرحوم کے حالات اور ان کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تحریک کی کہ راجہ صاحب مرحوم کی کوئی یادگار رہنا چاہیے اور چونکہ...... راجہ صاحب مرحوم علم دوست تھے اور انھیں علوم وفنون کی ترقی سے خاص دلچسپی تھی اس لیے ان کی یادگار میں ایک لائبریری قائم کرنا مناسب ہوگا۔

کچھ مدت تک یہ مسئلہ ملتوی رہا پھر انجمن نے منظوری دے دی۔ اس موقع پر آنریبل سر راجہ محمد

علی محمد خاں محمود آباد نے فرمایا کہ علاوہ رقم مجوزہ سب کمیٹی سرسٹھ ہزار پانچ سو روپے کے، ریاست محمود آباد سے پچاس ہزار روپے نقد اور تیس ہزار روپے کی کتابیں اس یادگار کی تکمیل کے متعلق دی جائیں گی"۔

(تاریخ انجمن ہند اودھ)

۲۲ رجنوری ۱۹۲۱ء گورنر بہادر کو سنگ بنیاد نصب کرنے کی دعوت دی گئی، سر مہاراجہ صاحب بلرام پور پریسیڈنٹ انجمن ہند نے ایڈریس پڑھا جو حسب ذیل ہے اور تاریخ انجمن ہند اودھ سے نقل کیا جاتا ہے:

"ہم اپنے طبقے کے سچے محسن یعنی امیر الدولہ، سید الملک راجہ امیر حسن خاں صاحب بہادر کے احسانات کی شکر گزاری کے اظہار کے لیے آپ کی ایک یادگار قائم کرنے کی غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ سر امیر الدولہ بہادر کے کارنامے تعلقداروں کے ساتھ ان کی سچی اور بے غرضی جز طلبی معاملاتِ ملکی میں ان کی مدبرانہ قابلیت اس درجہ مشہور زباں زد خاص و عام ہے کہ محتاج بیان نہیں...... مسئلہ الحاق اودھ اور قانونِ لگان میں جس قسم کی خدمات انھوں نے کیں وہ اپنی آپ مثال ہیں۔ علاوہ بریں کوئی معاملہ ملکی ایسا نہ تھا جس میں انھوں نے ممتاز اور قابلِ قدر معہ؟؟ نہ لیا ہو۔ ان کا بہی خواہ ملک اور سلطنت ہونا محض ہم لوگ ہی نہیں تسلیم کرتے بلکہ ہندوستان اس کا قائل ہے۔ وہ ہمیشہ سرگرمی سے ملک کی بہبودی میں کوشاں رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۳ء میں انتقال فرمایا۔ چونکہ مرحوم و مغفور ہمیشہ علم دوست رہے تھے اس لیے ان کی یادگار کے طور پر امیر الدولہ لائبریری قائم کر کے ہم ان کے گراں بہا اور ناقابل معاوضہ احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں نہایت خوشی ہے کہ اس یادگار کا سنگِ بنیاد حضور والا کے دستِ مبارک سے رکھا جائے گا جن کا تعلق ایک ممتاز اور علم دوست خاندان سے ہے جس کے علمی اور تعلیمی کارنامے ہم سے مخفی نہیں ہیں اور جو گورنمنٹ انڈیا کے شعبہ تعلیمات کے پہلے ممبر کی حیثیت سے لارڈ میکالے ایسے عالم متبحر اور مشہور مورخ کے جانشین رہ چکے ہیں اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ حضور والا کو سر راجہ صاحب مرحوم سے رشتۂ ارتباط و محبت و یگانگت تھا"۔

۶ رمارچ ۱۹۲۶ء ہز اکسیلینسی سر ولیم میرس گورنر صوبہ متحدہ آگرہ اودھ نے لائبریری کا افتتاح فرمایا اور اپنی تقریر میں کہا:

"اس پوری عمارت کی تعمیر میں جو کثیر رقم صرف ہوئی اسے کچھ تو برٹش انڈین ایسوسی ایشن نے اور کچھ اس فیاض شخص نے جس نے لکھنؤ میں اکثر عمدہ پبلک کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے محسن کا درجہ حاصل ہے یعنی میرے دوست اور گورنمنٹ میرے سابق شریکِ کار مہاراجہ صاحب محمود آباد نے دیا ہے اور اس طرح اپنے باپ کی یادگار قائم کرنے میں نہایت موزوں اور مناسب حصہ لیا۔"

۱۵ راپریل ۱۹۲۶ء کو سر مہاراجہ صاحب محمود آباد نے تعمیر عمارت دفتر انجمن ہند امیر الدولہ

پبلک لائبریری کے متعلق انجمن میں ایک یادداشت بھیجی تھی اس میں لکھا کہ امیر الدولہ لائبریری و دفتر انجمن کی تیاری کا کام میری نگرانی میں ۱۹۲۰ء میں شروع ہوا اس عمارت کی تعمیر کے متعلق ۶۷ ہزار ۵ سو روپے کی منظوری انجمن سے اور ۵۰ ہزار روپے کی منظوری ریاست محمود آباد سے ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۵ر مئی ۱۹۲۶ء جلسہ اگزیکیٹو کمیٹی میں یہ یادداشت پیش ہو کر تجویز ہوا کہ انجمن سر مہاراجہ محمود آباد کی نہایت شکر گزار ہے کہ ان کی خاص توجہ و نگرانی سے عمارت نہایت خوبصورت اور مستحکم تیار ہوئی ہے۔

کتب خانۂ ریاستِ عالیہ محمود آباد:

والیان ریاست محمود آباد کو ہمیشہ علمی مشاغل سے دلچسپی رہی وہ مسلسل اپنے مطالعے کے لیے کتابیں خریدتے رہتے تھے اور نادر الوجود کتابوں اور مخطوطات کی تلاش میں رہتے تھے۔ امیر الدولہ کے والد راجہ نواب علی خاں عربی و فارسی میں قابل ہونے کے علاوہ بلند پایہ شاعر تھے جن کا ضخیم دیوان غزلیات وقصائد طبع ہو چکا ہے اور ایک نسخہ میرے کتب خانے میں بھی موجود ہے، وہ شاعری میں ناسخ کے شاگرد تھے اور مرثیے بھی کہتے تھے۔ غزل میں سحرؔ اور مرثیے میں وہب تخلص تھا۔ انھوں نے ذاتی ریاضت سے سات ہزار عربی و فارسی کتابوں کے قلمی نسخے جمع کیے تھے جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں قلعہ محمود آباد پر گولہ باری میں ضائع ہو گئے۔

جب امیر الدولہ تخت ریاست پر متمکن ہوئے تو انھوں نے اس کتب خانے میں عربی، فارسی اور انگریزی کتابوں کا اضافہ کیا۔ اس کے لیے ۱۹۰۲ء میں مستقل عمارت بنوائی جس میں ایک بڑا ہال اور اس کے دونوں پہلوؤں میں دو کمرے اور دو طرف برآمدے ہیں۔ پہلے اس کتب خانے کا نام کتب خانۂ سقراطیہ تھا اب مکتبۂ حسینیہ ہے۔ آج کل بالکل بند ہے اور سنا ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی آسانی سے نہیں ہو پاتی۔ ڈاکٹر اکبر حیدری مرحوم نے اسی کتب خانے کی مدد سے کتابیں ترتیب دی تھیں۔ یہاں اردو مرثیوں کا غیر معمولی قلمی ذخیرہ موجود ہے بعض مراثی ایسے ہیں جو صرف یہیں پر ہیں اس کے علاوہ مرثیہ گو شعراء کے دیوانِ غزلیات و سلام کا بھی ایک قابل ذکر ذخیرہ یہاں پر محفوظ ہے اگر اس کتب خانے کی تفصیلی فہرست شائع کر دی جائے تو یہ علم وادب کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ لکھنؤ کے ادبی افراد کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

تصانیف:

۱۔ کلیات سحرؔ: اس میں حمد، نعت، منقبت، غزلیات، قصائد اور رباعیات شامل ہیں۔ ۷۰۸ صفحات پر مشتمل یہ کلیات ۱۳۲۰ھ میں مہاراجہ محمد علی محمد خاں کی طرف سے شائع ہوا تھا جس میں کوئی ڈیڑھ سو شعراء کے قطعات تاریخ طباعت شائع ہوئے تھے۔

۲۔ خطبہ غدیریہ: خطبہ غدیر خم کا فارسی منظوم ترجمہ ہے جو لکھنؤ سے باہتمام محمد مرزا صاحب

ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ میں طبع ہوا تھا جس کے آخر میں قطعاتِ تاریخ بھی ہیں۔

۳۔ ترجمہ بحار الانوار جلد ۱۷: یہ علامہ مجلسی کی مشہور کتاب بحار انوار جلد ۱۷ کی کتاب السماء والعالم کا انگریزی ترجمہ ہے اور قلمی حالت میں کتب خانہ محمود آباد میں ہے۔

۴۔ ترجمہ صحیفہ کاملہ: نہایت سلیس اردو میں امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا ترجمہ ہے اور غیر مطبوعہ، کتب خانہ محمود آباد میں موجود ہے۔

۵۔ Ideal Har's: یہ کتاب ''مآثر الامراء'' کا انگریزی ترجمہ ہے اور مطبوعہ ہے۔

۶۔ ایک ڈرامہ بھی ان کی تصنیف سے ہے جو قلمی ہے اور کتب خانہ محمود آباد میں موجود ہے۔

کلیاتِ سحر کی اشاعت:

امیر الدولہ نے اپنے والد مقیم الدولہ راجہ نواب علی خاں سحرؔ (مرثیے میں وہبؔ) کا غیر مطبوعہ کلام اپنی نگرانی میں ترتیب دلوایا تھا۔ جن اشعار کی کمی تھی انھیں مختلف مقامات سے بطور خاص منگوایا اور ان ہی کی سعی سے ''کلیاتِ سحر'' ۱۲۹۳ھ میں عمدہ کتابت و طباعت سے مزین ہو کر شائع ہوئی۔ جس میں غزلیات، قصائد، سلام، مثنویات اور رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ اس کا ایک نسخہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ آخر میں راجہ امیر حسن خاں کا قطعہ تاریخ بھی طبع ہوا ہے جس کی ردیف ''مقیم الدولہ'' ہے:۔

ناظمِ ملکِ سخن خسرو اقلیمِ کمال — راجہ نواب علی خان مقیم الدولہ
تھی محمدؐ سے محبت تو علیؑ سے الفت — آفریں باد بایمان مقیم الدولہ
عادل و باذل و ذی فہم و سخن سنج و سخی — اے خوشا وصف و زہے شانِ مقیم الدولہ
بخششِ حاتم طائی سے زیادہ مشہور — خلق میں جود فراوان مقیم الدولہ
عارِ منت کشیِ اہلِ دول سے ہے انھیں — ہیں جو خوکردۂ احسانِ مقیم الدولہ
ابرِ نیساں سے زیادہ تھا سدا گوہر بار — ابر جودِ گہر افشان مقیم الدولہ
زندگی میں رہے اقران و اماثل ہر دم — ہمہ تن تابعِ فرمانِ مقیم الدولہ
دہر میں صاحبِ ملکِ علم و فوج رہے — واہ رے مرتبہ و شانِ مقیم الدولہ
بہرِ خدمت ملے فردوس میں حور و غلماں — ہیں ملک حاجب و دربانِ مقیم الدولہ
ماہرِ ہر فن و دانندۂ ہر علم و ہنر — اے زہے طبعِ ہمہ دانِ مقیم الدولہ
جوہرِ فرد تھے از بسکہ فنِ شعر میں وہ — اہلِ جوہر ہیں ثنا خوانِ مقیم الدولہ
ناطقہ بلبلِ شیراز کا کرتا تھا بند — عندلیبِ چمنستانِ مقیم الدولہ
شاخِ طوبیٰ کی قلم ہو تو رقم ہو شاید — صفتِ کلکِ قلمدانِ مقیم الدولہ

اُن کے شاگردوں کو اب دعویٰ استادی ہے — پیرہن طفلِ دبستانِ مقیم الدولہ
مصرعہ قامتِ شمشاد چمن کے قابل — مصرعۂ دست و گریبانِ مقیم الدولہ
کچھ نہ کچھ ہم نے مزہ شعر میں اُس کے پایا — جو ہوا ذلہ برِ خوانِ مقیم الدولہ
شکر صد شکر ٹھکانے لگی محنت کہ ہوئے — جمع اوراقِ پریشانِ مقیم الدولہ

سحرؔ تاریخ لکھی از سرِ جودت میں نے
خوب رنگین ہے دیوانِ مقیم الدولہ

۱۲۹۳ھ

شادی اور اولاد:

امیر الدولہ کی شادی کے سلسلے میں محمد قاسم اعجاز لکھتے ہیں:

"راجا امیر حسن خاں کی شادی وصی النساء سے ہوئی تھی جن کے ایک بھائی چودھری صاحب کہلاتے تھے۔ اس طرح چودھری صاحب راجا امیر حسن خاں کے سالے ہوئے۔ انھوں نے قلعہ محمود آباد سے متصل ایک کافی بڑا امام باڑہ بنوایا تھا جو آج بھی چودھری صاحب کے امام باڑے کے نام سے پہچانا جاتا ہے"۔

(راجہ صاحب محمود آباد پر ایک سرسری نظر صفحہ ۸)

ان سے امیر الدولہ کے یہاں مہاراجہ محمد علی محمد خاں کی ولادت ہوئی جو غزل میں ساحرؔ اور مرثیے میں محب تخلص کرتے تھے اور میر عارفؔ کے شاگرد تھے۔

امیر الدولہ کا کلام:

امیر الدولہ کا کلام کثیر ذخیرے پر مشتمل ہے۔ کچھ کلام "کلیاتِ سحر" کے نام سے ۱۹۰۳ء ر ۱۳۲۴ھ میں مہاراجہ محمود آباد کے اہتمام سے شائع ہوا تھا جس میں غزلیات، قصائد، مثنویات اور رباعیات وغیرہ طبع ہوئے تھے۔ اس کے آخر میں اس زمانے کے کوئی ڈیڑھ سو کے قریب شعراء کے قطعات تاریخ طباعت طبع ہوئے تھے۔ مرزا محمد طیب لکھنوی نے آخر میں ان شعراء کے مختصر حالات مرتب کر کے کلیات کو چار چاند لگائے۔ طیبؔ ریاست محمود آباد کے مطبع کے مہتمم تھے اور ان ہی کے اہتمام سے کلیات شائع ہوا تھا۔

اتنا کلام شائع ہونے کے باوجود امیر الدولہ کے مرثیے اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ مرثیوں کی تعداد کے سلسلے میں امیر امام حر لکھتے ہیں:۔

"محمد امیر حسن حبیبؔ کے مراثی کی تعداد بہت کثیر ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ریاست کے انتظام سے فرصت کے بعد بیشتر وقت مرثیہ سرائی میں صرف ہوتا تھا اور یہ مشغلہ سال کے بیشتر حصے میں

جاری رہتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں محض پُرگوئی بلکہ زودگوئی کی بھی اچھی استعداد پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے مراثی تعداد میں تقریباً سو یا سو سے زیادہ ہے"۔

(طلوعِ افکار، راجہ صاحب محمود آباد نمبر، صفحہ ۳۴)

مسلم ریویو نے امیر الدولہ حبیبؔ کے مرثیوں کی تعداد ۱۱۴ سے زیادہ بتائی ہے۔

(مسلم ریویو، جنوری ۱۹۷۷ء، لکھنؤ صفحہ ۳)

حبیبؔ کے مندرجہ ذیل مرثیے کتب خانہ محمود آباد میں قلمی موجود ہیں اور تمام غیر مطبوعہ ہیں:

اشاریہ مراثی حبیبؔ

	مطلع	در حال	تعدادِ بند
	(آ)		
۱	آراستہ ہے فوجِ خدا رزم گاہ میں	امام حسینؑ	۱۰۹
۲	آمد آمد سپہِ ظلم میں جرار کی ہے	حضرت عباسؑ	۶۸
	(ا)		
۳	اس نظمِ مسلسل سے تجمل کا کہکشاں ہے	امام حسینؑ	۱۰۰
۴	اکلیلِ فصاحت ہے ثنا آلِ نبیؐ کی	امامِ حسینؑ	۹۷
۵	اے چشم بے ثباتیِ باغِ جہاں دکھا	حضرت علی اکبرؑ	۱۳۲
۶	اے خضرِ خرد رہبرِ اقلیمِ سخن ہو	حضرت علیؑ	۵۸
۷	اے دستِ قلم شانِ طلوکا نہ دکھا دے	امام حسینؑ	۱۱۴
۸	اے زباں قوتِ اعجاز بیانی دکھلا	حضرت قاسمؑ	۲۶۳
۹	اے کلکِ مدحِ شاہ میں پھر تر زباں ہو آج	امام حسینؑ	۹۴
۱۰	اے کلک مقتلِ شہِ عالم پناہ لکھ	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۱۳
۱۱	اے مومنو مرنے کے لیے جاتے ہیں قاسمؑ	حضرت قاسمؑ	۳۰۹
۱۲	اے مومنو یہ موسمِ فریاد و فغاں ہے	حضرت علیؑ	۲۵
۱۳	اے عقدہ کشا عقدہ کشائی کی گھڑی ہے	حضرت علیؑ	۹۰
۱۴	اب لوحِ زمرد پہ میں یاقوت رقم ہوں	امام حسنؑ	۳۳
۱۵	اے کلک مدحِ بادشہِ ذوالفقار لکھ	حضرت علیؑ	۷۴

۱۶	اے کلک مدح حضرتِ شاہِ جواد لکھ	امام محمد تقیؑ	۲۴
	(ب)		
۱۷	بہارِ فصل غم تازہ ہوئی طرزِ تکلم سے	حضرت حرؑ	۵۰
۱۸	باغِ ارم ہے گوشۂ دامانِ کربلا	حضرت عباسؑ	۱۲۱
۱۹	بخدا فخرِ رسولانِ سلف ہیں احمدؐ	رسولِ خداؐ	۸۷
۲۰	برباد نہ ہو گلشنِ اولادِ بشر کا	حضرت علی اکبرؑ	۷۵
۲۱	برپا ہے شورِ رخصت سرورِ خیام میں	امام حسینؑ	۸۸
۲۲	بسم اللہ صحیفۂ ایماں حسینؑ ہے	امام حسینؑ	۸۳
۲۳	بسم اللہ صحیفۂ داور ہے فاطمہؑ	حضرت فاطمہؑ	۲۲
	(پ)		
۲۴	پامال ہوئی نعش جو فرزندِ حسنؑ کی	حضرت عباسؑ	۶۴
۲۵	پھر بہار آئی ہے پھولا ہے تخن زارِ سخن	حضرت حرؑ	۷۴
۲۶	پھر ذوالفقارِ حیدرِ صفدر زباں ہے آج	امام حسینؑ	۹۹
۲۷	پیری میں شاہ کو جو ملا نوجواں کا داغ	امام حسینؑ	۶۰
	(ت)		
۲۸	تہوار ہے حسینؑ جو انبوہِ شام میں	امام حسینؑ	۸۰
	(ج)		
۲۹	جب اہلبیت سبطِ پیمبر ہوئے اسیر	امام زین العابدینؑ	۶۵
۳۰	جب بریر ہمدانی نے شہادت پائی	حبیب ابن مظاہرؑ	۴۶
۳۱	جب بہرِ جنگ بادشہِ مشرقین آئے	امام حسینؑ	۷۵
۳۲	جب حرؑ ہوا نثار شہِ خاص و عام پر	حضرت عباسؑ	۶۸
۳۳	جب دشتِ مصیبت میں امامِ زمن آئے	حضرت عباسؑ	۷۹
۳۴	جب رایتِ جنودِ شہِ انس و جاں کھلا	حضرت عباسؑ	۹۹
۳۵	جب رایتِ جنودِ امامِ مبیں کھلا	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۲۷
۳۶	جب سربلند فوجِ خدا کا نشاں ہوا	حضرت عباسؑ	۱۰۵
۳۷	جب شبِ قتلِ شہنشاہِ دو عالم آئی	حضرت حرؑ	۶۱

۳۸	جب کٹ گیا سرتن سے امام مدنی کا	دفن شہداء	۲۷
۳۹	جب کٹ گئے شانوں سے علمدار کے بازو	حضرت علی اکبرؑ	۵۴
۴۰	جب کربلا میں شام شبِ غم ہوئی عیاں	امام حسینؑ	۲۵
۴۱	جب کربلا میں صبح شبِ غم ہوئی عیاں	امام حسینؑ	۱۱۴
۴۲	جب کربلا میں یکہ و تنہا رہے حسینؑ	امام حسینؑ	۶۴
۴۳	جب کوچ کیا بادِ بہاری نے چمن سے	امام حسینؑ	۱۱۰
۴۴	جب کوچ کیا سید والا نے وطن سے	امام حسینؑ	۱۰۳
۴۵	جب گلشنِ ہستی سے سفر کر گئیں زہراؑ	حضرت عونؑ و محمدؑ	۷۰
۴۶	جب گلکدۂ دہر علمدار سے چھوٹا	حضرت علی اکبرؑ	۱۰۰
۴۷	جب لاشہ سلطانِ زمن ہو چکا پامال	دفن امام حسینؑ	۳۶
۴۸	جب مٹ گیا فلک پہ فروغ آفتاب کا	امام حسینؑ	۱۰۴
۴۹	جبکہ پامال ہوا سرورِ روانِ شبرؑ	حضرت عباسؑ	۷۶
۵۰	جلوس آرا ہوا جب خسروِ زریں کلاہِ شب	حضرت عونؑ و محمدؑ	۷۵
۵۱	جنگِ صفین کو جب حیدرِ کرار چلے	امام حسینؑ	۳۴
۵۲	جہاں میں شادی و غم ساتھ رہتے ہیں	حضرت قاسمؑ	۶۳
۵۳	جب آئی شام کی بستی میں ننگے سر زینبؑ	اسیری	۱۳
	(چ)		
۵۴	چمکا فلک پہ جب علمِ زرفشانِ صبح	حضرت عباسؑ	۹۰
۵۵	چمن میں شیرِ خدا کے بہار آتی ہے	امام حسینؑ	۶۶
	(ر)		
۵۶	رن میں بے دست جو عباسِ علمدار ہوئے	حضرت علی اکبرؑ	۴۵
۵۷	رن میں جب شاہ کے مہماں نے شہادت پائی	بریر ہمدانیؓ	۳۷
۵۸	رخصت ہے نوجوان پسر کی حسینؑ سے	حضرت علی اکبرؑ	۸۲
۵۹	رقم کرتا ہے خامہ وصف اُس قرآنِ ناطق کا	امام جعفر صادقؑ	۱۷
۶۰	رقم کرتا جو مجھ کو وصف ہے سبطینِ حیدر کا	حضرت عونؑ و محمدؑ	۷۹
۶۱	رکنِ رکینِ عرشِ معلی حسینؑ ہے	امام حسینؑ	۹۶

۶۲	ریاضِ فکر میں پھر آمدِ بہار ہے آج	امام حسینؑ	۶۴
۶۳	ریتی پہ گر گیا جو علم فوجِ شاہ کا	حضرت علی اکبرؑ	۱۷۷

(ز)

۶۴	زمانِ شیب میں شوقِ شباب ہوتا ہے	حضرت علی اکبرؑ	۱۵۱

(س)

۶۵	سرکوبِ سرکشاں ہے شہِ لافتیٰ کی تیغ	امام حسینؑ	۸۶
۶۶	سرورِ ریاضِ ختمِ رسالت حسینؑ ہے	امام حسینؑ	۶۲

(ط)

۶۷	طبعِ رسا کا عرش کے اوپر دماغ ہے	حضرت علی اکبرؑ	۸۹
۶۸	طبعِ رسا کدیور باغِ کلام ہے	حضرت علی اکبرؑ	۱۴۷
۶۹	طعنہ زن ابر پہ ہر چشم گہر بارنبی	عبداللہ بن جعفر طیارؑ	۲۷

(ع)

۷۰	عازم ہے شاہِ ہر دوسرا رزم گاہ کا	امام حسینؑ	۸۷
۷۱	عاشور کو جو رن میں ہوئی آشکار صبح	امام حسینؑ	۹۵
۷۲	عباسِ علی فخرِ شجاعانِ سلف ہے	حضرت عباسؑ	۹۴
۷۳	عروسانِ سخن آراستہ ہوتی ہیں زیور سے	امام حسینؑ	۷۰
۷۴	علیؑ کے شیر سے مقتل میں جب شیر ژیاں چھوٹا	امام حسینؑ	۴۹
۷۵	علیؑ کی مدح میں یہ کلک ذوالفقار ہے آج	امام علی رضاؑ	۱۹

(ق)

۷۶	قلم پہ طیشہ قرطاس پھر نثار ہے آج	جہادِ علیؑ و وقعاتِ کربلا	۴۴
۷۷	قلم پھر منقبت کی دشت پیمائی کو چلتا ہے	حضرت قاسمؑ	۳۱
۷۸	قلم جو ہر میں اپنے ذوالفقار شیرِ یزداں ہے	حضرت عباسؑ	۵۳
۷۹	قلم شانے ہوئے دریا پہ جب شیر دلاور کے	حضرت علی اکبرؑ	۵۶

(ک)

۸۰	کام آچکی جو فوجِ خدا قتل گاہ میں	امام حسینؑ	۵۰
۸۱	کس شیر کی رخصت کا تلاطم ہے حرم میں	حضرت عباسؑ	۷۱

۸۲	کربلا میں جو شہِ عرش وقار آ پہنچے	امام حسینؑ	۶۵
۸۳	کس گوہرِ غلطاں کا خریدار خدا ہے	امام حسینؑ	۱۵۳
۸۴	کیا اشک ہے وہ اشک کہ گوہر سے فزوں ہے	امام حسینؑ	۹۳
۸۵	کیا حضرتِ باقرؑ کا رقم عزّ و شرف ہو	امام محمد باقرؑ	۱۳
۸۶	کیا حضرت زینبؑ کا زمانے میں شرف ہے	امام حسینؑ	۶۴
۸۷	کیا رتبہ ذی جاہ حسینؑ ابن علیؑ ہے	امام حسینؑ	۹۳
	(گ)		
۸۸	گلگونہ رخسار فصاحت یہ سخن ہے	امام حسینؑ	۹۸
	(م)		
۸۹	ماہِ رجب میں کس کی ولادت کی دھوم ہے	امام محمد باقرؑ	۱۵
	(ل)		
۹۰	لوائے فوج رضا میں بلند ہوتا ہے	حضرت عباسؑ	۱۱۳
	(م)		
۹۱	مداحِ شعیان رسالت مآبؐ ہوں	حضرت حرؑ	۷۵
۹۲	مسافرانِ مدینہ جو کربلا پہنچے	امام حسینؑ	۷۹
۹۳	مسلمؑ جو ایلچیِ شہ کربلا ہوئے	حضرت مسلمؑ	۴۵
۹۴	مسموم کیا جب حسنؑ سبز قبا کو	امام حسنؑ	۶۰
۹۵	مشرق سے جب طلوع کیا آفتاب نے	امام حسینؑ	۸۶
۹۶	مغرب میں جب غروب کیا آفتاب نے	امام حسینؑ	۱۱۰
۹۷	منقبت گوئی نئی طرز ادب دانی ہے	حضرت عونؑ و محمدؑ	۶۳
۹۸	منقبت میں درِ گلزار سخن کھلتا ہے	امام حسینؑ	۶۶
۹۹	مومنو جنگ کو مسلمؑ کے پسر جاتے ہیں	حضرت عونؑ و محمدؑ	۵۵
	(ن)		
۱۰۰	نوید تہنیت ہے پھر بہار آتی ہے گلشن میں	حضرت عباسؑ	۹۰
۱۰۱	نرغۂ ظلم میں اب یکہ و تنہا ہیں حسینؑ	امام حسینؑ	۳۵
۱۰۲	نعتِ محبوب خدا زینتِ قرطاس ہے پھر	امام حسینؑ	۴۵

۱۰۳	نو بادۂ حدیقۂ داور حسینؑ ہے	امام حسینؑ	۱۰۶
۱۰۴	نورِ خدا ہے نورِ رسالت پناہ کا	حضرت علی اکبرؑ	۸۳

(ہ)

۱۰۵	ہاں اے قلم ثنائے شہِ خاص و عام لکھ	امام علی نقیؑ	۱۴
۱۰۶	ہاں اے قلم جلالِ جہاں آفریں دکھا	امام حسینؑ	۱۱۸
۱۰۷	ہاں اے قلم ستائشِ شاہِ انام لکھ	امام حسینؑ	۱۰۰
۱۰۸	ہاں اے نگارِ نظمِ سخن نو عروس بن	امام حسینؑ	۸۴
۱۰۹	ہاں اے ہمائے اوجِ سعادت بلند ہو	حضرت عباسؑ	۷۶
۱۱۰	ہاں اے ہمائے فکرِ رسا اوج گیر ہو	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۲۵
۱۱۱	ہاں آفتابِ اوجِ بلاغت بلند ہو	امام حسینؑ	۹۰
۱۱۲	ہاں طبع پھر محیطِ معانی رواں ہو آج	امام حسینؑ	۵۴
۱۱۳	ہاں کلکِ وصفِ موسیٰ کاظمؑ رقم ہو آج	امام موسیٰ کاظمؑ	۱۷
۱۱۴	ہے رایتِ سپاہِ مضامیں قلم مرا	حضرت عباسؑ	۷۵

(ی)

۱۱۵	یارب بہارِ باغِ مضامیں خزاں نہ ہو	امام حسینؑ	۹۴
۱۱۶	یہ کس کی عیدِ ولادت کی دھوم دھام ہے آج	امام حسینؑ	۸۹

مرثیہ:۔ ''سیدانیوں میں شورِ وداعِ حسینؑ ہے''

کوثر پہ تین روز کے تشنہ دہن چلے — غل تھا خدا کے گھر سے بہم پنجتن چلے
چڑھ کے جو ذوالجناح پہ شاہِ زمن چلے — تھا شور نہروان پہ خیبر شکن چلے
حُسنِ نبی عیاں تو علیؑ کا جلال ہے
اعدا کا ذوالفقار سے بچنا محال ہے

یوں آئے فوجِ ظلم پہ جس طرح شیر آئے — تولے ہوئے پلارکِ گردوں سریر آئے
عالم کے بادشاہ نبی کے وزیر آئے — غل پڑ گیا وغا کو جنابِ امیرؑ آئے
غم سے بھری برسنے میں خالی نہ جائے گی
روکی گھٹائے تیغِ ہلالی نہ جائے گی

گونجا رجز میں شیرِ الٰہی کا شیرِ نر — ثابت ہوا کہ چلنے لگی صارمِ دوسر

فقرے تھے چست ملتی ہوئی مبتدا خبر   فصیح تھے سب خموش تو ساکت تھے جانور
بے ہوش ہو گئے تھے وہ جو اہلِ ہوش تھے
دریا فصاحتوں کے مگر گرم جوش تھے

یومِ الست سے ہے ولایت ہماری صاف   ہم سے کبھی نہ کیجیو حرفِ گزاف و لاف
واجب ولا ہماری ہے از قاف تا بہ قاف   ہم نے ملائکہ کی خطائیں بھی کی معاف
مختارِ کارِ خانۂ ربِ جواد ہیں
پیاسے ہیں اور تیسرے فاقے میں شاد ہیں

منقبت

میں جرعہ کش ہوں بادۂ خم غدیر کا   رہتا ہے نشہ حُبِ جنابِ امیرؑ کا
برقِ فلک سحاب میں جا کر پناہ لے   گر سامنا ہو تیغِ جنابِ امیرؑ کا
غیر از علیؑ کسی سے زمانے میں ایک دم   چلتا نہ کوئی کام تھا شاہ و فقیر کا
جو کچھ کہو وہ بعدِ محمدؐ ہوئے علیؑ   ہے بعد بادشاہ کے رتبہ وزیر کا
یا شیرِ کردگار علیؑ صاحبِ کرم   بر لاؤ مدعائے دلی اس حقیر کا
اے سحرؔ آب مصاحبوں کے وصف کر رقم
شیعہ ہے ایک ایک نبیؐ کے وزیر کا

رُباعیات

ہے بیشۂ قدرت کا غضنفر حیدرؑ   دستِ حق و بازوئے پیمبر حیدرؑ
ہے دل میں تمنا کہ قیامت کے دن   کہتا میں اٹھوں قبر سے حیدرؑ حیدرؑ

احمدؐ کے جو بستر پہ بسر رات کرے   یوں کون ادا حقِ مواخات کرے
اللہ رے مواسات کہ جس کے اوپر   اللہ ملائک سے مباہات کرے

نوحہ

بانوؑ نے کہا احمدؐ ثانی علی اکبرؑ   محبوبِ الٰہی کی نشانی علی اکبرؑ
گل گشت کو تم باغِ ارم کو جو سدھارے   پیری میں دیا داغِ جوانی علی اکبرؑ
اٹھارواں سال آہ تمھیں راس نہ آیا   پوری نہ ہوئی تیری جوانی علی اکبرؑ

ماں آتما کی آنچ سے مجبور ہے بیٹا — اس داغ نے چھاتی مری چھانی علی اکبرؑ
کچھ کہہ دو کہ جاتا ہے وطن قاصدِ صغریٰ — ہمشیر کو پیغام زبانی علی اکبرؑ
روئیں گے تمھیں پیر و جواں طفل و مسن سب — یاد آئے گی جب تیری جوانی علی اکبرؑ
مل صدقے نہ گھر میں سے لاش بیاہ کے لائے — پہنے ہوئے پوشاک شہانی علی اکبرؑ
واری گئی پردیس میں منہ دائی سے موڑا — دیتے نہ گئے اپنی نشانی علی اکبرؑ

بانو یہی کہتی تھی حبیبِ جگر افگار
ہے احمدِ مرسل کی نشانی علی اکبرؑ

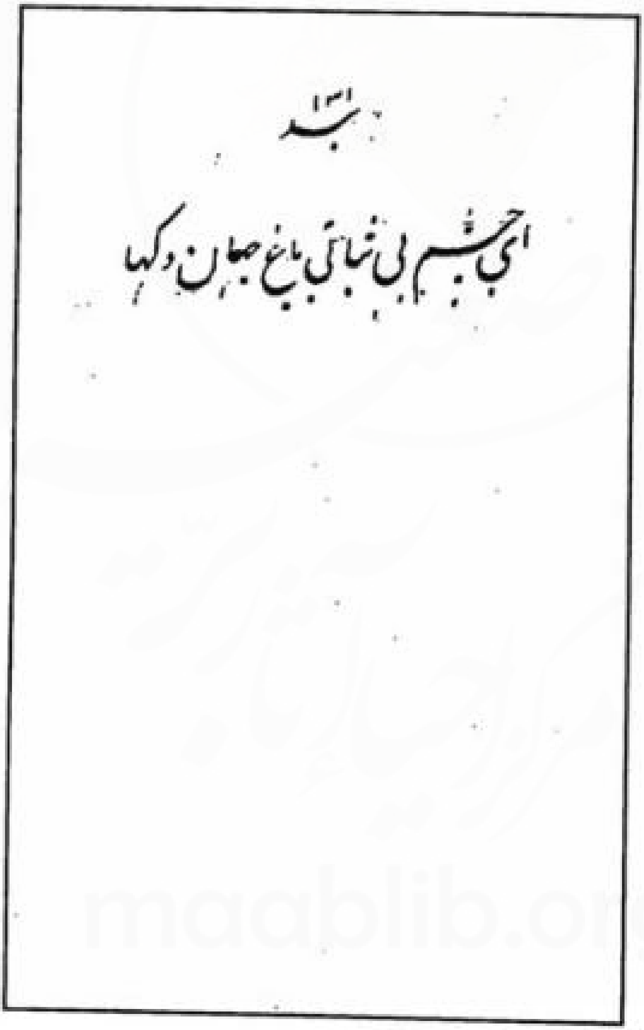

قلمی مرثیے کا سر ورق

قلمی مرثیے کا صفحہ

امیر الدولہ راجہ امیر حسن خاں حبیبؔ — غیر مطبوعہ

مرثیہ

در حال حضرت علی اکبرؑ

۱۳۱ بند

اس مرثیے کے ابتدائی ۳۹ بند میر مونسؔ کی تصنیف سے ہیں۔ حبیبؔ نے یہ مرثیہ میر نفیسؔ کے کہنے پر مکمل کیا تھا اس کا تذکرہ ۱۰۵ ویں بند میں موجود ہے۔ یہ اردو مرثیے کی تاریخ کا انمول شاہکار ہے جس میں مونسؔ جیسے استاد اور حبیبؔ جیسے شاگرد کا کلام ایک ساتھ موجود ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس ہے، ایک کتب خانہ آزاد علی گڑھ (ذخیرۂ ادیب مرحوم) اور ایک کتب خانہ محمود آباد میں موجود ہے۔ یہ مرثیہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ [ا۔ ع۔ ن]

اے چشمِ بے ثباتیِ باغِ جہاں دکھا — پھر موسمِ بہار میں فصلِ خزاں دکھا
مردم کو انقلابِ زمین و زماں دکھا — پیری میں اضطرابِ شہِ انس و جاں دکھا
گھر لُٹ گیا امامِ حجاز و عراق کا
صدمہ ہے اب جوان پسر کے فراق کا

کٹتا ہے آہ اب جگرِ شاہِ خوشخصال — وہ حال ہے کہ ہیرے سے جو تھا حسن کا حال
گھبرا رہی ہے روح قلق دل کو ہے کمال — مرنے چلا ہے اکبرِ مہ رو سا نونہال
لٹتا ہے گھر ریاض کے یہ پھل حصول ہیں
مژگاں بہ اشکِ خوں ہیں کہ شاخوں میں پھول ہیں

فرماتے ہیں بہ درد کہ اے پیرِ آسماں — سب خویش و اقربا ہوئے راہی سوئے جناں
باقی ہے اب یہی مرا فرزندِ نوجواں — جانِ جہاں، شبیہِ شہنشاہِ انس و جاں
تاریک گھر حسینؑ کا بہرِ خدا نہ کر
اس رشکِ آفتاب کو مجھ سے جدا نہ کر

روتے ہیں سب مرقعِ ماتم ہے گھر کا گھر ہیں دردوغم سے خاک نشیں شاہِ بحر و بر
ماتم کی صف پہ زوجۂ عباسؑ نامور رنڈ سالہ پہنے بیٹھی ہے خاموش ننگے سر
لٹکی ہوئی علم میں سکینہؑ کی مشک ہے
بیوہ کی چشمِ نم سے رواں جوئے اشک ہے

ہتھیار تن پہ سجتے ہیں ہمشکلِ مصطفا چپکے کھڑی ہیں تھامے جگر بنتِ مرتضاؑ
فرماتے ہیں بہن سے شہنشاہِ کربلا زینبؑ دعا کرو کہ مجھے صبر دے خدا
عباسؑ میرا شیر ترائی میں مر گیا
داغوں سے اب تو دل بھی کلیجہ بھی بھر گیا

کیا کیا نہ آج ہم پہ فلک نے ستم کیا کس کس کا داغ سہہ گئے کس کس کا غم کیا
سب کو روانہ جانبِ ملکِ عدم کیا تڑپے نہ روئے شکرِ خدا دم بہ دم کیا
دل مضطرب ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کا
اس وقت کچھ جگر نہیں تھمتا حسینؑ کا

زینبؑ بیوہ چراغ ہے روشن ہے جس سے گھر اندھیر ہے جو چھٹ گیا یہ غیرتِ قمر
زینبؑ نہ پھر ملے گا یہ لختِ دل و جگر کھوؤ گی اس پسر کو تو روؤ گی عمر بھر
سب جانتے ہیں حال ہمارے ریاض کا
اٹھارواں ہے سال ہمارے ریاض کا

تدبیر کچھ کرو کہ جو یہ مہ لقا نہ جائے آغوش کا پلا سوئے دشتِ بلا نہ جائے
دنیا سے ہم شبیہِ رسولِ خداؐ نہ جائے شبیرؑ جائے مرنے کو یہ دلربا نہ جائے
مٹ جائے گی حیاتؐ کی شکل اس کے جانے میں
تصویرِ مصطفیٰؐ یہی اک ہے زمانے میں

بانو سے بھی یہ کہتے ہیں حضرت بہ دردِ آہ روکو پسر کو جلد کہ ہوتا ہے گھر تباہ
اکبر تمھیں تو ہم ہوں رواں سوئے رزم گاہ کہتی تھی وہ کہ اے پسرِ ضیغم الٰہ
کیونکر میں ہم شبیہِ پیمبر کو روک لوں
ہاتھوں سے کھوؤں آپ کو اکبر کو روک لوں

یہ کہہ کے جا کھڑی ہوئیں بنتِ علیؑ کے پاس آیا حضورِ شاہ مسلح وہ حق شناس
منت سے کی یہ عرض کہ اے آسماں اساس کرتی ہے اب ہلاک مجھے تین دن کی پیاس
دیجے رضا جہاد کی اس تشنہ کام کو
کوثر پہ بھیج دیجیے اپنے غلام کو

رو کر کہا حسینؑ نے بہتر ہے جایئے گھبرایئے نہ سامنے کوثر ہے جایئے
وہ مضطرب پھوپھی ہے وہ مادر ہے جایئے لیجے رضا پھر آپ کو کیا ڈر ہے جایئے
اس تفرقے میں دونوں کی جانوں کے لالے ہیں
اپنا ہی دل ہے یہ کہ جگر کو سنبھالے ہیں

آیا حضورِ بانوئے عالم وہ تشنہ کام کی عرض قتل ہو گئے سب یاورِ امام
تیار جان دینے پہ ہیں سرورِ انام اماں رُکے گا اب نہ کسی طرح یہ غلام
ہے وقت بیکسی کا شہِ خوشخصال پر
گردن جھکائے روتے ہیں خود اپنے حال پر

فرزند اپنے صدقے کیے سب نے بار بار باری اب آپ کی ہے مجھے کیجیے نثار
کچھ اس میں عذر ہو تو مرا کیا ہے اختیار خدمت، سعادت اور اطاعت ہے افتخار
کیا تاب کیا مجال جو ردّ و بدل کروں
ارشاد جو ہو آپ کا اُس پر عمل کروں

کیا گردشِ زمانہ ہے کیا انقلاب ہے کن آفتوں میں فاطمہ کا آفتاب ہے
اُس پر ستم جو لختِ دلِ بوتراب ہے اُس پر یہ دکھ جو روحِ رسالت مآبؐ ہے
کرتے ہیں صبر گو ہے زمانہ بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

ماں نے کہا کہ اے جگرِ شاہِ مشرقین ہاں سب نے اپنے لال کیے فدیہ حسینؑ
اس واسطے کہ تم ہو شہِ دیں کے دل کے چین دیکھے تمہارا داغ نہ زہراؑ کا نورِ عین
تم مر گئے تو سبطِ پیمبرؐ کی موت ہے
یہ موت ہے وہ موت جو سب گھر کی موت ہے

یہ داغ میں سہوں گی نہ دل پر کسی طرح — دیکھوں گی خون میں نہ تمہیں تر کسی طرح
ہاتھوں سے کھوؤں گی نہ یہ گوہر کسی طرح — رخصت نہ دوں گی اے علی اکبرؑ کسی طرح
بسمل ہے صدقے جاؤں مرے دل کو تھام لو
بس چپ رہو زباں سے نہ رخصت کا نام لو

آنکھیں یہ کہہ رہیں کہ تمہیں دیکھیں خوں میں لال — یہ حال سن بھی سکتی نہیں میں تو میرے لال
دل کا سنبھالنا غمِ فرقت میں ہے محال — اس کا جواب موت ہے جانے دو یہ سوال
مرنے کی اپنے شیر کو رخصت نہ دوں گی میں
مانگو تو جان دوں پہ اجازت نہ دوں گی میں

بولا یہ رو کے شاہ کا فرزندِ ارجمند — مر مر کے آج نام سبھوں نے کیے بلند
خادم نہ ہو حصولِ شہادت سے بہرہ مند — کیا آپ چاہتی ہیں کہ زنداں میں ہوں میں بند
مجھ کو نہ روئیں وہ شہِ والا کو روؤں میں
بہنوں کے ساتھ بیٹھ کے بابا کو روؤں میں

کیونکر بچایئے گا مجھے موت سے بھلا — بعد پدر بھی ہے یہی در پیش مرحلہ
کٹ جائے گا امامِ دو عالم کا جب گلا — مر جائے گا یہ آپ کی آغوش کا پلا
پھر جیتے جی حضور میں آیا نہ جائے گا
لاشہ پدر کا مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا

روئی جو ماں تو حضرتِ زینبؑ سے یہ کہا — رن کی حضور بھی مجھے دیں گی نہ کیا رضا
عاشق ہیں آپ بھائی کی یا بنتِ مرتضا — بیکس پہ بے وطن پہ مجھے کیجیے فدا
کہہ دیجیے صاف چاہیے انصاف آپ کو
فرزند قتل ہوتے ہوئے دیکھے باپ کو

ایسا ہوں سخت دل کہ سہوں میں یہ دردو غم — حضرت ہوں میرے آگے تہِ خنجرِ دودم
بولی یہ بنتِ فاطمہ زہراؑ بچشم نم — تدبیر سوجھتی نہیں کچھ مجھ کو ہے ستم
آ جائے موت میری یہ امیدوار ہوں
تم پر بھی اور حسینؑ پہ بھی میں نثار ہوں

کیا جانو تم بھلا کہ ہے کیا ماں کے دل کا حال   میری مصیبتوں کا نہیں تم کو کچھ خیال
سوئی نہیں میں چین سے راتوں کو چند سال   کیسی ریاضتوں سے پلے میرے نونہال
رخصت کا ذکر کر کے مرا دل دُکھا دیا
دائی کو خوب پالنے کا یہ صلا دیا

اکبرؑ نے عرض کی کہ تڑپتا ہے غم سے دل   لیجیے وہ فوج آ گئی خیمے سے متصل
ایسا نہ ہو کہ فاطمہ زہراؑ سے ہوں خجل   مرنے چلا ہوں کیجیے حق دودھ کا بحل
مشکل کا ہے یہ وقت نہ فریاد کیجیے
سولہ پہر کے پیاسے کی امداد کیجیے

کہنے کو یہ کہا پہ نہ دل کو رہا قرار   چھاتی پہ ہاتھ مار کے رویا وہ گلعذار
ہَے ہے حسینؑ کی ہوئی رانڈوں میں اک پکار   آئے اُدھر سے روتے ہوئے شاہِ نامدار
کی اس قدر بکا کہ کلیجہ اُلٹ گیا
بابا سے وہ عدم کا مسافر لپٹ گیا

منہ رکھ کے منہ پہ کہتے تھے یہ شاہِ کربلا   اس پیار کے نثار اس الفت کے میں فدا
زینبؑ سے اور بانوئے عالم سے یہ کہا   اپنی وہی رضا ہے جو معبود کی رضا
ہم وہ شجر ہیں جس سے جدا برگ برگ ہیں
جانے دو اب انھیں کہ یہ مشتاقِ مرگ ہیں

لے کر بلائیں کہنے لگی بانوئے جہاں   راضی پدر کو کر لیا اب کیا کہے یہ ماں
بولیں بہا کے اشک یہ زینبؑ کہ میری جاں   جاؤ سدھارو خالقِ اکبر نگاہباں
اے لال زندگی تری اٹھارہ سال تھی
بیکس نہ ہوتا باپ تو رخصت محال تھی

لو الوداع کہہ کے چلے اکبرِ جواں   در تک بلائیں لیتی ہوئی ساتھ آئی ماں
زینب تڑپ تڑپ کے یہ کرنے لگیں بیاں   اماں کا گھر اجاڑ چلے ہائے میری جاں
کبریٰؑ زمیں پہ حجلے میں تھیں غش پڑی ہوئی
سر پیٹتی تھی بالی سکینہؑ کھڑی ہوئی

نکلا جو شاہزادۂ عالم بہ کرّ و فر — شہ بھی حرم سرا سے برآمد ہوئے اِدھر
آیا عقاب صورتِ شاہینِ تیز پر — اکبرؑ نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ بحر و بر
اس بندہ پروری پہ نہ کیوں دل نثار ہو
حضرت محل میں جائیں تو خادم سوار ہو

فرمایا گھر تو لُٹ گیا اب جا کے کیا کروں — سر پیٹتے ہیں خیمے میں سب جا کے کیا کروں
واں اور ہوگا رنج و تعب جا کے کیا کروں — مقتل میں ہوگی آج کی شب جا کے کیا کروں
سنتے تو ہوگے رانڈوں کی فریاد و آہ کو
غش آگیا ہے زینبؑ عصمت پناہ کو

آفت میں چھوٹتے ہو جواں ہو کے ہم کو ہائے — دیکھیں ہمیں بڑھاپے میں تقدیر کیا دکھائے
افسوس ہے نہ پہلے گلا ہم کٹانے پائے — قسمت میں تھا کہ باپ جیئے کی لاش اٹھائے
رُکتے نہیں جو سالکِ راہِ ثواب ہیں
چڑھیے فرس پہ ہم بھی تو پا در رکاب ہیں

تسلیم کی، سوار ہوئے، لی عنانِ رخش — چڑھتے ہی اور بڑھ گئی تاب و توانِ رخش
بیٹھے سنبھل کے ہونے لگا امتحانِ رخش — وہ دبدبہ، وہ رعب، وہ چھل بل، وہ شانِ رخش
اُڑنے میں نعل صورتِ شمشیر بن گئے
آہوئے دشت آہوئے تصویر بن گئے

بیتاب تھا کہ جا ہی پڑوں فوجِ شام پر — طاؤس وجد کرتے تھے حُسنِ خرام پر
اڑنے کو وہ سمٹتا تھا ایک ایک گام پر — چمکارتے تھے پیار سے یہ ہر مقام پر
غصہ یہ تھا کہ کیوں ہیں وہ فارس بڑھے ہوئے
کف منہ میں تھا بڑھا ہوا نتھنے چڑھے ہوئے

کیا خوبصورتی کو میں اس رخش کی لکھوں — تازہ عروس دیکھ کے ہو جس کو سرنگوں
سونگھیں جو بال یال کے پریوں کو ہو جنوں — وہ جلد صاف جس سے ہویدا تھا رنگِ خوں
یاقوت کا بنا ہوا ساز و یراق تھا
کمتی جو دو پروں کی نہ ہوتی براق تھا

زیورِ عروسِ حُسن کا ہے سازِ زرنگار　　طرّہ نہیں ستارۂ روشن ہے آشکار
ہیکل کی زرق برق پہ بجلی ہے بیقرار　　ان چوٹیوں سے کاکلِ لیلیٰ ہے شرمسار
پائے ہیں جتنے حُسن وہ خوبی کے ساتھ ہیں
باگیں نہیں گلے میں، یہ مجنوں کے ہاتھ ہیں

دونوں وہ کالی کالی ہرن کی سی انکھڑیاں　　وہ عطر بیز یال کی پیچیدہ چوٹیاں
کلغی کے راس و چپ وہ نوکیلی کنوتیاں　　وہ پھرتیاں، وہ بل، وہ اچانک، وہ شوخیاں
گشت ایسی تھی کہ چرخ کو بھی انفعال تھا
جو نعل کا نشاں تھا، زمیں پر ہلال تھا

سرعت غضب کی، لطف کی پھرتی، قدم نیا　　سج دھج عجیب چال نرالی حشم نیا
تازی میں تیزیاں بھی نئی اور دم نیا　　مڑنے میں جھوم جھوم کے گردن کا خم نیا
خطِ شعاع جلو نما تھے عناں نہ تھی
غنچے میں گل کے برگ تھا منہ میں زباں نہ تھی

منظور تھا قلم کو کہ لکھے کچھ اور حال　　پر آ گیا صفات سراپا کا یاں خیال
اس راہ پر چلا ہوں گذر جس میں ہے محال　　اے کلک چھوڑیو نہ سلاست روی کی چال
قطع نظر ہے اس سے جو باتیں پرائی ہیں
یاروں نے ٹھوکریں اسی کوچے میں کھائی ہیں

کیا حُسن تھا کہ خلق میں شہرت ہے آج تک　　باغِ جہاں میں ذکرِ صباحت ہے آج تک
وہ قد کہ جس سے سرو کو حیرت ہے آج تک　　قامت وہ جس کے غم میں قیامت ہے آج تک
محزوں ہیں جانور بھی جہاں کے طلسم میں
خاکستری لباس ہے قمری کے جسم میں

روشن جبیں ستارۂ بختِ بلند ہے　　یہ خط بھی اور زلف بھی عالم پسند ہے
اس میں دلِ پری، دلِ حور اس میں بند ہے　　وہ دامِ عنبریں ہے، یہ مشکیں کمند ہے
رخ ہر طرح سے گھیر لیا ہے جناب کا
حلقے میں اب انھیں کے ہے گھر آفتاب کا

تیغ و ترنج ہاتھ میں یوسف کے دیں اگر	اور سامنے یہ روئے منوّر ہو جلوہ گر
حُسن و جمال محو کرے اُس کو اس قدر	مجروح ہاتھ کب ہوئے مطلق نہ ہو خبر
حیرت زدہ وہ غیرتِ شمس و قمر رہے
تصویر کی طرح اسی رخ پر نظر رہے

ابرو ہیں یہ کہ مطلع انوار دیکھنا	عیسیٰ ہیں یہ کہ نرگسِ بیمار دیکھنا
رخ ہے کہ خلد کا گلِ بے خار دیکھنا	حُسنِ نمودِ سبزۂ رخسار دیکھنا
یہ رونگھٹے نہیں رخِ با آب و تاب پر
خطِ غبار ہے ورقِ آفتاب پر

گو سرخ ہیں کمال عقیقِ یمن مگر	خوں ہو رگوں میں خشک جو دیکھے یہ لعل تر
دنداں نہیں یہ صنعتِ حق ہے کرو نظر	غنچے کے منہ میں جڑ دیے ہیں بے بہا گہر
تا ہو صفا زبانِ فصاحت کلام کو
کیا جانے جوہری کوئی اس انتظام کو

اللہ کیا بہار جوانی ہے جوش پر	پریوں کی جان جاتی ہے اس سرفروش پر
عالم ہے بے خودی کا ہر اک اہلِ ہوش پر	گیسو ہیں دو تو سینہ پہ اور دو ہیں دوش پر
دیکھو بغور روئے تجلیٰ مآب کو
گھیرا ہے چار راتوں نے اک آفتاب کو

رنگینیوں کو اہلِ نظر دیکھتے نہیں	گلزارِ نظم کے گلِ تر دیکھتے نہیں
نقش و نگارِ خونِ جگر دیکھتے نہیں	یاقوت اُگل رہا ہوں اِدھر دیکھتے نہیں
سلکِ گہر نہ عقدِ ثریا پسند ہے
حضرت کو یہ جواہرِ اعلیٰ پسند ہے

زہرے تھے سب کے زہرِ حسامِ دودم سے آب	اللہ رے سُم کہ سام کو تھمنے کی تھی نہ تاب
تھا موذیوں کو اس کے چم و خم سے اضطراب	کاٹا جسے تڑپ گیا وہ خانماں خراب
سارے بدن میں زہر چڑھا اور اُتر گیا
منہ ناگنی نے زہر کا مارا کہ مر گیا

لڑنے میں تھا یا کبرِ عالی نسب کا رنگ　　ہوتا تھا جنگ میں جو امیرِ عرب کا رنگ
ڈھالوں کی یہ گھٹا تھی کہ تھا دن میں شب کا رنگ　　مجروح باغیوں میں دگرگوں تھا سب کا رنگ
پُرخوں جو نخلِ تن تھے تو فکرِ ثمر نہ تھی
سر اڑ گیا کہ ہے یہ کسی کو خبر نہ تھی

ڈھالیں وغا سے آنکھ چُراتی تھیں ہر زماں　　تیغیں تھیں گو غلاف میں لیکن نہ تھی اماں
سب سہمگیں تھے ناوکِ دل دوز و جاں ستاں　　دربستہ ہو گیا تھا ہر اک خانۂ کماں
چلّے پہ گوشہ گیر تھے سرکش یہ حال تھا
چلّہ نشیں تھے تیر نکلنا محال تھا

یہ تیغ وہ ہے ابر بھی جس کا ہے شعلہ بار　　سرتیز، کفر سوز، بلا نوش آبدار
ماہی کی پشت اس کی روانی سے ہے فگار　　ہیبت سے ضیغموں کو ترائی میں ہے بخار
قہرِ الٰہ اس کو نہ کیونکر بشر کہیں
ڈر ڈر کے جب فلک پہ ملک الحذر کہیں

کیا منہ ہے کیا بناؤ ہے کیا رنگ ڈھنگ ہے　　آئینۂ تصورِ خاطر بھی دنگ ہے
بسمل کیے ہیں سینکڑوں کیا شوخ و شنگ ہے　　لالے کا کھیت خون سے میدانِ جنگ ہے
لے سکتے ہیں نہ دم نہ مجالِ ستیز ہے
خودسر کا قتلِ عام میں کیا ہاتھ تیز ہے

یاں تک تھی نظمِ مونسِؔ مرحوم و ذی کمال　　جن کی ثنا میں اہلِ سخن کی زباں ہے لال
حکمِ نفیسؔ مجھ کو ہوا ختم کر یہ حال　　دکھلا دے رنگِ طبعِ انیسِؔ ملک خصال
معمورِ نورِ حُسن سے ایک ایک بند ہو
بندش وہ ہو کہ جو فصحا کو پسند ہو

کیا بات تیغِ اکبرِؔ یوسف جمال کی　　خم ہے ادب سے چرخ پہ گردن ہلال کی
کچھ حد و انتہا ہے جدال و قتال کی　　چمکی جو اوج پر تو خبر لائی ڈھال کی
رنگیں لہو سے کشتوں کے، دشتِ مصاف تھا
جس مورچے پہ چل گئی بڑھ کر، وہ صاف تھا

فولاد پوش قتل، زرہ پوش تنگ تھے   جنگ آزما تباہ، سلح شور دنگ تھے
چورنگ وقتِ جنگ سوار و سرنگ تھے   اس تیغ کی برش میں قیامت کے ڈھنگ تھے
فتنہ کوئی اٹھا تو فرو کر کے آئی وہ
جو سنگ دل ملا اُسے دو کر کے آئی وہ

آئینہ فام، برقِ بلا، صارمِ قضا   الماس گوں، پری وش و خونخوار و دلربا
خارا شگاف و آتشِ سوزان و کج ادا   جوہر کہ موتیوں میں بھی ہوگی نہ یہ ضیا
ہم پلۂ حسامِ شہِ لافتیٰ تھی وہ
فوجِ یزید کے لیے قہرِ خدا تھی وہ

تلوار تھی کہ برق لباسِ پری میں تھی   خشکی میں شور تھا تو دہائی تری میں تھی
مطلق نہ تابِ حرب کسی خیبری میں تھی   ہمتائے ذوالفقار وہ دشمن دری میں تھی
یہ صف تھی سر بریدہ وہ صف پائمال تھی
ہمشکلِ مصطفیٰؐ سے نہ تابِ جدال تھی

جس پہلواں پہ چل گئی بے سر کیا اُسے   جو خانہ جنگ آ گیا ششدر کیا اُسے
جلوہ جسے دکھا دیا مضطر کیا اُسے   دم اُس کالے کے خون میں بس تر کیا اُسے
مرتے تھے سب اس آفتِ جانی کے واسطے
لب ہل سکے کسی کے نہ، پانی کے واسطے

برقِ نظارہ، سوز عدو کش کہ فتنہ ساز   بسمل ہی بے نیاز تھی اللہ رے اس کا ناز
یارا گریز کا تھا نہ بابِ اماں تھا باز   کیا پردہ در تھی کھول دیے ہر کسی کے راز
اکبرؑ کی دوست، دشمنِ فوجِ دنی تھی وہ
گویا کہ جان لینے کی خاطر بنی تھی وہ

بھاگا کوئی شقی اسے پامال کر دیا   اچھا ٹھہر یہ کہہ کے برا حال کر دیا
ڈھالوں کو چھید چھید کے غربال کر دیا   مہمیز کر کے رخش کو چونکال کر دیا
جو بھاگتا تھا جنگ سے منہ اپنا پھیر کے
رہوار روک لیتا تھا کاوے میں گھیر کے

روئیں تنوں کو خاک کا پیوند کر دیا نیزوں کا قطع بند سے ہر بند کر دیا
رنجِ شکست فوج میں وہ چند کر دیا دل کو ظفر کے خرّم و خرسند کر دیا
دامِ قضا میں طائرِ جاں اُڑ کے پھنستے تھے
زخمی جو بھاگتے تھے لبِ زخم ہنستے تھے

تلوار برق تھی تو وہ رہوار ابر تھا رستم بھی منہ چھپائے ہوئے زیرِ قبر تھا
لرزاں ہراس و خوف سے ہر ایک گبر تھا غصے میں تھا عقاب کہ بھپرا ہزبر تھا
جانیں فدا تھیں خوبیِ ساز و یراق پر
غل تھا چڑھے رسولِ خدا پھر براق پر

دریا پہ شور تھا کہ خبردار و ہوشیار ڈر سے نہ اس ہزبر کے چھوٹے کوئی کچھار
ساحل کے مورچوں کی جمائے رہو قطار پانی کو دیکھنے بھی نہ پائے یہ زینہار
رُلواؤ قبر میں اسدِ ذوالجلال کو
قطرہ ملے نہ ساقیِ کوثر کے لال کو

یاں فاقہ تین روز کا اور پیاس میں جہاد ہر ضرب پر علیؑ ولی آ رہے تھے یاد
بے سر پڑے تھے جو تھے سرِ فتنہ و فساد واروں پہ خود امامِ زماں دے رہے تھے داد
اب دم نہ لینے دو سپہ نابکار کو
ہاں میرے شیر جانے نہ دینا شکار کو

تسلیم کر کے باپ کو ہمصورتِ رسولؐ غصے میں پھر بڑھے طرفِ فرقۂ جہول
سر پر جھکائے دب کے بتائے کسی کو ہول دہشت سے ہاتھ پاؤں گئے سرکشوں کے پھول
تلوار تھی کہ سیلِ فنا تھی چڑھی ہوئی
گردن تلک تھی خون کی ندی چڑھی ہوئی

رخ پھر گیا ہر ایک یلِ خانہ جنگ کا راکب کے ہاتھ قطع، دہانہ سرنگ کا
تسمہ لگا نہ رہنے دیا اس نے تنگ کا چورنگ تھا تمام پرا مصر و زنگ کا
افسر گریز پا تھے وہ سب فوج ہیز تھی
بے آبرو تھے بات نہ جس کو عزیز تھی

آفت بپا تھی معرکۂ رزم گاہ میں بھاگڑ تھی اک یزیدِ لعیں کی سپاہ میں
تصویرِ مرگ پھرتی تھی سب کی نگاہ میں محشر تھا خیمۂ حرمِ روسیاہ میں
روبہ دلوں میں شیرِ حجازی کا ذکر تھا
ہر لب پہ جنگِ اکبرؑ غازی کا ذکر تھا

ناگاہ غل ہوا کہ در آیا وہ شیر نر کٹ کر طناب خیمہ گری فرشِ خاک پر
حاجب نے بڑھ کے آپ کو روکا بہت مگر اک وار چل گیا کہ گرا تن سے اُس کا سر
رعب جری دلوں پہ جوانوں کے چھا گیا
گھوڑا اُڑا کے شیر تراج میں آ گیا

بھاگے قنات پھاڑ کے جنگ آزماجواں شمر و عمر، ورید لعیں، خولی و سناں
کافور زنگبار و حبش کے تھے پہلواں پہنچا دلیر خیمے میں با تیغِ خونچکاں
فوارے گردنوں سے لہو کے چھڑا دیئے
تلوار سے قناتوں کے پرزے اڑا دیئے

لڑتے ہوئے خیام سے باہر ہوئے حضور کاٹا انھیں، طنابیں جو باقی تھیں دور دور
قابو میں آکے دو ہوئے دو چار اہلِ زور بنیادِ کفر و شرک میں برپا ہوا فتور
شمر و عمر کو حیف تھا اپنے یقین پر
آخر کو جھک کے آرہا خیمہ زمین پر

لڑتے ہوئے جو وار کیا پھر بکر و فر دو تھا ستونِ خیمہ مثالِ خیار تر
جھن سے کلس بھی کٹ کے گرا فرشِ خاک پر بے چوبہ فلک میں ہوا شورِ الحذر
دبکے ہوئے کمیں میں جو روبہ خصال تھا
دوڑا دیا فرس تو وہ سب پائمال تھا

جاتے تھے یہ عقب سے اڑاتے ہوئے فرس سریٹ میں ایک ہو گیا گھوڑے کا پیش و پس
ہمراہ ہوں ہوا کے بھی، دل کو ہوئی ہوس گھوڑے کی باگ روک کے ٹھہرے کوئی نفس
اک شور تھا کہ پر نکل آئے عقاب کے
بوسہ دیا ظفر نے قدم پر جناب کے

ہلچل پڑی تھی فوجِ بداختر میں ہر طرف　　خاک اڑ رہی تھی کوفیوں کے گھر میں ہر طرف
شورِ اماں تھا شام کے لشکر میں ہر طرف　　فریاد و الغیاث تھی سنگر میں ہر طرف
خود سر نہ ہو سکے متحمل گزند کے
ویراں تھے مورچے سپہ خود پسند کے

ناگاہ سمتِ شام سے پیدا ہوا غبار　　سردار فوج آگے تھا بالائے راہوار
طارق تھا نام دشمنِ محبوبِ کردگار　　ہمراہ تھے شقی کے جفا جو کئی ہزار
اعزاز کر کے لائے ذلیل و رذیل کو
پہنچی کمک سپاہِ لئیم و بخیل کو

میداں میں نیزہ گاڑ کے ٹھہرا وہ پہلواں　　بولا عمر سے پھر بخشونت وہ بدزباں
سرگرمِ حرب و ضرب ہے یہ کون سا جواں　　عباسؑ ہیں کہ خود ہے نبی کا سُرورِ جاں
کچھ ابتری سپاہ کی کچھ بندوبست کی
رستے میں سن چکا ہوں خبر میں شکست کی

بولا عمر کہ اب تلک اچھا ہے یاں کا حال　　کھولیں کمر حضور کہ ہے یہ دمِ زوال
دم لیں ذرا مزاج میں گرمی جو ہے کمال　　زیبا نہیں غرور و تکبر کے قیل و قال
میں کیا بڑے بڑوں نے ہزیمت اٹھائی ہے
ہم صورتِ رسولِ خداؐ سے لڑائی ہے

بیٹا ہے یہ حسینؑ کا اکبرؑ ہے اس کا نام　　یہ نوجواں ہے راحتِ جانِ شہِ انام
جب سے کہ قتل ہو گئے عباسؑ تشنہ کام　　ہیں دم بخود و فورِ غم و رنج سے امام
ہمنام ہے امیر علیہ السلام کا
بیٹا امام کا ہے یہ پوتا امام کا

بے سر کیے ہیں اس نے سوارانِ درعہ پوش　　روئیں تنوں کے گم ہوئے عقل و حواس و ہوش
بھاگے سپاہِ شام کے مردانِ سرفروش　　لڑیے نہ آپ کچھ ہے اگر مردی کا جوش
لاکھوں کو دے شکست یہ ایسا دلیر ہے
یہ تشنہ کام بیشۂ حیدرؑ کا شیر ہے

طارق نے ہو کے چیں بہ جبیں شمر سے کہا ثابت ہوا کہ سب ہے تیری ذات کی خطا
بھاگا ہے ایک طفل سے آتی نہیں حیا لے دیکھ اب میں جاتا ہوں گو ہوں تھکا ہوا
جھاڑوں گا بعد جنگ کے گردِ سفر کو میں
باندھوں جو اس کے ہاتھ تو کھولوں کمر کو میں

گھوڑے پہ یاں سنبھل گیا شہ کامہ منیر ہتوانس لی سپر مع تیغ قضا نظیر
پڑھتا ہوا رجز بہ تفخر چلا شریر اکبرؑ کی سمت غیظ سے آیا بسانِ تیر
فقرے رجز کے حد سے سوا سخت و سست تھے
اشعار وہ پڑھے کہ جو سب نادرست تھے

نعرہ کیا کہ طارقِ شامی ہے میرا نام گذری ہے عمر تیغ زنی میں مری تمام
سامِ جری سے رُک نہیں سکتی مری حسام مانے ہوئے ہیں مجھ کو سرانِ سپاہِ شام
بچوں سے حوصلہ نہیں تیغ آزمائی کا
آئیں حسینؑ خود تو مزہ ہے لڑائی کا

واقف ہیں اہلِ غزوۂ صفین و نہرواں دشمن کو تیغ تیز سے ملتی نہیں اماں
ممکن نہیں کہ کھینچ لے رستم مری کماں یہ تیر ڈوب جاتے ہیں جوشن کے درمیاں
جھیلے ہوئے ہوں معرکے نامی بڑا ہوں میں
خود لیلۃ الہریر میں پیہم لڑا ہوں میں

حمزہؑ سے اور حضرتِ جعفرؑ سے میں لڑا عباسؑ سے، حسینؑ سے، شبرؑ سے میں لڑا
اکثر جنابِ حیدرؑ صفدر سے میں لڑا بس قصہ مختصر کہ پیمبرؐ سے میں لڑا
جان و دلِ بتولؑ سے آیا ہوں جنگ کو
ہم صورتِ رسولؐ سے آیا ہوں جنگ کو

سنتا ہوں میں کہ ابنِ شہ دیں ہے تیز دست دی آج اس نے لشکرِ جرار کو شکست
ابتر کیا یزید کی فوجوں کا بندوبست سو بار میں نے دیکھے ہیں ایسے بلند و پست
کہتا ہوں صاف تیغ مری بے پناہ ہے
میرے ستم سے امن کی بستی تباہ ہے

آیا ہوں میں کہ لوں عوضِ خونِ کشتگاں برسائے خون ابر سے شمشیرِ خونچکاں
ارجن سے کھنچ سکے نہ مرا چلّہ کماں در آئے قلبِ کوہ میں نیزے کی وہ سناں
چار آئینے زیادہ ہیں محکم حصار سے
میری زرہ پہ خط نہ پڑے ذوالفقار سے

اکبرؑ نے دی صدا کہ لعینِ دنی خموش کذاب ہے، بجا نہیں تیرے حواس و ہوش
آیا ہے جنگ کے لیے بازو کشا بگوش بے جا یہ شور و شر ہے ترا بے محل خروش
لفظی نزاع وادیِ جنگ و جدال میں
کچھ حوصلے نکلتے ہیں اس قیل و قال میں

کوئی علیؑ سے لڑ کے جہاں میں بچا بھی ہے اس تیرے کذب و لاف کی کچھ انتہا بھی ہے
شیرانِ روزگار سے پالا پڑا بھی ہے اس ترہاتِ لغو سے ظالم حیا بھی ہے
تقریر سے نکلتے ہیں پہلو فرار کے
موجود ہیں گواہ تری کار زار کے

رنگِ پریدہ، طولِ بیاں، خود ستائیاں یہ سب ہیں جَو فروشیاں، گندم نمائیاں
دیکھی نہ ہوں گی شیرِ خدا کی لڑائیاں پٹ پٹ گئیں ہیں لاشوں سے خندق میں کھائیاں
درماندہ ہو مجال ہے درعِ ثقیل سے
جب ذوالفقار رُک نہ سکی جبرئیل سے

یہ مسند اوران بزرگوں کے اسما، خدا کی شان سچوں کے آگے جھوٹ سراپا، خدا کی شان
دعوائے بے دلیل پہ دعویٰ، خدا کی شان پیغمبرِ خداؐ سے لڑا تھا؟، خدا کی شان
یہ کیوں کہا رسولِ ہدیٰؐ سے لڑا ہوں میں
کہتا یہ کیوں نہیں کہ خدا سے لڑا ہوں میں

ہم صورتِ رسولِ خداؐ سے یہ مکر و زور نیچا دکھائے گا یہ ترا کلمۂ غرور
کج بحث تیری راست بیانی میں ہے فتور ہے شرط کہہ دوں دور نہیں یاں سے کچھ حضور
واجب ہے پاسِ دابِ شہنشاہِ دہر کا
شیرِ خدا کے شیر ہیں غصہ ہے قہر کا

واقف نہیں علیؑ ولی ہیں ہمارے جد　　اسلام کے شیوع میں کی ہم نے جدّ و کد
کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بشدّ و مد　　اس گھر سے پاتے آئے ہیں کُل انبیا مدد
نکلا حجابِ قرب سے باہر ولی کا ہاتھ
معراج میں رسولؐ نے دیکھا علیؑ کا ہاتھ

واجب ہے سب جہاں کو تولائے مرتضیٰ　　قرآں سے ہے وصایتِ بے فصل کا پتا
انصاف ہو تو صاف ہے آیائے انّما　　یعنی علیؑ ہیں نائبِ محبوبِ کبریا
بے وجہ منہ پھرایا امامِ قدیر سے
غدّار ہے پھرا جو حدیثِ غدیر سے

کہہ دے حسینؑ سبطِ نبیؐ ہیں و یا نہیں　　کہہ دے حسینؑ، ابنِ علیؑ ہیں و یا نہیں
کہہ دے حسینؑ امام و ولی ہیں و یا نہیں　　کہہ دے حسینؑ شیرِ جری ہیں و یا نہیں
آجاؤ حق پہ گر تمہیں کچھ بھی تمیز ہے
ایسے بزرگ سے تمہیں پانی عزیز ہے

اچھی مروّتیں ہیں کہ مہماں پہ قرقِ آب　　اے خاک تم پہ دل میں یہ بغضِ ابوتراب
پیغمبرِ خداؐ کو بھلا دو گے کیا جواب　　یکساں ہیں جہل و کفر میں لشکر کے شیخ و شاب
بالائے طاق رکھ دیا عقل و شعور کو
بھولے ہوئے ہو پرسشِ یومِ نشور کو

کیا منصفو، یہی ہے طریقہ لڑائی کا　　تنہا پہ بھیج دیتے ہو لشکر کا اک پرا
بچوں کو گھیر لیتے ہو دے دے کے تم دغا　　آیا کوئی مسن تو زیادہ ہوئی جفا
غم پر ہمارے فکر نشاط و طرب کی ہے
کیوں بے حمیتو یہ حمیت عرب کی ہے

عمو کے غم میں لب تلک آنسو ہیں یہاں رواں　　جیموں پہ طعنہ زن ہے مری چشمِ خوں فشاں
کوئی شہید ہو تو بجاتے ہو وردیاں　　سینہ زنی ہے قاسمِ ناشاد پر یہاں
طارق ہے تو طریقِ وغا دیکھ بھال لے
ہاں وار کر ہوس ہو جو دل میں نکال لے

دشمن پہ ہم نے کی نہیں سبقت لڑائی میں بجلی گرا کے آگ لگائی ترائی میں
سب جانتے ہیں اس کو خدا کی خدائی میں مشتاق ہیں یہ ہاتھ صفوں کی صفائی میں
ہاں کھینچ لے نیام سے عرصہ بڑا ہوا
ریتی پہ سامنے ہے وہ خیمہ پڑا ہوا

اس رنگ کا رجز نہ سنا تھا جو عمر بھر طارق کے ہوش اُڑ گئے تھرّا گیا جگر
گھوڑا اُڑا کے سامنے آیا وہ خیرہ سر ہم صورتِ رسولؐ نے تھام لی سپر
آساں نہ جنگ تھی دل و جانِ حسینؑ سے
چوٹیں غضب کی چلنے لگیں جانبین سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے پہنچی فلک پہ گرد خاکستری لباس ہوا چرخِ لاجورد
پھرتا تھا کل کی طرح عقابِ جہاں نورد دشمن کو چاہتا تھا کرے سُم سے گرد برد
فخر اس پہ تھا جہاد میں حاصل ثواب ہے
راکب مرا شبیہِ رسالت مآبؐ ہے

صلو علی النبی کی صدا تھی میانِ فوج جھک جھک گئے سلام کو پیہم نشانِ فوج
وہ جنگ تھی کہ محو تھے پیر و جوانِ فوج طارق کو بعض کہتے تھے پہلِ دمانِ فوج
ناآزمودہ کار جو کچھ غل مچاتے تھے
ہم صورتِ رسولِ خداؐ مسکراتے تھے

دو نیزے تھے گتھے ہوئے گاہے گہے چناں دو اژدہے تھے منہ سے نکالے ہوئے زباں
لڑتی تھی ڈانڈ ڈانڈ سے بالائے آسماں نکلے شرر سناں سے لڑی جس گھڑی سناں
پائی جگہ جو شیر نے کچھ دار و گیر کی
کلغی اُڑا دی نوکِ سناں سے شریر کی

نیزہ پٹک کے کھینچ لی سرکش نے تیغِ کیں جھپٹا خطا شعار سوئے اکبرؑ حسیں
خالی گیا جو وار تو نادم ہوا لعیں طارق کو اب شکست کا حتماً ہوا یقیں
سر سے حواس اُڑ گئے ادراک اڑ گئی
اقلیمِ عقل و ہوش میں بس خاک اُڑ گئی

ظالم نے تیغ میان میں رکھ کر لیا تبر　　زیں پر سنبھل کے وار کیا اس کا بے خطر
یہاں اُٹھ کے تیغِ اکبرؑ گلرو ہوئی سپر　　حربہ وہ کٹ کے دو ہوا مثلِ خیارِ تر
اک غل ہوا یہ خشک و تر کائنات میں
فرق آ گیا غرور میں، ظالم کی بات میں

طارق نے پھر سنبھال لیا گرزِ گاؤ سار　　بیٹھا درست ہو کے فرس پر جفا شعار
حملہ کیا شریر نے چمکا کے راہوار　　پہنچا نہ تھا ابھی کہ چلی تیغ آبدار
سر پر شقی کے رہ گیا احسان خود کا
دستے سے صاف کٹ گیا کلّہ عمود کا

کچھ دست پاچہ ہو کے شقی نے کہا کہ پیاس　　مہلت ملے تو پانی پیوں اے فلک اساس
غازی نے دی صدا کہ اماں دی، نہ کھو حواس　　جد نے مرے نہ رَد کیا قاتل کا التماس
ہم میں چلن نبیؐ کے خدا کے ولی کے ہیں
بیٹے ہیں ہم حسینؑ کے، پوتے علیؑ کے ہیں

برف آب سے چھلکتا ہوا کاسۂ پُر آب　　لا جرعہ اس کو پی گیا طارق رہی نہ تاب
پیاسا تھا تین دن کا جگر بندِ بوتراب　　فرطِ عطش سے تھا دلِ نازک کو اضطراب
لعنت خدا کی فرقۂ خسراں مآل پر
پانی تھا بند ساقیِ کوثر کے لال پر

سیراب ہو چکا جو شقی جامِ سرد سے　　دل کا کنول شگفتہ ہوا فرطِ برد سے
پیدا ہوئے سرود و فرح روئے زرد سے　　چہرے کو پاک کرنے لگا اپنے، گرد سے
پھر بھی نہ پاسِ خاطرِ محسن ذرا ہوا
تھا بے حیا کی آنکھ کا پانی مرا ہوا

دیکھا یہ ماجرا سیہ رو سیاہ نے　　احساں کیا شبیہِ رسالت پناہؐ نے
نعرہ کیا یہ ساقیِ کوثر کے ماہ نے　　بے آبرو کیا تجھے پانی کی چاہ نے
آئی نہ یاد، غربتِ سلطانِ کربلا
پیاسا ہے تین شب سے سلیمانِ کربلا

آیا شقی اُڑا کے سرنگِ بلا نژاد　　بپھرا اُدھر بھی اکبرؑ جواد کا جواد
تیغہ کمر سے لے کے چلا پیرِو زیاد　　آتے ہی بس برس پڑا وہ بانیِ فساد
امت کا تھا یہ ظلم نبی کے نواسے پر
سیراب کی چڑھائی تھی دو دن کے پیاسے پر

ہاں برقِ ذہن کوند کے پھر شعلہ بار ہو　　ہاں کلکِ تیز منشیِ جادو نگار ہو
ہاں خامۂ دوسر دلِ اعدا فگار ہو　　ہاں صارمِ قلم، روشِ ذوالفقار ہو
احوال ہو رقم دل و جان بتولؑ کا
حملہ یہ دوسرا ہے شبیہِ رسولؑ کا

مرحب اُدھر ہے، شیرِ الٰہی ہے اس طرف　　ناری اُدھر، بہشت کا راہی ہے اس طرف
واں کفر، شاہِ آمر و ناہی ہے اس طرف　　ادبار اُدھر ہے سطوتِ شاہی ہے اس طرف
شان و شکوہ یہاں ہے نبیؐ کے وزیر کی
ہے عبدود سے جنگ جنابِ امیرؑ کی

دو بجلیاں چمکتی ہیں مقتل کے درمیاں　　ہیں دو دلی شقی صفِ اوّل کے درمیاں
اک معرکہ ہے ازرل و افضل کے درمیاں　　ردّ و بدل ہے انقص و اکمل کے درمیاں
بالکل جدا ہیں ہوش و خرد نابکار سے
طارق ہے تنگ تیغِ دو دستی کے وار سے

ہنستے ہیں اس کے حال پہ یاں اکبرِ حسیں　　فرماتے ہیں سنبھل یہ جگہ چوٹ کی نہیں
گھوڑا ہے تیرے بوجھ سے خو مرگ کے قریں　　طرزِ نبرد دیکھتے ہیں بادشاہِ دیں
منہ پر سپر نہ لے، جو بہادر بڑا ہے تو
ظاہر ہوا ضرور علیؑ سے لڑا ہے تو

خالی گئیں منجھی ہوئی چوٹیں کٹا شریر　　ہمشکلِ مصطفیٰؐ نے صدا دی بدہ بگیر
ہم وہ ہیں جن سے بھاگتے پھرتے ہیں تیرے پیر　　فرما کے یہ بلند کی تیغ قضا نظیر
قربان لاکھ جان سے تھے آن بان پر
مردم زمین پر تو ملک آسمان پر

چمکی جو تیغ، اکبرِ یوسف جمال کی خم ہوگئی سپہر پہ گردن ہلال کی
آنکھیں جھپک گئیں سپہِ بدخصال کی طارق نے آڑ کی سرِ مغفر پہ ڈھال کی
بجلی گری فلک سے یلِ خانہ جنگ پر
سنبھلا جھجک کے خانۂ زینِ سرنگ پر

کاٹی سپر تو تارک و مغفر کو دو کیا اُتری گلے سے صدرِ ستم گر کو دو کیا
یوں درمیاں سے طارقِ خودسر کو دو کیا غل تھا علیؑ نے پیکرِ عنتر کو دو کیا
چورنگ تھا عدو یہ صفائی کے وار تھے
کیا ضرب تھی کہ مرکب و اسوار چار تھے

آگے بڑھے جو طارقِ شامی کو مار کر پھر چار سمت تھے وہی نیزے وہی تبر
مجمع تھا ناریوں کا جدھر جاتی تھی نظر ڈوبا سیاہِ شام میں وہ غیرتِ قمر
گہ پیدلوں میں گاہ رسالوں میں گھر گئے
انجامِ کار برچھیوں والوں میں گھر گئے

قاتل ہزار، یکہ و تنہا علیؑ کا لال گھیرے تھے شیرِ شیرِ الٰہی کو سب شغال
ابنِ نمیر و مرۂ بدکار و بدخصال آئے کمیں سے جانبِ اکبرؑ پئے جدال
منظور تھا خبر ہو شہِ مشرقین کو
نیزہ جگر پہ کھا کے پکارے حسینؑ کو

دوڑے امامِ پاک علم کر کے ذوالفقار ہر گام پر یہ کہتے تھے شاہِ ذوالاقتدار
اکبرؑ کدھر ہو مجھ کو پکارو پھر ایک بار دشوار ہے یہ مرحلہ بیٹا پدر نثار
ہے ارضِ کربلا کو تفوق بہشت پر
اب تیرے بعد خاک ہے دنیائے زشت پر

پہنچے جو قتل گاہ میں سلطانِ بحر و بر دیکھا وہ سانحہ کہ نہ دیکھے کوئی بشر
اکبرؑ پڑے ہیں خون میں غلطاں زمین پر زخمِ سناں سے سینے میں مجروح ہے جگر
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں دمِ احتضار ہے
گویا کسی کے آنے کا بھی انتظار ہے

لائے اٹھا کے خیمے میں لاشِ پسر حسینؑ　　اہلِ حرم میں پڑ گیا آفت کا شور و شین
روتے تھے زار زار شہنشاہِ مشرقین　　نوحے تھے، مرثیے تھے، کہ تھے بیبیوں کے بین
سر ہر طرف کھلے تھے تن پاش پاش پر
ماتم دھڑا دھڑی کا تھا اکبرؑ کی لاش پر

ماں کہتی تھی ارے مرے کڑیل جواں پسر　　گل رُو پسر، شہید پسر، مہرباں پسر
ہم صورتِ رسولِ خداؐ، خوش بیاں پسر　　ہے ہے مرے جری مرے حیدر نشاں پسر
اٹھارواں برس تھا کچھ ایسے مسن نہ تھے
واری ابھی تو یہ ترے مرنے کے دن نہ تھے

کس کی نظر لگی تجھے اے میرے خوش جمال　　عینِ شباب میں کیا دنیا سے انتقال
سہرا ابھی اپنا مجھ کو دکھایا نہ میرے لال　　ہے ہے یہ تن ہوا ترا ٹاپوں سے پائمال
قسمت کا یہ لکھا یہ ستم دیکھنے کو تھے
ٹکڑے یہ تیری لاش کے ہم دیکھنے کو تھے

زینبؑ نے اپنا حال کیا ماں سے بھی زبوں　　پیٹا یہ سر کہ ہو گیا جاری جبیں سے خوں
رخسار تھے خراش سے ناخن کی نیلگوں　　طاری تھا دل پہ رنج و الم حد سے بھی فزوں
ظاہر تھا وہ قلق کہ نہ جس کا حساب تھا
بیٹوں کی لاش پر بھی نہ یہ اضطراب تھا

چلاتی تھی کہ اے مرے یوسف لقا پسر　　ہے ہے مرے شبیہِ رسولِ خداؐ پسر
ہم شوکتِ جناب شہِ لافتیٰ پسر　　ہے ہے ہماری گود کا پالا ہوا پسر
یہ شکل تو شبیہِ رسالت مآبؐ تھی
ہے ہے ابھی تو آمدِ فصلِ شباب تھی

واری مسیں نہ بھیگنے پائیں کہ مر گئے　　رخسار صاف ریگِ بیاباں میں بھر گئے
شادی کے آئے دن تو جہاں سے گذر گئے　　روٹھے جو آج مجھ سے تو دادی کے گھر گئے
زخموں سے داغ تن میں پڑے میرے ماہ کے
صدقے پھوپھی دلہن بھی نہ گھر لائے بیاہ کے

اے میرے نوجواں مرے جعفر حشم پسر　بہنوں کی روح، قلب پدر، جانِ عم پسر
کس طرح خشک ہو یہ مری چشمِ تر پسر　بیٹوں کے غم سے بھی ہے سوا تیرا غم پسر
تپلی کے نور، آنکھوں کے تارے کو کیا ہوا
ہے ہے یہ میرے راج دُلارے کو کیا ہوا

واری بس اب اٹھو کہ مرا دل ہے بے قرار　وسواس مجھ کو آتے ہیں اس نیند کے نثار
دربار میں رسولؐ کے ہو جس گھڑی گذار　رہیو تم اپنے عونؑ و محمدؑ سے ہوشیار
ذی فہم ہو، سعید ہو، مردم شناس ہو
آقا کو چاہیے کہ غلاموں کا پاس ہو

چھوٹا بڑا غیور ہے رکھنا ذرا خیال　بن جائے جان پر تو وہ کرتا نہیں سوال
نانا سے صاف صاف بیاں کرنا اس کا حال　لب تشنہ تین روز رہا وہ نکو خصال
دُھن تھی نشانِ فوجِ شہِ نیک خو ملے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو ملے

بخشیں جو تم کو ساقی کوثر طعام و آب　اپنا شریک کیجیو ہے یہ رہِ ثواب
کہنا پس از دعا کہ ہوئے تم تو کامیاب　واحسرتا کہ میرا بڑھاپا ہوا خراب
باغِ ارم کی کوشکیں آباد ہوگئیں
ہے ہے ریاضتیں مری برباد ہوگئیں

ماں کو تمہارا داغ نہ بھولے گا عمر بھر　پردیس میں لٹوں گی میں اس کی نہ تھی خبر
اے رشکِ آفتاب، مرے غیرتِ قمر　میری مرادوں والے، مرے پارۂ جگر
ماتم کروں گی گریہ وزاری کروں گی میں
جب تک جیوں گی تعزیہ داری کروں گی میں

یہ کہہ کے سر کے بالوں کو نوچا بحالِ زار　پھر تو رہا نہ ایک کے دل کو ذرا قرار
اہلِ حرم تمام تھے نالاں و اشکبار　مو ہائے سر میں لاش چھپی، غم تھا آشکار
ہوش آیا جبکہ خواہرِ شاہِ انام کو
پرسا دیا حسین علیہ السلام کو

اب کیا لکھوں میں حال کہ خود حال ہے تباہ　　باہر اٹھا کے لے گئے بیٹے کی لاش شاہ
گردوں ہلا رہی تھی صدائے فغان و آہ　　اکبرؑ کے بعد رہ گئے تنہا جہاں پناہ
اب روئیں اہلِ بزم بکا کا مقام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِ انامؐ ہے
بس اے حبیبؔ غش ہوئے مجلس کے سب جلیسؔ　　خالق سے کر دعا کہ سلامت رہیں نفیسؔ
باغِ ارم میں پائیں جگہ مونسؔ و انیسؔ　　ہر مرثیے میں بند شیں مجھ کو ملیں سلیسؔ
شیعوں کے دل کی ساری مرادیں حصول ہوں
سائی ترے خدا سے شبیہِ رسولؐ ہوں

maablib.org

حضورؔ

نام امجد علی خاں، عرفیت اشرف الدولہ، تخلص حضورؔ، وزیر اودھ منور الدولہ احمد علی کے بیٹے اور میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ میر انیس کو حکیم سید علی دلبی پوری (بنارس) ہر سال آم بھیجا کرتے تھے۔ ایک سال بہت بڑے بڑے آم آئے جن کو انیسؔ نے پسند نہیں کیا۔ اس زمانے میں نواب امجد علی خاں کے ہاتھی مہاراجہ بنارس کی تحویل میں تھے اور اُن کی نگہداشت حکیم صاحب کے ذمہ تھی۔ انیسؔ نے انھیں لکھا کہ بڑے آم بڑوں کے لائق ہیں، اس ''کمترینِ خلائق'' کو پسند نہیں۔ امجد علی خاں بہادر کے ہاتھیوں کے راتب کے لئے موزوں تھے۔

(انیسؔ، نیر مسعود، صفحہ ۱۱۸)

نواب امجد علی خاں کے یہاں ایک مرتبہ ایسی آگ لگی کہ پوری محل سرا جل گئی۔ انھوں نے گھر کی مستورات وغیرہ کو آدھی رات کے وقت بڑی دقتوں کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کیا پھر محل سرا کو درست کرانے لگ گئے۔ اس عرصے میں انیسؔ ہمدردی کے طور پر ان کے پاس نہیں گئے، بلکہ جب ایک رات نواب خود اُن سے ملنے آئے تو انیس کچھ دیر تک اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، پھر اُن کے سلام کا جواب دے کر شکایت کرنے لگے کہ آپ نے مجھے غیر سمجھا جو مستورات کو دوسری جگہ ٹھہرایا۔ نواب نے معذرت کرنا شروع کی تو انیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(فکرِ بلیغ صفحہ ۲۴۳)

میر انیسؔ، میر اُنسؔ، میر مونسؔ اور میر نفیسؔ کے خطوط میں ان کا برابر ذکر ملتا ہے۔

قمقام حسین جعفری نے ڈاکٹر نیر مسعود کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے سید علی مانوس اور میر نواب کا بیان نقل کیا ہے کہ:

''یہ مرثیہ گو بھی تھے حضور تخلص کرتے تھے اور غالباً میر مونسؔ کے شاگرد تھے مرثیہ خوانی میں میر انیسؔ کے شاگرد بتائے جاتے ہیں اور ایک روایت کے مطابق انیسؔ کے پاؤں دبانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

غدر کے بعد پنجابی ٹولہ والے مکان سے میر انیسؔ کا بہت سا اسباب اور کچھ مرثیے چوری ہو گئے تھے یہ مرثیے امجد علی خاں نے چار سو روپے کو خریدے۔ ان کا شمار لکھنؤ کے بہت بڑے رئیسوں میں تھا۔

(شاگردانِ انیسؔ، صفحہ ۲۹۳)

آغا حجو شرف اپنی مثنوی میں ان کے بارے میں کہتے ہیں:

کہوں کیا میں امجد علی خاں کا حال | بہت سا ہے اندوختۂ نقد و مال
منور بدولہ کے فرزند ہیں | یہی جاں نشیں اُن کے دلبند ہیں
یہ ہیں لکھ پتی ہے بڑا اختیار | قلیل الغذا ہیں یہ پرہیزگار

(افسانۂ لکھنؤ)

قبل غدر امجد علی شاہی فوج کے کمان دار تھے۔ ان کے بیٹے نواب باقر علی خان کے لئے انگریزوں نے نوابی کا خطاب موروثی قرار دیا۔

(مینول ٹائٹل آف اودھ، مترجمین بنواری لال سکسینہ لکھنوی و رام گوپال، اودھ پریس لکھنؤ ۱۸۹۹ء۔ ص ۲۶، ۳۳)

میر انیس کی وفات ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء کے وقت امجد علی خاں عتبات عالیات کی زیارت کو گئے ہوئے تھے شروع صفر ۱۲۹۲ھ میں بیمار ہو کر واپس آئے اور انیس کی وفات کے چار مہینے بعد ۲۹ رصفر ۱۲۹۲ھ مطابق ۷ راپریل ۱۸۷۵ء کو انتقال کر گئے۔

(نقل خط انس و مونس بنام حکیم سید علی ذخیرۂ ادیب)

امجد علی خاں کی وفات پر میر مونس کا کہا ہوا قطعہ تاریخ بخط مونس ذخیرۂ ادیب میں موجود ہے جس کا یہ آخری شعر ہے:

بہ گوش از سر جنت آواز آمد
کہ ہیہات نواب امجد علی خاں

"ہیہات نواب امجد علی خاں" کے اعداد ۱۲۸۹ھ ہیں۔ سر جنت یعنی 'ج' کے تین عدد کا تعمیہ کرنے سے سال وفات ۱۲۹۲ھ نکلتا ہے۔

میر حامد علی کا بیان ہے:

"شیش محل کے دولت مند نواب امجد علی خاں میر انیس کے ساتھ کچھ سلوک کرتے رہتے تھے مگر اس طرح کہ میر انیس سے مل کر جب واپس جانے لگتے تھے تو ان کی محل سرا کے دروازے پر اندر سے کسی خادمہ کو بلوا کر رومال میں بندھی ہوئی اشرفیاں اس کو دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رومال کسی ایسی جگہ ڈال دینا کہ بیگم صاحب کی نظر اس پر پڑ جائے۔ یہ نہ کہنا کہ کون دے گیا ہے۔"

(انیسیات، ص ۶۶)

نفیس کے ایک خط (بنام حکیم سید علی) سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب امجد علی خاں نے "ردّ مظالم" کے وقف سے انیس کے بیٹوں رئیس اور سلیس کے وظیفے مقرر کیے تھے۔ یہ وقف منتظم

الدولہ حکیم مہدی نے اُن مظالم کے کفارے کے طور پر قائم کیا تھا جو انھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں کیے تھے۔ اس وقف کے لیے انھوں نے ''کئی لاکھ روپیہ کمپنی کو قرض دیا۔ اس کے سود سے غربا و مساکین، بیوہ و یتیم کے وظیفے جاری کیے۔''

(مشاہیر اودھ، ص ۵۶)

حضورؔ کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ جو حالات ملے لکھ دیئے گئے ہیں۔

۱۲۸۱ھ میں حضورؔ کی کوٹھی (شیش محل، لکھنؤ) کے مکمل ہونے پر مونسؔ نے تاریخ کہی تھی جس پر انیسؔ نے اصلاح دی تھی۔ اصل مخطوطہ ذخیرۂ ادیب میں موجود ہے۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے:

اے خوشا منزلتِ خاص مکان — کہ ز چشمِ بدش آسیب مباد
آفتاب اش درِ او یافت شرف — آسماں فرق بہ دہلیز نہاد
پست شد قصرِ فریدوں از شرم — طاقِ کسریٰ ز نظر ہا افتاد
مانی از کارِ بدیعش حیراں — خجل از نقش و نگارش بہزاد
گِرد او ہر چمنِ تازہ و تر — آبروئے رخِ باغِ ایجاد
از زبانِ گہر افشانِ حضورؔ — شد ز مونسؔ پئے تاریخ ارشاد

فلکش از سرِ اقبال نوشت
حبذا قصرِ ہمایوں بنیاد
۱۲۸۱ھ

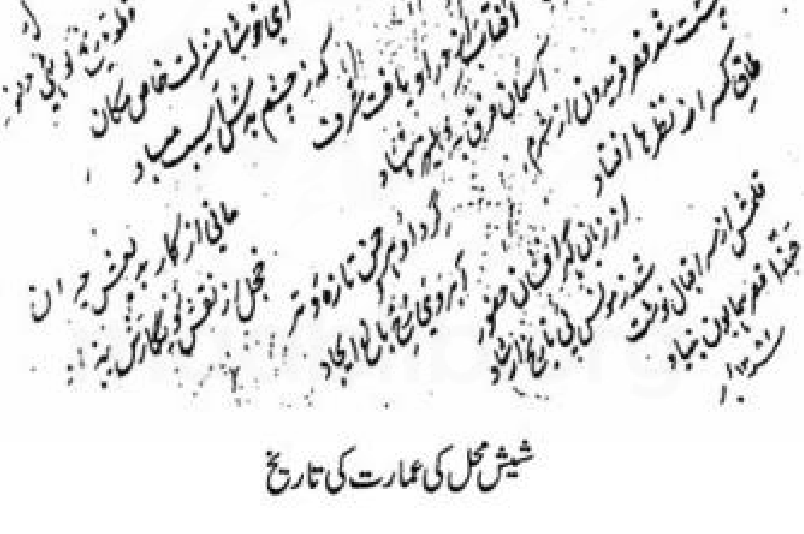

شیش محل کی عمارت کی تاریخ

دانشؔ

نام تصدق حسین، تخلص دانشؔ، قصبہ ظفر آباد، جونپور کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام مولوی لطف علی تھا۔ لالہ سری رام جب خمخانہ جاوید کی تیسری جلد لکھ رہے تھے اس وقت ان کی عمر پچاس برس تھی اور اعظم گڑھ میں جج کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ عربی و فارسی میں دستگاہ حاصل تھی۔ پہلے سید اولاد علی کا ہشؔ شاگردِ مصحفی سے تلمذ تھا بعد میں میر مونسؔ کے شاگرد ہو گئے تھے۔

(خمخانہ جاوید جلد ۳ صفحہ ۱۳۷، یادگار ضیغم صفحہ ۱۴۵)

سید اقبال احمد لکھتے ہیں:

"دانشؔ تخلص، اولاد حضرت مخدوم چراغ ہند ظفر آبادی سے تھے۔ بعد اکتساب علوم عربی و فارسی شوق شاعری و سخن گوئی کا پیدا ہوا۔ حکیم اولاد علی کا ہشؔ کے شاگرد ہوئے اور مشقِ سخن کیا۔ طبیعت موزوں تھی آپ کا کلام رنگین ہوتا تھا"۔

(تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور صفحہ ۲۷۷)

دانشؔ کے سلام اور مرثیے دستیاب نہیں ہیں صرف غزلیہ اشعار ملے ہیں جو درج ذیل ہیں:

صفتِ حور کہاں تک میں سنوں واعظ سے ۔۔۔ ذکر کرتا ہے صراحی کا نہ پیمانوں کا
اے شہِ حُسن ہوا عصر کا قاروں میں بھی ۔۔۔ دل سے نکلا نہ خزانہ مرے ارمانوں کا

وہ میری ملاقات کو آئے میرے گھر آج ۔۔۔ مدت میں دعاؤں نے دکھایا ہے اثر آج
درپیش ہے بت خانہ و کعبہ کا دوراہا ۔۔۔ اب وحشتِ دل دیکھیے لے جائے کدھر آج

اُداسی چھا رہی ہے شمع بالیں کو ترستی ہے ۔۔۔ مزار کشتۂ الفت پہ اک حسرت برستی ہے
تم اب تو واعظو! پتھر کے بوسے جا کے لیتے ہو ۔۔۔ مقرر خانۂ کعبہ سے پیدا بت پرستی ہے
غرض کیا خضر سے رہبر جنوں ہے دشتِ فرقت میں ۔۔۔ کھلیں ہیں صاف سیدا ہیں بلندی ہے نہ پستی ہے

آ کر مریضِ عشق کا لاشہ اٹھایئے ۔۔۔ مُردے کو اپنے آپ مسیحا بنایئے

دانشؔ کو تاریخ گوئی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ تذکرۂ یادگار ضیغم میں دو تاریخیں چھپی ہیں:

طبع جس وقت ہوا تذکرۂ اہلِ سخن | جستجوئے سنِ عیسائی تھی دانش اُس دم
ناگہاں چرخِ چہارم سے یہ آواز آئی | آپ کا نام رہا تا بہ ابد لُوضیغم

۱۸۸۶ء

تعجب است کہ دانش بہ ایں تلاش شود | ہزار و سہ صد و سہ سال در شمارد بود

۱۳۰۳ھ

رضاؔ

نام میر رضا حسین، تخلص رضاؔ، میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔

(اسلاف واخلاف میر انیسؔ صفحہ ۲۳۷)

سلیسؔ

نام سید محب علی، تخلص سلیسؔ، کانپور کے رہنے والے تھے اور میر مونسؔ کے نامور شاگردوں میں شمار تھا۔ تذکرہ نگاروں اور محققین نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

عبدالغفور نساخ لکھتے ہیں:

"سلیس تخلص سید محب علی متوطن کانپور شاگرد میر مونس مرثیہ گو" (سخن شعراء)

لالہ سری رام لکھتے ہیں:

"سید محب علی باشندۂ کانپور، حضرت مونس لکھنوی کے شاگرد اور مرثیہ گوئی میں مشاق تھے۔ اپنے تخلص کی رعایت سے کلام میں سلاست کا خیال رکھتے تھے۔ استاد کی صحبت نے زبان اور خیالات میں پاکیزگی و شستگی پیدا کر دی تھی" (خمخانہ جاوید، جلد ۴)

سفارش حسین رضوی لکھتے ہیں:

"میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ کلام کا نمونہ نہیں ملتا۔" (اردو مرثیہ صفحہ ۲۰۳)

محمد عباس واصف نے بھی ان کا شمار تلامذۂ مونس کی فہرست میں کیا ہے۔

(اسلاف واخلاف میر انیسؔ)

کانپور پر لکھے گئے تحقیقی مقالوں میں سلیس کو فراموش کیا گیا ہے۔

سلیسؔ کے مطبوعہ مرثیہ (۱۲۸۶ھ) کے سرورق پر ان کا تعارف ان الفاظ میں درج لکھا ہے:

"مولوی سید محب علی صاحب المشتہر بہ میر سلیسؔ مدرس عربی وکٹوریا کالج آگرہ"

اس مرثیے کے پس ورق پر خود سلیسؔ نے ایک فارسی عبارت درج کی ہے جس کا خلاصہ و ترجمہ یہ ہے کہ "میرے تخلص سلیسؔ کی موزونیت کی وجہ سے بعض حساد مجھے انیسؔ کا شاگرد کہتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ جو اس رسمِ استادی و شاگردی کو مشہور کرتے ہیں وہ جاہل ہیں"۔

سلیسؔ کی انیسؔ سے رنجش کیوں ہوئی تھی اس کی کوئی تفصیلی وجہ تو نہیں ملتی البتہ ایک اشارہ ضرور ملتا ہے وہ یہ کہ جب میر انیسؔ نے بلند بینوں کو، زمینوں کو، والا سلام کہا تو اس میں ایک شعر ایسا تھا جس میں حساد و معترضین کی طرف اشارہ تھا کہتے ہیں کہ سلیسؔ اس شعر کا مصداق اپنی ذات کو سمجھ بیٹھے اور اس کے جواب میں سلام بھی کہا تھا۔ اس سے متعلق یادداشت میں نے ایک ورق پر نوٹ کرلیں تھیں لیکن اس کے کاغذات میں گم ہو جانے کے سبب اس وقت مکمل تفصیلات لکھنے سے قاصر ہوں۔

سلیسؔ کے ایک فرزند سید محمد جعفر آسانؔ تھے جو خواجہ مرتضیٰ خاں بقاؔ کے شاگرد تھے اور نواب سید بنیاد حسین جاہ رئیسِ اعظم کانپور کے فرزند کے اتالیق تھے۔ لالہ سری رام نے سلیسؔ کے ایک شاگرد کا ذکر کیا ہے جن کا نام سید غلام محی الدین، تخلص شیداؔ، ساکن آگرہ، ۱۲۸۶ھ میں بیس سال کی عمر تھی۔ تذکرۂ شعر و سخن کے مصنف مولوی نیاز علی صاحب پریشانؔ سندیلوی کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

سلیسؔ کے مرثیے:

ان کا ایک مرثیہ ۱۲۸۶ھ میں میڈیکل پریس آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ جس کا مطلع ہے:

زندہ ہیں ابد تک شہداء راہِ خدا کے ۸۳ بند

اس مرثیہ کے آخر میں مرزا زین العابدین عابدؔ (رئیس اکبرآباد)، حکیم باطنؔ اکبرآبادی، سید غلام محی الدین شیداؔ (شاگرد سلیسؔ) شیخ محمد وقار علی علویؔ، سید مختار حسین ممتازؔ شکوہ آبادی، اور سید فخر الدین حسین فخرؔ اکبرآبادی (فرزند باطنؔ اکبرآبادی) کے قطعاتِ تاریخ طباعت درج ہیں۔

اس مرثیے کا عنوان "اعجاز کربلا" ہے۔ چہرے میں شہیدوں کی عظمت کا بیان ہے اور امام حسینؑ کی شہادت کی عظمت پر گفتگو ہے۔ اس کے بعد روضۂ امام حسینؑ کے مناظر کو نظم کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً سلیسؔ زیارتِ کربلا سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ کربلا کی روزمرہ زندگی کے دلکش و دلفریب مناظر بہت عمدگی سے دکھائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۶ھ میں کربلا کے حالات کیا تھے۔ ایک بند میں ہندوستانی زائرین کا ذکر اس طرح ہے:

وہ قافلۂ ہند کا ہر جا پہ اُترنا وہ نعرۂ عباسِ علیؑ پیٹ کے کرنا
وہ سوقِ علمدار سے گرمی میں گزرنا ہے شیعوں کو لازم وہیں جینا وہیں مرنا

آرام سے پی پی کے جو سرد، آب رہے ہیں
سرداب بھی مہمانوں کے سر، داب رہے ہیں

پھر روضۂ حضرت عباسؑ کی منظر کشی کی گئی ہے۔ پھر خیمہ گاہِ حسینی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ۱۲۸۶ھ میں روضۂ امام حسینؑ پر ہونے والا ایک معجزہ نظم کیا ہے وہ یوں ہے کہ لشکرِ روم کا ایک افسر نجس حالت میں شراب پی کر روضے میں داخل ہونے کی جسارت کرتا ہے۔ خادمین حرم اسے بہت روکتے ہیں لیکن وہ کسی کی نہیں سنتا اور تلوار علم کر کے آگے بڑھتا ہے۔ جب دروازۂ حرم پر پہلا قدم رکھتا ہے تو ایک ہاتھ ضریحِ اقدس سے بلند ہوتا ہے جو طمانچہ مار کر اُس کے چہرے کو سیاہ کر دیتا ہے۔

لوگ اسے معافی دلانے کے لیے روضۂ حضرت عباسؑ پر لے جاتے ہیں لیکن وہ راستے ہی میں مر جاتا ہے۔ جب یہ خبر سلطان روم کو پہنچتی ہے تو وہ روضہ امام حسینؑ پر چراغاں کرواتا ہے اور زائرین میں تحائف تقسیم کرتا ہے۔ ایک بند قابل دید ہے جس میں افسرِ روم کے دوزخ میں پہنچنے کا ذکر ہے:

دوزخ نے صدا دی جو کرو لعل وہی پاؤ　　آتش کا مزاج آگ ہوا ہاں مجھے سلگاؤ
حمالہ پکاری کہ مری آنچ نہ بھڑکاؤ　　دروازے تلک بولہب آیا کہ چچا آؤ
دل آج تری پیاس سے بریاں ہے ہمارا
سقماً و حمیماً کہ تو مہماں ہے ہمارا

سلیسؔ اپنے کو انیسؔ کے تعلق سے مشہور نہیں دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس پر بھی وہ آہنگ انیسؔ سے بچ نہ سکے۔ ان کے مرثیوں میں بعض مقامات اس کا پتہ دیتے ہیں کہ اُن کے دماغ پر میر انیس کا کلام طاری رہتا تھا اور کبھی کبھی انیسؔ کے مصرعوں کی جھلک اُن کے مصرعوں میں نمایاں ہو جاتی تھی جیسے دیکھیے:

عزت وہ خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا　　انیسؔ
ہاں یہ وہ خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا　　سلیسؔ

سلیسؔ کی تعلیاں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے آسمان و زمین ایک کیے ہیں۔ ایک بند دیکھیے:

رکھے تو قدم معرکۂ نظم میں کوئی　　کھل جائے سخن فہم پہ زشتی و نکوئی
اعجاز بیانی ہے کہ ہے مرثیہ گوئی　　گویا یہ زباں چشمۂ کوثر سے ہے دھوئی
پھیکا ہو کسی جا پہ یہ وہ رنگ نہیں ہے
لعل و گہر اس نظم کا پاسنگ نہیں ہے

مصائب کے بند بالکل میر انیسؔ کے رنگ میں ہیں حتیٰ کہ الفاظ وقوافی بھی وہی ہیں ایک بند یہ ہے:

ناگاہ یہ آواز درِ خیمہ سے آئی — آتی نہیں آواز مرے کان میں بھائی
کیوں ہو گئے خاموش شہِ کرب وبلائی — گھبرا کے نکلتی ہے یداللہ کی جائی
جیتے ہو تو پھر شکل دکھاؤ مجھے بھائی
مشتاق ہوں آواز سناؤ مجھے بھائی

احمد آباد گجرات میں ہونے والا معروف معجزہ جو امام حسینؑ کے تشریف لانے سے متعلق ہے جس میں آپ نے احمد آباد آ کر کرامت دکھائی تھی، کئی مرثیہ نگاروں نے نظم کیا تھا جن میں مرزا عشقؔ، میر مشیر اور مفتی محمد عباس صاحب قبلہ (مثنوی) شامل ہیں۔ یہی معجزہ محب علی سلیسؔ نے بھی نظم کیا تھا اور وہ مرثیہ چھپا بھی ہے لیکن اب عنقا ہے اور تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہے۔ ثابت لکھنوی نے لکھا ہے کہ یہ مرثیہ اُن کے پاس موجود تھا۔

("دربارِ حسین" صفحہ ۱۶)

سلیسؔ کا ایک مکمل مرثیہ شائع کیا جا رہا ہے۔ سلام ورباعیات کے نمونے مجھے نہیں ملے ایک غزل درج ذیل ہے:

غزل

بے اذن بوسہ لے کے گنہگار ہو گیا — اب تو قصور وار میں سرکار ہو گیا
اس بات سے کہیں نہ مکر جائیں پھر حضور — جو کچھ ہمارے آپ کے اقرار ہو گیا
جوشِ بہار خط نے کیا زخم دل ہرا — سبزہ ہمارا مرہم زنگار ہو گیا
اک بوسہ دے کے منہ کے بنانے کی وجہ کیا — ہاں ہاں حضور میں تو گنہگار ہو گیا
باہیں گلے میں ڈال کے اس شوخ نے کہا — میں کامیاب وصل جو اک بار ہو گیا
مدت سے خفتہ بختی کا شکوہ تھا آپ کو — کہیے نصیب آج تو بیدار ہو گیا
واللہ اے سلیسؔ پڑھی تم نے کیا غزل
اب کا مشاعرہ بھی دھواں دھار ہو گیا

میر وحید کا غیر مطبوعہ سلام بخطِ میر وحید

(بشکریہ علی احمد دانش لکھنؤ)

الشعراء من تلامیذ

بحمد اللہ کہ این گلدستہ نظم رنگین ریاض جنت اعلا المسمیٰ بہ

اعجاز کربلا

واقعہ مرقد منورہ جناب سید ختم الانبیا فرزند سید الاوصیا من تصانیف تازہ

افصح البلغا ابلغ الفصحا سخنور شیرین زبان طیب اللسان بلبل شیراز ہندوستان [illegible]

[illegible]

[illegible] سید محب علی [illegible] المشتہر بہ میر سلیس

مدرس [illegible] آفات الدوران [illegible]

[illegible]

در ماہ ذی الحجہ [illegible] ہجری باجازت مصنف صبا اول مرتبہ یکہزار و چہار صد

بمقام آگرہ محلہ کٹرہ [illegible] باہتمام امام الدین [illegible]

در مطبع [illegible] طبع بستہ شد

مطبوعہ مرثیے کا سرورق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ

زندہ ہین ابد تک شہدا راہ خدا کے
دنیا مین وہ محتاج نہین آب و غذا کے
رغبت ہی اونہین رزق سے فردوس علا کے
پروردہ ہین سرکار سے رب دوسرا کے
مطلب کوئی اونکا بخدا فوت نہین ہے
زندہ بھی وہ زندہ کہ جنھین موت نہین ہے

قرآن کا یہہ مضمون ہی خالق کی زبانی
مرتا نہین وہ راہ خدا مین جو ہو فانی
تقسیم ہی ارزاق خدا اوسپہ نہانی
پر حل نہوی مردہ دلون پر یہہ معانی
بندہ نہین کہتا ہی یہہ ہی قول خدا کا
اللہ بیان کرتا ہی رتبہ شہدا کا

مطبوعہ مرثیے کا صفحہ

سید محب علی سلیس کانپوری

مرثیہ

درحال امام حسینؑ

۸۳ بند

زندہ ہیں ابد تک شہداء راہِ خدا کے　　دنیا میں وہ محتاج نہیں آب و غذا کے
رغبت ہے انھیں رزق سے فردوس عُلا کے　　پروردہ ہیں سرکار سے ربِّ دوسرا کے
مطلب کوئی ان کا بخدا فوت نہیں ہے
زندہ بھی وہ زندہ کہ جنہیں موت نہیں ہے

قرآں کا یہ مضمون ہے خالق کی زبانی　　مرتا نہیں وہ راہ خدا میں جو ہو فانی
تقسیم ہے ارزاقِ خدا اس پہ نہانی　　پر حل نہ ہوئے مردہ دلوں پر یہ معانی
بندہ نہیں کہتا ہے یہ ہے قول خدا کا
اللہ بیاں کرتا ہے رتبہ شہدا کا

خاص ان میں حسین ابن علیؑ سیدِ ذیجاہ　　مہرِ فلکِ عزّ و شرف فاطمہؑ کا ماہ
سردارِ جوانانِ بہشت ، ابنِ یداللہ　　روحِ شہداء ، جانِ نبیؐ، فدیۂ اللہ
ہے ختم نبوت جو رسولِ عربیؐ پر
اتمام شہادت ہے حسین ابنِ علیؑ پر

تھے بعدِ شہادت بھی لعیں دشمنِ جانی　　مرقد کی خرابی میں رہے ظلم کے بانی
حائر کی زمیں جوت کے کی غلہ فشانی　　روضہ کے قریں کاٹ کے لایا کوئی پانی
پاس آتا تھا جب جوش میں آبِ لبِ دریا
قبہ نظر آتا تھا حبابِ لبِ دریا

کس طرح سے ہو غرق مزارِ شہِ والا جبرئیل اٹھا لیتے تھے وہ ارضِ معلا
کب جوش میں پانی لحدِ پاک تک آتا تھا حکم رواں آپ کا بس بس وہیں تھم جا
یہ آبروئے حضرت الیاس نہیں ہے
ہو دور مری خاک کا کچھ پاس نہیں ہے

یہ معجزۂ شاہ ہوئے جب متواتر ان فعلوں سے باز آئے پشیماں ہوئے کافر
شاہانِ اولوالعزم ہوئے معتقد آخر ہر اک درِ اقدس پہ ہوا خوف سے حاضر
سمجھے پسرِ صاحبِ معراج کا رتبہ
نعلین سے کم جانتے تھے تاج کا رتبہ

ہے بعد شہادت بھی وہی رعب وہی شاں روضہ پہ ہے جاہ و حشمِ خالقِ یزداں
داخل کوئی بے اذن ہو کیا تاب ہے کیا جاں میکال جو درباں ہیں تو جبرئیل نگہ راں
بے اذن کوئی رومی و شامی نہیں جاتا
اب تک ہے یہ حرمت کہ حرامی نہیں جاتا

ذی مرتبہ ذیجاہ اولوالعزم ذوی القدر کالشمس ہے قبہ تو کلس رشکِ دہ بدر
خاصانِ خدا صدر نشینوں کا یہ ہے صدر ممکن نہیں اب بھی کوئی مرتد جو کرے غدر
دشمن پہ جو ہے لطف، کریمی کا سبب ہے
آتا نہیں غصہ یہ رحیمی کا سبب ہے

ہے حکم مخالف بھی اگر آئے تو آئے پر یہ نہیں طاقت کہ قدم حد سے بڑھائے
ناپاک کرے رخ جو ادھر منہ کی وہ کھائے دنیا ہی میں ناری کو سقر آ کے جلائے
نشہ میں جو ہو قصد کسی دشمنِ دیں کا
نشہ وہیں ہو جائے ہرن ڈر سے لعیں کا

گر پی کے شراب آئے کوئی دشمنِ مردود ہو برق کے خندے سے کباب نمک آلود
دُرّہ لیے مفتی ادب سر پہ ہو موجود ناری کو کرے خاک سیہ آتشِ نمرود
دم بھر میں اثر آگ ہو لالے کے چمن کا
ہو منعکسہ صاف قضیہ بَرَدَن کا

دیواں گہہِ انصاف وعدالت ہے یہ دربار   یہاں آتے لرزتا ہے ہر اک غافل و ہوشیار
ہے کعبہ مومن یہ جگہ، قبلۂ و دیں دار   شبیرؑ کی سرکار ہے اللہ کی سرکار
بے عفوِ خطا مجرمِ سرور جو مرے گا
اللہ بھی توبہ نہ قبول اُس کی کرے گا

آداب سے بے پوچھے فرشتہ نہ جہاں آئے   انسان کی طاقت ہے کہ ڈر انہ چلا جائے
بے غسل کوئی ایک قدم آگے جو سرکائے   تہدید سے جلادِ اجل خون میں نہلائے
ہے دشمنِ حق شہ کا گنہگار نہیں ہے
ہو عدل نہ جس جا یہ وہ دربار نہیں ہے

لازم ہے یہاں قصر کرے شان کو قیصر   آئینہ اگر دل ہو تو حاضر ہو سکندر
کشکولِ گدا ہے یہیں فغفور کا مغفر   دارا کی مدارات کی جا گہہ ہے یہی در
جان اپنی درِ شاہ پہ وارے تو بجا ہے
خاقاں بھی یہاں تاج اُتارے تو بجا ہے

آ سکتا ہے کیونکر کوئی گستاخ بھلا پاس   آقا کی حضوری میں رہا کرتے ہیں عباسؑ
محفوظ ہے درگاہ من الجنۃ والناس   خضرِ رہِ ایماں ہیں اگر یہ تو وہ الیاس
رحمت کے یہ اور چشم نمائی کے وہ مالک
خشکی کے یہ مالک ہیں ترائی کے وہ مالک

ہے ان میں اگر رحمتِ پیغمبرِ ذی جاہ   سر تا بقدم اُن میں جلالِ اسد اللہ
آجاتی ہے یاں شیر میں بھی غربتِ روباہ   روباہ وہاں شیر ہے العظمۃ للہ
دشمن سے بھی میلا نہیں دل کرتے ہیں آقا
کیسی ہی خطا ہو یہ بحل کرتے ہیں آقا

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو ہے جبر آپ کے آگے   گربے سے بھی مسکیں ہے ہزبر آپ کے آگے
ہے سر کو جھکائے ہوئے صبر آپ کے آگے   از خود کلمہ پڑھتا ہے گبر آپ کے آگے
دروازۂ فردوس ہے بابِ شہِ والا
مسجودِ ملائک ہے جنابِ شہِ والا

ہو دھوپ کی سبزہ پہ جو یاں کی نگہہِ قہر　　مینائے فلک کا سئے خورشید کو دے زہر
اس عزم سے گرکاٹ کے لائے کوئی یاں نہر　　ڈس جائے اسے نہر حسینی کی ہر اک لہر
ہر موج رواں صورتِ زنجیر نظر آئے
گرداب ہر اک طوقِ گلوگیر نظر آئے

کیا پوچھتے ہو نخل کا اس باغ کے عالم　　پتوں کی ہوا بادِ بہاری سے نہیں کم
مشتاق ہیں اک عمر سے اے نخلِ مکرم　　کب دیکھیے پہنچیں تیرے سایہ کیے تلے ہم
پاس آئے جو مومن کوئی خرمے کی طلب سے
آواز ھنیئاً لک پیدا ہو رطب سے

اس ارضِ مقدس کے ملک رہتے ہیں ضامن　　کس حُسنِ عقیدہ سے وہاں جمع ہیں مومن
شب واں کی شبِ قدر ہے اور عید ہر اک دن　　گلدستہ پہ رنگینیِ آوازِ مؤذن
اجماع وہ مخصوصیِ ماہِ رمضاں کا
نعرہ وہ مکبّر پہ مکبّر کی اذاں کا

کیا صحنِ معلّی کی بلندی کا لکھوں طور　　گردوں کی طرف دستِ ادب ہے کہ سرک اور
ہو چرخ نہم طبقۂ اول جو کرے غور　　کم ذہن میں پہنچا اس کا تسلسل سے نہیں دور
سو فخر سے پابوسِ زمیں عرش ہے اس کا
کہتے ہیں جسے عرشِ بریں فرش ہے اس کا

وہ چاہ کہ عباسؑ تھے جس چاہ کے بانی　　زمزم سے مزے میں کہیں بہتر ہے وہ پانی
ہو نیلوفری دیکھ کے چشم یرقانی　　اس پانی کی چادر ہے کہ ہے بردِ یمانی
مضمون یہ بندے نے قلم بند کیا ہے
اس چاہ نے یوسف کا بھی دم بند کیا ہے

وہ قافلۂ ہند کا ہر جا پہ اُترنا　　وہ نعرۂ عباسِ علیؑ پیٹ کے کرنا
وہ سوقِ علمدار سے گرمی میں گزرنا　　ہے شیعوں کو لازم وہیں جینا وہیں مرنا
آرام سے پی پی کے جو سرد، آب رہے ہیں
سرداب بھی مہمانوں کے سرداب رہے ہیں

عباسؑ کے روضہ کی جلالت کا یہ ہے طور　　واں شیرِ بیاباں بھی ہے مغلوب کستور
کیا ذکر جولب پر کوئی لائے سخنِ جور　　چرخ اور زمیں اور ہے آب اور ہوا اور
صحرا نظر اُس کو زبر و زیر سا آئے
بزدل بھی وہاں جائے تو پھر شیر سا آئے

اس شیر کی درگاہ ہے گردوں سے سرافراز　　گنبد سے عیاں برجِ اسد کے ہیں سب انداز
پر جلتے ہیں جبریل کے کرتے ہوئے پرواز　　صاف آتی ہے شمسہ سے انا الشمس کی آواز
خورشید پہ روشن ہے ولی ابنِ ولی ہیں
ہر ذرہ ہے شاہد کہ شہیدِ ازلی ہیں

بازارِ مُسقّف کی دو رویہ وہ دکانیں　　کم جن کی نہیں منزلِ فردوس سے شانیں
خرموں کا کہیں ڈھیر کہیں گرم وہ نانیں　　ذکرِ رطب تر سے ہیں سیراب زبانیں
دوغ ایک طرف مسکہ و شیر ایک طرف ہے
بدر ایک طرف قرصِ پنیر ایک طرف ہے

سم خوردہ ہے اس خاک کی تسبیح پہ مینا　　افشانی و کرمانی کا اک جا ہے قرینا
صرمی بھی ہیں کحل بصر دیدۂ بینا　　اس خاک میں ہے احمدؐ و زہراؑ کا دفینا
اس جا کی ہر اک چیز کا سودا ہی جدا ہے
بازارِ محمدؐ ہے خریدار خدا ہے

ہے ایک طرف خیمہ گہہ عترتِ اطہار　　اب تک ہیں عیاں جس سے شرافت کے سب آثار
سجادؑ کا حجرہ بھی ہے ایک اس میں نمودار　　سجادہ بھی ہے فرشِ زمیں صورتِ بیمار
اک جا پہ علم شاہِ شہیداں کا گڑا ہے
اک گوشہ میں جھولا علی اصغرؑ کا پڑا ہے

اک جا ہے نشاں سوگ نشینیِ حرم کا　　اک جا ہے اثر سبطِ پیمبر کے قدم کا
اک جا ہے پتہ مسندِ سلطانِ امم کا　　دربار ہے ویراں شہِ ذی جاہ و حشم کا
خالی ہیں پہ دل غم سے سبو جون کے بھرے ہیں
کوزے کئی سوکھے علی اصغرؑ کے دھرے ہیں

ہے ایک طرف کو لحدِ قبلۂ ایماں سرداب میں ہے ایک طرف گنجِ شہیداں
جبریلِ امیں صلِ علیٰ کہتے ہیں ہر آں ہر صبح رسولانِ سلف پڑھتے ہیں قرآں
یاد آتی ہے وہ مرگِ شبابِ علی اکبرؑ
ہیں پائنتی بابا کے جنابِ علی اکبرؑ

ہے کرب و بلا باغِ ارم آپ کے دم سے وابستہ ہیں زوّاروں کے دم آپ کے دم سے
روضہ پہ ہے کیا جاہ و حشم آپ کے دم سے فیض آپ کے دم سے ہے کرم آپ کے دم سے
اب ہند میں ہوں تنگ نکالو مجھے آقا
دوری سے تڑپتا ہوں بلا لو مجھے آقا

ہر چند کہ یہاں بھی ہے مجھے اشک فشانی بہتر نہیں ہو بند روانی سے جو پانی
ترسا نہ مجھے اے اسد اللہ کے جانی ہو پیشِ نظر آپ کے چشموں کی روانی
بے روئے وہاں آنکھوں کو آرام نہیں ہے
جس میں کہ نہ روغن ہو وہ بادام نہیں ہے

ہوں عشرۂ ثانی سے تری مدح میں دمساز اب نوبتِ رابع ہے یہ انجام وہ آغاز
ممدوح ملا تجھ سا کرے طبع نہ کیوں ناز آقا ترے مداحوں میں ہوں میں بھی سرافراز
اس نور کی اک ضو دلِ صد چاک میں مل جائے
اب ہے یہ ہوس خاک اسی خاک میں مل جائے

کچھ نظم وہ تھا لے کے گیا مدح میں بارے حسان کو بخشا تھا صلہ جد نے تمہارے
تم بھی اسی محبوبِ الٰہی کے ہو پیارے لبیک غلام آپ کے روضہ پہ پکارے
اب کا بھی یوں ہی سال جو ٹل جائے گا مولا
دم سینہ سے گھبرا کے نکل جائے گا مولا

اخبار میں فرماتے ہیں اکثر یہ پیمبرؐ اک بیت کہے کوئی تو جنت میں ملے گھر
فرصت نہیں انکارِ جہاں سے مجھے دم بھر ہو میری ریاضت پہ نظر یا شہِ صفدر
جو چاہیے مجھ کو بخدا آپ سے لوں گا
اس نظم کا بے شک میں صلا آپ سے لوں گا

اب خامہ کو پھر یہاں سے گہربار کر اے طبع　　سینہ کو مرے مطلعِ انوار کر اے طبع
پیدا دُرِ مضموں کا خریدار کر اے طبع　　ممدوح پہ صدقے دُرِ شہوار کر اے طبع
شاعر کو غمِ صرفِ لآلی نہیں ہوتا
ہاں یہ وہ خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا

او توسنِ چالاک قلم خیر ہے بارے　　بھرتا ہوا جاتا ہے کدھر آج طرارے
ہاں ہاں نہ نکل جائیو قبضے سے ہمارے　　آقا کیلیے توڑ کے لا عرش کے تارے
رستہ ہے بلندی کا پڑے گام سنبھل کر
ہو نعل در آتش کہ عدو خاک ہوں جل کر

ہے جوش پہ ابرِ کرمِ ایزدِ باری　　قلزم کی طرح طبع رواں آج ہے جاری
پوچھو نہ فصاحت نہ بلاغت کو ہماری　　کس رنگ میں ہم بند ہیں کس طرز میں جاری
گر نطق سے غیروں کے لیا کام تو کیا ہے
گویا ہو زباں اپنی جو منہ میں تو مزا ہے

ہر اک کا نہیں کام جو موتی کوئی رولے　　الفاظ کو یوں نظم کے رشتہ میں پرولے
جب شمع سا گل سے تو زباں بزم میں کھولے　　بلبل کی طرح نغمۂ رنگیں ہو تو بولے
سمجھیں گے سب ایسا کوئی نادان نہیں ہے
مشکل ہے یہ لہجہ بہت آسان نہیں ہے

پہلے کوئی اک عمر کرے لہجہ کو شفاف　　تب آکے سرِ بزم وہ بولے سخنِ لاف
گو خلق میں منصف نہیں باقی ہے پر انصاف　　ہم رکھتے ہیں دل صاف زباں صاف سخن صاف
معشوقِ پری وش کی کسے تاک نہیں ہے
مضموں ہیں ڈھلے سب کوئی کاواک نہیں ہے

رکھے تو قدم معرکۂ نظم میں کوئی　　کھل جائے سخن فہم پہ زشتی وہ نکوئی
اعجاز بیانی ہے کہ ہے مرثیہ گوئی　　گویا یہ زباں چشمۂ کوثر سے ہے دھوئی
پھیکا ہو کسی جا پہ یہ وہ رنگ نہیں ہے
لعل و گہر اِس نظم کا پاسنگ نہیں ہے

خالق جسے دے دیدۂ بینا ہمیں دیکھے   آئینہ کی صورت ہو جو سینہ ہمیں دیکھے
ہو علم کا جس پاس سفینہ ہمیں دیکھے   رکھتا ہو جو معنی کا خزینہ ہمیں دیکھے

سامع سے سخن سنج کو امید صلا ہے
بے بہرہ ہیں جو خود ہمیں کیا ان سے گلا ہے

سونے کی طرح تاج پہ رکھتا ہے ہمیں کون   اس بزم میں توقیر سے تکتا ہے ہمیں کون
سمجھیں تو کہ سمجھا دُرِ یکتا ہے ہمیں کون   ہم بھی تو یہ دیکھیں کہ پرکھتا ہے ہمیں کون

نقادیِ اربابِ سخن دیکھ رہے ہیں
سکہ تو کھرا ہے پہ چلن دیکھ رہے ہیں

دکھلائے کوئی یہ دُرِ شہوار تو جانیں   کھولے کوئی منہ پیش خریدار تو جانیں
کردے کوئی آنکھوں کو گہربار تو جانیں   ہو وصف سے دُربار یہ دَربار تو جانیں

الفاظِ رقم غیرِ معانی نہیں کرتے
گویا ہیں پہ دعوائے زبانی نہیں کرتے

سب کرتے ہیں تصدیق تصور کو ہمارے   کم ظرف نہ سمجھیں گے تبحّر کو ہمارے
آسان کریں گے وہ تعسّر کو ہمارے   لیں گے شہِ دیں پیش بہادر کو ہمارے

فولاد کی ہے تیغ زباں کند نہ کہنا
ہم شیروں کے مداح ہیں آخوند نہ کہنا

افضالِ الٰہی سے سخن فہم ہیں سب جمع   پروانۂ جانباز ہزار اور ہے اک شمع
اس بزم میں نورِ رخِ شبیرؑ کی ہے طمع   حضار کریں اب متوجہ بصر و سمع

گلچیں چمنِ نظم کے بلبل سے لڑیں گے
پھیلائیے دامن کہ بس اب پھول جھڑیں گے

ہے جوہریِ اہلِ سخن شاہ کا دربار   اک معجزۂ تازہ لکھ اے خامۂ دُربار
دیکھا ہے اکابر نے یہ مندرجۂ اخبار   تھا کرب و بلا میں کہیں اک روم کا سردار

شیطان نے دُہرا یہ فریب اس کو دیا تھا
تھا نشہ میں اور غسلِ جنابت نہ کیا تھا

اک مرتبہ یہ زعمِ غلط دل میں وہ لایا   شبیرؑ کے روضہ کی طرف پاؤں بڑھایا
بس متصلِ صحنِ مبارک جو ہیں آیا   خدام نے بڑھ کر یہ سخن اس کو سنایا
اب یہاں سے قدم آگے بڑھانا نہ ملے گا
اس شکل سے ہرگز تجھے جانا نہ ملے گا

توبہ کر اگر نشہ میں سرشار ہے ظالم   غفلت سے ذرا چونک جو ہشیار ہے ظالم
کر غور اگر دیدۂ بیدار ہے ظالم   احمدؐ کے نواسے کا یہ دربار ہے ظالم
گر بے ادب آئے گا تو یہاں آنے نہ دیں گے
تو کیا ترے حاکم کو بھی ہم جانے نہ دیں گے

بولا وہ فقط نشہ میں سرشار نہیں ہم   ہاں غسلِ جنابت کی ضرورت بھی ہے اس دم
ایسی یہ بڑی کون سی جا گہہ ہے مکرم   کچھ خانۂ کعبہ نہیں یہ جائے معظم
تلوار ہے قبضہ میں ہمیں ٹوکے تو کوئی
ہم تو یونہیں جائیں گے بھلا روکے تو کوئی

منظور جو تھا روحِ محمدؐ کا ستانا   ناپاک نے خدام کے کہنے کو نہ مانا
دروازہ پہ رکھا تھا قدم بے ادبانا   اک ہاتھ ہوا روضہ سے باہر کو روانہ
تربت کی طرف رخ جو ہوا اہلِ جفا کا
اک بار وہی ہاتھ طمانچہ تھا قضا کا

ناری سیہ رو نے اُدھر منہ کی جو کھائی   شعلہ کی طرح کانپ کے بولا کہ دہائی
اور منہ سے زباں پیاس کی مارے نکل آئی   چہرہ پہ سیاہی شبِ دیجور کی چھائی
چلّاتے تھے سب بخت کا کیا پھیر ہوا ہے
رومی حبشی ہوگیا اندھیر ہوا ہے

چہرے سے نمایاں تھے لعیں کے عملِ زشت   ہے سب پہ یہ روشن کہ ہماں یافت ہراں کشت
ہر تخم کہ پاشید برآورد ہماں کشت   چوں کشتہ شود آتشِ سوزاں شود انگشت
جوہر چو شود عرض مفارق زمحال است
رومی نگرد ترکی و تازی کہ چہ حال است

اس حال کی پہنچی جو خبر فوج میں اک بار　آئے سپہ روم کے اس جا کئی سردار
حیرت سے لگا کہنے یہ اک ایک سے گفتار　یہ سانحۂ تازہ نہیں قابلِ اظہار
آداب مناسب ہے خموشی کی جگہ ہے
آقا سے کہو عذر نیوشی کی جگہ ہے

بولا کوئی لازم نہیں اس امر میں تاخیر　ہاتھ اس کے سرِ دست بندھیں ہے یہی تعزیر
وہاں لے چلو بہتر نہیں اس سے کوئی تدبیر　عباسؑ کے دربار میں حاضر ہو یہ بے پیر
رحمت میں مروّت میں سخاوت میں علیؑ ہیں
وہ عفو کریں گے کہ ولی ابنِ ولی ہیں

القصہ اُسے روضہ میں عباسؑ کے لائے　تا دیر وہ ملعون رہا سر کو جھکائے
ہمراہیوں نے واسطے حیدر کے دلائے　جاں بر ہو وہ کیا جس پہ خدا کا غضب آئے
تھا نزع کا عالم جو وہ سرکار میں پہنچا
پانی کی بھڑک تھی کہ لعیں نار میں پہنچا

پرواز جو کی روح نے لینے کو چلی نار　کوے کی طرح شکل سے ناری کی جلی نار
ہر داغ پہ سکوں نے درم کے اسے دی نار　کام آئے لعیں کے نہ درم اور نہ دینار
سانپ آگے بڑھے دشمنِ حارب کی طرح سے
عقرب بھی لپٹتے تھے اقارب کی طرح سے

دوزخ نے صدا دی جو کرو لعل وہی پاؤ　آتش کا مزاج آگ ہوا ہاں مجھے سلگاؤ
حمالہ پکاری کہ میری آنچ نہ بھڑکاؤ　دروازہ تلک بولہب آیا کہ چچا آؤ
دل آج تری پیاس سے بریاں ہے ہمارا
سقماء و حمیماً کہ تو مہماں ہے ہمارا

ظاہر جو ہوا معجزۂ شاہِ شہیداں　پہنچا یہ شہِ روم کی جانب سے بھی فرماں
دو روز کرو مرقدِ انور پہ چراغاں　بھیجا شہِ ایراں نے بہت نذر کا ساماں
ہو روشنی اللہ کے پیارے کی لحد پر
قندیل چڑھے عرش کے تارے کی لحد پر

کیوں مومنو اب سن چکے مظلوم کا اعجاز　　کس طرح کریں شہ کی غلامی پہ نہ ہم ناز
نزدیکِ خدا کون ہے اس طرح کا ممتاز　　ہے حق کا حسین ابنِ علیؑ ہمدم وہم راز
ہے کون سی ساعت کہ حضوری نہیں ان کو
اک آن بھی اللہ سے دوری نہیں ان کو

اب شہ کے عزادارو ہے سر پیٹنے کی جا　　جس ہاتھ سے یہاں شاہ نے مارا تھا طمانچا
جمال نے مقتل میں اسی ہاتھ کو کاٹا　　لکھا ہے گرا زیں جو زہراؑ کا وہ پیارا
تھے غش میں شہ تشنہ دہاں پیاس کے مارے
منہ سے نکل آئی تھی زباں پیاس کے مارے

سو وار لگا جاتے تھے بے پیر بدن پر　　تھی مثلِ شفق خون کی تحریر بدن پر
کھائی کبھی برچھی کبھی شمشیر بدن پر　　پیوست تھے اک زخم میں سو تیر بدن پر
تھی پیاس کی شدت جو بہت قبلۂ دیں پر
مچھلی کی طرح شاہ تڑپتے تھے زمیں پر

دیکھو تو ذرا حوصلۂ سیدِ والا　　جُز شکر نہ شکوے کا سخن منہ سے نکلا
صابر تھا بڑا فاطمہؑ کی گود کا پالا　　فریاد زباں پر تھی نہ لب پر کبھی نالا
پر مطلبِ دل شاہ ہدا مانگ رہے تھے
امت کی شفاعت کی دعا مانگ رہے تھے

مالک کی حضوری میں نہ تھا دھیان کسی کا　　اس وقت نہ تھا پیش نظر بھائی بھتیجا
تھا دھیان نہ اکبرؑ کی جوانی کا بھی اصلا　　اصغرؑ کے لگا تیر نہ تھا اس کا بھی صدما
معشوق کا تھا ذکر کہ عاشق تھے ولی تھے
سر تا بقدم محوِ جمالِ احدی تھے

اُترا تھا جہاں گھوڑے شیعوں کا موالی　　لکھا ہے کہ تھوڑی سی زمیں وہاں پہ تھی خالی
آہستہ وہاں آئے سرکتے شہِ عالی　　تا حالِ شہادت نہ ہو ہمشیر پہ حالی
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے سے
وہ آکے لپٹ جائے نہ بھائی کے گلے سے

یہ کہتے تھے سرور کہ بڑھا شمرِ بدایماں　　کھینچے ہوئے اک ہاتھ میں تھا خنجرِ براں
حضرت کے قریب آیا جو وہ دشمنِ یزداں　　تھے سجدۂ معبود میں اس دم شہِ ذیشاں
تھرّائی زمیں ظالمِ بے دیں کی جفا پر
بس رکھ دیا خنجر شہِ بیکس کی قفا پر

جب حلق پہ جلاد کے خنجر کی چلی دھار　　تکبیر کی آتی تھی صدا ہونٹوں سے ہر بار
پیہم جو چلا خنجرِ مردودِ جفا کار　　چپ ہو گئے آخر کو شہِ بیکس و بے یار
ہلتی تھی زمیں زلزلہ تھا عرشِ خدا کو
کاٹا جو لعیں نے سر شاہِ شہدا کو

ناگاہ یہ آواز درِ خیمہ سے آئی　　آتی نہیں آواز مرے کان میں بھائی
کیوں ہو گئے خاموش شہِ کرب بلائی　　گھبرا کے نکلتی ہے یداللہ کی جائی
جیتے ہو تو پھر شکل دکھاؤ مجھے بھائی
مشتاق ہوں آواز سناؤ مجھے بھائی

خیمہ سے ابھی دیکھ رہی تھی تمہیں خواہر　　کس غار میں تم جا کے چھپے اے شہ صفدر
بولو تو ذرا ہائے اخی ہائے برادر　　یوں ذبح ہوئے دم بھی نہ مارا تہہِ خنجر
سر پیٹتی ہے ہاتھوں کو ملتی ہے سکینہؑ
بولو نہیں اب گھر سے نکلتی ہے سکینہؑ

فرما کے یہ ہاتھوں میں سکینہ کا لیا ہات　　دو چار قدم آگے بڑھی تھی وہ خوش اوقات
دیکھا کہ تڑپتے ہیں پڑے قبلۂ حاجات　　ہے ذکر کٹے حلق پہ اور لب پہ مناجات
جاری ہے لہو تازہ گلوئے شہِ دیں سے
زینبؑ کا جگر پھٹ گیا بوئے شہِ دیں سے

دیکھا جو ہیں بھائی کا لہو خاک پہ جاری　　بیساختہ گردن سے لپٹ کر یہ پکاری
میں دیکھنے بھی پائی نہ تصویر تمہاری　　گردن پہ تری تیغ ستم چل گئی واری
افسوس تری موت نے مارا مجھے بھائی
خنجر کے تلے بھی نہ پکارا مجھے بھائی

مظلوم برادر میرے مغموم برادر سید میرے آقا میرے معصوم برادر
بے بے رہے تم پانی سے محروم برادر خنجر سے ترا کٹ گیا حلقوم برادر
اماں کا کلیجا نہ پھٹا ہووے گا بھائی
کیونکہ یہ گلا خشک کٹا ہووے گا بھائی

فرمایئے اب خیمہ میں جاؤں کہ رہوں میں سجاد کو غفلت سے جگاؤں کہ رہوں میں
بانو کو یہ احوال سناؤں کہ رہوں میں کبریٰ کو گلے جاکے لگاؤں کہ رہوں میں
اس وقت میں منہ آپ سے موڑا نہیں جاتا
ماں جائے اکیلا تمھیں چھوڑا نہیں جاتا

یہ دھوپ یہ ریت اور یہ سنسان بیاباں اندیشہ درندوں کا ہے اے یوسف کنعاں
افسوس اکیلا ہے تمہارا تنِ بے جاں لاشے کا تمہارے اسد اللہ نگہباں
کیا ہوگا قلق روحِ رسولِ دوسرا کو
ہمشیر تمہیں سونپتی ہے شیرِ خدا کو

ناگاہ صدا حلقِ بریدہ سے یہ آئی تڑپا نہ مجھے اے اسد اللہ کی جائی
گھر جب سے چھٹا تم نے کبھی راحت نہیں پائی تم جاؤ کہ تا حشر رہے گا یہیں بھائی
شبیرؑ کی گردن پہ ہے احسان تمہارا
جاؤ بہن اللہ نگہبان تمہارا

جس وقت سکینہؑ نے پھوپھی کے یہ سنے بین ناداں تھی مگر پھٹ گیا دل ہوگئی بے چین
گھبرا کے لگی کہنے وہ بچی یہ بصد شین کیوں اے پھوپھی اماں یہی ہیں قبلہ کونین
بتلاؤ تو مجھ کو تنِ مجروح کدھر ہے
ہے ہے پھوپھی اماں یہ میرے باپ کا سر ہے

گودی میں میری دو میں کلیجہ سے لگاؤں کرتے سے لہو خوں بھری آنکھوں کا چھڑاؤں
دم آنکھوں میں ہے پیاس کی تکلیف سناؤں سوکھے ہوئے ہونٹوں سے لب خشک ملاؤں
کچھ بات زباں سے نہیں کہہ سکتے ہیں بابا
میں صدقہ گئی میری طرف تکتے ہیں بابا

زینبؑ جو سکینہؑ کو لیے خیمہ میں آئی　　یہاں ناریوں نے آگ قناتوں میں لگائی
کبریٰؑ نے یہ سجادؑ کو فریاد سنائی　　گھر جلتا ہے غفلت سے ذرا چونکیے بھائی
سر پیٹتی بانوئے حزینہ نکل آئے
چہرہ پہ ملے خاک سکینہؑ نکل آئے

سجادؑ کو زینبؑ نے جو بستر سے اٹھایا　　روتا ہوا بیمار درِ خیمہ پہ آیا
بابا کو جو پوچھا تو پھوپھی نے یہ سنایا　　مارا گیا پیارے اسد اللہ کا جایا
خیمہ سے نکل جلد کہ گھبرائی ہے زینبؑ
پوچھ آگے نہ احوال جو دیکھ آئی ہے زینبؑ

کس بیکسی سے بھائی نے گردن کو کٹایا　　سید نے کسی کو نہ پکارا نہ بلایا
گردن پہ ابھی شمر نے خنجر کو پھرایا　　ماں جائے کو زینبؑ نے تڑپتا ہوا پایا
دل پھٹتا ہے وہ حالِ شہِ تشنہ گلو ہے
یہ میری ردا میں ترے بابا کا لہو ہے

یہ سن کے گرے خاک پہ دل تھام کے سجادؑ　　ملنے لگا مقتل یہ کیا نالہ و فریاد
پھر رو کے پھوپھی سے یہ کیا آپ نے ارشاد　　اماں ہے کدھر لاشِ شہِ بیکس و ناشاد
فرزندِ یداللہ کو رخصت تو کر آؤں
لے چلیے کہ بابا کی زیارت تو کر آؤں

مشتاق بڑی دیر سے ہوں میں بھی تو دیکھوں　　قرآں کا ورق غرق بہ خوں میں بھی تو دیکھوں
اعجاز سے آواز سنوں میں بھی تو دیکھوں　　کچھ حالِ دلِ زار کہوں میں بھی تو دیکھوں
بیمارِ تپ غم ہوں مسیحا سے ملوں گا
پھر حشر تلک کاہے کو بابا سے ملوں گا

فرمایا پھوپھی نے کہ نہیں اے مرے پیارے　　جانا ترا بہتر نہیں نزدیک ہمارے
واں جاؤ قباحت ہے بہت حق میں ہمارے　　دشمن ہیں وہ بے دیں کوئی تم کو بھی نہ مارے
زنہار کسی کام کی امت نہ رہے گی
جب تم نہ ہوئے نسلِ امامت نہ رہے گی

خاموش ہو شاباش سلیسؔ ارحمک اللہ　　اب ذکر تری نظم کا ماہی سے ہے تا ماہ
معنی یہی اعجاز بیانی کے ہیں واللہ　　بے ساختہ دشمن بھی کہے صلِ علیٰ واہ
بیکار شکایت ہے کہ یہ بزمِ عزا ہے
تجھ کو وہ سنے گا جسے کہنے کا مزا ہے

سلیمؔ

نام سید نواب حسین عرفیت منے صاحب، تخلص سلیمؔ، میر انیسؔ کے صاحبزادے میر عسکری رئیسؔ کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ پیارے صاحب رشیدؔ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں اس حساب سے رشیدؔ کے نواسے اور انیسؔ کے پوتے تھے۔

خانوادۂ انیسؔ کے فرد سید محمد عباس کا بیان ہے کہ سلیمؔ اپنے والد میر رئیسؔ کے انتقال کے بعد سے برابر گوالیار اور بلہرے ذاکری کے لیے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں چند روز نمونیا میں مبتلا رہ کر انتقال کیا، مقبرۂ انیسؔ میں رئیسؔ کے برابر دفن ہوئے۔

(اسلاف واخلاف میر انیسؔ صفحہ ۳۲۶)

علی احمد دانشؔ کا بیان ہے کہ سلیمؔ میر مونسؔ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔

(مکتوب بنام راقم)

لالہ سری رام کے مطابق میر عارفؔ کے شاگرد تھے۔

(خمخانہ جاوید جلد ۴ صفحہ ۳۲۴)

لیکن ممکن ہے کہ مونسؔ کے انتقال کے بعد عارفؔ کے شاگرد ہوئے ہوں۔

سلیمؔ نے مرثیے نہیں کہے لیکن وہ بہترین مرثیہ خوان تھے۔ انھوں نے خاندانِ انیسؔ اور دوسرے شعراء کے مرثیوں کا ذخیرہ بھی جمع کیا تھا ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند مرثیے سید اصغر حسین مرحوم (فرزند فائقؔ) کے پاس بھی تھے۔

ان کا کلام عنقا ہے اور اب تک کسی کتاب میں ان کا ایک بھی رثائی شعر بھی نمونے کے طور پر دستیاب نہیں ہے۔ مجھے ذخیرۂ میر سلامت علی (شاگرد میر انیس) سے سلیمؔ کے تین غیر مطبوعہ سلام ملے ہیں:

سلام

تیغ زباں کے مجرئی جوہر نہاں نہیں — افسوس ہے یہی کہ کوئی قدرداں نہیں
بلبل کے زمزموں کی حقیقت یہاں نہیں — ہو اس چمن میں بند وہ اپنی زباں نہیں
سر میں لگی ہے آگ زباں پر فغاں نہیں — خاموش شمع جلتی ہے لیکن دھواں نہیں

سو خوبیاں ہیں اک رُخِ روشن میں شاہؑ کے ق ہے عینِ نور دیدۂ گوہر فشاں نہیں
ابرو بیاضِ حُسن کے مصرعے ہیں انتخاب مصحف ہے چہرۂ شہِ کون و مکاں نہیں
دنداں سپہرِ نور کے انجم ہیں بے مثال ہیں دو ہلال یہ لبِ معجز بیاں نہیں
غنچہ ہے شاخِ حُسن کا گویا دہانِ پاک ہے بلبلِ ریاضِ فصاحت زباں نہیں
کاٹا گیا جو سجدۂ حق میں سرِ امامؑ نالاں ہیں اس الم سے موذن اذاں نہیں
سجادؑ حق سے کہتے تھے راضی ہے تو اگر مجھ پر گراں گرانیِ طوقِ گراں نہیں
زنجیر ہے فقط تری رحمت کا سلسلہ حلقہ ترے کرم کا ہے یہ بیڑیاں نہیں
بزمِ جہاں میں دیکھ کے بے قدریِ سخن ہم یوں خموش بیٹھے ہیں گویا زباں نہیں
سرسبز کیوں رہے نہ ریاضِ سخن صدا یہ وہ بہار ہے جسے خوفِ خزاں نہیں
شیعوں کا دل ہے خانۂ حُبِّ ابوترابؑ سچ ہے نہ ہو مکین تو زیبِ مکاں نہیں
تنہا ہے رن میں یوسفِ صحرائے کربلا ہم دم نہیں شفیق نہیں مہرباں نہیں
کرتی ہے مدحِ خامسِ آلِ عبا مدام لاکھوں میں بند ہو وہ ہماری زباں نہیں
شکرِ خدا ہوئی نہ کسی معرکے میں بند حیدرؑ کی ذوالفقار ہے گویا، زباں نہیں
آہوں سے آرہی ہیں ہوائیں بہشت کی موجیں ہیں سلسبیل کی آبِ رواں نہیں
عریاں پڑا ہے لاشۂ بے سر حسینؑ کا غربت بغیر اور کوئی پاسباں نہیں
کر رحم اے زمین برائے ابوترابؑ قابل فشار کے یہ تنِ ناتواں نہیں
جو ہیں لطیف طبع کسی پر نہیں وہ بار دوشِ صبا کو بوئے گُلِ تر گراں نہیں
چلتا ہوں خاک پر صفتِ سایۂ سحاب وہ بردبار ہوں کہ کسی پر گراں نہیں

فیضِ ثنائے آلِ محمدؐ سے اے سلیمؔ
شُہرہ ترے سخن کا جہاں میں کہاں نہیں

سلام

کیمیا کی ہے ہوس جو یا نہیں اکسیر کا مجرئی طالب ہوں میں خاکِ درِ شبیرؑ کا
عکس افگن ہے جو پرتو عارضِ شبیرؑ کا نور ہر ذرّوں میں ہے خورشیدِ عالمگیر کا
بے سبب طوق و سلاسل میں کیا عابدؑ کو بند غل بپا کرتا تھا یہ حلقہ ہر اک زنجیر کا
دمبدم بے تیغ کٹتے ہیں فصیحانِ عرب کام کرتی ہے زباں شاید سنِ شمشیر کا
کہتی تھی صغریٰ نہ آیا اب تلک خط کا جواب کیا کروں افسوس جو لکھا خطِ تقدیر کا

موت آئی ہے ابھی سو دیر سرورؑ پہ آ ئے — مر کے بھی دامن نہ چھوٹے حضرت شبیرؑ کا
شور تھا خیبر میں ہاں اے پہلوانوں ہوشیار — سامنا ہے کل علیؑ سے صاحب شمشیر کا
بے خطا معصوم ہے ہر چند چلائی کماں — یاں در آیا خلق میں اصغرؑ کے پیکاں تیر کا
جو نکلتا ہے زباں سے وہ رقم کرتا ہوں میں — ایک مطلب ہے مری تحریر اور تقریر کا
اشہب شہؑ کی مصور نے جوں ہی کھینچی شبیہ — .... گویا یہ عالم ہوگیا تصویر کا
اے ہوس خاکِ پاکِ کربلا کے سامنے — لوں نہ مٹی کے عوض سمجھ تری اکسیر کا
کہتے تھے شہ خرمنِ ہستی جلا دوں گا ابھی — آتشِ سوزاں ہے جوہر حیدری شمشیر کا
سلسبیل و کوثر و تسنیم و گلزارِ بہشت — یہ ثمر ہے مومنو نخلِ غمِ شبیرؑ کا
دشمنِ دیں جس کو دیکھا اُس کو مارا ڈھونڈ کر — دیدۂ بینا ہے جوہر شاہؑ کی ہمشیر کا
تیزیِ ابرو و مژگانِ نگاہِ شاہؑ سے — جنگ میں دم بند ہے تیغ و سنان و تیر کا
کاکلِ عباسؑ کا پانی میں پرتو دیکھ کر — صاف موجوں کو ہوا شک دامِ ماہی گیر کا
کیوں پنہایا حلق و پائے عابدؑ بیمار میں — طوق غل کرتا ہے یہ، نالہ ہے یہ زنجیر کا
منعمو یہ قصر و ایواں کیوں بناتے ہو عبث — خاک ہے آغاز اور انجام اس تعمیر کا

اب یہی تجھ سے خدایا عرض کرتا ہے سلیمؔ
جیتے جی دامن نہ چھوٹے حضرتِ شبیرؑ کا

سلام

ظہر تک غازی نثارِ شاہِ والا ہوگئے — چل بسے پیرو امامِ عصر تنہا ہوگئے
تھا لبِ شہؑ میں مسیحا کی زباں کا سب اثر — قم کہا اور خفتگانِ خاک زندہ ہوگئے
وصف اکبرؑ کے دہن کا کس طرح کیجے رقم — ذہن قاصر ہوگیا مضموں بھی عنقا ہوگئے
جب خیال آیا امامِ بحر و بر کی پیاس کا — خود بخود جاری مری آنکھوں سے دریا ہوگئے
آفتابِ عارضِ اکبرؑ جو چمکا دھوپ میں — چشمِ انجم سے فلک محوِ تماشا ہوگئے
انقلابِ گلشنِ ہستی کو دیکھا قمریوں — خاک کے پیوند کیا کیا سروِ رعنا ہوگئے
خاصہٴ آلِ عباؑ کی مدح کا اللہ رے فیض — قصد کرتے کرتے سو مضمون انشا ہوگئے
دشتِ غربت میں کیا بے وجہ دینداروں کو قتل — کور یہ زر کی ہوس میں اہلِ دنیا ہوگئے
کٹ گئے بازو جو سقائے جری کے نہر پر — شہؑ کی آنکھوں سے رواں اشکوں کے دریا ہوگئے
تھی تجلی طور کی گویا رُخِ شبیرؑ میں — جس کے پرتو سے منوّر کوہ و صحرا ہوگئے

مٹ گیا جس وقت زہراؑ کا مرقع دشت میں
غم سے تصویرِ الم حضرت سراپا ہوگئے

آسماں پر صبح کا تارا ابھی چمکا نہ تھا
قتل پر شبیرؑ کے شامی مہیا ہوگئے

غل تھا زہراؑ کی بہو بے وارث و والی ہوئی
ذبح تیغِ ظلم سے جب شاہِ والا ہوگئے

دیکھ کر اعجازِ فرقِ خامسِ آلِ عباؑ
دم بخود چرخِ چہارم پر مسیحا ہوگئے

جب کہا قوموا دل و جانِ رسول اللہؐ نے
جاں نثاری پر وہیں غازی مہیا ہوگئے

بزمِ شہؑ میں اشک کے قطروں کا اللہ ری شرف
گرتے گرتے چشم سے لولوئے لالہ ہوگئے

اللہ اللہ کیا دلاور تھے رفیقانِ حسینؑ
سرکشانِ شام جن کے ڈر سے پسپا ہوگئے

پست تھا باغِ فدک کے چھیننے والوں کا اوج
بعدِ حیدرؑ بھی وہی کانٹے مہیا ہوگئے

نورِ عینِ ساقیِ کوثر کی مجلس میں سلیمؔ
اشک جو ٹپکے نظیرِ دُرِّ یکتا ہوگئے

لالہ سری رام نے سلیمؔ کی غزلوں کے بارے میں لکھا ہے:

"فصیح بول چال ان کے ورثے میں آئی ہے"۔۔۔۔ (خمخانہ جاوید)

سلیمؔ کا رنگِ تغزل یہ ہے:

بیخودی تو کچھ نہیں کرتی مداوا درد کا
ناتوانی تو دلِ مضطر کو سمجھاتی نہیں

جوششِ گریہ بتا! میں ہوگیا کیوں ناتواں
کیسے آنسو تھے کہ اب کروٹ بھی لی جاتی نہیں

ہجر میں مرتا سلیمؔ امید ہی امید ہے
کوئی بھی مرتا نہیں جب تک قضا آتی نہیں

---

maablib.org

شافیؔ

نام سید مرتضیٰ، تخلص شافیؔ، حکیم تھے۔ مثنوی "نظمِ رہنما" کی تاریخِ طباعت کہی تھی جس کی سرخی سے پتہ چلتا ہے کہ میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ قطعۂ تاریخ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

عالی نسب و خجستہ صفات   مقبول خدائے حی و قیوم
ہم نامِ محمد و حسین است   از میر و امیر گشت معلوم
آں شاعر خوش بیان و خلیق است   از خلقِ خدا نمود مخدوم
آں زائرِ روضۂ نجفؔ   آں ذاکر بادشاہِ مظلوم
آں گوہر تحریرِ ربانی   در رشتۂ کشید درِ منظوم
اثناء عشری رئیسِ خوشخو   در ماتم ہر امامِ مغموم
فرمود چو مثنوی نایاب   بر صفحۂ گل نمود و مرقوم
اعجازِ آئمہ رہبری کرد   آساں گردید امرِ موہوم

این مصرعۂ سال گفت شافیؔ
گلدستۂ معجزاتِ معصوم

۱۲۸۶ھ

عابدؔ

نام عابد حسین، تخلص عابدؔ، خاندانِ انیس کی یادداشت کے مطابق میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔

[بیان علی احمد دانش]

لکھنؤ میں قیام تھا۔ آخر زمانے میں مرثیہ گوئی تقریباً ترک کر دی تھی۔ کبھی کبھی احباب کے اصرار پر مرثیہ کہہ لیتے تھے۔ اکبر حسین کوکب (شاگرد نفیسؔ) سے گہرے مراسم تھے اور ان کی خواہش پر ایک مرثیہ بھی تصنیف کیا تھا جس کا قلمی نسخہ (غالباً بخطِ مصنف) علی احمد دانش کے پاس ہے۔ آخر میں ۱۵ رمحرم ۱۳۱۶ھ کی تاریخ پڑی ہے۔ یہ مرثیہ فرزندانِ حضرت زینبؑ کے حال میں ہے مطلع ہے:

پھر تازہ بہار آئی گلستانِ سخن میں

تعدادِ بند ۱۱ ہے۔ آخری بند میں کوکب کا تذکرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں،

اک مرثیہ اس سال کے پہلے جو کہا ہے　　　تصنیف کو بس میں نے وہیں ختم کیا ہے

کوکب کا مگر مجھ پہ جو اشفاق ہوا ہے　　　اس لفظ سے بالکل انھیں وسواس ہوا ہے

مجبور ہوں خاموش نہ رہنے سے انھیں کے

پھر مرثیہ کہنے لگا کہنے سے انھیں کے

اس مرثیے کی نقل علی احمد دانش نے لکھنؤ سے روانہ کی ہے۔ ان کے شکریہ کے ساتھ یہ مکمل مرثیہ شامل کیا جاتا ہے۔

یہ عابد کے عہدِ پیری کا کلام ہے۔ زبان و بیان پر مونس کے اثرات زیادہ نظر نہیں آتے۔ دبستانِ انیس والی ترکیبیں جیسے شہِ والا، شہِ دیں، بنتِ شہ مرداں، شاہِ خوش اقبال، گل اندام، وغیرہ بھی بہت کم نظر آتی ہیں، زبان ظاہر ہے کہ بالکل سلیس و رواں ہے۔ بھاری الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے، منظر نگاری نہ ہونے کے برابر ہے۔ رزم بے حد مختصر لکھی ہے۔ تلوار اور گھوڑے کی تعریف بالکل نہیں ہے۔ عابد کے مرثیے کیونکہ اب تقریباً ناپید ہیں اور یہ واحد مرثیہ ہے جو دستیاب ہوا ہے تو ہم یقیناً اس مرثیہ کو ان کا کوئی شاہکار مرثیہ نہیں کہہ سکتے لیکن بہر حال اس عہد کے عمومی طبقے کے مرثیہ نگاروں کے مذاق کا غماز ضرور کہہ سکتے ہیں۔ ذیل میں مکمل غیر مطبوعہ مرثیہ درج کیا جارہا ہے۔

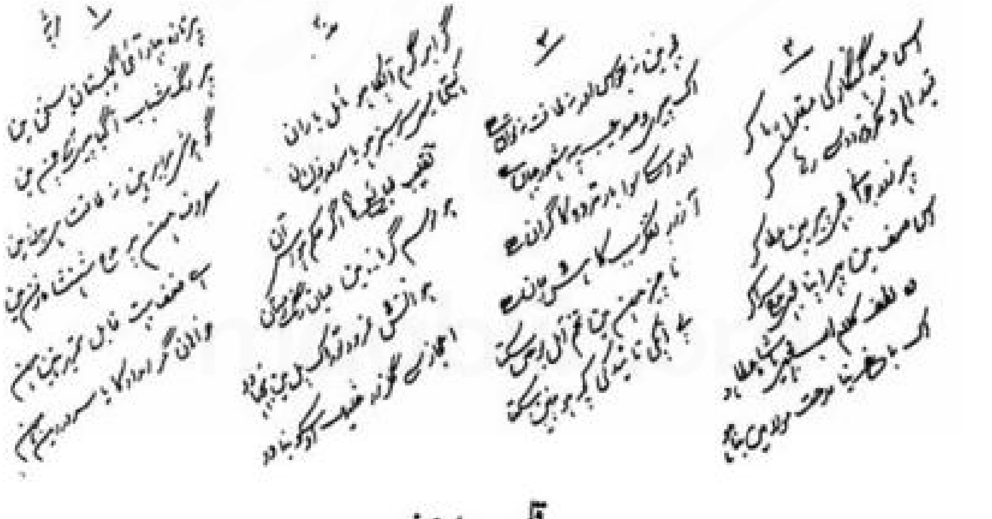

قلمی مرثیہ کا صفحہ

مرثیہ

در حال حضرت عونؑ و محمدؑ

۱۱۷ بند

پھر تازہ بہار آئی گلستانِ سخن میں پھر رنگِ بہار آ گیا پیری کے چمن میں
گو ہوش برابر ہیں نہ طاقت ہے بدن میں مصروف ہوں پر مدحِ شہنشاہِ زمن میں
ہے ضعف بہت قابلِ تحریر نہیں ہوں
خواہاں مگر امداد کا یا سرورِ دیں ہوں

گر ابرِ کرم آپ کا ہو مائلِ باراں کھیتی مری سرسبز ہو یا سرورِ ذیشاں
تقلیبِ طبائع کا اگر حکم ہو اس آں ہو موسمِ گرمی میں یہاں رنگِ زمستاں
ہو آتشِ نمرود تو اک پل میں بجھا دو
اعجاز سے گلزارِ خلیل اس کو بنا دو

مجھ میں نہ حواس اور نہ طاقت نہ تواں ہے اک پیری و صد عیب یہ مشہور جہاں ہے
اور اس کے سوا بارِ تردّد کا گراں ہے آزارِ تفکر سببِ کاہشِ جاں ہے
ناچیز ہوں میں تخمِ عمل بو نہیں سکتا
بے آپ کی تائید کے کچھ ہو نہیں سکتا

اس عبدِ گنہگار کی مقبول دعا کر قیدِ الم و فکر و تردّد سے رہا کر
پھر زورِ جوانی مجھے پیری میں عطا کر اس ضعف میں پھر اپنا مجھے مدح سرا کر
وہ لطفِ کلام اب مجھے یا شاہ عطا ہو
اک باغ نیا مدحتِ مولا میں بنا ہو

اُس باغ کا گُل رشکِ گلستانِ ارم ہو — سنبل سے خجل گیسوئے حورانِ ارم ہو
نزہت میں وہ خود رشکِ خیابانِ ارم ہو — ایوان ہر اک روکشِ ایوانِ ارم ہو
ناظر جو ملک چشمِ تصور سے یہاں ہو
بھولے سے بھی جنت کو نہ ہرگز نگراں ہو

ہو آہِ دلِ اہلِ ولا سرو بیاں کا — سوسن ہو زباں حضرتِ ادریس کی گویا
نرگس کو رکھے آنکھوں پہ ہر عاقلِ دنیا — داغِ دلِ لالہ ہو ہر اک دل کا سویدا
گُل غیرتِ رخسارِ حسینانِ جناں ہو
زنبق سے شکستِ دلِ عشاق عیاں ہو

حوضوں میں ہو اس باغ کے کوثر کی لطافت — تسنیم کو انہار سے ہو سخت خجالت
گو سیر کو آجائے کوئی اہلِ بصارت — نکلے یہ کلام اس کی زباں سے بہ فصاحت
پانی میں یہاں کے اثرِ نہرِ لبن ہے
یہ سرورِ لب تشنہ کی مدحت کا چمن ہے

اے قلبِ حزیں اب تری مقبول دعا ہے — الطاف ہیں مولا کے اور افضالِ خدا ہے
جبرئیلؑ کو اب حکم اعانت کا ہوا ہے — تائید وہ کرتے ہیں تردّد تجھے کیا ہے
پھر حُسنِ نگارِ چمنِ نظم دکھا دے
پھر تازہ بہارِ چمنِ نظم دکھا دے

ہیں بزم میں سب صاحبِ انصاف و خوش ایماں — اب چشمِ تصور سے کریں سیرِ گلستاں
ہر لفظ ہے اس نظم کا رشکِ گُلِ ریحاں — توصیف شہِ دیں کی ہے اس خُلد کا رضواں
بے خوفِ خزاں باغ زمانے میں کہیں ہے
اس باغ کی نزہت میں مگر فرق نہیں ہے

یہ تازہ گلستاں گُل زہرؑا کی ثنا کا — کچھ شک نہیں مقبول ہے ربِ دوسرا کا
بے شبہ پسندیدہ ہے محبوبِ خدا کا — مقبول ہے شاہِ نجف عقدہ کشا کا
موسیٰ کے لیے وادیٔ ایمن ہے یہ گلشن
اور بلبلِ سدرہ کا نشیمن ہے یہ گلشن

ہر چند خجالت سے تو ہوں مثلِ ہلال اب　　پر بدر کے مانند دکھاتا ہوں کمال اب
سروِ چمنِ فاطمہؑ کا لکھتا ہوں حال اب　　فیضِ شہِ مظلوم سے ہوتا ہوں نہال اب
ہے فصلِ بہار اب گل مقصود کھلے گا
اس باغ سے پھل مجھ کو ریاضت کا ملے گا

اب مائل ذکر شہِ دیں میری زباں ہے　　آب سخن انہار فصاحت میں رواں ہے
سرور چمنِ فاطمہ زہراؑ کا بیاں ہے　　اس باغ کا ہے ذکر جو نزدیک خزاں ہے
لشکر گل زہراؑ کا فروکش جو ہوا ہے
سب ماریہ کے دشت میں جنت کی فضا ہے

آغاز ہوا جبکہ محرم کا مہینہ　　وارد ہوا جنگل میں شہنشاہِ مدینہ
وہ قرب فرات اور وہ خیموں کا قرینہ　　دریا پہ فروکش ہوا ایماں کا سفینہ
خضر آ کے قدم بوس ہوئے بحرِ کرم کے
الیاس کا تھا قول کہ طالع مرے چمکے

دریا میں ہوا شور کہ مالک مرا آیا　　میں مہر میں زہراؑ کے ہوں زہراؑ کا یہ جایا
ہے نوحؑ کا طوفاں سے جہاز اس نے بچایا　　یونسؑ نے بھی امن اس کی ہے امداد سے پایا
کشتی نجات اور دُرِ یکتائے نبیؐ ہے
یہ آبروئے دینِ رسولِ عربیؐ ہے

وہ فوجِ خدا کا حشم و دبدبہ و جاہ　　کرسی پہ شہنشاہ وہ اطراف ہوا خواہ
سب فاطمی و ہاشمی و مطلبی واہ　　حاضر بہ ادب رُو بروئے ابنِ ید اللہ
رتبہ چمنِ خلد کا ساحل کو ملا تھا
دریا کے کنارے پہ عجب باغ کھلا تھا

کہتا تھا کوئی واہ عجب یاں کی فضا ہے　　کیا خوب یہ میدان ہے کیا سرد ہوا ہے
ہم رتبۂ فردوس یہی دشتِ بلا ہے　　دل غنچہ صفت کھل گئے دلچسپ یہ جا ہے
کیا سبزۂ نوخیز کا ہے حُسن زمیں پر
گویا خطِ نورستہ ہے رخسارِ جبیں پر

ایک ایک سے کہتا تھا کہ ہے سیر کا ہنگام بیمار جو یاں آئے تو ہوں دور سب اسقام
سب رنج سفر بھول گئے دل کو ہے آرام گر یاں ہو، اقامت تو وطن سے نہیں کچھ کام
خاموش تھے کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے مولا
انجام پہ اشک آنکھوں میں بھر لاتے تھے مولا

ہر وقت عزیزوں کی طرف دیکھ کے سرور چپ ہوتے ہیں پر آہ جگر پر ہے مکرر
مولا کو نظر آتی تھی جب قدرتِ اکبر چل جاتی تھی بے ساختہ برچھی سی جگر پر
عباسؑ کی صورت شہِ دیں دیکھ رہے تھے
حیرت سے ترائی کی زمیں دیکھ رہے تھے

عباسِ علیؑ سروِ گلستانِ حسینی قاسمؑ درِ یکدانۂ عمانِ حسینی
اکبرؑ سا جواں جس میں ہے سب شانِ حسینی بے شیر گل اندامِ خیابانِ حسینی
دو دوحۂ نوخیزِ چمن عونؑ و محمدؑ
ریحانۂ سلطانِ زمن عونؑ و محمدؑ

یہ تازہ گلستانِ امامِ دوسرا ہے بستانِ پسندیدۂ محبوبِ خدا ہے
کس کس کی ریاضت سے برومند ہوا ہے اے اہلِ عزا خاک اُڑانے کی یہ جا ہے
اب آمدِ صرصر چمنستاں کی طرف ہے
نزدیکِ خزاں گلشنِ سلطانِ نجف ہے

نوخیز جواں سیر میں مصروف ہوئے ہیں اس وادیٔ دلچسپ کو سب دیکھ رہے ہیں
عباس علیؑ ساحلِ دریا پہ کھڑے ہیں رخ اپنا سوئے سرورِ کونین کیے ہیں
کرتے ہیں یہی عرض جو راضی شہِ دیں ہوں
استادہ خیامِ حرمِ شاہ یہیں ہوں

فرماتے ہیں مولا جو مناسب ہو برادر اچھا یہیں استادہ کرو خیموں کو بہتر
تم منتظم اس گھر کے ہو مختار ہو صفدر تم قوتِ بازو ہو تمہیں زینتِ لشکر
جو کام تمہارا ہے پسندیدہ مرا ہے
منظور جو تم کو ہے مری عین رضا ہے

یہ سنتے ہی فراشوں سے غازی نے کہا ہاں　　اِستادہ ہوں اب جلد خیامِ شہِ ذی شاں
ناموس کے خیمے ہوں سراپردہ میں پنہاں　　شہزادوں کے بے چوبے اِدھر خیمۂ شہ واں
ڈیرے رفقا کے درِ دولت کے قریں ہوں
تا سارے نمک خوار قریبِ شہِ دیں ہوں

پر خیمۂ ناموس سے خیمے یہ رہیں دور　　ان پردوں میں ہیں فاطمہؑ کی بیٹیاں مستور
ہر اہلِ بصیرت کو ادب ان کا ہے منظور　　گردش کا طلایہ کے ہمیشہ سے ہے دستور
حوروں کے سوا کوئی گزر کر نہیں سکتا
بے اذن فرشتہ بھی قدم دھر نہیں سکتا

کیوں مومنو اس گھر کی سنی عزت و توقیر　　وہ منتِ عباسؑ وہ دلداریِ شبیرؑ
عاشور کو برگشتہ یکایک ہوئی تقدیر　　ہے ہے وہ نبیؐ زادیاں وہ طوق وہ زنجیر
بنتِ اسد اللہ کے بازو میں رسن ہے
نرغے میں ستم گاروں کے مولا کی بہن ہے

القصہ لبِ نہر جو خیمے ہوئے برپا　　تب حکم شہِ دیں کا یہ جمالوں کو پہنچا
ناموس کے اونٹ آئیں سراپردوں میں اس جا　　عباسؑ اُتروانے کی خاطر ہیں مہیا
بس سنتے ہی حکمِ شہِ آوارہ وطن کو
لائے شترانِ حرمِ شاہِ زمن کو

آمادہ اترنے پہ ہوئے جب حرمِ شاہ　　پردے کو سنبھالے ہوئے تھے اکبرؑ ذی جاہ
باہر تھے قناتوں کے سب انصارِ حق آگاہ　　ناگاہ نمودار ہوا لشکرِ گمراہ
غل کرتے ہیں ہم جنگ کے باجوں کو بجا کر
دریا کے کنارے پہ کھڑے ہو گئے آ کر

آتے ہی وہاں وہ ستم ایجاد و حرامی　　بے ہودہ سخن میں ہوئے مصروف تمامی
اس طرح سے پھر کرنے لگے سخت کلامی　　معلوم نہیں آتا ہے یاں لشکرِ شامی
ہر اک کو رہے دھیان اطاعت کا ادب کا
یہ لشکرِ جرار ہے سلطانِ عرب کا

مخفی نہیں ظاہر ہے ہم آئے ہیں کہاں سے
اب جلد کنارہ کرو تم فوج گراں سے
اسباب کو خیموں کو بس اٹھواؤ یہاں سے
ورنہ ابھی اک آن میں جاؤ گے جہاں سے
کس بات پہ مغرور ہو کیا تم کو گماں ہے
تھوڑے سے ہو تم لوگ اِدھر فوجِ گراں ہے

یہ سنتے ہی برہم ہوئے عباس دلاور
فرمانے لگے قبضۂ شمشیر پکڑ کر
خاموش ہو خاموش ہو او فوجِ ستم گر
کیا مال ہو تم بے ادب اور کیا ہے یہ لشکر
یاں مجمعِ انصارِ رسولِ دوسرا ہے
تم کو نہیں معلوم کہ یہ فوجِ خدا ہے

مالک جو ہمارا ہے دو عالم کا ہے سردار
دلدارِ محمدؐ، پسرِ حیدرؑ کرار
شہزادۂ جبریلِ امیں ، سیدِ ابرار
تھے اونٹ بنے جس کے لیے احمدِ مختارؐ
مقبول کیا جس کو خدائے ازلی نے
منّی و انا منہ کہا جس کو نبیؐ نے

کہتے ہو جسے تم کہ وہ سلطانِ عرب ہے
غاصب ہے لعیں قابل ان القاب کے کب ہے
کس دین میں مے خوار سزاوارِ ادب ہے
سگ ہے وہ جسے دولتِ جیفہ کی طلب ہے
فجّار ہو فسّاق ہو تم ، ہم صلحا ہیں
گمراہ ہو تم ، ہم خضرِ راہِ خدا ہیں

ہرگز نہ تم اس کثرتِ لشکر پہ ہو مغرور
تھوڑی ہے مگر فوج یہ جرأت سے ہے معمور
ایک ایک جواں یاں کا شجاعت میں ہے مشہور
ہے سب کو دلیری میں یداللہ کا دستور
اس فوج کو اک حملے میں چاہیں تو بھگا دیں
نام ان کے ابھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیں

احوالِ یزیدِ ستم ایجاد عیاں ہے
بدکار ہے، مردودِ خدائے دو جہاں ہے
بے دیں کا حسب اور نسب کس سے نہاں ہے
جو ہندِ جگر خوار ہے مکار کی ماں ہے
ہے نسلِ زنا شاربِ صہبا کا پسر ہے
ہے اس میں قباحت کہ وہ قحبا کا پسر ہے

مانندِ حسینؑ اس کا بھی رتبہ ہو تو کہہ دو　　وہ بھی اسد اللہ کا بیٹا ہو تو کہہ دو
پیغمبرؐ برحق کا نواسا ہو تو کہہ دو　　مہر اس کی بھی مادر کا جو دریا ہو تو کہہ دو
وہ بانیِ شر، یہ جگرِ خیر بشر ہے
وہ تابعِ آہن ہے یہ زہراؑ کا پسر ہے

یہ سن کے بر آشفتہ ہوا لشکرِ بے پیر　　گر دیر ہو اٹھنے میں جلانے کی ہو تدبیر
بولے کہ اٹھاتے نہیں کیوں خیمۂ شبیرؑ　　اپنا ہر عمل اس پہ جو حاکم کی ہے تحریر
نہ کام خدا سے نہ پیمبرؐ سے غرض ہے
ہیں بندۂ زر ہم کو فقط زر سے غرض ہے

یہ کہہ کے بڑھے کھینچ کے تلواریں بے ایماں　　عباسؑ کو یاں آیا جلالِ شہِ مرداں
آنکھیں ہوئیں سرخ اور بدن غیظ سے لرزاں　　جرار نے قبضے کو پکڑ کر یہ کہا ہاں
آؤ تو بھلا دیکھ لیں اک آن میں کیا ہو
گر پاؤں بڑھا آگے تو سر تن سے جدا ہو

جب ہو گئے آمادہ لڑائی پہ علم دار　　ہم شکل پیمبرؐ بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
اور قاسم نوشہ بھی ہوئے عازمِ پیکار　　مولا کو نظر آئے جو یہ جنگ کے آثار
چلائے کہ ٹھہرو ابھی کیا کرتے ہو بھائی
تم امتِ احمدؐ سے وغا کرتے ہو بھائی

مظلوم کے ہمراہ ہو غصہ نہیں لازم　　حق اُن کا ہے مداح جو ہیں غیظ کے کاظم
قتال سے بھی جنگ کہیں کرتے ہیں عالم　　کرنے دو انھیں ظلم کہ مرتد ہیں یہ ظلم
تم صبر کرو صبر سے خورسند خدا ہے
قرآں میں رقم صابر و شاکر کی ثنا ہے

اس طرح ساجت سے جو بولے شہِ دل گیر　　منظور اطاعت تھی رکھی میان میں شمشیر
عباسؑ کی آنکھوں سے ہوئی خون کی تقطیر　　دریا کے کنارے سے اٹھے خیمۂ شبیرؑ
آمین ہوا شورِ ستم کی یہ بنا ہے
خیمہ مرے مولا کا ترائی سے اٹھا ہے

دریا پہ فروکش ہوئی آکر سپہِ شوم
برپا ہوئے خشکی میں خیامِ شہِ مظلوم
گرمی سے جو بیتاب ہوئے جاتے تھے معصوم
گودی میں سنبھالے ہوئے تھیں زینبؑ و کلثومؑ
گہوارۂ اصغرؑ کو ہلا دیتے تھے شبیرؑ
روتی تھی سکینہؑ تو اٹھا دیتے تھے شبیرؑ

آفت میں گرفتار امامِ دو جہاں تھا
زہراؑ کا قمر فوج کی بدلی میں نہاں تھا
لکھا ہے ہزاروں کا تو اجماع وہاں تھا
باقی نہ بہتّر کے سوا کوئی یہاں تھا
لیکن نہ وہ مضطر تھے نہ حیران ہوئے تھے
بالکل نہ حواس ان کے پریشان ہوئے تھے

تھے شوقِ شہادت میں وہ سب بادلِ خورسند
پانی بھی ہوا ساتویں تاریخ سے جب بند
تغیر ہوا پیاس سے احوال بھی ہر چند
لیکن وہ رہے مرضیٔ خالق پہ رضا مند
مسرور تھے گو پیاس کے باعث سے غشی تھی
مولا پہ فدا ہونے کی ہر اک کو خوشی تھی

سب نے شبِ عاشور عبادت میں گزاری
وہ پیاس کی شدت تھی کہ غش ہوتا تھا طاری
کہتے تھے فدا شاہ پہ ہے جان ہماری
گلزارِ تمنا میں چلے بادِ بہاری
ہم جلد نثارِ قدمِ شاہِ ہدا ہوں
ہو عید جو قربانِ امامِ دوسرا ہوں

جب صبحِ دہم آئی کیے چاک گریباں
افواج ستم گار سے سب بھر گیا میداں
قتلِ شہِ مظلوم کا ہونے لگا ساماں
جنت میں کیے فاطمہؑ نے بال پریشاں
چھوڑا جو مصلّےٰ کو امامِ دو جہاں نے
مجرا کیا ماموم کے ہمراہ قضا نے

کی سب نے یہی عرض کہ اے کُل کے مددگار
آمادۂ بیداد ہے سب لشکرِ اشرار
اب دیر مناسب نہیں دو رخصتِ پیکار
ایسا نہ ہو اُس سمت سے ہو تیروں کی بوچھار
کچھ خوف نہیں حملۂ اول میں بھگا دیں
روباہوں کو ضیغم ابھی جنگل میں بھگا دیں

شہ بولے کہ ہاں یہ مجھے ہرگز نہیں منظور ہووے سبقت جنگ میں اپنا نہیں دستور
باندھو کمریں تم بھی گر آمادہ ہوں مقہور لیکن نہ بڑھو آگے وہ جب تک کہ رہیں دور
آغاز کریں جنگ جو سفاک اُدھر سے
سمجھا کے انھیں خیر بڑھو تم بھی اِدھر سے

یہ کہ کے چلے رخصتِ ناموس کو مولا بڑھ کر وہیں عباسؑ اٹھانے لگے پردا
داخل ہوئے خیمے میں شہِ یثرب و بطحا مولا کو عجب حال حرم کا نظر آیا
سب صحن میں خیمے کے پریشان کھڑے ہیں
گودی میں لیے بچوں کو حیران کھڑے ہیں

بچوں کا یہ تھا حال کہ سب غش میں پڑے تھے دل ہلتا تھا لب خشک تھے صدمے جو کڑے تھے
حیران انھیں دیکھ کے سب چھوٹے بڑے تھے حیرت سے انھیں دیکھتے شبیرؑ کھڑے تھے
سوئے حرمِ خستہ و بے حال نظر تھی
گہہ سوئے فلک گہہ سوئے اطفال نظر تھی

پھر خاک سے مولا نے سکینہؑ کو اٹھایا پیشانی و لب چوم کے چھاتی سے لگایا
منہ پونچھ کے رومال سے گودی میں بٹھایا بے ساختہ خوں آنکھوں سے حضرت نے بہایا
چلّائی سکینہؑ کہ میں بے ہوش پڑی تھی
اس وقت تو یا شاہ مجھے پیاس بڑی تھی

سن کر یہ سخن اہلِ حرم میں ہوا کہرام آیا جو نظر اُن کو تباہی کا سر انجام
دل ہلنے لگے غم سے لرزنے لگے اندام مولا نظر آنے لگے خورشیدِ لبِ بام
سب جانبِ شبیرؑ بہ حسرت نگراں ہیں
ہاتھوں سے جگر پکڑے ہیں اور محوِ فغاں ہیں

فرماتے ہیں ایک ایک سے مولا ادھر آؤ دیدار مرا دیکھ لو آنسو نہ بہاؤ
باتو کا مقولہ ہے کروں کیا میں بتاؤ جاتے ہو تو خیمے میں مجھے گاڑ کے جاؤ
بے تاب بہت زینبؑ مغموم و حزیں ہے
سر پاؤں سے شبیرؑ کے کاتی نہیں ہے

سر ان کا سماجت سے اٹھا لیتے ہیں شبیرؑ فرماتے ہیں اب صبر کا ہنگام ہے ہمشیر
تقدیر کے آگے نہیں چلتی کوئی تدبیر مجبور ہے شبیرؑ کہ ہے موت گلو گیر
رونے سے اگر تم کو سروکار رہے گا
بچوں کا مرے کون پرستار رہے گا

للہ بس اب اپنے کلیجے کو سنبھالو بیتاب ہے سمجھا کے سکینہؑ کو اٹھالو
کم عمر ہے تم میری طرح سے اسے پالو کبریٰ کو بھی تم اپنے ہی نزدیک بلالو
مصروف رہو ان کی خبرداری میں زینبؑ
ہے اجر یتیموں کی پرستاری میں زینبؑ

زینبؑ یہی کہتی تھی کہ بھائی میں کروں کیا ٹکڑے ہے جگر دل نہیں اب میرا سنبھلتا
کس آنکھ سے دیکھوں شہِ مظلوم کا مرنا قسمت میں مگر یوں ہی تو چارہ نہیں اصلا
فرمانِ شہِ دیں سے تخلف نہ کروں گا
گر آگ سراپا کو لگے اُف نہ کروں گا

شبیرؑ تھے رخصت ابھی ہونے ہی نہ پائے ناگاہ کئی تیرِ ستم خیمے میں آئے
گھبرائے حرم بچوں کو چھاتی سے لگائے دھیان آیا کہ بچہ نہ کوئی جان سے جائے
حضرت نے برآمد کا ارادہ جو کیا تھا
سیدانیوں کے رونے سے اک حشر بپا تھا

گھر سے تو رواں سبطِ رسولِ دوجہاں تھے اور پیچھے تمام اہلِ حرم اشک فشاں تھے
پردیس میں لٹنے کو جو آثار عیاں تھے بیتاب تھی بچین تھے مصروفِ فغاں تھے
یوں غل تھا بکائے حرمِ خیر بشر سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کوئی گھر سے

اس طرح برآمد ہوئے گھر سے شہِ ابرار جس طرح سے خورشید افق سے ہو نمودار
مجرے کو پرا باندھ کے حاضر ہوئے غمخوار عباسؑ علمدار نے حاضر کیا رہوار
جب قصد سواری کا کیا سرورِ دیں نے
گھوڑے کے قدم چوم لیے روح امیں نے

کہتے تھے ملک دیکھ کے شانِ شہِ والا　　کیا جاہ و تجمل ہے عجب نور ہے پیدا
دُلدُل پہ علیؑ بیٹھے ہیں یا طور پہ موسا　　رف رف پہ ہیں احمدؐ کہ فلک پر ہیں مسیحا
ہے سب حشم و شوکت و اجلالِ محمدؐ
اے صلِ علیٰ صلِ علیٰ آلِ محمدؐ

اطراف شہِ دیں کے تھے انصارحق آگاہ　　جھرمٹ میں ستاروں کے تھے وہ فاطمہؑ کا ماہ
پھر ہونے لگی جب یُرشِ لشکر گمراہ　　رخصت کے طلبگار ہوئے شہ کے ہوا خواہ
اک شیر نکلتا تھا جو لڑنے کو یہاں کا
ہٹ جاتا تھا میداں سے پرا فوجِ گراں کا

لکھا ہے کہ اصحاب شہ بے کس و ناچار　　جنگاہ میں جاجا کے ہوئے قتل سب اک بار
ان شیروں نے صدہا کو کیا تیغ سے فی النار　　تھوڑے سے یہ جرار تھے واں لاکھ ستم گار
ہوتے تھے مقابل جو یہ میدان میں جاکر
اک شخص پہ سب فوجِ عدو گرتی تھی آکر

جب پائی رفیقانِ شہِ دیں نے شہادت　　آمادہ ہوئے جنگ پہ پھر اہلِ قرابت
ایک ایک ہوا اذن طلب شہ سے بہ منت　　خوں آنکھوں سے ٹپکاتے تھے مولا دمِ رخصت
جب آخری آداب بجالاتے تھے اکبرؑ
بے ساختہ شہ روتے تھے چھاتی سے لگا کرؑ

مارے گئے جب چند عزیزانِ دلاور　　مسلمؑ کے پسر طالبِ رخصت ہوئے بڑھ کر
چھاتی سے لگا کر انھیں بولے شہِ صفدر　　کچھ کم نہیں غمِ مسلمؑ مقتول کا دل پر
تازہ نہ بس اب زخمِ جگر کیجیو پیارو
تم لٹنے میں مادر کی خبر لیجیو پیارو

مچلے جو وہ بچے تو ملی دونوں کو رخصت　　شیرانہ چلے فوج پہ باشوکت و جرأت
حملوں سے عیاں ہوگئی مسلمؑ کی شجاعت　　پسپا ہوئی اک مرتبہ سب فوجِ ضلالت
غل اٹھتا تھا ہر وقت یہی فوجِ جفا سے
کیوں کر نہ ہوں یہ بھی تو ہیں حیدرؑ کے نواسے

پٹتے ہوئے کشتوں کے ہوئی ایسی لڑائی مشکل تھی ستم گاروں کو گو عہدہ برائی
سب فوج مگر ہل کے جو اک مرتبہ آئی دم لینے کی فرصت بھی نہ ان شیروں نے پائی
دونوں کی شہادت ہوئی میدان ستم میں
لاشے شہِ ابرار اٹھا لائے حرم میں

اس وقت میں زینبؑ کا عجب حال ہوا ہے فرماتی تھیں اب رنج سے دل چاک مرا ہے
بیوہ کا ہر اک لعل تو لڑ لڑ کے مُوا ہے بیٹوں نے مجھے کنبے میں محجوب کیا ہے
کام آئے نہ جنگاہ میں جرار کے پوتے
کس دھیان میں ہیں جعفرِ طیارؓ کے پوتے

بس مجھ سے نہیں کام نہ وہ پاس مرے آئیں بالپن کے مدینے میں ہیں واں یہ بھی چلے جائیں
میں اُن سے ہوں بیزار نہ صورت مجھے دکھلائیں جانوں کو بچائیں وہ نہ ہرگز مرا غم کھائیں
ہیں غیر وہ کہنے کو مرے نورِ نظر ہیں
میں ان کی نہ مادر ہوں نہ وہ میرے پسر ہیں

رستے ہی سے ہمراہِ پدر کیوں نہ سدھارے وہ بھول گئے مجھ سے جو قرار تھے سارے
یہ قول تھا کس کا کہ کہیں جائیں گے مارے کیوں پھرتے ہیں اسباب یہ وغا تن پہ سنوارے
انداز ہی کچھ اور ہیں تیور ہی جدا ہیں
میں بھی تو سنوں دونوں کے اب مشورے کیا ہیں

رونے لگیں یہ کہہ کے ہوا دل میں بہت درد آنکھوں سے رواں اشک تھے لب پر نفسِ سرد
لرزاں تھا بدن رنگِ رخِ پاک تھا سب زرد سر زانو پہ بکھرے ہوئے بالوں پہ پڑی گرد
ہر وقت یہی لفظ نکلتا تھا دہن سے
یارب مری جاں اب تو نکل جائے بدن سے

ناگاہ یہ فضہؑ نے کہا آ کے ادب سے کیوں آپ نے یہ حال کیا رنج و تعب سے
میں خیمے کے در پر ہوں کھڑی دیکھتی کب سے ہر آن وہ ہیں اذن طلب شاہ عرب سے
جب پاؤں پہ گرتے ہیں اٹھا لیتے ہیں مولا
چھاتی سے ہر اک بار لگا لیتے ہیں مولا

وہ کہتے ہیں آقا ہمیں اب اذن دو للہ   اماں ہیں خفا گھر میں نہ اب جائیں گے یا شاہ
یاں سے ہی چلے جائیں گے میداں کو ہوا خواہ   دیکھا نہیں جاتا یرشِ لشکرِ گمراہ
یا سبطِ نبیؐ خلد کے رستے پہ لگا دو
اب دیر کا ہنگام نہیں رن کی رضا دو

اکبرؑ سے یہ کہتے ہیں بھرے آنکھوں میں آنسو   ہے پیاس میں جانے کی ہوس ہم کو لب جو
یارائے توقف نہیں اس وقت سرِ مو   دلوادو رضا تم ہمیں اے صفدر و خوش خو
بے تاب ہیں بے چین ہیں اب رہ نہیں سکتے
ہم کر کے ضد یں شاہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے

میں کیا کہوں کس طرح ملی ان کو اجازت   خوف آپ کا تھا دونوں خوزادوں کو نہایت
خیمے میں بھی آتے نہیں اب وہ پئے رخصت   ماموں کے سوا ان کو کسی سے نہیں الفت
نشے میں شجاعت کے کھڑے جھوم رہے ہیں
سردارِ دو عالم کے قدم چوم رہے ہیں

یہ سن کے جھکی شکر کے سجدے کو زمیں پر   جوش آ گیا الفت کا جگر ہو گیا مضطر
فضہؑ سے یہ فرمایا کہ جا جلد تو باہر   کہہ دے کہ خفا میں نہیں آگاہ ہے داور
پیاروں نے رضا شاہِ خوش اقبال سے پائی
دولت یہ بڑی فاطمہؑ کے لال سے پائی

بے تاب مرا دل ہے ذرا گھر میں تو آؤ   اک بار مجھے چاند سی شکلیں تو دکھاؤ
بے مجھ سے ملے تم قدم آگے نہ بڑھاؤ   روتی ہے سکینہؑ اسے چھاتی سے لگاؤ
بہنوں سے ملو آؤ فدا تم پہ یہ ماں ہو
آداب بجا لا کے بزرگوں کو رواں ہو

فضہؑ نے کہا جا کے یہ پیغام جو اُن سے   اکبرؑ سے بصد عجز لگے عرض وہ کرنے
خیمے میں ذرا آپ چلو ساتھ ہمارے   قدموں پہ ہمیں ڈال تو دو اپنی پھپھی کے
کہہ دو کہ غلام آئے ہیں تقصیر بحل ہو
جاتے ہیں سوئے نہرِ لبن شیر بحل ہو

ہمراہ جو لائے انھیں ہمشکلِ پیمبرؐ
دونوں وہ گل اندام گرے ماں کے قدم پر
زینبؑ نے انھیں چھاتی سے لپٹا لیا اٹھ کر
فرمایا کہ آزردہ نہیں تم سے یہ مضطر
اب کاہے کو پیاروں سے خفا ہووگی زینبؑ
شبیرؑ کے فدیوں پہ فدا ہووے گی زینبؑ

خالق نے چڑھایا تمھیں پروان بلالوں
رنگین قبائیں تو میں دونوں کو پنہالوں
ارمان ہیں شادی کے میں دولھا سا بنالوں
جو جو کہ ہوس ہے مری سب آج نکالوں
اکبرؑ سے کہا فرق پہ دستاریں دھرو تم
شہزادے غلاموں کو سرافراز کرو تم

تھرا گئے سن کر یہ سخن اکبرؑ جرار
کی عرض پھپھی جان یہ کیا کرتی ہو گفتار
شہزادوں کو کہتی ہیں غلام آپ ہر اکبار
میں شہ کا پسر ہوں تو یہ شہزادی کے دلدار
سب ایک ہیں رتبے میں نہیں فرق کسی کے
پوتا میں علیؑ کا یہ نواسے ہیں علیؑ کے

یہ کہتے ہی کی حکم کی تعمیل سراسر
دستار لگے باندھنے دونوں کے سروں پر
فضہؑ نے رکھیں کشتیاں پوشاک کی لاکر
زینبؑ نے پنہائے انھیں دو خلعتِ پُرزر
آئینہ جو وہ نیک عمل دیکھ رہے تھے
تصویر عروسانِ اجل دیکھ رہے تھے

سہرے جو بندھے بن گئے دولھا وہ گل اندام
یہ دیکھ کے سیدانیوں میں پڑ گیا کہرام
ہر بی بی سے تب کہنے لگیں زینبؑ ناکام
کیوں روتے ہو میں کرتی ہوں شادی کا سرانجام
سب شاد ہوں شاداں مرے ناز وں کے پلے ہیں
یہ تو دلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

کہنے کو کہا یہ پہ ہوا جوشِ محبت
سچ ہے کہ بری ہوتی ہے اولاد کی الفت
کرتی تھیں بہت ضبط پہ تھمتی نہیں رقت
کہنے لگیں بے تاب ہوا دل جو نہایت
کیوں کرتی ہوں فریاد و فغاں کیا ہوا مجھ کو
کیوں آنکھوں سے آنسو ہیں رواں کیا ہوا مجھ کو

آداب بجا لائے جو ماں کو وہ مسافر منہ پھیر کے بولیں کہ خدا حافظ و ناصر
ہمراہ چلی روح یہ سب پر ہوا ظاہر معصوم بھی پردے کے قریب آ گئے آخر
شان ان کی مشابہ تھی بہت شوکتِ جد سے
دو چاند برآمد ہوئے اک برجِ اسد سے

تسلیم جو کی سیدِ مظلوم کو آکر آگے بڑھے شبیرؑ انھیں پاس بلا کر
اور چوم لیں پیشانیاں چھاتی سے لگا کر پھر اُن سے یہ فرمانے لگے اشک بہا کر
فرقت دلِ مضطر کو گوارا نہیں پیارو
پر خواہشِ تقدیر سے چارا نہیں پیارو

یہ کہہ کے لگے دیکھنے حسرت سے پھر اُن کو آداب بجا لا کے چلے رن کو وہ خوش خو
بڑھ کر کہا مولا نے ٹھہر جاؤ ذرا تو تسکین میرے قلب کو ہو لینے دو پیارو
بے موت نہ مظلوم کو مارو مرے شیرو
پھر مجھ سے گلے مل کے سدھارو مرے شیرو

یہ سنتے ہی رہواروں کو معصوموں نے روکا پیارے تھے جو مولا کو وہ بیٹوں سے زیادہ
منہ چوما، جبیں چومی، گلے سے بھی لگایا پھر بولے خدا حافظ و ناصر ہے تمہارا
تسلیم بجا لا کے دوبارہ وہ سدھارے
لڑنے سوئے فوجِ ستم آرا وہ سدھارے

داخل ہوئے جنگاہ میں دو فخرِ حسیناں دو مہر جہاں تاب ہوئے ابر میں پنہاں
کالے علموں سے تھا یہ دشت کا داماں اُس شب میں یہ دو ماہِ منور ہوئے تاباں
یوں فوج کے ہالے میں یہ دو نیک سیر تھے
ثابت ہوا عقرب کے طریقے میں قمر تھے

بیکل تھے نہ وہ فوج کی کثرت سے ہراساں شیروں کی طرح فوج پہ جا پڑتے تھے ہر آں
چھوٹے سے بڑا بھائی یہ کہتا تھا مری جاں حملہ کرو تم میسرہ والوں پہ میں قرباں
میں میمنے والوں کی خبر لیتا ہوں بھائی
شبیرؑ سے لڑنے کی سزا دیتا ہوں بھائی

تب عونؑ دلاور سے یہ کہتے تھے محمدؑ   نکلے پسرِ سعد ستمگر تو کریں کد
دکھلا کے ذرا شانِ جدالِ جدِ امجد   ماریں اُسے بس دل میں تمنا ہے یہ بے حد
لے جا کے جو سر شامیوں کے دھریں گے
آقا بہ خوشی ہم کو سرافراز کریں گے

اک مرتبہ جا کر جو گرے فوج پہ دو شیر   سب شامیوں کے اخترِ قسمت کا ہوا پھیر
نامردوں کی آنکھوں میں زمانہ ہوا اندھیر   ان ہاشمی بچوں نے جوانوں کو کیا زیر
کہتا تھا ابنِ سعد کہ شرمائے ہوئے ہو
اے تُف ہے کہ دو بچوں سے گھبرائے ہوئے ہو

جھنجھلا کے یہ کہنے لگے سب فوج کے افسر   بچے نہ سمجھ قہرِ خدا ہیں یہ دلاور
گر تو ہے بہادر تو کر اب جنگ خود آ کر   تُو رے کی حکومت کرے مرنے کو یہ لشکر
مثلِ اسد اللہ ہر اک ماہ جبیں ہے
طاقت ہمیں ان شیروں سے لڑنے کی نہیں ہے

لڑنے میں گزر ہوتا تھا جس دم لبِ دریا   کہتے تھے کہ ہے گرچہ بہت پیاس کی ایذا
ہم اصغرؑ بے شیر سے چھوٹے نہیں حاشا   پھر پانی سے کس طرح کریں تر دہن اپنا
پیاسے ہی مریں ہم کو سزاوار یہی ہے
ہاں مادرِ مغموم سے اقرار یہی ہے

اس طرح لڑے زینبؑ ذی جاہ کے جائے   تھمنے کی ستم گار ذرا تاب نہ لائے
ہیبت سے مرے جاتے تھے بے زخم اٹھائے   ہر سمت یہ تھا شور کہ وہ آئے وہ آئے
جب کی حرکت نار میں بے حس گئے ناری
بھڑکے جو فرس گر پڑے اور دھس گئے ناری

دیکھا پسرِ سعد نے لشکر کا جو یہ حال   کہنے لگا یوں شمرِ لعیں سے وہ بداعمال
سرسبز ہوئے کھیت میں زینبؑ کے بس اب لال   تو مکر کا پتلا ہے کچھ اس وقت بتا چال
بولا کہ پریشان ہو بے کار نہ ڈر کر
کرتا ہوں میں تدبیر نہ زنہار خطر کر

یہ کہہ کے ہوا وارِدِ لشکر وہ دغا باز　　بالائے شتر چڑھ کے یہ دی فوج کو آواز
کیوں بھاگتے پھرتے ہو کرو جنگ پھر آغاز　　سنتے تھے کہ کوفے کی بڑی فوج ہے ممتاز
اس وقت لڑائی کا مگر جوش نہیں ہے
غفلت ہے یہ کچھ ایسی کہ تمھیں ہوش نہیں ہے

تلوار سے گر تم نہیں لڑ سکتے ہو اس دم　　بارش کرو تیروں کی کھڑے دور سے پیہم
ہو جائیں گے مجروح سراپا جو وہ ضیغم　　پھر لڑ نہیں سکنے کے وہ پابندِ غم و ہم
ان دونوں کے سر لا کے جو دل شاد کرو گے
پاؤ گے صلہ وہ کہ صدا یاد کرو گے

یہ کہہ چکا جب شمرِ ستم گار و حرامی　　بدعت یہ ہوئی لیس کماں دار تمامی
برسانے لگے تیر ہر اک سمت سے شامی　　مجروح سراپا ہوئے وہ صفدر و نامی
جب ضعف سے ٹھہرا نہ گیا خانۂ زیں پر
تیورا کے گرے گھوڑوں سے اک بار زمیں پر

گرتے ہوئے عباسؑ دلاور کو پکارے　　جلد آیئے بس ہو چکے اب کام ہمارے
ہیں عازمِ خُلد آپ کی ہمشیر کے پیارے　　آواز نکلتی نہیں اب درد کے مارے
شبیرؑ کو آواز نہ دی فرطِ ادب سے
تا اُن کو غش آ جائے نہ اس رنج و تعب سے

یہ سنتے ہی عباسؑ چلے جانبِ جنگاہ　　روتے ہوئے حضرت بھی روانہ ہوئے ہمراہ
جب اکبرؑ و قاسمؑ ہوئے اس حال سے آگاہ　　سر پیٹتے راہی ہوئے دونوں عقبِ شاہ
رستے میں یہ نوحہ تھا شہِ تشنہ دہن کا
گھر ہو گیا ویراں مری مظلوم بہن کا

جب وارِدِ جنگاہ ہوئے چاروں وہ غم ناک　　دو چاند نظر آئے وہاں با تنِ صد چاک
آغشتہ بہ خوں پیرہن اور گیسوؤں پر خاک　　مجروح تھا تیغوں سے ہر اک کا بدنِ پاک
آہستہ یہ آتی تھی صدا خشک دہاں سے
ماموں نہیں آئے چلے ہم باغِ جناں سے

عباسؑ یہ چلائے کہ میں آ گیا پیارو　　آئے ہیں یہاں سبطِ نبیؐ سرورِ خوش خُو
اکبرؑ بھی ہیں قاسمؑ بھی ہیں سر پیٹتے دیکھو　　قسمت میں یہ تھا دیکھیں اس احوال سے تم کو
رعشہ ہے تنِ پاک میں اور محوِ فغاں ہیں
بسمل کی طرح خاک پہ شبیرؑ تپاں ہیں

وہ چونک کے کہنے لگے مولا کو سنبھالو　　ہووے گا بھلا سید بیکس کی دعا لو
اکبرؑ سے کہا دونوں نے کہنے کو نہ ٹالو　　تم ہم کو اٹھا کر قدمِ پاک پہ ڈالو
شبیرؑ سے بولے نہ پریشان ہوں مولا
سو ایسے غلام آپ پہ قربان ہوں مولا

سن کر یہ محبت کے سخن سرورِ ذیشاں　　بے تاب ہوئے اور بھی باحالِ پریشاں
چلائے کہ پیارو میں اس آداب کے قرباں　　تم خاک پہ تڑپو، میں نہ ہوں خاک پہ غلطاں
اے لاڈلوں سر پاؤں پہ میرے نہ دھرو تم
جو دل میں تمنا ہو بیاں مجھ سے کرو تم

آہستہ سے کی عرض کہ یا سید ابرار　　لے چلیے ہمیں خیمے میں گر ہوئے نہ دشوار
اماں کے قدم چوم لیں ہم دونو پھر اک بار　　سب اہلِ حرم دیکھ لیں ہم دونو کا دیدار
آغوش میں ان سب کے ہم الفت سے پلے ہیں
ملنا ہمیں لازم ہے کہ دنیا سے چلے ہیں

سن کر یہ سخن اشک لگے شاہ کے بہنے　　خم ہو کے بڑے کو لیا آغوش میں شہ نے
عباسؑ نے چھوٹے کو لیا اور لگے کہنے　　قاسمؑ رہیں بائیں طرف اکبرؑ رہیں دہنے
صدموں میں گرفتار وہ سب تشنہ دہاں تھے
بے چین تھے بے تاب تھے اور اشک فشاں تھے

رستے میں ابھی تھے کہ قیامت ہوئی برپا　　عباسؑ نے رو کر یہ شہِ دیں کو سنایا
چھوٹے کا ہوا کام تمام اے شہِ والا　　شہ بولے مرا عونؑ بھی جنت کو سدھارا
افسوس کہ پیاسے لبِ کوثر گئے بھائی
یہ شیر نہیں مر گئے ہم مر گئے بھائی

پہنچے جو قریں خیمے کے شہ نے کہا رو کر　　بھائی تمھیں لے جاؤ انھیں خیمے کے اندر
گھر میں کہو کس طرح سے اب جائے برادر　　جب مجھ کو نظر آئے گی واں صورتِ خواہر
صدمے سے کلیجہ مرا پھٹ جائے گا بھائی
روتا تو ہوں دم اور اُلٹ جائے گا بھائی

یہ سنتے ہی زینبؑ درِ خیمے پہ خود آئی　　کہنے لگی حضرت سے یداللہ کی جائی
آپ آئیں میں روتی نہیں اے حق کے فدائی　　میں نے تو خوشی سے اسے صدقے کیا بھائی
خود رن میں انھیں بھیج کے ماتم بھی کروں میں
صدقے بھی کروں آپ ہی پھر غم بھی کروں میں

سن کر یہ سخن خیمے میں شہ آئے بصد یاس　　اکبرؑ تھے لیے ایک کو اور ایک کو عباسؑ
زینبؑ نے یہ اکبر سے کہا آتا ہے وسواس　　کس نے تمھیں آنے دیا ان میتوں کے پاس
آغوش میں تم کیوں تنِ صد پاش لیے ہو
ہے ہے ابھی بن بیاہے ہو اور لاش لیے ہو

یہ سنتے ہی بانو نے کیا نالۂ جاں کاہ　　چلّائی کہ کیا کہتی ہو اے بنتِ یداللہ
کس طرح سے بھائی سے جدا بھائی رہے واہ　　وہ کون تھے یہ کون ہیں فرمایئے للّٰہ
جانیں وہی اس رمز کو جو اہلِ وفا ہوں
اک خون ہے اک جسم ہے کیوں کر یہ جدا ہوں

یک بار ہوا شورِ بکا خیمے کے اندر　　سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
تھیں صابرہ از بسکہ بہت دخترِ حیدرؑ　　منہ فق تھا جگر چاک تھا پر چشم نہ تھی تر
یہ رنگ جو دیکھا تو پریشاں ہوئے مولا
ہمشیر کے اس ضبط پہ حیراں ہوئے مولا

چلّائے کہ بس ضبط کا ہنگام نہیں اب　　بہتر ہے کہ دل کھول کے رو لو انھیں زینبؑ
تڑپو گی بہت تم نظر آئیں گے نہ یہ جب　　سر پیٹ کے بھائی سے یہ زینبؑ نے کہا تب
ان دونوں کی لاشوں پہ فدا ہوتی ہوں بھائی
ہے آپ کو اصرار تو میں روتی ہوں بھائی

یہ کہہ کے اٹھیں دخترِ خاتونِ قیامت لاشوں کے قریب آئیں ہوا جوشِ محبت
حسرت سے لگیں دیکھنے ایک ایک کی صورت غش آنے لگا غیر ہوئی قلب کی حالت
چلائیں کہ ماں آتی ہے تعظیم کو اٹھو
لیتی ہوں بلائیں مری تسلیم کو اٹھو

جنگاہ میں جاتے ہیں شہِ یثرب و بطحا اٹھو کمریں باندھ کے ہو تم بھی مہیا
پوشاک بدلوانے کو آئی ہے یہ دُکھیا شیروں مرے اٹھ بیٹھو یہ سونا نہیں اچھا
عباسؑ لگائے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
دیکھو کہ بڑے بھائی بھی تیار کھڑے ہیں

کیا سوتے ہو اماں سے ملو آؤ بلالوں پھر شان یداللہ کی دکھلاؤ بلالوں
میں روتی ہوں اٹھ کر مجھے سمجھاؤ بلالوں پھٹتا ہے جگر سینے سے لگ جاؤ بلالوں
دنیا سے پُر ارمان سفر کر گئے بچو
کروٹ ہی نہیں لیتے ہو کیا مر گئے بچو

پورا نہیں کچھ بین کا مضموں ہوا ہر چند رونے کو مگر کافی و وافی ہیں یہی بند
عابد کو شفا دے کے شہا کیجیے خورسند میں عونؑ و محمدؑ کی تمھیں دیتا ہوں سوگند
کب تک یہ غم و رنج اٹھایا کروں مولا
پھر مجلسوں میں آپ کی جایا کروں مولا

اک مرثیہ اس سال کے پہلے جو کہا ہے تصنیف کو بس میں نے وہیں ختم کیا ہے
کوکب کا مگر مجھ پہ جو اشفاق ہوا ہے اس لفظ سے بالکل انھیں وسواس ہوا ہے
مجبور ہوں خاموش نہ رہنے سے اُنھیں کے
پھر مرثیے کہنے لگا کہنے سے اُنھیں کے

عارفؔ

نام سید محمد علی، تخلص عارفؔ، سلطان العلماء کے فرزند تھے اور میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔
عبدالغفور نساخ لکھتے ہیں:
''مقیم کلکتہ شاگرد میر نواب مونس''

(سخن شعراء: صفحہ ۳۱۶)

آپ کے والد سلطان العلماء سید محمد رضواں مآب ابن سید دلدار علی عرف غفراں مآب اپنے وقت کے جید علماء میں تھے۔ ۱۷رصفر ۱۱۹۹ھ کو ولادت ہوئی اور ۲۲رربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو وفات پائی۔ ان کے فرزندوں میں سید علی محمد عرف تاج العلماء نے بہت مقبولیت پائی اور متعدد کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب تجویدِ قرآن پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ انھیں عبرانی پر بھی عبور حاصل تھا عیسائیوں سے مناظرے کرتے تھے۔ تذکرۂ بے بہا صفحہ ۲۳۹ پر حالات زندگی موجود ہیں۔ ۴ رربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو وفات ہوئی۔

محمد علی عارفؔ کے حالات نہیں ملتے۔ مولانا آغا مہدی لکھنوی نے صرف اتنا لکھا ہے:
''شمشیر زنی میں مہارت رکھتے تھے اور استاد مانے گئے ہیں''۔

(تاریخ سلطان العلماء صفحہ ۱۷۸)

غزل کے چند شعر یہ ہیں:

شوخیِ دیدۂ محبوب پہ میں مرتا ہوں　　سبزۂ گور چراگاہِ غزالاں ہوگا

عرق ٹپکا جو وقتِ قتل اُن کے روئے روشن سے　　ہوا دینے لگا ہر زخمِ تن قاتل کو دامن سے

کبھی اک دم نہ اس نے روشنی تربت پہ اپنی دی　　ہوا کو کس قدر ہے لاگ میری شمعِ مدفن سے

عاشقؔ

نواب میرزا محمد ابوطالب علی خان بہادر نام، المخاطب بہ مجید الدولہ ورستم جنگ۔ لکھنؤ کے نواب تھے۔ میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔

(مثنوی ''نظم رہنما'' صفحہ ۹۰)

ان کے بارے میں لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ:

''استعارہ وتشبیہات پر والہ وشیدا تھے۔ لکھنؤ کی قدیم شاعری کو سرمایہ افتخار جانتے تھے۔ زبان کی طرف توجہ بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ سادہ بیانی کا رنگ نامطبوع خاطر ہے۔ کہیں کہیں محاورات بھی نظر آجاتے ہیں''۔

(خمخانہ جاوید جلد ۵، صفحہ ۵۳۷)

عاشقؔ کا ایک مرثیہ ۱۸۷۴ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے چھپا تھا جو اب تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہے۔ نولکشور کی قدیم فہرست میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

غزل کے چند شعر درج ذیل ہیں جن سے رنگِ تغزل کا پتہ چلتا ہے:

گر دکھا دے رُخِ رنگیں بُتِ پُرفن اپنا　　بھول جائے گلِ تازہ ابھی جوبن اپنا
مسی مالیدہ ترے لب سے اسے کیا نسبت　　منہ تو بنوائے ذرا باغ میں سوسن اپنا

تم اٹھا دو گے جو اپنے روئے روشن سے نقاب　　ٹکڑے ٹکڑے چاند مانندِ کتاں ہو جائے گا

شبِ فرقت میں اب تو اے غمِ یار　　تجھ سے بہتر کوئی رفیق نہیں
کنجِ مرقد میں بے کسی کے سوا　　کوئی مونس نہیں شفیق نہیں

سب کو نجات دیتی ہے قیدِ حیات سے　　احساں کسی کے سر پہ ترا اے اجل نہیں

اللہ جانتا ہے یہ حسرت ہے اے بتو　　دیکھا کروں یوں ہی تمہیں بٹھلا کے سامنے

وہ آنکھیں مست اُس میکش کی اس دم یاد آتی ہے　　مجھے معذور رکھ صحبت میں ساقی جامِ صہبا سے

تمہاری محرمِ آبِ رواں جس دن سے دیکھی ہیں — اٹھایا سر حبابوں نے نہ اپنا آب دریا سے
ہمیشہ دیکھ کر سینے کو مرغِ دل پھڑکتا ہے — اڑے جاتے ہیں طوطے ہاتھ کے محرم کی چڑیا سے

لڑی ہے آنکھ ان روزوں جو پھر اک شوخ کم سن سے — نہیں قابو میں میرے یہ دلِ ناداں کئی دن سے

آنکھیں کھلی ہیں بعدِ فنا بھی جو قبر میں — کس بانیٔ جفا کا انھیں انتظار ہے

کٹے گا ماہِ نو شمشیرِ ابروئے ہلالی سے — گرے گی ایک دن بجلی ترے کانوں کی بالی سے
بہار آتے ہی یاں تک شدتِ وحشت میں گل کھائے — مشابہ ہاتھ اپنا ہو گیا پھولوں کی ڈالی سے

ریاضِ حسن میں اب دل کی آرزو کم ہے — کہ اس چمن کے گلوں میں وفا کی بو کم ہے

نواب محمد حسین خاں امیر کی مثنوی ''نظم رہنما'' کے آخر میں عاشق کا قطعۂ تاریخ درج ہے جس کی سرخی میں انھیں میر مونس کا شاگرد بھی لکھا گیا ہے۔ قطعہ یہ ہے:

کیا نظم کس حسن سے معجزوں کو — امیرِ سخنور عجب خوش بیاں ہے
ہے یہ مثنوی ایسی دلچسپ و رنگیں — کہ ہر بیت جس کی بہ از بوستاں ہے

رقم کی یہ عاشق نے تاریخ اس کی
دلا کیا ہے ہی گلدستۂ بے خزاں ہے

۱۲۸۶ھ

عزیز

نام شیخ یوسف علی خاں، عزیز تخلص کرتے تھے، جونپور کے رہنے والے تھے اور میر مونس کے شاگرد تھے۔

(اسلاف و اخلاف میر انیس صفحہ ۲۳۷)

سید اقبال احمد لکھتے ہیں:

''عزیز تخلص مولوی شیخ یوسف علی نام، اولاد مولوی شیخ گلشن علی، فضائل علمیہ و محاسن انسانیہ سے آراستہ تھے۔ علوم عربی و فارسی علمائے جونپور سے پڑھا۔ بعدہ بہ تلاشِ معاش حکام انگلیشیہ کی

طرف متوجہ ہوئے۔ بتدریج عہدہ ہائے مختلفہ سے گذر کر آخر میں داروغہ چنگی جونپور ہوئے۔ بعد چند سال ملازمت ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے اور ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں انتقال کیا اور محلہ تاڑ تلہ میں متصل مسجد حضرت دیوان شاہ کبیر دفن ہوئے۔"

(تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور، صفحہ ۷۵۴)

یہ عزیزؔ شاگردِ غالبؔ کے علاوہ ہیں۔ اُن کا نام بھی مرزا یوسف علی خاں تھا اور عزیزؔ تخلص کرتے تھے لیکن وہ بنارسی تھے اور دہلی میں قیام تھا۔ ان کی وفات ۱۲۸۹ھ میں ہوئی۔ مرثیہ وسلام کہا کرتے تھے۔

عزیزؔ کی غزلوں کے یہ شعر سید اقبال احمد نے درج کیے ہیں:

دستِ حنائی میں یہ جھلک کیوں ہے نور کی — مہندی پسی ہوئی تو نہ تھی سنگِ طور کی
زلفیں تمہاری بڑھتی ہیں دیکھیں کہاں تلک — نالے بھی اپنے لیں گے خبر دور دور کی

وحشیوں کو کیا اجاڑے گا چمن سے باغباں — چار تنکے جب چنیں گے آشیاں ہو جائے گا

دیکھی تمہارے حُسن کی میں نے بہار رات — میلا تھا اژدہام تھا دربارِ عام تھا

فغاںؔ

نام میر باقر حسین، تخلص فغاںؔ، لکھنوی تھے۔ میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔

(اسلاف واخلاف میر انیسؔ صفحہ ۲۳۷)

محسنؔ

نام سید محمد محسن، تخلص محسنؔ، خان بہادر اور ذوالقدر ثانی خطاب تھا۔ ایک ہی وقت میں میر انیسؔ، میر انسؔ اور میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا خاندان جونپور کا مشہور خاندان ہے جس میں متعدد افراد اپنے زمانے میں بڑے عہدوں پر فائز رہے۔

شجرۂ نسب

امام زین العابدینؑ — حسین اصغر — ابوعبداللہ اعرج — جعفر حجۃ اللہ

ابوالقاسم جلال آبادی — سید محسن — سید ابوالفتح — ابوعبداللہ الحسین

ابومحمد حسن الزاہد — سید ابوالقاسم — ابوعبداللہ الحسن — سید عمر

سید حیدر — سید احمد مکی — سید حیدر — سید سالار

سید جعفر — سید احمد — سید داؤد — سید علی

سید معین الدین — سید عالم — سید عبدالغنی — سید عبدالقادر

سید شریف — سید محمد — سید محمد مقیم — سید محمد نسیم

سید کاظم علی — سید غلام نبی

سید دیدار علی

سید ناصر علی

سید محمد محسنؔ جونپوری

maablib.org

ولادت:

جونپور کے محلہ دریبہ میں ۹ محرم ۱۲۴۸ھ مطابق ۷ جون ۱۸۳۲ء کو ولادت ہوئی۔

(شجرہ سادات جونپور، از سید محمد جعفر)

تعلیم و تربیت:

ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں:

''علم میں حضرت محسنؔ ایک پیش نماز سے کم نہ تھے لیکن کبھی نماز نہیں پڑھائی۔ تمام کتبِ درسی کے ماہر تھے۔ نظم و نثرِ فارسی لکھنے میں اپنے عہد میں اُن کا جواب نہ تھا۔ جناب سید ناصر علی خان بہادر ذوالقدر اعلیٰ اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین (۱۸۴۲ء سے ۱۸۵۶ء) ڈپٹی کلکٹر تھے ان کو زبان فارسی سے بہت شوق تھا۔ اتفاقاً اُسی زمانہ میں آغا محمد رضا شوشتری کانپور میں وارد ہوئے۔ ذوالقدر اوّل نے تکمیلِ نظم و نثر فارسی کے لئے ذوالقدر ثانی کو جناب آغائے شوشتری کے سپرد کردیا۔ دس برس تک حضرت محسنؔ مرحوم نے کلام نظم و نثر فارسی پر آغائے شوشتری سے اصلاح لی۔ اس صحبت و اصلاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محسنؔ مرحوم نظم و نثر فارسی مثل اہلِ زبان کے لکھنے لگے........ ''حضرت محسنؔ ذوالقدر اعلیٰ اللہ مقامہ، وضعِ قدیم کے پابند تھے۔ نہایت ذی علم اور ذہین تھے، فساد و شر سے اُن کی طبیعت بہت دُور رہتی تھی۔ ہزاروں شعر عربی، فارسی اور اردو کے اُن کو یاد تھے۔ لفظوں کی تحقیق بہت تھی۔ شاعری سے بہت شوق تھا۔ اُن کی محفل میں شعر و سخن کا چرچا رہا کرتا تھا''۔

(مقدمہ مراثیٔ حامدؔ)

ڈاکٹر منصور حسین لکھتے ہیں:

''سید محمد محسن خان بہادر ذوالقدر کی تعلیم خوب ہوئی تھی۔ علمِ عربی اور فارسی میں وہ ایک پیش نماز کی قابلیت رکھتے تھے اور تمام مسائلِ شریعہ سے واقف تھے مگر کبھی نماز نہیں پڑھائی۔ فارسی میں وہ ایک زبردست ادیب و انشاء پرداز تھے۔ فارسی میں وہ آغا محمد رضا شوشتری کے شاگرد تھے۔ وہ فارسی مثل ایک ایرانی کے لکھتے تھے۔ اردو زبان کے بہت بڑے ماہر و ادیب تھے اور کم لوگ لغات اور زبان میں ان کے برابر ہوں گے۔ شاعری میں یہ میر انیسؔ مرحوم اور میر مونسؔ مرحوم کے شاگرد تھے۔ میر انیسؔ مرحوم کا کلام اس قدر دیکھا تھا کہ قریب قریب ان کے تمام مراثی حفظ تھے چنانچہ فرماتے تھے:

کر گئے ہیں یوں حدودِ نظم کو محکم انیسؔ کوئی شاعر اس احاطے سے نکل سکتا نہیں"

(مقدمہ مراثی حامد)

تلمذ:

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ بیک وقت انیسؔ و انسؔ و مونسؔ کے شاگرد تھے۔ پہلے میر مونسؔ کی شاگردی اختیار کی لیکن ان ہی کے کہنے پر میر انیسؔ کے شاگرد ہو گئے تھے لیکن میر مونسؔ سے بھی استفادے کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک سلام کے مطلع میں کہتے ہیں ؎

نہیں تو لائقِ تحسیں پہ اے محسنؔ ترے حق میں
انیسؔ و انسؔ و مونسؔ کی دعا کچھ اور کہتی ہے

سید شبیب علی حسین لکھتے ہیں:

"میرے جدِ اعلیٰ جناب سید محمد محسن صاحب طاب ثراہ کو فنِ مرثیہ گوئی اور طرزِ خواندگی میں میر انیسؔ، میر انسؔ اور میر مونسؔ تینوں حضرات سے براہِ راست شرفِ تلمذ حاصل تھا اسی لیے موصوف کو تقریباً بیس سال تک میں انیس کی صحبت سے اکتسابِ فیض کا موقع ملا۔ اپنے ابتدائی عہد میں وہ فن خواندگی سیکھنے کے سلسلے میں میر انیس کی پیش خوانی میں انھیں کے مرثیے پڑھتے تھے۔"

(شاہکار وحید صفحہ ۲۳)

انیسؔ سے محبت:

میر انسؔ کے ایک خط سے محسنؔ ذوالقدر کا کلامِ انیسؔ سے شغف ظاہر ہوتا ہے:

"علی الصباح نماز کے وقت کانپور میں پہنچا۔۔۔۔ سید محسن سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا میں نے کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا کہ لکھنؤ چلتا ہوں بڑے میر صاحب کے سننے کو۔ الغرض ہم اور وہ باہم نو بجے ۔۔۔ وہاں سے روانہ ہوئے۔ بارہ بجے لکھنؤ پہنچے۔۔ اور صبح کو چھبیسویں کی مجلس میں، جو میر محمد حسین کے گھر ہوتی ہے، شریک ہوئے۔ بڑے میر صاحب پڑھے خوب پڑھے۔"

(خط بہ نام حکیم سید علی بحوالہ "انیس" میر مسعود ص ۲۳۱)

پہلا مرثیہ اور اصلاحِ مونسؔ:

ممتاز حسین جونپوری کا بیان ہے کہ:

"حضرت محسنؔ ذوالقدر نواب میر محمد حسین صاحب مرحوم کے بڑے دوست تھے اور دونوں میں آمد و رفت و بے تکلفی تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے سال دو سال بعد جناب میر نواب صاحب مونسؔ نے مکانِ نواب میر محمد حسین پر ذوالقدر سے مرثیہ کہلوایا۔ پہلے مرثیے کا مطلع جس پر جناب مونسؔ کے قلم کی

اصلاح ہے حسب ذیل ہے:

یارب بہار باغ مضامیں میں دکھا مجھے

اتفاق سے یہ مرثیہ مع اصلاح میر نواب صاحب مونسؔ خان بہادر سید ناصر علی ذوالقدر کے پاس محفوظ ہے"۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ)

یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال پر مشتمل تھا کل ۱۳۱ بند تھے۔ اس مرثیہ پر میر مونسؔ نے اصلاح دی تھی۔ اس کا پہلا اور آخری بند درج کیا جارہا ہے:

یارب بہار باغ مضامیں دکھا مجھے — کھل جائے دل وہ گلشنِ رنگیں دکھا مجھے
اوجِ نشانِ فوجِ حق آئیں دکھا مجھے — تصویرِ حاملِ علمِ دیں دکھا مجھے
رنگینیٔ کلام ہر اک کو پسند ہو
کھولوں جو لب تو ناطقہ بلبل کا بند ہو

اس کا مقطع پہلے یوں تھا:

محسنؔ بس آگے روک لے تحریر سے قلم — ہے شور گریہ مجلسِ ماتم میں دم بہ دم
کیا خوب لکھے وصفِ علمدار ذی حشم — کہتے ہیں جوہری کہ یہ نایاب ہے رقم
رتبہ نہ کیوں بلند ہو تیرے کلام کا
ہاں فیض ہے یہ مونسِؔ عالی مقام کا

اس بند کے آخری مصرعہ کے بعد محسنؔ نے فارسی میں لکھا ہے کہ [اردو ترجمہ]:

"یہ مصرعہ از راہِ محبت کہا گیا ہے حالانکہ اس ہیچمدان کی کیا لیاقت ہے"۔

اس بند کو مونسؔ نے یوں بنادیا:

محسنؔ جگر لہو ہوئے بس روک لے قلم — ماتم کا شور ہے تہہ و بالا ہے بزمِ غم
یوں چاہیے ثنائے علمدار ذی حشم — کہتے ہیں جوہری کہ ہے نایاب یہ رقم
رتبہ نہ کیوں بلند ہو تیرے کلام کا
سب فیض ہے یہ سرورِ عالی مقام کا

اصلاحوں کے بعد میر مونسؔ نے آخر میں چھ سطروں کی یہ فارسی عبارت درج کی ہے [اردو ترجمہ]:

"بعدِ سلام نیاز و ہزار اشتیاق التماس ہے کہ بخدا یہ مرثیہ نہایت صاف اور عیوب نظم سے مبّرا ہے۔ ماشاء اللہ یقین ہے کہ اس مرثیہ کو پڑھنے کے دوران سامعین محظوظ و فرخندہ ہوں گے۔۔۔۔

جناب برادر صاحب [یعنی انیسؔ] موجود ہیں اور انھوں نے بھی اسے ملاحظہ فرمایا ہے۔"

(دستخطِ مونسؔ)

اس مرثیے کا اصل مسودہ محسنؔ کے وارث سیّد محمد احسن کے پاس جونپور میں موجود ہے اور مجھے اس کا آخری صفحہ سید یداللہ حیدر صاحب (کراچی) کی وساطت سے دیکھنے کو مل سکا۔

محسنؔ کی ایک یادگار مجلس:

ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں:

"سیّد محمد محسن صاحب ذوالقدر ثانی ہمارے جونپور کے ایک ذی علم بلند پایہ مرثیہ خوان اور مرثیہ گو تھے۔ ان کو میر انیسؔ اور میر مونسؔ سے تلمذ تھا۔ نکات فن میر انیسؔ مرحوم سے انھوں نے سیکھے تھے اور ہمارے محسن اور کرم فرما سیّد علی حامد صاحب جج کے چچا اور استاد تھے اور انیسؔ مرحوم کے مرثیوں کے نکات اور صحیح منظومات سے وہ جس قدر باخبر تھے کم کوئی رہا ہوگا۔ اگر میر انیسؔ مرحوم کے صحیح مرثیے اس گھر میں ہوں تو وہ قابلِ دید ہیں۔ ذوالقدر بہادر ہر سال ایک بہت بڑی مجلس جونپور محلّہ پادہ یبہ میں خاص اپنے دولتکدے پر منعقد کیا کرتے تھے جس میں اپنا تصنیف مرثیہ خود پڑھتے تھے۔ لباس اور وضع قطع اور سارا انداز وہی خاندانِ انیسؔ کا سا تھا۔ خود علاوہ شاعر کے اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے۔ میر حامد علی صاحب کی شادی کی استدعا اور نوید کا مسودہ جو انھوں نے تیار کر کے پریس کی کاغذ اور روشنائی سے ہم سے خوشخط لکھوا کر چھپوایا تھا اس سے ان کی نثر نگاری اور نکاتِ فن بیان کرنے پر فن خوشنویسی کے کمال کا ہم پر خاصا اثر پڑا۔ اس سالانہ مجلس میں دُور دُور سے مہمان آتے تھے اور باکمال شعراء جمع ہو کر دادِ سخن دیتے تھے۔ دو چار دن کے لیے اہلِ کمال کی صحبت سے جونپور لکھنؤ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔"

("روشنی" لکھنؤ، محرم نمبر صفحہ ۶۲، ۱۹۳۶ء)

سیّد علی ضامن ترمذی لکھتے ہیں:

"چہلم کے زمانے کی مجلسیں اس خاندان میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ امامیہ مشرب صوفیہ مسلک گھرانہ مخدوم کے وقت سے صلح کل رفتار پر چلتا آ رہا ہے۔ خان بہادر ذوالقدر حضرت سیّد محمد محسن صاحب مغفور (ڈپٹی کلکٹر) میر انیسؔ مرحوم کے شاگردِ رشید اور مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے لیے بہت ممتاز ہوئے۔"

(مضمون، شمالی ہند میں عزاداری کا قدیم مرکز جونپور، سرفراز لکھنؤ، محرم نمبر، ۵ ۱۹۳ء، صفحہ ۱۹)

ملازمت:

ڈاکٹر منصور حسین لکھتے ہیں:

''بسبب اولاد اکبر ہونے کے ان کو خطاب خان بہادر ذوالقدر کا ملا اور بعد انتقال اپنے باپ کے تعلقے کا داخل خارج بھی تنہا انھیں کے نام ہوا۔ یہ اوّل درجے کے ڈپٹی کلکٹر رہے۔ زیادہ تر ان کی ملازمت کا زمانہ کانپور، الہٰ آباد اور آگرہ میں گزرا۔ ملازمت میں متدین تھے، فیصلہ بہت اچھا کرتے تھے۔ ہائی کورٹ الہٰ آباد نے بھی چند تجویزوں میں ان کی قابلیت کی تعریف کی ہے۔ ڈپٹی کلکٹروں میں بہت معزز تھے۔ بعد چالیس سال کی ملازمت کے ۱۸۹۴ء میں پنشن لی اور جونپور وطن میں آکر قیام فرما ہوئے''۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ)

ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں:

''حضرت سید محمد محسنؔ خان بہادر ذوالقدر اعلیٰ اللہ مقامہ، بعد چالیس سال کی ملازمت کے ۱۸۹۴ء میں پنشن لے کر گھر آئے۔ چالیس سال کی ملازمت ان کی صرف چار ضلعوں پر گزر گئی یعنی اُناؤ، کانپور، آگرہ اور الہٰ آباد۔ ڈپٹی کلکٹروں میں یہ بہت نام برآوردہ و معزز مشہور تھے۔ لیفٹیننٹ گورنر تک بہت وقعت و عزت کی نظر سے دیکھتے تھے''۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ)

جوان بیٹے کی وفات:

جناب ذوالقدر ثانی ۱۳۱۹ھ میں کربلائے معلی گئے۔ سید محمد احسن صاحب مرحوم ان کی مشایعت میں بمبئی گئے لیکن ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ نسب نامہ منظوم سے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں جن سے واقعات ظاہر ہوجائیں گے:

پسرِ اوّلین و خوش باطن   حضرتِ خاں بہادر محسن
مجمعِ زہد و اِتقا ذاتش   منبعِ خلّت و وفا ذاتش
اُو کہ ذوالقدر ہم خطاب شدہ   بینِ امثال انتخاب شدہ
بالیقین فخرِ خانداں بودہ   زائرِ شاہِ انس و جاں بودہ
مایۂ زندگیش احسن بُود   جانشینِ پدر بہ ہر فن بود

مدح گوئے حسینؑ و مرثیہ خواں | بودہ محبوب طفل و پیر و جواں
سفر کربلا پدر چو نمود | احسن او را مشایعت فرمود
حیف از کجروی چرخ کبود | زودازیں دہر انتقال نمود
کرد رحلت بہ عنفوانِ شباب | داخل خلد شد بغیر حساب
مدفنش بمبئی بگردیدہ | دلِ ماہا بہ گشتہ تفتیدہ
بہر سالِ وفات آں ذیشاں | گفت کاظم کہ رُد ریاضِ جناںؑ =۱۳۱۹ھ
بیگماں از فراقِ نُورِ نظر | والدش راشکستہ قلب وجگر
متوطن بہ کربلا گردید | بعدِ دہ سال راہِ خلد گزید
سال فوتش بود بہ زینت وزین | بودہ فخر مجاورین حسینؑ
نوہ اش ناصر علی ذوالقدر | عمر با بدکمالِ مثلِ پدر
نام روشن کُن اب وجد باد | بہ محمدؐ و آلہ الامجاد

محسنؔ کا فارسی کلام:

فارسی میں وہ آغا محمد رضا شوشتری کے شاگرد تھے۔ وہ فارسی مثل ایک ایرانی کے لکھتے تھے۔
محسنؔ نے ۱۲۸۴ھ میں ہفت بند ملا حسن کاشی کو تخمیس کیا تھا:

السلام اے آیہ ات منشورِ قرآنِ مبیں ۱ السلام اے مایہ ات از نُورِ ختم المرسلینؐ
السلام اے پایہ ات تاجِ سرِ عرشِ بریں السلام اے سایہ ات خورشیدِ ربّ العالمیں
آسمانِ عزّ و تمکیں آفتابِ داد و دیں

ایکہ دستت را بود درکار یزداں دسترس ۲ ایکہ نورت ست از انوارِ ایزد مقتبس
اے بحکمِ روحکِ روحی باحمدِ ہمنفس اے بغیر از مصطفیؐ نا بودہ ہمتائے تو کس
بستہ بر مہرِ تو ایزد مہرِ حور العین و بس

اے فروغِ عزت از نورِ تُو اختر یافتہ ۳ اے کلاہِ دولت از نامِ تُو افسر یافتہ
اے کمالِ رتبت از فیضِ تُو کوثر یافتہ اے سپہرِ عظمت از فرِ تو زیور یافتہ
آفتاب از سایۂ چترِ تو افسر یافتہ

اے انیس و ہمدم وتاب وتوانِ مصطفیؐ ۴ جسم و جانِ مصطفیؐ روح روانِ مصطفیؐ
اے مکرم رکنِ ایماں از زبانِ مصطفیؐ اے معظم کعبۂ اصل از بیانِ مصطفیؐ

قبلۂ دنیا و دیں جانِ جہانِ مصطفیٰ

اے رضائے حق رضایت یاامیرالمومنیں ۵ اے فروغِ دیں رزایت یاامیرالمومنیں
اے ثنا خواں کبریایت یا امیرالمومنیں اے ستودہ مرخدایت یا امیرالمومنیں
خواندہ نفسِ مصطفایت یا امیرالمومنیں

ایکہ امرِ کن طفیلِ ذاتِ ذیشانِ شماست ۶ آسماں باایں بزرگی گوی چوگانِ شماست
اَیکہ طومارِ جہاں منشورِ دیوانِ شماست اَیکہ فرمانِ قضاموقوفِ فرمانِ سشماست
دور دورانِ فلک دورے ز دورانِ شماست

تا نجف شد آستانِ سرورِ عرش احتشام ۷ تا نجف شد بارگاہِ والیِ دارالسلام
تا نجف شد منزلِ خورشیدِ عز و احترام تا نجف شد افتاب دین و دنیا را مقام
خاکِ او دارد شرف بر زمزمِ بیت الحرام

ہر پڑھنے والا یہ دیکھ سکتا ہے کہ حضرت محسؔن اور ملا حسن کاشی کی زبان ایک ہے۔ تخمیس ہو تو ایسی ہو۔ ذیل میں چند فقرات مولانا السیّد علی نقی اعلیٰ اللہ مقامہ فی الجنان کے لکھے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی تضمین ہفت بند پر کیا رائے ہے:

"والحق کہ جامع ایں طرزِ لطیف و اسلوبِ طریف تضمینست بطرزِ تخمیس کہ دریں زمان بنظرِ قاصرِ اسیرِ طلسم عناصر رسیدہ وچشم خرد خوردہ بین نظیرش بایں زیبائی ورعنائی درحصار عینائی ندیدہ توگوئی شاہدست زیبا در لباس پرینان و دیبا بلندی پایہ اش و رونقِ سرمایہ اش از طبعِ نازک خیال شاعر عدیم المثال ومنش شیریں مقالے ست کہ نظم فصاحت نظامش سحر بوش......می باشد و بے شائبہ تکلف وعائبہ تصلف می تواں گفت کہ نظم بدیعش فصاحت را جانے ست، یعنی امیرالانسب، جناب سید محمد محسؔن خان بہادر ذوالقدر متخلص بہ محسؔن دامت معالیہ و حفت بالکرامتہ ایامہ، ولیالیہ حقا کہ آغاز ایں منقبت جزیلہ از ملاحسن واختتام حسن ایں کلام بر محسن شیریں سخن بلکہ برصاحبان انصاف و تارکان اعتساف چوں آفتاب بر خط نصف النہار ہویدا و آشکارست کہ حضرت محسؔن و برقد و بالائے اشعار حسن کاشی حسنے دوبالا افزودہ بل مدارج ترقی را چہل چند فرمودہ۔"

غلام امام شہید مرحوم جن کا آخری زمانہ میں فارسی میں عدیل نہ تھا اس ہفت بند کی تنقید میں کہتے ہیں:

محسنِ نکتہ سنج سحر بیاں — طرفہ راہِ نجات خود پیمود
خامہ اش از پے قبول کلام — بر درِ مرتضیٰ جبیں فرسود
آخر از بارگاہِ شاہ نجف — در کف آوردہ گوہر مقصود
تا دو مصرع زہفت بند گرفت — باسہ مصراع خویش پنج نمود
از فصاحت کہ ختم شد بروے — حیرتِ خامۂ دبیر افزود
از بلاغت کہ بود حصۂ او — گوی سبقت ز ہمسراں بربود
معنی سہل ممتنع این ست — کہ کسے در جواب لب نہ کشود

خواجہ حافظؔ شیرازی کے کلیات میں ایک غزل اور دو قصائد مجھے ایسے ملے جو مدحِ آئمۂ معصومینؑ میں ہیں اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شیعوں کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان تینوں نظموں کو محسنؔ نے مخمس کر دیا ہے۔ زبان ولطف ان تضمینوں میں مخمسِ ہفت بند ملا حسن کاشی کا ہے۔ بطور نمونہ چند بند ذیل میں نقل کرتا ہوں:

اے سر بر آستانِ ولایت پناہ باش — اے دیدہ فرش کف شکنِ عرش جاہ باش
اے جاں زصدق بندۂ آں بارگاہ باش — اے دل غلام شاہ نجف باش وشاہ باش
پیوستہ در حمایتِ لطفِ الٰہ باش

آن کس کہ مقتدی علیؑ نیست کافرست — گر بندۂ علیؑ نیست کافرست
آن کوز دل ولیِ علیؑ نیست کافرست — آں را کہ دوستیِ علیؑ نیست کافرست
گو زاہدِ زمانہ و گو شیخ راہ باش

وردِ من ست مدح وثنائے تو یا علیؑ — جن و دل و سرم بہ فدائے تو یا علیؑ
دم ہر نفس زنم بہ ہوائے تو یا علیؑ — امروز زندہ ام بہ ولائے تو یا علیؑ
فردا بہ روحِ پاک اماماں گواہ باش

چوں محسنؔ اقتدائے یداللہ پیشہ کن — مدح وثنائے خسرو ذی جاہ پیشہ کن
طوفِ حریم و سجدۂ درگاہ پیشہ کن — حافظؔ طریقِ بندگیِ شاہ پیشہ کن
وانگاہ در طریق چو مردانِ راہ باش

ایک قصیدے میں سیکڑوں قسمیں کھا کر، جن میں سے ایک درجن تو رسولانِ اولوالعزم ہیں، خواجہ حافظ فرماتے ہیں جو مع مصرع ہائے تضمینی لکھتا ہوں:

بحقِ طاعتِ کرّ و بیانِ حُسنِ قبول	بحقِ مجمعِ روحانیان و جملہ عقول
بحقِ جمعِ کتابِ مبین و شانِ نزول	کہ نیست دین ہدارا بقولِ پاک رسولؐ

امام غیرِ علیؑ بعدِ احمدِ مختارؐ

شعرِ مذکورہ بالا سے خواجہ حافظؔ خلافتِ بلافصلِ علوی کا اقرار کرتے ہیں:

زراہِ جاہل و مستغرق بفضلہٖ ہمیں	زکارِ عاطل و مستغرق بفضلہٖ ہمیں
بہ خوابِ باطل و مستغرق بفضلہٖ ہمیں	بہ جہلِ غافل و مستغرق بفضلہٖ ہمیں

زرنگ می نہ شناسی سفیدی از زنگار

زحُبِ غیرِ دلِ خویش را مصفا کن	زہر شقی و خبیث و دنی تبرا کن
بہ بزمِ دولتِ محسنؔ محل و ماوا کن	بہ دشمناں منشیں حافظاؔ تولا کن

نجاتِ خویش طلب کن بہ جانِ ہشت و چہار

خیالِ دعویٔ فاسق چہ می کنی بہ گزر	لحاظِ صیحۂ ناحق چہ می کنی بہ گزر
مخالفت بہ موافق چہ می کنی بہ گزر	متابعت بہ منافق چہ می کنی بہ گزر

زیادہ گفتنِ ناخش ہزار استغفار

ایک قصیدے میں خواجہ حافظؔ علیہ الرحمہ نے چہاردہ معصومینؑ کی مدح کی ہے اُس پر بھی ذوالقدر نے مصرعے لگائے ہیں۔ چند بند اس تضمین کے ذیل میں نقل کرتا ہوں:

آں ماہِ اوجِ اعتلا، آں عینِ انسانِ سخا	آں ابرِ نیسانِ عطا، آں بحرِ فیضانِ خدا
آں روحِ جسمِ مصطفاؐ، آں روحِ ریحانِ رضا	آں گلبنِ باغِ وفا، آں سروِ بستانِ صفا

خورشیدِ برجِ ارتضا، یعنی علیِ مرتضاؑ

اے دل چہ بیم و واہمہ، از حرِّ نارِ حاطمہ	باشد شفیعِ ما ہمہ بہرِ نجاتِ دایمہ
آں ساجدہ آں صایمہ، برحالِ اُمت راحمہ	نقشِ نگینِ خاتمہ صاحب یقینِ عالمہ

خاتونِ جنت فاطمہؑ، گلدستۂ باغِ حیا

باشد وزیرِ مؤتمن، پیشِ رسولؐ ذوالمنن	شیرِ خدا شاہِ زمن، مولائے من آقائے من
بعد از شہِ خیبر شکن، لاریب بیشک بے سخن	میرم حسینؑ ست وحسنؑ، آرامِ جاں درمانِ تن

بے مہرِ ایشاں دم مزن گرمیزنی لاف از ولا

باشد امامِ چارمیں، سجادؑ مغموم و حزیں	دانش انیس العارفیں، یادش انیس الذاکریں

بعد از تحیات مبیں، ور دِ زباں دارم چنیں ۔۔۔ بادا ہزاراں آفریں از فضلِ ربّ العالمیں
بروحِ زین العابدینؑ آں قدوۂ اہلِ تقا

نُور امامانِ ہدا، بخشد دو عالم را ضیا ۔۔۔ از حمدِ ایشاں دائما، روشن بود ارض و سما
جوئی اگر راہِ رضا خواہی اگر قربِ خدا ۔۔۔ از باقرؑ و صادقؑ ولا بہ عشقِ کاظمؑ کن ولا
اے چشمِ دل، کن توتیا خاکِ درِ موسیٰ رضاؑ

ذکرِ امام متقی، ساز و دل و جاں را قوی ۔۔۔ در مسلکِ دینِ نبیؐ کن با آئمہؑ پیروی
یا بے صفائے معنوی، در محفلِ عرفاں رسی ۔۔۔ مہرِ تقیؑ راہ با نقیؑ، گر ضم کنی با عسکریؑ
گرد و دل و جانت زکی، گیر و ہمہ کامت روا

اے بادشاہِ انس و جاں، بکشادرِ امن و اماں ۔۔۔ از معدلت اے جانِ جاں، گیتی شود رشکِ جناں
کن اے شہِ کون و مکاں روشن ز نورِ خود جہاں ۔۔۔ اے مہدیؑ آخر زماں، ہمای روئے خود عیاں
تا چند باشی در نہاں خود رانما اے رہنما

بیروں شو از دستِ ہوس ترکِ رہِ ایں پیشہ کن ۔۔۔ در قطعِ ہر نخلِ طمع دست دعا را تیشہ کن
مانندِ محسنؔ ضبطِ غم، ہر رگ و ہر ریشہ کن ۔۔۔ حافظ خموشی پیشہ کن در کار خود اندیشہ کن
قطعِ نظر زیں پیشہ کن تا سر نتابد مر ترا

آخر زمانۂ عمر میں محسنؔ ۱۲ سال تک کربلائے معلیٰ میں مسلسل مقیم رہے۔ وہاں ذیل کی غزل فارسی میں نظم فرمائی:

نہ می دانم دریں ضعفم مگر دانم چساں پہلو ۔۔۔ ازاں پہلو بایں پہلو ازیں پہلو بہ آں پہلو
حذر اے اجنحہ بہ پرخاش شما امشب ۔۔۔ خدنگِ نالۂ من می زند بر آسماں پہلو
شُد از نوکِ زبانِ خامہ ام زخمی دلِ حاسد ۔۔۔ زند ایں نیزۂ خطی بہ تیزی سناں پہلو
زمینِ حایرِ شہ را فلک گفتم غلط کردم ۔۔۔ ہمیں ساید بہ تاجِ فرقِ عرش ایں آستاں پہلو
صدائے زائرانِ قبلۂ ثالث در ایوانش ۔۔۔ تعالیٰ اللہ ہمیں ساید بہ ذکرِ قدسیاں پہلو
ز فیضِ بذلہ سنجی ہائے استادانِ ایرانی ۔۔۔ بہ شیراز و صفاہاں می زند ہندوستاں پہلو
ز فرطِ سوزشِ دردم چو بسمل خستہ و زارم ۔۔۔ جگر غلطد دریں پہلو طپد قلبم دراں پہلو
عجب صعب ست راہِ منزلِ عقبیٰ کہ از خوفش ۔۔۔ ہمیں دزدد چو دزد از پاسباناں یک جہاں پہلو
دریغ از انقلابِ وضعِ دوراں وچنیں دورش ۔۔۔ کہ با مرداں زند در راہ و برزنہار تاں پہلو

منال اے محسنِ محزوں خموش اے خستہ دل خوں

کہ فریادت زند اکنوں بر رخ جانستاں پہلو

مخمسِ ہفت بند کاشی کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ محسنؔ مرحوم نے تخمیس اس نظم مقبول کی ۱۲۸۴ ہجری میں فرمائی۔ حافظ شیرازی کے اشعار پر مصرع غالباً ۱۸۹۳ء میں لگائے۔ اُن کی تصنیفات دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فارسی ادیب و شاعر کامل تھے۔ اُستاد کے پایہ پر پہنچ گئے تھے۔

سفرِ کربلا اور وفات:

۱۹۰۱ء میں سفرِ کربلا پر روانہ ہوئے۔ راستے میں اِن کے فرزند سید محمد احسن کا ۲۸؍ ذیقعد ۱۳۱۹ھ کو انتقال ہوگیا۔ فرزند کی لاش کربلا لے گئے وہیں دفن کی۔ اس کے بعد پوری زندگی کربلا میں گزاری، وہیں یہ رُباعی کہی تھی:

حائر میں ہے موت زندگانی میری　　گذرے گی یہیں حیاتِ فانی میری

محسنؔ درِ شہ پہ بیٹھ کر میں نہ اٹھا　　آخر کام آئی ناتوانی میری

محسنؔ نے ۱۲ برس کربلا میں قیام کے بعد وہیں ۲۸؍ صفر ۱۳۳۰ھ کو انتقال کیا اور کربلا ہی میں دفن کیے گئے۔

(شجرۂ ساداتِ جونپور، سید محمد جعفر)

محسنؔ کی عمر بہ وقتِ انتقال ۹۴ سال کی تھی۔

شاگرد:

محسنؔ کے دو کی شاگردوں کا ذکر ملتا ہے اور یہی شہرت ان کے خاندان میں بھی ہے انھوں نے زیادہ شاگرد نہیں بنائے۔ ایک تو ان کے فرزند سید محمد احسن احسنؔ جونپوری، انھوں نے تین مرثیے کہے تھے جو ورثہ کے پاس جونپور میں ہیں، دوسرے سید علی حامدؔ جونپوری، جن کے تقریباً ۵۰ مرثیے سرفراز پریس لکھنؤ سے شائع ہوئے تھے اور ان میں سے ۲۴ مرثیوں، متفرق سلاموں اور رباعیات کا مجموعہ ”مراثیِ حامدؔ“ کے نام سے ۲۰۱۵ء میں سید احمد جواد نے شائع کیا ہے۔ سید احمد جواد حامدؔ جونپوری کے پوتے ہیں اور لندن میں مقیم ہیں یہ مجموعہ کراچی سے چھپا ہے۔

مقدارِ کلام:

ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں:

”تصنیف حضرت ذوالقدر مرحوم اُتنی ہے جتنی عمر میں ایک ملازمِ سرکار پنشن لیتا ہے یعنی کم و

بیش پچپن سال، تعداد مراثی حضرت محسنؔ ذوالقدر مرحوم ساٹھ پینسٹھ ہے جس میں سے صرف دس مرثیے جناب سید محمد کاظم خان بہادر مرحوم نے چھپوا دیے ہیں بقیہ پچاس پچپن مرثیے ذوالقدر حال کے قبضے میں ہیں۔ سید ناصر علی سلمہ، کچھ نظم نہیں کرتے لیکن مرثیہ اچھا پڑھتے ہیں کیوں کہ حضرت محسنؔ مرحوم اور جناب سید محمد کاظم صاحب خان بہادر مرحوم نے سکھایا ہے"۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ)

محسنؔ کے مندرجہ ذیل مرثیے ان کے ورثہ کے پاس جونپور میں موجود ہیں:

اشاریہ مراثی محسنؔ ذوالقدر بہادر

(آ)

۱	آج پھر فوج فصاحت کا بول کھلتا ہے	حضرت عباسؑ

(ا)

۲	اسدِ بیشۂ ضرغامِ خدا ہے عباسؑ	حضرت عباسؑ
۳	الحمدللہ کہ بندہ ہوں علیؑ کا	حضرت امام حسینؑ
۴	اے بلبلِ گلزارِ سخن مرثیہ خواں ہو	حضرت علی اکبرؑ
۵	اے طبعِ رسا طورِ تجلائے سخن ہو	حضرت امام حسینؑ
۶	اے فوجِ نظم اوجِ سپاہِ خدا دکھا	حضرت امام حسینؑ

(پ)

۷	پھر آج قوتِ دستِ قلم دکھاتا ہوں	حضرت امام حسینؑ
۸	پھر سیفِ زباں ہمدمِ شمشیر دودم ہے	حضرت عباسؑ
۹	پھر شقہ کشا رایتِ اجلالِ سخن ہے	حضرت عباسؑ

(ت)

۱۰	تاجِ سرِ سلطانِ سخن حمدِ خدا ہے	حضرت علی اکبرؑ
۱۱	جاتا ہے رن کو لشکرِ سلطانِ کربلا	حضرت امام حسینؑ

(ج)

۱۲	جب چاک گریباں شبِ غم کی سحر آئی	حضرت امام حسینؑ
۱۳	جب ختم زمانہ ہو حضرت کے سفر کا	حضرت امام حسینؑ

۱۴	جب دارِ فنا اصغرِ معصوم سے چھوٹا	حضرت امام حسینؑ
۱۵	جب دامنِ شب چاک کیا دستِ سحر نے	امام حسینؑ
۱۶	جب راہِ جناں شہ نے رفیقوں کو دکھادی	حضرت قاسمؑ
۱۷	جب رن میں سرشارِ امامِ امم ہوا	حضرت عونؑ و محمدؑ
۱۸	جب سالکانِ راہِ خدا سے وطن چھٹا	حضرت امام حسینؑ
۱۹	جب شاہِ دیں کو شوقِ شہادت میں شب ہوئی	شبِ عاشور
۲۰	جب علمدار دلاور نے شہادت پائی	حضرت علی اکبرؑ
۲۱	جب غازیوں کو شاہ سے اذنِ غزا ملا	حضرت قاسمؑ
۲۲	جب ناصرانِ ملتِ اسلام لڑ چکے	حضرت علی اکبرؑ
۲۳	جب نخلِ بوستانِ حسینی قلم ہوئے	حضرت امام حسینؑ
۲۴	جس دم نمازِ صبح ادا کی امام نے	حضرت قاسمؑ
۲۵	جمالِ یوسفِ حُسنِ بیاں ہے ذکرِ حسینؑ	حضرات عونؑ و محمدؑ

(خ)

۲۶	خورشیدِ آسمانِ رسالت ہیں مصطفیٰؐ	حضرت امام حسینؑ

(د)

۲۷	دنیائے دنی منزلِ اندوہ و بلا ہے	حضرت امام حسینؑ

(ر)

۲۸	رخصت ہے مدینے سے امامِ ازلی کی	سفر کا حال
۲۹	رن میں علیؑ کا شیرِ صف آرائے رزم ہے	حضرت عباسؑ

(ز)

۳۰	زیبا ہے اسے حمد جو معبودِ علیؑ ہے	حضرت امیر المومنینؑ

(ش)

۳۱	شبیہِ بادشہِ انبیاء علی اکبرؑ	حضرت علی اکبرؑ
۳۲	شکرِ خدا کہ ذاکرِ آلِ رسولؐ ہوں	حضرت عباسؑ
۳۳	شیدائے روئے شاہدِ حُسنِ مقال ہوں	حضرت علی اکبرؑ

(ط)

۳۴ طے کی جو راہِ منزلِ غربت امام نے — حضرت عباسؑ

۳۵ طے کی جو رہِ ظلمتِ شب نورِ سحر نے — حضرت امام حسینؑ

(غ)

۳۶ غالب جو فوجِ شب پہ سپاہِ سحر ہوئی — حضرت امام حسینؑ

(ک)

۳۷ کام آچکی جو دشتِ وغا میں خدا کی فوج — حضرت امام حسینؑ

۳۸ کس سرزمیں کا عرش سے پایہ بلند ہے — حضرت امام حسینؑ

(ل)

۳۹ لوائے فوجِ سخن سربلند ہوتا ہے — حضرت عباسؑ

(م)

۴۰ مطلعِ صبحِ صداقت ہے طلاقت میری — حضرت امام حسینؑ

۴۱ مفتاحِ بابِ گنجِ سخن ہے خدا کی حمد — حضرت علی اکبرؑ

(ہ)

۴۲ ہاں اے سحابِ دیدۂ تر اشکبار ہو — حضرت امام حسینؑ

۴۳ ہاں اے قلم نشانِ جنوں در رقم ہو آج — حضرت عباسؑ

۴۴ ہے آمدِ مہمانِ خدا فوجِ خدا میں — جنابِ حُر

(ی)

۴۵ یارب بہارِ باغِ سخن بے خزاں رہے — حضرت امام حسینؑ

۴۶ یارب بہارِ باغِ مضا میں دکھا مجھے — حضرت عباسؑ

۴۷ یارب ریاضِ نظم کو رنگِ قبول دے — حضرت علی اکبرؑ

۴۸ یارب نشانِ فوجِ فصاحت علم رہے — حضرت عباسؑ

۴۹ یثرب سے کوچ ہے شہِ عالی جناب کا — حضرت امام حسینؑ

محسنؔ ذوالقدر کی مرثیہ نگاری:

محسنؔ کی مرثیہ نگاری کا دارومدار ان کی غیر معمولی علمیت اور خداداد صلاحیت پر ہے۔ وہ بلا کے ذہین تھے اور صحیح معنوں میں ایک کاملِ فن مرثیہ گو کہنے کے قابل تھے۔ انھوں نے حیرت انگیز حد تک انیسؔ اور مونسؔ سے استفادہ کیا تھا۔ ان کی زبان پر کبھی کبھی ان کے کلام کا بھی دھوکا ہوجاتا ہے لیکن جنہوں نے ان تینوں کا کلام باریکی سے پڑھا ہے وہ فرق محسوس کر سکتے ہیں۔ افسوس ہے ان کے مرثیے منظرِ عام پر نہ آسکے اتنے عظیم مرثیہ گو کا کلام شائع نہ ہو سکنا ادب کا نقصان ہے۔

ڈاکٹر منصور حسین لکھتے ہیں:

''وہ مرثیے کو مرثیہ جان کر کہتے تھے۔ اساتذۂ سابقین کی خوبیوں کی پیروی کرتے تھے اور غلطیوں سے پرہیز فرماتے تھے۔ نظمِ مرثیہ میں وہ پابندیِ روایات اور بعض مقامات پر پابندیِ احادیث کرتے تھے۔ رنگِ انیسؔ مرحوم میں زیادہ تر نظم فرماتے تھے۔ زبان و کلام و طرزِ انیسؔ سے ان کو خاص اُنس تھا، تاسی انیسؔ پر جان دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

کیا خوب تونے کی ہے تاسّی انیسؔ کی

ہر ایک مضمون پر ان کو سیکڑوں اشعار یاد تھے۔ ہر لفظ کے لئے بہ وقتِ ضرورت لغت دیکھتے تھے۔ ان کے صحیح کیے ہوئے اکثر لغات اُن کے وطن کے کتب خانے میں آج تک محفوظ ہیں''۔

(مقدمہ مراثی حامدؔ)

محسنؔ کی طبیعت کثرتِ علم کے سبب خالصتاً عالمانہ تھی۔ عربی و فارسی کی دقیق ترین کتابیں ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں اور اس کے مطالب ان کے خداداد ذہن پر طاری رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرثیہ کہتے وقت یہ علمی نکات فطری طور پر ان کی شاعری میں دَر آتے تھے۔ ان کے بعض مصرعے مکمل عربی کے ہوتے تھے۔ یہ چار مصرعے کیا خوب کہے:

وہ کس کی محبت ہے جو ہے واجبِ عینی　　فرمایا محمدؐ نے کہ قاضیِ دَینی
من قاتل فی الاحب بدر و حنینی　　لم یعبد الاصنام و لو طرفتہ عینی

ذیل کے بند میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کو نظم کیا ہے:

صدرِ صحیفۂ دلِ مومن ہے کس کی مدح　　وردِ زبانِ ہر ملک و جن ہے کس کی مدح
اے قاریو صراطِ علیٍ ہے کس کی مدح　　ام الکتاب میں طوٗ محسن ہے کس کی مدح
نصِ جلی ثبوت ولائے علیؑ میں ہے
ناطق زبانِ صدق ثنائے علیؑ میں ہے

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ محسنؔ کلامِ انیسؔ کے حافظ بھی تھے یہی سبب ہے کہ ان کی زبان

حیرت انگیز طور پر انیسؔ کے اسلوب کا پرتَو رکھتی ہے۔ انھوں نے انیسؔ کے بعض مصرعوں کی تضمین بھی کی ہے۔ جیسے یہ بند:

جو صف جمی رسالۂ فوجِ خسیس کی　　کمریں کٹیں سواروں کی گردن رئیس کی
ساتھ اُس کے جزو سے جو بڑھی مثل تیس کی　　کافی ہے وصفِ ضرب میں یہ بیت انیس کی
مدت کا تال میل تھا برسوں کا ساتھ تھا
جیسی وہ ذوالفقار تھی ویسا ہی ہاتھ تھا

یہاں محسنؔ کے مختلف مرثیوں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن سے ان کے فن اور مقام کا اندازہ ہو سکے گا۔ میرے خیال میں مونسؔ کے شاگردوں میں جس پائے کے مرثیے محسنؔ کے ہیں کسی اور کے نہیں ہیں۔

صبح کا منظر:

طے کی جو رہِ ظلمتِ شب نورِ سحر نے　　سر منزلِ مغرب میں جگہ پائی قمر نے
پایا نظری دفترِ انجم کو نظر نے　　رونق سرِ خورشید کو دی افسرِ زر نے
واں رختِ صباحت تنِ افلاک نے پایا
ذروں سے یہاں خلعتِ زر خاک نے پایا

جھونکے جو دمِ صبح چلے بادِ صبا کے　　جنگل کے شجر جھوم گئے وجد میں آ کے
جب پھول شگفتہ ہوئے شبنم میں نہا کے　　شاخوں نے کیا شکرِ خدا ہاتھ اٹھا کے
گرنے جو لگے اوس کے قطرے شجروں سے
غل تھا کہ ٹپکتی ہے لطافت ثمروں سے

اصحاب امام حسینؑ:

عشاقِ خدا عترتِ اطہار کے والہ　　ہر بات میں سلمانؑ و ابوذرؓ سے مشابہ
خواہانِ حیاتِ ابدی زیست سے کارہ　　دعوے ہیں کہ "اللہُ لطیف" بعبادہ
مصروف بیانِ کرمِ لم یزلی میں
ہے وردِ زباں نادِ علیؑ یادِ علیؑ میں

سیافِ وغا ہم دمِ شمشیرِ الٰہی　　دی جن کی شجاعت پہ شہادتؔ نے گواہی
ساونت، جری، سور، نمودار، سپاہی　　عالم کی ضیا، زیبِ جلو خانۂ شاہی
شملے بسرِ دوش عمامے کے پڑے ہیں
باندھے ہوئے کمریں درِ دولت پہ کھڑے ہیں

عونؑ و محمدؑ کا علم طلب کرنا:

دونوں کو اشارے سے قریب اپنے بلا کر　　آہستہ یہ فرمانے لگیں دختر حیدرؑ
کیا فکر ہے؟ کس واسطے خاطر ہے مکدر　　وہ رخ کی بشاشت ہے نہ اس طور کے طیور
شب کو تو یہ کہتے تھے شبِ عید یہ شب ہے
قربان گئی پھر یہ قلق تم سے عجب ہے

میدان میں آغاز ہوا چاہتی ہے جنگ　　اس وقت ہے تشویش دلیروں کے لیے ننگ
کھلتا نہیں مطلق کہ ہو کس واسطے دل تنگ　　تر ہو گئے ہیں آنسوؤں سے عارضِ گل رنگ
گھر چھٹنے کا یا باپ کی فرقت کا الم ہے
مجھ سے تو کہو کچھ تمھیں کس بات کا غم ہے

بولے وہ خوش اطوار سخن ماں کے یہ سن کر　　کچھ رنج نہیں ہے ہمیں حضرت نہ ہوں مضطر
اس وقت اگر تھا تو یہی دھیان تھا مادر　　ہم کو شہِ دیں نے نہ دیا منصبِ جعفرؑ
یہ اوج یہ رتبا یہ حشم ہم نے نہ پایا
حسرت ہے کہ نانا کا علم ہم نے نہ پایا

دانتوں میں زباں داب کے کہنے لگیں زینبؑ　　ہاہا! تمھیں یہ فکر مناسب ہے بھلا کب؟
جو ہو چکا اس ذکر سے کیا فائدہ ہے اب　　عباسؑ سے نادم ہو بہن کیا ہے یہ مطلب
اُس پر تمھیں ترجیح کسی طور نہیں ہے
چھوٹا مرا بھائی ہے کوئی اور نہیں ہے

پیارو! یہ علم ہے علمِ خیبر برایا　　بخشا اُسے نانا نے جسے حکمِ رب آیا
مختار ہے اب احمدؐ مختار کا جایا　　ہاتھ آیا اُسی کو جسے خالق نے دلایا
آقا سے غلاموں کو گلہ ترکِ ادب ہے
شبیرؑ وہی کرتے ہیں جو مرضیِ رب ہے

کیونکر مددِ شاہِ امم کرتے ہو دیکھوں　　کس شان سے تلواریں علم کرتے ہو دیکھوں
کتنے سرِ کفار قلم کرتے ہو دیکھوں　　کس دھوم سے طے راہِ عدم کرتے ہو دیکھوں
یوں چلتے ہیں سب قافلہ سالار کے آگے
ہے لطف کہ بڑھ جاؤ علمدار کے آگے

تلواروں میں بے خوف و خطر جاؤ تو جانوں　　انبوہ سے اعدا کے نہ ڈر جاؤ تو جانوں
جس کام کے ہو کام وہ کر جاؤ تو جانوں　　جانبازیاں دکھلا کے جو مر جاؤ تو جانوں

یوں نام کرو، نام جو مطلب ہے تمہارا
گڑ جائیں قدم ان میں یہ منصب ہے تمہارا
کس زیست پہ ہو عہدہ و منصب کے طلبگار | مرنا ہے تو کیا جاہ و تجمل سے سروکار
سمجھو ان اشاروں کو، نہیں حاجتِ اظہار | تا عصر نہ تم ہوگے نہ لشکر نہ علمدار
نہ خویش و عزیز اور نہ انصار رہیں گے
مردوں میں فقط عابدِ بیمارؑ رہیں گے

حضرت عباسؑ کا رجز:

حضرت عباسؑ کے حال میں محسن کا یہ مرثیہ لاجواب ہے:

پھر سیفِ زباں ہمدمِ شمشیر دودم ہے
ہٹ جاؤ کہ ہم نہر سے مشکیزہ بھریں گے | تیغوں سے رُکیں گے نہ سنانوں سے ڈریں گے
صادق ہیں زباں سے جو کہا ہے وہ کریں گے | مرتے ہیں ہم اس پر کہ شجاعت سے مریں گے
دل شیر دمِ جنگ و جدل رہتا ہے کس کا
دیکھیں کہ ترائی میں عمل رہتا ہے کس کا
تم نے ابھی ضیغم کو بگڑتے نہیں دیکھا | لشکر کے محلوں کو اجڑتے نہیں دیکھا
شاید درِ خیبر کو اُکھڑتے نہیں دیکھا | دیکھو جو یداللہ کو لڑتے نہیں دیکھا
اس جنگ کو، دو روز کی اس پیاس کو دیکھو
لو حملۂ شیرانۂ عباسؑ کو دیکھو

وصفِ شمشیر:

گردن کشانِ دہر کی قاتل ہے اس کی ضرب | برہم کنِ صفوفِ سلاسل ہے اس کی ضرب
اسلام و کفر میں حدِ فاصل ہے اس کی ضرب | بے فرق فارقِ حق و باطل ہے اس کی ضرب
سکّے پڑے جہادوں میں، ہاتھ اس کا کن رہا
ضرب المثل عرب میں اسی کا چلن رہا
آئی اُتر کے چرخ سے خیر الوریٰ کے پاس | پہنچی نبیؐ کے ہاتھ سے دستِ خدا کے پاس
دس سال تک رہی حسنؑ مجتبیٰ کے پاس | اب ہے حسینؑ بادشہِ کربلا کے پاس
حفظ و امانِ حافظ و قیوم میں رہی
جب سے بنی ہے پہلوئے معصوم میں رہی

تاریکیوں میں کفر کے نجم الھدیٰ بنی　　ظلمت میں فوجِ شام کی بدرالدجیٰ بنی
چمکی بلند ہو کے تو شمس الضحیٰ بنی　　نورِ خدا کے ہاتھ میں عینِ ضیا بنی
پایا ہے اوج فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کرتی ہے کسبِ نور یہ دستِ حسینؑ سے

سیلِ عذاب نوحؑ کے طوفان کی طرح　　باطل شکن غدیر کے اعلان کی طرح
اتری ہے آسمان سے فرقان کی طرح　　فطرت کے ساتھ ساتھ ہے قرآن کی طرح
یکتا ہے آبرو میں اصالت میں جاہ میں
قرآن و آل دونوں ہیں اس کی پناہ میں

ذوالفقار پر مرثیہ نگاروں نے ایک سے ایک مضامین پیدا کیے ہیں لیکن محسن کی ایک بیت ایسی ہے کہ اس کی مثال اساتذہ کے یہاں بھی مشکل سے ہی ملے گی کہتے ہیں:

ہر معرکے میں فرقِ عدو پر چڑھی رہی
دو ہاتھ مرتضیٰؑ سے بھی آگے بڑھی رہی

علم کی تعریف:

غل تھا کہ سروِ باغِ ہدایت ہے یہ علم　　دیکھو نشانِ شاہِ ولایت ہے یہ علم
محبوبِ کبریا کی عنایت ہے یہ علم　　لاریب فیہ نور کی صورت ہے یہ علم
دبتا ہے مہر پنجۂ عرش ارتفاع سے
گرتی ہے برق ہر طرف اس کی شعاع سے

حق نے لوائے حمد دیا ہے اسے خطاب　　سایہ کرے گا حشر میں شیعوں پہ یہ سحاب
ہے یہ وہ ابرِ لطفِ رسولِ فلک جناب　　ٹھنڈی ہے جس سے گرمیِ بازارِ آفتاب
ہے ذکر اس کا آیۂ حُسن المآب میں
طوبیٰ اسی کو حق نے کہا ہے کتاب میں

امام حسینؑ کی جنگ:

جب حملہ ور ہوا اسد اللہ کا اسد　　کٹ کر سروں پہ سر تو جسد پر گرے جسد
انبار تھے سر و بدنِ لشکرِ حسد　　پہنچی سقر میں تیغ کی بھیجی ہوئی رسد
تلوار کو پیام سنا کر رسید کا
شعلے سوال کرتے تھے ھل من مزید کا

جس صف پہ جس پرے پہ شہِ انس و جن پھرے　　زندہ پھرے جواں، نہ سلامت مسن پھرے

گھوڑا جدھر پھرا کے پھرے مطمئن پھرے عادل کا دور آیا عدالت کے دن پھرے
سب زور شور مٹ گیا اہلِ عناد کا
ڈنکا ہوا امامِ امم کے جہاد کا

کیا خوش نما ہیں جوہر شمشیر دیکھیے سر نامۂ جلال کی تحریر دیکھیے
قبضے پہ اس کے قبضۂ شمشیر دیکھیے کہتے ہیں اس کو صحبتِ در گیر دیکھیے
کیا خوب تال میل ہے، کیا نیک ساتھ ہے
وہ سیفِ کبریا ہے یہ خالق کا ہاتھ ہے

قبضہ جو زرنشاں ہے تو یہ ہاتھ زرفشاں تلوار خوں چکاں، ید حضرت گہر فشاں
یہ سرپرستِ خلق، وہ سرتیز و سرفشاں یہ ابرِ رود بار وہ برقِ شرر فشاں
وہ قہرِ رب تو رحمتِ باری یہ ہاتھ ہے
بجلی کا اور ابر کا برسوں سے ساتھ ہے

مصائب:

حضرت زینبؑ کی فریاد:

نوحہ یہ تھا زباں پہ کہ میں ہوگئی تباہ ہے ہے کدھر زمیں پہ گرا فاطمہؑ کا ماہ
کس سمت ہے غریب مسافر کی قتل گاہ سید جدھر ہے کون سی ہے اس طرف کی راہ
رستہ بتا دو مجھ کو دہائی رسول کی
لوگو کہاں لٹی ہے کمائی بتول کی

لوگو مدد کرو کہ فلک کی ستائی ہوں بیکس ہوں، غم رسیدہ ہوں، دکھ درد پائی ہوں
اپنے غریب بھائی سے ملنے کو آئی ہوں بیٹی علیؑ کی فاطمہؑ زہرا کی جائی ہوں
مضطر ہوں، عاجزہ ہوں، اسیرِ محن ہوں میں
اے بھائیو! حسینؑ و حسنؑ کی بہن ہوں میں

وا غربتا کوئی نہیں اتنا کہ رحم کھائے کس جا ہے کربلا کا مسافر پتہ بتائے
سنتا نہیں کوئی مری فریاد ہائے ہائے بھیا تمھیں صدا دو بہن کس طرف کو آئے
پہنچوں میں ان کے نالۂ دلگیر کی صدا
پھر ایک بار دیجیے تکبیر کی صدا

رُباعیات

جو دادِ سخن نہ دے وہ دل کس کا ہے — تحسیں کی صدا حسنِ مجلس کا ہے
محسنؔ تری نظم کیا ہے پڑھنا کیسا — یہ فیض انیسؔ و انسؔ و مونسؔ کا ہے

حائر میں ہے موت زندگانی میری — گذرے گی یہیں حیاتِ فانی میری
محسنؔ درِ شہ پہ بیٹھ کر میں نہ اٹھا — آخر کام آئی ناتوانی میری

دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنے والے — مجلس میں ہیں کب سکوت کرنے والے
یہ لوگ ہیں سب عاشق و شیدائے حسینؑ — جیتے رہیں اِس نام پہ مرنے والے

سلام

(غیر مطبوعہ)

مجرائی بے کفن جو شہِ کربلا رہے — گریاں پسر کی لاش پہ شیرِ خدا رہے
ہے اربعین اُس کی جو پیاسا ہوا شہید — اشکوں سے آج چشم کا ساغر بھرا رہے
ہوتی ہے دفن لاشِ شہنشاہِ کربلا — ہر لب پہ آج نعرۂ آہ و بکا رہے
روتے ہیں کربلا میں پسر کو ابوترابؑ — اے مومنو بلند فغاں کی صدا رہے
چہلم کو لاشِ شاہؑ سے زینبؑ نے یہ کہا — ق — بھیا عجیب رنج میں ہم مبتلا رہے
جی بھر کے رونے پائی نہ ماتم میں آپ کے — مانعِ فغاں و آہ کے اہلِ جفا رہے
خیمہ جلا، تباہ ہوئے، مال و زر لُٹا — در پے جفا و ظلم کے سب اشقیا ہوئے رہے
در در پھرے اسیر ہوئے تازیانے کھائے — بازارِ شہرِ شام میں ہم بے ردا رہے
فاقے سہے، سکینہؑ سے چھوٹے ستم اٹھائے — چالیس روز موردِ رنج و بلا رہے
فرمائیے کہ آپ پہ کیا گزری دشت میں — کچھ چین بھی ملا تھا کہ دکھ میں سدا رہے
آئی صدا یہ حلقِ بریدہ سے شاہؑ کی — بھینا قلق یہی تھا کہ تم سے جدا رہے
کچھ رنج اپنی بے کفنی کا نہ تھا بہن — غم تھا کہ بے ردا حرمِ مصطفےٰؐ رہے

محسنؔ بندھے سلام میں مضمونِ گریہ خیز
بحرِ غمِ حسینؑ میں دل آشنا رہے

سلام

(غیر مطبوعہ)

سلامی باغِ جنت کی ہوا کچھ اور کہتی ہے
نسیمِ روحِ محسنؔ کربلا کچھ اور کہتی ہے

ریاضِ خلدِ ہشتم کی فضا کچھ اور کہتی ہے
زمینِ روضۂ پاکِ رضاؑ کچھ اور کہتی ہے

سلامی جاہِ عرشِ کبریا کچھ اور کہتی ہے
تعالیٰ اللہ شانِ کربلا کچھ اور کہتی ہے

ہزاروں کافروں کو ذوالفقارِ شہ نے بھیجا ہے
مگر نارِ جہنم برملا کچھ اور کہتی ہے

دمِ عیسیٰ نے باندھی تھی ہوا اپنی زمانہ میں
ولے اس عہد میں خاکِ شفا کچھ اور کہتی ہے

سب انصارِ حسین ابنِ علیؑ ہیں عہد کے پورے
مگر عباسؑ و اکبرؑ کی وفا کچھ اور کہتی ہے

جو کوہِ طور سے معراجِ موسیٰ کی تجلی ہے
تو سقفِ عرش سائے مصطفیٰؐ کچھ اور کہتی ہے

خدا کے خوف میں رونا بھی ہے مقبولِ حق لیکن
غمِ سبطِ پیمبرؐ میں بکا کچھ اور کہتی ہے

اذاں جس دم شبیہ مصطفیٰؐ نے دی تو سب بولے
سنو اللہ اکبر یہ صدا کچھ اور کہتی ہے

چلا ہے گھر سے حُرؑ حضرت کا رستہ روکنے لیکن
اسے تائیدِ خضرِ رہنما کچھ اور کہتی ہے

مہوّس کیمیا تجھ کو مجھے خاکِ شفا پیاری
ہوس کچھ اور کہتی ہے ہوا کچھ اور کہتی ہے

جسے نفرین سمجھا تھا حُرِ ابنِ ریاحی نے
وہی تقریرِ شہ بن کر دعا کچھ اور کہتی ہے

عرب کہتے تھے بچپن سے ہیں تصویرِ نبیؐ اکبرؑ
جوانی ان کی اے صلِ علیٰ کچھ اور کہتی ہے

پنہایا ہے علی اصغرؑ کو ماں نے طوقِ منت کا
زبانِ حال سے لیکن قضا کچھ اور کہتی ہے

سلف میں بھی اٹھائے ہیں بڑے غم حق پرستوں نے
مگر رودادِ شاہِ کربلا کچھ اور کہتی ہے

نہیں تو لائقِ تحسیں پہ اے محسنؔ ترے حق میں
انیسؔ و انسؔ و مونسؔ کی دعا کچھ اور کہتی ہے

سلام

(غیر مطبوعہ)

تدبیر کیسی نسخہ کہاں کا کجا علاج
ہے ہر مرض کے واسطے خاک شفا علاج

غربت میں دکھ نہ سہتے جو بیمارِ کربلا
امت کے درد و جرم کا پھر کچھ نہ تھا علاج

مستغنی ہر دوا سے ہے بیمارِ عشقِ شاہ
اپنا علاج آپ ہے یہ دردِ لا علاج

نسخے کی احتیاج نہ حاجت طلب کی ہے
لطف مسیحِ آلِ نبیؐ ہے بڑا علاج

ہے ماتمِ حسینؑ میں ہر قلب دردناک
عیسیٰؑ کے دل کو بھی ہے یہی دردِ لا علاج

اے آفتاب حضرتِ عیسیٰؑ سے پوچھ لے
ہے تیری تپ کا ذرۂ خاکِ شفا علاج

نامِ علیؑ کے لکھتے ہی تسکین ہوگئی
اے عرشِ حق یہی ترے لرزے کا تھا علاج

آ کر نجف میں ابرص و مدقوق و کور و شل
اک آن میں صحیح ہوئے بے دوا علاج

ہے صحت ولا میں تبرا بھی شرطِ خاص
پرہیز اگر نہ ہو تو کرے نفع کیا علاج

عناب خونِ دل عرقِ اشکِ غم کے ساتھ
ہے یہ مریضِ ماتمِ شبیرؑ کا علاج

بیمارِ عشق خطِ لبِ مرتضیٰؑ ہوں میں
ہے شربتِ بنفشۂ باغِ ولا علاج

نامِ حسینؑ لب پہ ہے آنکھوں میں اشکِ غم
یوں چاہیے مریضِ گنہ کو دعا علاج

محسنؔ مریض ہجر امامِ زماں ہوں میں
ہے خاکِ پائے عیسیٰؑ دوراں مرا علاج

maablib.org

سلام

(غیر مطبوعہ)

ابر نادم ہے سلامی چشمِ تر کے سامنے
برق شرمندہ ہے آہِ پُر شرر کے سامنے

چشم کا دعویٰ یہ ہے اہلِ نظر کے سامنے
خشک ہو جائے جو برسوں ابرِ تر کے سامنے

بابِ صحنِ روضۂ شہؑ ہے نظر کے سامنے
گلشنِ جنت کا در ہے اپنے گھر کے سامنے

اللہ اللہ کیا دلاور تھے رفیقانِ حسینؑ
کر دیئے سینے سپر تیغ و تبر کے سامنے

کیا تلاطم بحرِ عالم میں ہے کہتے تھے حسینؑ
ہم ہیں پیاسے اور دریا ہے نظر کے سامنے

قدر اس کی ہو گئی کم آبرو جاتی رہی
رکھ دیا دُرِّ نجف کو جس گہر کے سامنے

قلب میں فوجِ خدا کے قاسمؑ و اکبرؑ تھے یوں
جس طرح سینہ میں دل ہوئے جگر کے سامنے

گرمیِ پرتو سے جل کر رہ گئی وہ ہاتھ میں
برقِ تیغِ شاہ چمکی جس سپر کے سامنے

دانۂ اشکِ عزا کا مشتری ہے خود خدا
آبرو کیا موتیوں کی اِس گہر کے سامنے

گرمیِ سوزِ دروں دکھلا دوں گر خورشید کو
سرد ہو جائے میرے داغِ جگر کے سامنے

حبذا رفعت زہے اوج و وقار و منزلت
آسماں بھی پست ہے حیدرؑ کے در کے سامنے

کہتے تھے اصحابِ شہؑ حوریں وہ ہیں غلماں وہ ہیں
منتظر رضواں ہے وہ جنت کے در کے سامنے

ساغرِ صہبائے ؟ ؟ سے لڑی ہے اپنی آنکھ
حوضِ کوثر وہ چھلکتا ہے نظر کے سامنے

مَل کے خونِ زخمِ سر چہرے پہ کہتے تھے حسینؑ
آج جاؤں گا یوں ہیں خیر البشرؐ کے سامنے

کیا عجب محسنؔ جو ہو مقبول یہ تیرا سلام
نذر کو لے چل شہِ جنّ و بشر کے سامنے

مرثیه محسن اصلاح مونس

یا فتاح

مرثیہ

بند ۱۰۱

اے طبع رسا طور تجلائے سخن ہو

حال حضرت امام حسین علیہ السلام

مصنفۂ جناب محسن جونپوری الملقب بہ خان بہادر و ذوالقدر بہادر شاگرد رشید

حضرت خدائے سخن اعلی اللہ مقامہ

بپاس خاطر

برخورداران سید ابوظفر و سید ابوجعفر و سید علی تقی سلمہم اللہ تعالیٰ

ابوطالب زیدی تحریر نمود

قلمی مرثیے کا سرورق

قلمی مرثیے کا صفحہ

سید محمد محسن ذوالقدر بہادر محسنؔ جونپوری

مرثیہ

در حال امام حسینؑ

۱۰۱ بند

اے طبعِ رسا طورِ تجلائے سخن ہو　　اے محسنِ بیاں صرف سراپائے سخن ہو
اے خضرِ خرد رہبرِ صحرائے سخن ہو　　اے رنگِ فصاحت چمن آرائے سخن ہو
کھل جائے دل اس طرح کہ گلزار دکھا دے
گلدستۂ فوجِ شہِ ابرار دکھا دے

اے نورِ ذکا اخترِ اقبالِ سخن ہو　　اے فکرِ بلند آیتِ اجلالِ سخن ہو
اے لوحِ دل آئینۂ قتالِ سخن ہو　　اے چشمِ خرد محوِ خط و خالِ سخن ہو
نقشہ چمنِ قدرتِ باری کا دکھا دے
جلوہ شہِ والا کی سواری کا دکھا دے

اے نطق رواں کر، یمِ مواجِ فصاحت　　ہو اے دُرِ مضموں گہرِ تاجِ فصاحت
اے قلب اُٹھا رایتِ افواجِ فصاحت　　اے ذہن دکھا رتبۂ معراجِ فصاحت
سروِ چمنِ مرتضوی رن پہ چڑھے گا
ہاں راکبِ دوشِ نبویؐ رن پہ چڑھے گا

جاتی ہے سوئے دشتِ وغا فوجِ حسینی　　فاقوں میں ہے مشتاقِ غزا فوجِ حسینی
کس اوج پہ ہے صلِّ علیٰ فوجِ حسینی　　ہے فوجِ نبیؐ فوجِ خدا فوجِ حسینی
اس فوج میں سب مائلِ فریادرسی ہیں
کمریں حق و باطل کی جدائی پہ کسی ہیں

آمادۂ میداں جگر و جانِ نبیؐ ہے — مشتاقِ وغا فوجِ امامِ عربی ہے
اک ایک جواں مستعدِ حق طلبی ہے — تیار ہر اک ہاشمی و مطلبی ہے
جو شہ کا فدائی ہے وہ مرنے پہ تلا ہے
شقۂ علَمِ لشکرِ شاہی کا کھلا ہے

اصطبل سے شبدیزِ امامِ زمن آیا — طاؤسِ خراماں تھا کہ سوئے چمن آیا
آراستہ زیور میں وہ آئینہ تن آیا — یا بن کے پریزاد غزالِ ختن آیا
روشن ہے زمیں ہیکلِ زرّیں کی جھلک سے
ثابت ہے کہ سیّار اُتر آئے فلک سے

طالع ہوا زیں پر جو مہِ برجِ امامت — اقبال پکارا کہ شہنشاہ سلامت
شوکت نے صدا دی کہ زہے فخر و کرامت — قائم رہے یہ جاہ و حشم تا بہ قیامت
بالا سرِ افلاک سے پایہ رہے تیرا
تا حشر ہوا خواہوں پہ سایہ رہے تیرا

میداں کو بڑھا جب فرسِ سیدِ والا — گردِ مہِ زہراؐ رفقا ہو گئے ہالا
کیا شان تھی العزۃُ للہ تعالا — اوجِ ارضِ مقدس کا ہوا عرش سے بالا
صدقے تھے ملک شوکتِ سلطانِ زماں پر
تکبیر کے نعرے تھے نقیبوں کی زباں پر

وہ شانِ شہِ دیں کی وہ شوکت وہ تجمل — اجلالِ نبیؐ، دبدبۂ صاحبِ دُلدل
تھے بیچ میں اصحاب کے سلطانِ جزو کل — گلزارِ امامت میں بہم تھے گل و بلبل
صحرا کو شرف گلشنِ جنت کا مِلا تھا
عاشور کو جنگل میں عجب باغ کِھلا تھا

غل تھا کبھی یہ اوجِ سواری نہیں دیکھا — ایسا حشم بادِ بہاری نہیں دیکھا
یوں نکہتِ فردوس کو ساری نہیں دیکھا — یوں نور کا دریا کوئی جاری نہیں دیکھا
ایثارِ کُن گوہرِ اغراض یہی ہے
بحرِ کرمِ مبدۂ فیّاض یہی ہے

باہم تھے یہ حورانِ بہشتی کے اشارے ہیں حُسن میں ہمشکل یداللہ کے پیارے
شکلِ مہِ کنعاں بھی مٹی دل سے ہمارے یوسفؑ نے کبھی خواب میں دیکھے نہ یہ تارے
اس نور کے رُخ جنّ و ملک نے نہیں دیکھے
چاند ایسے کبھی چشمِ فلک نے نہیں دیکھے

کیا شان ہے عباسؑ حق آگاہ کو دیکھو تصویرِ شباب اسدؑ اللہ کو دیکھو
اقبال و شکوہ و حشم و جاہ کو دیکھو حیدرؑ کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
رایت یونہی کاندھے پہ اٹھائے تھے علیؑ بھی
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے علیؑ بھی

ہمشکلِ پیمبرؑ کے تجمل پہ کرو غور دیکھا انھیں اور یاد نبیؐ آ گئے فی الفور
لاریب یہ احمدؐ کا یگانہ ہے نہیں اور بالکل وہی نقشہ وہی صورت ہے وہی طور
صانع نے بنائی ہے یہ تمثالِ محمدؐ
اے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ آلِ محمدؐ

لڑکے جو چپ و راسِ شہنشاہ ہیں دونوں لختِ دلِ بنتِ اسد اللہ ہیں دونوں
یہ لال جو عباسؑ کے ہمراہ ہیں دونوں مسلمؑ کے یتیمانِ حق آگاہ ہیں دونوں
دولھا جو بنا ہے یہ عجب غنچہ دہن ہے
حضرت کا بھتیجہ ہے، جگر بندِ حسنؑ ہے

پیدل ہیں جو ہمراہِ شہِ طیب و طاہر آقا کے محب ہیں یہ حبیب ابن مظاہرؑ
جو عشق ہے مولا سے انھیں سب پہ ہے ظاہر مشتاقِ فنِ جنگ، کمالات سے ماہر
بچپن سے شہِ دیں کی رفاقت میں پلے ہیں
یہ خدمتِ آخر ہے کہ مرنے کو چلے ہیں

کہتے ہیں بصد لطف یہ شاہنشہِ ابرار تکلیف مناسب نہیں اب تم بھی ہو اسوار
وہ عرض یہ کرتے ہیں کہ اے خلق کے سردار خادم کو اسی خاکِ قدم سے ہے سروکار
نقشِ سمِ توسن کو ان آنکھوں سے ملوں گا
آقا میں سواری میں پیادہ ہی چلوں گا

کس طرح بھی دامن زیں ہاتھ سے چھوٹے کیونکر سندِ خلد بریں ہاتھ سے چھوٹے
تا زیست رکابِ شہِ دیں ہاتھ سے چھوٹے ممکن ہے کہ یہ حبلِ متیں ہاتھ سے چھوٹے
ہاں لے کے رضا جنگ کی توسن پہ چڑھوں گا
تب ہوں گا میں اسوار کہ جب رن پہ چڑھوں گا

روشن جو ہوا دشتِ وغا لشکرِ دیں سے میداں کا ہوا اوج فزوں چرخِ بریں سے
گردوں کو کیا خاک نے گرد اُٹھ کے زمیں سے ذرّے ہوئے سب تاج ستاں مہرِ مبیں سے
دربارِ سخی میں جو ملا بار ہوا کو
صحرا نے دیا خلعتِ زرتار ہوا کو

اس سمت بنے رن میں پرے فوجِ خدا کے میداں سے ادھر غول بڑھے اہلِ جفا کے
نکلے کئی اسوار سمندوں کو بڑھا کے تیروں نے دیا حرب کا پیغام ادھر آ کے
دیکھا جو مہیائے ستم لشکرِ کیں کو
جوش آ گیا جرأت کا سپاہِ شہِ دیں کو

سنبھلا کوئی رہوار کو زانو میں دبا کے جھوما کوئی گردان کے دامن کو قبا کے
غصہ میں کوئی رہ گیا ہونٹوں کو چبا کے تن کر کوئی بولا کہ نثار آلِ عبا کے
ابرو پہ کسی شیرِ دلاور کے بل آیا
جھنجھلا کے پرے سے کوئی صفدر نکل آیا

بھالے کو سنبھل کر کسی غازی نے سنبھالا ناوک کسی جانباز نے ترکش سے نکالا
اور ہاتھ کو قبضے پہ کسی شیر نے ڈالا ترچھا ہوا بل کھا کے کوئی گیسوؤں والا
بپھرا کوئی اور غیظ سے تھرّا گیا کوئی
بڑھ کر شہِ والا کے قریب آ گیا کوئی

لے لے کے بصد شوق رضائے شہِ والا جانے لگے رن کو رفقائے شہِ والا
کامل تھی دلوں میں جو ولائے شہِ والا ہونے لگے جانباز فدائے شہِ والا
غل تھا کہ بڑھا جو اُسے ہٹتے نہیں دیکھا
شیروں کو بھی اس طرح جھپٹتے نہیں دیکھا

کام آئے لڑائی میں جو اصحاب خوش انجام　　حضرتؑ کے عزیزوں نے کیے رن میں بڑے نام
لاکھوں سے لڑے مسلمِ بیکس کے گل اندام　　حیدرؑ کے نواسوں نے الٹ دی سپہ شام
بخشی جو رضا جنگ کی شاہِ مدنی نے
روشن کیا نام اپنا چراغِ حسنیؑ نے

اللہ رے عباسؑ دلاور کی لڑائی　　ہر شخص کو یاد آ گئی خیبر کی لڑائی
اعجاز تھی ہمشکلِ پیمبرؐ کی لڑائی　　تھی پیشِ نظر حیدرِ صفدر کی لڑائی
بعد اُن کے نہ وہ جنگ نہ وہ شور وغا تھا
بس ظہر تلک خاتمۂ فوجِ خدا تھا

جنت کو جوانانِ خوش اطوار سدھارے　　حضرت ہوئے مغموم کہ غمخوار سدھارے
سید کے مجاہد کے مددگار سدھارے　　تنہا شہِ دیں رہ گئے دیندار سدھارے
احباب کا ماتم تھا عزیزوں کا الم تھا
سو داغ تھے اور ایک دلِ شاہِ امم تھا

وہ دوست جو پہلو سے سرکتے تھے نہ دم بھر　　افتادہ تھے بے غسل و کفن گرم زمیں پر
وہ لختِ جگر جن سے قوی تھا دلِ سرور　　تھے غرق نجوں خاک پہ اُن کے تنِ اطہر
کھیت ایسے نہ ہرگز کبھی گیتی میں پڑے تھے
ٹکڑے دلِ شبیرؑ کے ریتی میں پڑے تھے

خالق نہ دکھائے غمِ اولاد بشر کو　　یہ داغ جلا دیتا ہے سینے میں جگر کو
کھوئے نہ کوئی باپ برابر کے پسر کو　　موت آ کے نہ لوٹے کسی مظلوم کے گھر کو
یہ داغ کسی بیکس و دلگیر سے پوچھو
اولاد کا صدمہ دلِ شبیرؑ سے پوچھو

جس شخص کو یہ دردِ جگر ہو وہی جانے　　دل جس کا تہِ تیغ و تبر ہو وہی جانے
یوں جس سے جدا نورِ نظر ہو وہی جانے　　جس باپ کو اندوہِ پسر ہو وہی جانے
بارِ غمِ فرزند جواں اُٹھ نہیں سکتا
صابر سے بھی یہ کوہِ گراں اُٹھ نہیں سکتا

سب تھے مگر اب خویش و پسر کوئی نہیں ہے　　پہلو میں بجز تیر و تبر کوئی نہیں ہے
غمخوار بجز دیدۂ تر کوئی نہیں ہے　　ہمدرد بجز زخمِ جگر کوئی نہیں ہے
ہمدم ہے اس آفت میں تو شمشیرِ دودم ہے
دلسوز اگر ہے تو فقط آتشِ غم ہے

گھیرے ہوئے ہیں چار طرف ظلم کے بانی　　تنہا ہے لعینوں میں یداللہ کا جانی
گذرے ہیں کئی روز کہ پایا نہیں پانی　　سوکھی ہے زباں منہ میں یہ ہے تشنہ دہانی
رُخ زرد ہے بریاں دلِ مغموم ہے بر میں
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ جانسوز جگر میں

تلواریں لئے سامنے خونخوار کھڑے ہیں　　جوڑے ہوئے تیروں کو کماندار کھڑے ہیں
پتھر لئے ہاتھوں میں دل آزار کھڑے ہیں　　اس بھیڑ میں تنہا شہِ ابرار کھڑے ہیں
نرغہ ہے نبیؐ زادی پہ افواجِ عدو کا
جو شخص ہے پیاسا ہے وہ پیاسے کے لہو کا

غربت میں ہے فوجِ الم و دردو بلا ساتھ　　تنہائی میں ہے قافلۂ صبر و رضا ساتھ
بیکس ہیں پہ ہے دردِ فراقِ رفقا ساتھ　　داغِ غمِ اولاد ہے تا ملکِ بقا ساتھ
جب کھینچتے ہیں آہِ غم انگیز جگر سے
تیر آتے ہیں پُرسے کو عزیزوں کے اُدھر سے

اُس روز کی گرمی کا اگر حال ہو تحریر　　خامے کی زباں گرمِ فغاں ہو دمِ تسطیر
ہو دائروں میں شعلۂ جوالہ کی تاثیر　　ہر مد میں کھنچے نالۂ دلسوز کی تصویر
ٹپکیں یہ اگر اشکِ عزا دیدۂ نم سے
قرطاس بھی جل جائے اسی آتشِ غم سے

وہ وقتِ زوال اور وہ خورشید کی حدت　　وہ فصلِ نمود اور وہ گرمی کی اذیت
وہ لوں وہ طپش دشت کی وہ دھوپ کی حدت　　جلتی تھی زمیں گرم تھا بازارِ حرارت
تھے اخگرِ آب کہ آتش کا دھواں تھا
دوران تھا گردوں کو ہوا کو خفقاں تھا

خوباں چمن تھے تپ محرق میں گرفتار　　صاف آتشِ گل سے گل آتش تھے نمودار
جلتا تھا ہر اک سبز شجر مثلِ خس و خار　　پکے ہوئے زخموں کی طرح پکتے تھے اثمار
انگارہ بنا تھا رُخِ گلنار دہک کر
اُف اُف کی صدا دیتے تھے غنچے بھی چٹک کر

ارمانِ حرارت تھا رگِ گل سے جو پیدا　　بریاں ہوئے جاتے تھے دلِ بلبلِ شیدا
دکھلاتے تھے لالے دلِ سوزاں کا سویدا　　تھی حرقتِ سودا رُخِ سوسن سے ہویدا
تھا قلبِ صنوبر میں تلاطم خفقاں سے
آلودہ ہوئے دیدۂ نرگس یرقاں سے

گرمی تھی گذر دھوپ جو چھن چھن کے تہہ آب　　سایہ نہ ٹھہرتا تھا کہیں صورتِ سیماب
پانی کا مزاج آگ تھا اللہ ری تب و تاب　　تہہ پر تھے نہنگ اور ہوئے ہو جاتے تھے بیتاب
تھی تیرگی سوزِ دروں بحر کے کف میں
تل بن گئے تھے جل کے گہر دستِ صدف میں

صحرا میں ہوا تھی جو ہر اک سمت شرر بار　　سُرخ بنتے تھے شعلوں کی طرح دشت کے اشجار
کیا سخت تپش تھی کہ جلے جاتے تھے کہسار　　تھے دشت و جبل سایۂ دامن کے طلبگار
گرمی کا اثر قاف سے تا قاف عیاں تھا
پریوں کو جنوں تھا، تو جنوں کو خفقاں تھا

وہ دھوپ کی حدت وہ پہاڑوں کی ہوا گرم　　وہ چار طرف معرکۂ حرب و وغا گرم
فوجوں میں وہ ہنگامۂ آشوب و جفا گرم　　کی ان میں قیامت کی تب و تاب نے جا گرم
خنکی کا اثر آب و ہوا میں تھا نہ، گل میں
چھپتے تھے دم سرد بھی سردابۂ دل میں

گرمی تھی کہ تھی چار طرف شعلہ ورِ آتش　　جنگل میں ہوا تھی کہ میانِ سقرِ آتش
دن گرم زمیں آگ تو سب دشت و درِ آتش　　لشکر کے فرس ہو گئے تھے نعل درِ آتش
سنولا گئے تھے ڈھالوں کے رُخ دھوپ میں جل کر
تلواریں برہنہ تھیں نیاموں سے نکل کر

تھی دھوم یہ لشکر میں کہ ہے آج بڑی دھوپ　　سرگرمیِ ہنگامۂ محشر سے لڑی دھوپ
آنچ اس کو لگی تیغ کی جس پردہ پڑی دھوپ　　فولادی زرہ موم ہوئی کھا کے کڑی دھوپ
منقل کا ہر اک مغفرِ آہن پہ گماں تھا
شعلہ سرِ مشعل کا سنانوں سے عیاں تھا

پھنکتی ہوں میں اس دم یہ صدا دیتی تھی قرنا　　مشکل تھا تپ سوزِ جلاجل کا اُترنا
دشوار تھا نالوں کا دلِ نے میں ٹھہرنا　　شہنا سے نہ ممکن تھا دمِ سرد کا بھرنا
تاشوں کے بجا ہوش نہ تھے دشتِ وغا میں
دل عود کا جلتا تھا یہ گرمی تھی صدا میں

قربانِ شکیبائیٔ مولائے غریباں　　اس دھوپ میں بے چتر تھا وہ فخر سلیماں
نہ ڈھال تھی چہرے پہ نہ تھا سایۂ داماں　　شکر کرمِ حق میں لبِ پاک تھے جنباں
تالو سے زباں لپٹی تھی کانٹے تھے دہن میں
تھا غرق عرق رختِ کہن پھول سے تن میں

بجتے تھے اُدھر فوج میں سنج و دف و قرنا　　کڑکا تھا کہ ہاں نام رہے بات وہ کرنا
سید کا لہو آج دمِ تیغ میں بھرنا　　دنیا کے جو طالب ہو تو عقبیٰ سے نہ ڈرنا
وقفہ نہ کرو کاٹ لو سر سبط نبیؐ کا
کھولو کمریں لوٹ کے گھر سبطِ نبیؐ کا

ناگاہ ہوئی دھوم مبارز طلبی کی　　بل آ گیا تیوری پہ اُدھر سبط نبیؐ کی
پہلو سے صدا آئی رسولؐ عربی کی　　ہاں کچھ تو مناسب ہے سزا بے ادبی کی
مظلومی دکھائی انھیں قوت بھی دکھا دو
حجت نہ رہے کوئی شجاعت بھی دکھا دو

یہ سن کے سنبھل بیٹھے فرس پر شہ دلگیر　　اعدا کو صدا دی کہ بڑھو اب نہیں تاخیر
لو دیکھ لو ان حادثوں میں قوتِ شبیرؑ　　ہشیار خبردار کھنچی اب مری شمشیر
لو میان سے خود تیغ دو پیکر نکل آئی
لو برقِ طپاں ابر سے باہر نکل آئی

اب دیر ہے کیا جنگ کو لشکر کے یل آئیں　　جو رستمِ یکجا ہوں پروں سے نکل آئیں
جانبازی دکھائیں تہِ تیغِ اجل آئیں　　ایک ایک اگر نہ آ سکے دَل کے دَل آئیں
یہ فوج ہے کیا کیا یہ صفیں کیا یہ پرے ہیں
روباہ کے مجمعے سے کہیں شیر ڈرے ہیں

باندھے ہو صفیں گرد، کہو کس طرف آئیں　　کس مورچے پر توڑ کے لشکر کی صف آئیں
ہم وہ ہیں کہ جس معرکہ میں سربکف آئیں　　دکھلاتے ہوئے سطوتِ شاہ نجف آئیں
ان فاقوں میں بھی قوت شبیرؑ وہی ہے
جوہر وہی طاقت وہی شمشیر وہی ہے

کس قوم نے خیبر کی لڑائی نہیں دیکھی　　کس فوج نے صفدر کی لڑائی نہیں دیکھی
کس دَل نے غضنفر کی لڑائی نہیں دیکھی　　اب دیکھو جو حیدرؑ کی لڑائی نہیں دیکھی
صورت نظر آ جائے گی خالق کے ولی کی
سہل اس کو نہ جانو یہ لڑائی ہے علیؑ کی

لو چلتی ہے لشکر پہ یہ شمشیر خبردار　　فوجوں کی صفائی میں نہیں دیر خبردار
کشتوں کا لگا دیتا ہوں میں ڈھیر خبردار　　جاتا ہے ترائی کی طرف شیر خبردار
اس فوج سے احمدؐ کا نواسا نہ رُکے گا
دریا تو رُکا تم سے یہ پیاسا نہ رُکے گا

لو حکم گیا حکم جدال آیا ہے سنبھلو　　فرمانِ قضا بہر قتال آیا ہے سنبھلو
اے شامیوں ہنگامِ زوال آیا ہے سنبھلو　　مظلوم کو صابر کو جلال آیا ہے سنبھلو
اے سنگ دلو قہرِ حق آتا ہے سرک جاؤ
لرزے میں زمیں کا طبق آتا ہے سرک جاؤ

لو حملۂ شیرانۂ شبیرؑ کو دیکھو　　لو صولتِ ضرغام عدوگیر کو دیکھو
لو رنگ بدلتی ہوئی شمشیر کو دیکھو　　لو مرگِ مفاجات کی تصویر کو دیکھو
فرمانِ قضا رک نہیں سکتا سپروں پر
تیغ اس کو نہ جانو اجل آتی ہے سروں پر

ڈھالوں پہ نہ چلتی ہوئی تلوار رُکے گی　　　　اس برق سے کیا برقِ شرر بار رُکے گی
سو بار چلے گی یہ نہ اکبار رُکے گی　　　　میں روک نہ لوں گا تو نہ زنہار رُکے گی
بڑھتی ہے تو ہٹتی ہے صفِ فوج کو کھا کر
گرتی ہے تو اٹھتی ہے عمل اپنا بٹھا کر

اسلام کی عالم میں ہوئی دھاک اسی سے　　　　کفار کا قصہ بھی ہوا پاک اسی سے
کانپا کئے سرکش تہہِ افلاک اسی سے　　　　جن زیرِ زمیں چل کے ہوئے خاک اسی سے
بے سر تنِ کفار تنومند کیے ہیں
تم کیا ہو بنی جان کے دم بند کیے ہیں

سن کر یہ رجز ہل گئے دل پیل تنوں کے　　　　تھرائے جگر سینوں میں روئیں بدنوں کے
میدان سے رخ پھر گئے ناوک فگنوں کے　　　　دم بند ہوئے خوف سے شمشیر زنوں کے
اُڑ جائیں نہ سر تن سے یہ دھڑکا تھا پروں کو
تھا رعب دبائے ہوئے سنگیں جگروں کو

پسپا ہوئی جاتی صفِ فوجِ ستمگار　　　　یارا تھا یہ کس کو کہ بڑھے چھیڑ کے رہوار
برسانے لگے تیر جو ہٹ ہٹ کے جفاکار　　　　لشکر پہ چلا خود پسرِ حیدرؑ کرار
لی باگ تو رہوار گیا اُڑ کے پروں پر
ابرو کے اشارے سے گئی تیغ سروں پر

تلوار چلی کیا کہ قیامت ہوئی برپا　　　　سرپاؤں پہ گرنے لگے آفت ہوئی برپا
جب ہاتھ اٹھا حشر کی صورت ہوئی برپا　　　　برباد ہوا ظلم ، عدالت ہوئی برپا
جس صف پہ گری دادِ غزا دے کے پھری وہ
بدکاروں کو بدعت کی سزا دے کے پھری وہ

جاتے تھے جدھر فوج پہ سرورِ دمِ پیکار　　　　ہوتے تھے عیاں تیغ کے جوہر دمِ پیکار
پامال پیادے تھے سراسر دمِ پیکار　　　　بیکار تھے سرداروں کے پیکر دمِ پیکار
مرنے پہ بھی آفت تھی ستمگاروں کے اوپر
گھوڑوں کے قدم پڑتے تھے اسواروں کے اوپر

تا قلب گئی جب صفِ اول میں درآئی   چمکا کے فرس شام کے بادل میں درآئی
مانندِ اسد فوج کے جنگل میں درآئی   اُس غول کو پسپا کیا اس دل میں درآئی
پنجے میں جو آیا اسے چھٹتے نہیں دیکھا
غل تھا کبھی یوں فوج کو لٹتے نہیں دیکھا

ہلچل ہوئی توسن کو ڈپٹ کر جدھر آئی   گھمساں کیا بھیڑ میں ڈٹ کر جدھر آئی
شیر آیا غزالوں میں جھپٹ کر جدھر آئی   الٹی ہوئی صف روندی پلٹ کر جدھر آئی
دب دب گئے ٹاپوں سے جسد اہلِ حسد کے
ہوتا ہے تحمل کہیں حملوں سے اسد کے

گر میمنۂ نحس پہ رہوار کو ڈالا   گہ میسرۂ شوم سے گھوڑوں کو نکالا
گہ جم کے کیا قلبِ نجس کو تہ و بالا   گہ دم لیا گہ بڑھ کے لڑائی کو سنبھالا
جب ہاتھ اٹھا چن کے نمودار کو مارا
جس صف میں دھنسے ڈھونڈ کے رودار کو مارا

رہتے تھے لڑائی میں جو سب فوج کے آگے   پہلے وہی شمشیر و سپر چھوڑ کے بھاگے
اس حشر میں بھی طالعِ خوابیدہ نہ جاگے   تھے تارِ نفس سینوں میں الجھے ہوئے تاگے
بسمل تھا کوئی اور کوئی غش میں پڑا تھا
ہر رشتۂ جاں سخت کشاکش میں پڑا تھا

کیا منہ کی کراری تھی وہ کرار کی تلوار   عاری تھی ہر اک سرکش و غدار کی تلوار
کھا جاتی تھی آہن شہِ ابرار کی تلوار   اعجاز کا اعجاز تھا تلوار کی تلوار
تھا عاملوں کا ورد کہ سیفی کی دعا ہے
چلاتے تھے ساحر یہی موسیٰ کا عصا ہے

دم بند تھے تیغوں کے تو دشمنوں کی زبانیں   تیروں میں نہ بھالیں تھیں نہ تیروں میں سنانیں
کٹ کٹ کے الجھتی تھیں کمندوں میں کمانیں   ہاتھ اڑ گئے اسواروں کے گھوڑوں کی عنانیں
کیا بند چھٹے سواروں کے پرے لشکرِ شر میں
تسمہ کوئی گردن میں نہ چھوٹا نہ کمر میں

کس قہر کا کس بل ہے کس آفت کا ہے دم خم ۔۔۔ دیکھا نہیں شمشیر مہِ نو میں یہ چم خم
اس قطع کا پایا ہے کسی تیغ نے کم، خم ۔۔۔ منکر کو دکھاتا ہے رہِ قعرِ عدم، خم
جھک جھک کے بتاتی ہے صفِ فوجِ لعیں کو
بھر دونگی میں کشتوں کے تن و سر سے زمیں کو

ستھراؤ کیا فوج کا ہر غول میں پھر کے ۔۔۔ بدلی تھی کہ برسی سپہ شام میں گھر کے
ہر مرتبہ تا چرخ گئی خاک پہ گر کے ۔۔۔ قائل ہوئے منکر ہو ....
اک آن میں کٹ جاتی تھی راہ ارض و سما کی
ہاں حجتِ قاطع تھی وہ قدرت پہ خدا کی

وہ آب کہ آئینۂ ایماں کی جلا ہے ۔۔۔ وہ تاب کہ جو شمعِ شبستانِ وِلا ہے
جو ہر وہ کہ جس سے چمنِ شرع کھِلا ہے ۔۔۔ ڈورا وہ کہ سر رشتۂ دیں جس سے مِلا ہے
وہ آنچ کہ منہ موڑ کے ٹل ٹل گئے ناری
فقرے وہ دھواں دھار کہ جل جل گئے ناری

وہ کاٹ کہ دریا بھی جسے دیکھ کر ڈر جائے ۔۔۔ تیزی وہ کہ پیراک کا دم خون میں بھر جائے
وہ گھاٹ کہ ہر تن سے سر اُس پار اتر جائے ۔۔۔ وہ باڑھ کہ پانی قدِ آدم سے گزر جائے
وہ دہار کہ دہارا ہو خجل بحرِ عدم کا
بہہ جائے روانی میں جہاز اہلِ ستم کا

معشوق کے ابرو سے بھی سر تیز زیادہ ۔۔۔ تیغِ نگہِ ناز سے خونریز زیادہ
دوزخ کی ہوا سے شرر انگیز زیادہ ۔۔۔ اٹھ جانے میں بجلی سے سبک خیز زیادہ
چلتی تھی کبھی سن سے کبھی گرتی تھی شپ سے
جھپکا کے ہر اک چشم کو پھر جاتی تھی جھپ سے

اُس تیغ کی ہیبت احد و بدر میں بیٹھی ۔۔۔ دھاک اس کی ہر آشوب میں ہر غدر میں بیٹھی
اسواروں پہ تن کر صفِ بے قدر میں بیٹھی ۔۔۔ سردار کا سر کاٹ کے خود صدر میں بیٹھی
کی جس پہ نظر نذر میں جاں لے کے اٹھی وہ
جزیے میں بہت نقدِ رواں لے کے اٹھی وہ

دہشت سے اٹھا سکتے نہ تھے بانیِ شر سر　　دب دب کے چھپاتے تھے عدو زیرِ سپر سر
ہر ہاتھ میں گرتا تھا اِدھر جسم اُدھر سر　　صرصر کی طرح فوج میں گرتے تھے وہ سر سر
یوں فرق پہ گرتے تھے سر اُن خیرہ سروں کے
آندھی میں ثمر اُڑتے تھے جیسے شجروں کے

ڈوبی ہوئی ہیں خون میں فوجیں لبِ جو کی　　پیاسی ہے مگر تیغ اسی طرح لہو کی
کھا جاتی تھی بڑھ بڑھ کے صفیں فوجِ عدو کی　　پھر دیکھو تو مانندِ اجل جانوں کی بھوکی
ان مورچوں کو چاٹ کے بھرتا تھا نہیں دم بھی
دم بھرنے کا کیا ذکر کہ خالی ہے شکم بھی

بے سر جو سپاہی تھے تو پامال تھے سردار　　ہر ہاتھ میں ہو جاتے تھے بے دست نبرد دار
کٹ کٹ گئے فقروں سے جوانانِ جگردار　　وارفتہ اگر پیک تو بے ہوش خبردار
باندھی تھی ہوا تیغ نے فریاد کے غل کی
بیٹھی ہوئی تھی خوف سے آواز دہل کی

غالب ہوا تھا رعب یہ شمشیرِ دوسر کا　　تا کا جسے بڑھ کر قدم اس فوج کا سرکا
تھا صاف منہ اس کا تو پرا لشکرِ شر کا　　نہ مورچہ باقی تھا اِدھر کا نہ اُدھر کا
ترشے ہوئے لشکر کے نشاں رن میں پڑے تھے
جھنڈے برشِ تیغِ دوپیکر کے گڑے تھے

جس مورچے پر آ کے لڑائی میں ڈٹی فوج　　آ پہنچی اجل سر پہ چلی تیغ کٹی فوج
تھرّائی زمیں قلب ہلے ڈر کے ہٹی فوج　　تولا اُسے جس دم تو بڑھی موت گھٹی فوج
بھاری تھی یہ ضربت کہ سبک فوجِ دغل تھی
اس دشت میں شمشیر کے پلہ پہ اجل تھی

ہر غول میں پہلے تنِ افسر ہوا بے سر　　خود اڑ گیا اس سر سے یہ خود سر ہوا بے سر
ایک ایک تہہِ تیغِ دوپیکر ہوا بے سر　　سرداروں کے سر کٹ گئے لشکر ہوا بے سر
پامال سوارانِ پُرآشوب ہوئے تھے
رہواروں کے سم فوج کے سرکوب ہوئے تھے

کیا تھے تنِ کفارِ لعینوں کے جگر کیا　　جانا بھی نہ اس نے کہ حجر کیا ہے شجر کیا
جب خود و سپر کاٹ چکی گردن و سر کیا　　جوشن کی کڑی جھیل چکی جب تو کمر کیا
شہ روک نہ لیتے تو وہ لشکر سے نہ رُکتی
کیا لشکرِ شر سدِّ سکندر سے نہ رُکتی

تھی راہِ اماں رن میں پئے لشکرِ شر بند　　فوجوں سے نہ تھی تیغِ شہِ جنؑ و بشر بند
یاں فتح کا در باز، وہاں بابِ ظفر بند　　تھا شور کہ غالب ہوا حیدرؑ کا جگر بند
ہر غول پہ نازل غضبِ ربِّ علا تھا
مثلِ دہنِ زخم درِ نار کھلا تھا

کیا باندھتا نیزے کا کوئی بانیِ شر بند　　کھل جاتا تھا ہر بند میں ہر بند سے ہر بند
تا کا جسے تھا قیدِ اجل میں وہ نظر بند　　مغفر تھا، نہ سر، بندِ کمر تھا، نہ کمر بند
شمشیر علیؑ عقدہ کشائی پہ تُلی تھی
ایک ایک گرہ مشکلِ لاحل کی کھلی تھی

کیا تیزی شمشیرِ دو پیکر ہو قلم بند　　سر میں ہے شگاف ایسا کہ خامے کا ہے دم بند
تھراتے ہیں انگشت کے ہنگامِ رقم بند　　کاغذ کے عرق آتے ہیں ترشے ہیں بہم بند
تحریر جو وصف اس کا مسدس میں ہوا ہے
سب دیکھ لیں ہر بند سے ہر بند جدا ہے

اے سیفِ قلم معرکہ آرائی کہاں تک　　پہنچا ہے لہو قبضۂ تیغِ دو زباں تک
خوں بہہ کے گیا کھیت سے دریائے رواں تک　　رن صاف ہے کرتی ہے نظر کام جہاں تک
میداں میں نہ افسر نہ سپاہی ہیں نہ یل ہیں
اب کشتوں کے پشتوں میں نہاں فوج کے دل ہیں

کب تک یہ روانی تری اے تیغِ زباں بس　　جوہر تری جودت کے ہوئے خوب عیاں بس
دشوار ہے مولا کی شجاعت کا بیاں بس　　بس فوجِ مخالف سے اٹھا شورِ اماں بس
نعرے ہیں نہ کڑکے ہیں نہ آوازِ دہل ہے
اب لشکرِ مقہور میں فریاد کا غل ہے

اس فوج سے آتی ہے صدا شاہِ امم کو   یا سبطِ نبیؐ تاب وغا اب انھیں ہم کو
جوش آ گیا ہے رحم کا دریائے کرم کو   روکے ہوئے ہیں سرورِ دیں تیغِ دودم کو
امت کی تباہی پہ ترس کھاتے ہیں مولا
رہوار کو چمکار کے ٹھہراتے ہیں مولا

دیتے ہیں جو اعدا علی اکبرؑ کی دہائی   دل خون کئے دیتی ہے دلبر کی جدائی
ہے سامنے آنکھوں کے جو دریا کی ترائی   سینہ میں جگر آب ہے یاد آتا ہے بھائی
غم ہے کہ یہ تنہائی برادر نے نہ دیکھی
یہ بیکسی عباسؑ دلاور نے نہ دیکھی

وقت آ گیا ہے عصر کا دن اب ہے بہت کم   مشتاقِ عبادت ہیں شہنشاہِ دو عالم
تلوار کے رکنے سے ہے پھر فوج فراہم   مظلوم کے گرد آ گیا ہے فرقۂ اظلم
پھر تیروں کی بارش ہے ولی ابن ولی پر
تلواریں برستی ہیں حسینؑ ابن علیؑ پر

اک جان کے درپے ہیں دل آزار ہزاروں   ہے ایک دم اور خنجرِ خونخوار ہزاروں
اک سینے کو تاکے ہیں کماندار ہزاروں   اک پھول کو گھیرے ہوئے ہیں خار ہزاروں
تلواریں ہیں نیزے ہیں کمانیں ہیں تبر ہیں
امت کیلئے سرورِ دیں سینہ سپر ہیں

دو دن کی عطش ہے جو لڑے ہیں شہِ والا   پھکتا ہے جگر پیاس سے دل ہے تہہ و بالا
لگتا ہے کبھی جسم پہ تیر اور کبھی بھالا   غش آتے ہیں اور کوئی نہیں تھامنے والا
ہر مرتبہ دل تھام کے رُک جاتے ہیں مولا
پڑتا ہے تبر سر پہ تو جُھک جاتے ہیں مولا

تنہا پہ سواروں کے پرے ٹوٹ پڑے ہیں   گھیرے ہوئے مجروح کو جلاد کھڑے ہیں
اک سینۂ بے کینہ میں سو تیر گڑے ہیں   پیکانوں سے پیکانوں کے سرتن میں لڑے ہیں
یوں تیر ہیں اس نورِ الٰہی کے بدن پر
جس طرح بہم خار ہوں ساہی کے بدن پر

تولے ہوئے ہیں گرز گراں سیکڑوں جلاد　　تلواریں لگاتے ہیں پیاپے ستم ایجاد
سید پہ مسافر پہ ادھر ہوتی ہے بیداد　　ڈیوڑھی پہ ادھر اہلِ حرم کرتے ہیں فریاد
لگتے ہیں یہاں زخم تنِ سرورِ دیں پر
واں دیکھ کے ناموس تڑپتے ہیں زمیں پر

چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یداللہ کی جائی　　بیکس پہ یہ بلوہ ہے دہائی ہے دہائی
بھیجے کسے امداد کو یہ دکھ کی ستائی　　اکبرؑ سا پسر اب ہے نہ عباسؑ سا بھائی
دونوں پسرِ مسلمؑ مضطر بھی نہیں ہیں
قاسمؑ بھی نہیں ہیں مرے دلبر بھی نہیں ہیں

یا احمدؐ مختار نواسے کو بچاؤ　　یا حیدرؑ کرار برائے مدد آؤ
یا فاطمہ زہراؑ کوئی تدبیر بتاؤ　　اے بھائی حسنؑ بھائی کو آفت سے بچاؤ
دیکھو تو کہ بیکس کا عجب حال ہوا ہے
زہراؑ کا جگر تیروں سے غربال ہوا ہے

اے قومِ اسد آکے مسافر کو سنبھالو　　اے اہلِ نجف نرغے سے بیکس کو نکالو
آؤ پئے امداد تم اے ماریہ والو　　اے دشت کے شیروں مرے بھائیوں کو بچاؤ
اے وحشیوں کام آؤ کہ آفت کی گھڑی ہے
کونین کے والے پہ مصیبت کی گھڑی ہے

فریاد یہ کرتی ہے اُدھر بنتِ یداللہ　　مظلوم کو گھیرے ہے اُدھر لشکر بدخواہ
اب سینے میں دل اٹکا ہے بیکس منہ سے کہوں آہ　　پیکانِ ستم اور گلوئے شہِ ذیجاہ
پھل بوسہ گہہ خیرورا توڑ کے نکلا
لکھا ہے کہ وہ تیر قفا توڑ کے نکلا

جب خون سے اس زخم کی بھر جاتا ہے چلو　　مل لیتے ہیں منہ پر اسے شاہنشہ خوشخو
غش آنے لگا جب نہ رہا قلب پہ قابو　　گھوڑے سے گرے آپ قریب آئے جفاجو
گرنے پہ بھی تیغوں میں سنبھلنے نہیں پاتے
اس کرب میں زانو بھی بدلنے نہیں پاتے

جھک کر ہوئے سیدھے تو لگا تیر جبیں پر　　طاری ہوا غش بادشہِ عرش نشیں پر
تھا خاتمۂ عشقِ خدا سرورِ دیں پر　　ہوش آیا تو سر رکھ دیا سجدے میں زمیں پر

تھی سرخ وہ جا شاہِ حجازی کے لہو سے
گل ہو گئی تھی خاک نمازی کے لہو سے

سجدے میں نمازی پہ ہوئے جو ستم و جور　　کیونکر کہوں لب تک نہیں آتا وہ کسی طور
کافی ہے بس اتنا جو عزادار کریں غور　　جھکتا تھا کہ خنجر لئے شمر آ گیا فی الفور

کیا حال شہادت کا سنا جائے کسی سے
پیاسے کا گلا کٹ گیا بے آب چھری سے

جو ظلم کہ لاشے پہ ہوئے بعدِ شہادت　　کس طرح لکھوں ہو گی کسے تابِ سماعت
ہے ناحیہ مشہور کتابوں میں زیارت　　دیکھو اسے جس دم تو کھلے حالِ مصیبت

لب تک نہیں آتا وہ سخن ہائے حسینؑ
رہواروں کے سُم اور ترا تن ہائے حسینؑ

سید تری مظلومی پہ ہوتا ہے جگر چاک　　کس ظلم سے لوٹی گئی مولا تری پوشاک
ہے ہے وہ زمیں گرم وہ تیرا جسدِ پاک　　اس دھوپ عریاں رہے آقا بسرِ خاک

انگشتِ مبارک کو بد افعال نے کاٹا
ہیہات ترے ہاتھوں کو جمال نے کاٹا

سرور ترے اس تن سے جدا سر کے تصدق　　اس خوں میں بھرے عارضِ انور کے تصدق
ان زخموں کے صدقے تنِ اطہر کے تصدق　　نیزے میں بندھی زلفِ معنبر کے تصدق

غربت پہ نثار اور فدا بے کفنی پر
قربان غلام آپ کی تشنہ دہنی پر

اس دن نہ ہوئے سب یہ محب آپ کے یا شاہ　　کر جاتے ادا حقِ محبت یہ ہوا خواہ
اس عہد میں ہم کیا کریں جز آہ و بکا آہ　　جانسوز ترا غم ہے مصیبت تری جانکاہ

ماتم میں ترے گریہ و زاری نہ چھٹے گی
جب تک کہ ہے دم تعزیہ داری نہ چھٹے گی

محسنؔ یہ فصاحت یہ دل آویزی تقریر ہے جوشِ غمِ سیدِ کونین کی تاثیر
آقا سے یہ کر عرض کہ یا حضرتِ شبیرؑ اس ہند میں رہتا ہوں بہت مضطر و دلگیر
حسرت ہے کہ اُس روضۂ ذی جاہ کو دیکھوں
اِن آنکھوں سے آقا تری درگاہ کو دیکھوں

محیطؔ

نام محمد مرزا، تخلص محیطؔ، میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ حالات و کلام دستیاب نہیں۔ مثنوی ''نظم رہنما'' کی تاریخِ طباعت کہی تھی جو یہ ہے:

زہے فیض سید محمد حسین خوش اخلاق، ذی رتبہ، عالی مقام
سخن سنج، شیریں زباں، نکتہ فہم بدل جس کے مداح ہیں خاص و عام
فصیحِ جہاں، شاعرِ بے نظیر کہ شہروں میں مشہور ہے جس کا نام
کہی مثنوی وہ جو ہے بے مثال اسے کہتے ہیں نظمِ معجز نظام
ہر اک لفظ ہے رشکِ دُرِّ ثمیں بھریں ہیں بلاغت سے بیتیں تمام
ہوئی اس کی تاریخ کی مجھ کو فکر کہ پایا ہے جس سال میں اختتام
ہوا یوں گہر بار کلکِ محیطؔ
گلِ باغِ ایماں یہ ہے لا کلام

۱۲۸۶ھ

مضطرؔ

سید حسن نام، مضطرؔ تخلص، آگرہ میں وکالت کرتے تھے اور ثابت لکھنوی کے عزیز دوستوں میں تھے۔ میر مونسؔ کے شاگرد تھے۔ جب ثابتؔ ''حیات دبیرؔ'' لکھ رہے تھے، تو مرزا دبیرؔ کے چند واقعات انھیں مضطرؔ نے سنائے تھے جن میں سے ایک حکایت ثابتؔ نے ان ہی کے تعارف کے ساتھ حیات دبیرؔ جلد اول صفحہ ۶۸ پر درج کی ہے اور مضطرؔ کے تعارف میں لکھا ہے:

''جناب سید حسن صاحب مضطرؔ وکیلِ آگرہ شاگردِ جناب میر مونسؔ مرحوم''

نظم

نام مرزا آغا حسن، تخلص نظم، لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور میر مونس کے شاگرد تھے۔
(یادگار ضیغم صفحہ ۴۴۴)

لالہ سری رام لکھتے ہیں:
''مرزا آغا حسن صاحب لکھنوی شاگرد جناب مونس مرحوم لکھنوی''
(خمخانہ جاوید جلد ۶ صفحہ ۲۷۱)

رثائی کلام دستیاب نہیں ہے۔ غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

کعبۂ دل میں ہمارے نہ بتوں کو ڈھونڈو — نکلے جس گھر سے پھر اس گھر میں یہ گھر کیا کرتے
زلفیں اُلجھا کے جو سودائی بنا لیتے ہیں — وہ مرے حال پریشاں پہ نظر کیا کرتے

نہ بے رخی سے لگاؤ جگر پہ تیر مژہ — خدنگ ناز تمہارا کبھی خطا نہ کرے

جفا اٹھائی ہے ظلم یار کے اے نظم — مگر زباں کبھی شکوے سے آشنا نہ کری

دریائے غم میں ڈوب کے ابھرا نہ پھر یہ دل — طوفان عشق نے مری کشتی تباہ کی

نعمتیؔ

نام سید علی اصغر، عرفیت وزیر نواب، میر ولایت حسین (صاحب رسالۂ نجات) کے فرزند اور معروف شاعر غضنفر نواب دانشؔ کی والدہ کے دادا اور اُن کے دادا کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی اور نامور مرثیہ خوان سید جاوید حسن (کراچی) کے پردادا تھے۔ اصغرؔ اور نعمتیؔ دونوں تخلص کرتے تھے۔

غضنفر نواب دانشؔ نے ان کے حالاتِ زندگی لکھے تھے جو مجھے جاوید حسن صاحب کی وساطت سے دستیاب ہو سکے۔ اِس سے نعمتیؔ سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات مہیا ہو سکیں:

"حضرتِ نعمتیؔ ۱۵ر نومبر ۱۸۴۸ء مطابق ۱۸ر ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ بمقام پائی گلی، گزری، پٹنہ سٹی (عظیم آباد) [میں] پیدا ہوئے۔ آپ جناب میر عبداللہ (بانیِ خاندانِ گزری) کے فرزندِ اکبر، سید مہدی علی خاں مہدی (تلمیذ حضرت راسخؔ عظیم آبادی) کے نواسے تھے۔ ....وزیر نواب صاحب مرحوم و مغفور، نہایت خلیق، بردبار اور ہنر مند بزرگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ شعر و سخن سے واجبی سا لگاؤ تھا۔ آپ کے شاعرانہ سرمائے کا کوئی سراغ نہیں ملا یہ محض، اک حُسنِ اتفاق ہے کہ مجھے آپ کا ایک مرثیہ جس پر میر مونس مرحوم کی جا بجا اصلاح بھی ہے، دستیاب ہو گیا لیکن اتنی خراب و خستہ حالت میں کہ پڑھنے میں خاصی دشواری کا سامنا ہوا"......

اس یادداشت میں اور بھی بہت کچھ درج ہے لیکن یہاں صرف نعمتیؔ سے متعلق باتیں درج کر دی گئیں ہیں۔

جہاں تک ان کے تخلص کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان کا جو مرثیہ دستیاب ہوا ہے اس کے مقطع میں "اصغرؔ" تخلص ہے جسے کاٹ کر نعمتیؔ کیا گیا ہے یقیناً کیونکہ وزیر نواب، وزیر علی عبرتیؔ کے شاگرد تھے اس لیے ان کے خاندان میں نصرتیؔ، فطرتیؔ، ہجرتیؔ، عشرتیؔ وغیرہ جیسے ہم وزن تخلص ملتے ہیں اور یہی صورت حال عبرتیؔ کے دیگر شاگردوں کے یہاں بھی ہے۔[1]

---

[1] وزیر علی عبرتیؔ کی تصنیفات سے ایک تذکرہ یادگار ہے جس کا نام ہے "معراجِ خیال"۔ اس کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری (پٹنہ) اور دوسرا علامہ طالب جوہری (کراچی) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ہمارے پاس ان دونوں نسخوں کی نقلیں محفوظ ہیں۔ عبرتیؔ کے اس تذکرے میں ان کے شاگردوں کے تفصیلی حالات کے ساتھ ہر شاعر کی ایک مکمل غزل شامل ہے۔ یہ تذکرہ فارسی میں ہے۔ اس تذکرے کے علاوہ عبرتیؔ کی مزید قلمی کتابیں علامہ طالب جوہری کے کتب خانے میں میری نظر سے گزر چکی ہیں۔ معاصر (پٹنہ) فروری، مارچ، دسمبر ۱۹۳۲ء اور مارچ ۱۹۳۳ء کے شماروں میں عبرتیؔ پر مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کا مضمون شائع ہوا تھا۔ [ا۔ ع۔ ن]

اس لیے ممکن ہے کہ عبرتی کے تعلق سے نعمتی کیا گیا ہو۔

سید جاوید حسن (کراچی) نے ایک دن کسی ادبی نشست میں ذکر کیا کہ ان کے پردادا میر مونس کے شاگرد تھے۔ میں نے ان سے تذکرہ کیا کہ میں میر مونس کے شاگردوں پر کام کر رہا ہوں تو انھوں نے بتایا کہ ان کے پاس نعمتی کا وہ مرثیہ بھی ہے جس پر میر مونس کے قلم سے اصلاحیں موجود ہیں۔ میری خواہش پر انھوں نے بلا تکلف، علمی وادبی تعاون کرتے ہوئے یہ مرثیہ مجھے دکھایا اور ساتھ ہی اس کی فوٹو کاپی بھی عنایت فرمائی جوان کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

اب تک یہ مرثیہ اور مرثیہ گو، دونوں گمنامی میں تھے۔ ان کا ذکر پہلی بار سامنے آ رہا ہے۔

مرثیے کے سرورق پر مصنف کے قلم سے یہ عبارت درج ہے:

''مرثیہ نوا پیش کسی نیست سوائے خود راور مطلع رفرصت ہوئی عابد کو جو دفن شہداء سے رمصنف و مالک مرثیہ السید علی اصغر عرف السید وزیر نواب حسینی الحسنی عفی عنہ ربمقام شہر پٹنہ''۔

مرثیہ گیارہ اوراق پر مشتمل ہے، بند کی کل تعداد ۸۳ ہے جس میں سے ۸ بند میر مونس نے کاٹ دیے ہیں اس طرح کل بند ۷۵ ہو گئے ہیں۔ یہ مرثیہ چہلم امام حسینؑ اور اس کے بعد قافلے کی مدینے میں آمد کے حالات پر کہا گیا ہے۔

جگہ جگہ قیمتی اصلاحیں ہیں جن سے انداز ہوتا ہے کہ میر مونس نے بہت توجہ سے اصلاحیں دیں ہیں، چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

مرثیہ نعمتی اور اصلاحِ مونس:

ان کا قلمی مخطوطہ اس وقت سامنے ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مونس نے اس مختصر سے مرثیے پر کتنی توجہ سے اصلاحیں دی ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

نعمتی : سجادؑ تڑپنے لگے منہ کو جگر آیا

اصلاح : دل غم سے ہر اک رانڈ کا سینے میں بھر آیا

نعمتی : غربت میں بڑا داغ ہمیں دے گئے بھائی

اصلاح : پردیس میں داغ اپنا ہمیں دے گئے بھائی

نعمتی : تعویذ پہ منہ رکھ کے پکاری کئی باری

اصلاح : تعویذ پہ منہ رکھ کے یہ بھائی کو پکاری

نعمتی : عابد نے سر قبر پکارا یہ بہ تکرار

اصلاح : چلائے یہ پائینِ لحد عابد بیمار

نعمتی : دل ہل گیا غربت پہ امامِ دوسرا کی

اصلاح : دل جل گیا یاد آئی جو شاہِ شہدا کی

نعمتی : صد شکر کہ پھر گھر میں شہِ بے وطن آئے

اصلاح : یثرب ہوا آباد شہِ بے وطن آئے

نعمتی : نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ زندہ علی اصغرؑ

اصلاح : نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ مسلمؑ کے ہیں دلبر

نعمتی : پہلے جو ہم اتریں گے تو روضے پہ نبیؐ کے

اصلاح : پہلے مجھے لے کر چلو روضہ پہ نبیؐ کے

نعمتی : فضہؑ نے صدا دی یہ عماری کو بڑھا کر

اصلاح : فضہؑ نے صدا دی یہ عماری سے اُتر کر

یہ نعمتی کا واحد دستیاب مرثیہ ہے اس لیے سید جاوید حسن کے شکریہ کے ساتھ مکمل مرثیہ شامل کتاب ہے۔

شجرۂ نعمتی

امام زین العابدینؑ — حسین اصغر — علی سجاد — سید موسیٰ — سید حسن

سید محمد — سید احمد — سید علی — سید حسن — محمد مدنی

سید عمر — سید علی — سید حمزہ — سید احمد — سید زید

جلال الدین — عبدالوحید — سید عبدالحمید — سید حسن — سید سلیمان

سید مسعود غازی — سید قطب الدین — سید محمد — سید داؤد — سید سرور

سید محمد — عبدالمکرم — سید عماد — سید کمال — سید جمال الدین

سید محمد علی — سید مبارک علی — سید میر علی

سید الفت علی

سید ولایت حسین عرف سلطان دولھا

سید پیارے نواب — سید نظیر نواب — سید وزیر نواب — سید امیر نواب — سید نصیر نواب

سید مرتضیٰ نواب

سید وارث حسین (محسن نواب)

سید مہدی علی — سید جاوید حسن

سید حمزہ علی حسن — سید طٰہٰ علی حسن — سید خضر حسن

۲۷

مرثیہ نو

بجز کسی نہیں سوائے خدا

مطلع اول

فرصت ہوئی عابد کو جو دفنِ شہدا سے

مصنفہ مالک مرثیہ سید شاہ محمد معروف بہ میر نواب محمد عنایت حسین نعمتی

تمام شد مرثیہ

قلمی مرثیے کا سرورق

قلمی مرثیے کا صفحہ

سید اصغر حسین نعمتی — غیر مطبوعہ

مرثیہ

درحال چہلم امام حسینؑ وواپسی اہلِ حرم در مدینہ

۷۵ بند

فرصت ہوئی عابدؑ کو جو دفنِ شہدا سے — کہرام ہوا گریہ و زاری کی صدا سے
جانکاہ تھی فرقت جو شہِ کرب و بلا سے — لپٹے تھے حرم، قبرِ امامِ دوسرا سے
سر پیٹ کے یوں روئے جگر بندِ نبیؐ کو
غش آگیا ناموسِ رسولِ عربیؐ کو

پردیس میں خالق یہ مصیبت نہ دکھائے — غربت میں خدا صدمۂ فرقت نہ دکھائے
سب رنج ہوں لیکن یہ اذیت نہ دکھائے — دشمن کو خدا باپ کی تربت نہ دکھائے
یہ قلب پہ صدمہ تھا کہ جی کھوتے تھے عابدؑ
پائینِ لحد بیٹھے ہوئے روتے تھے عابدؑ

دل غم سے ہر اک رانڈ کا سینے میں بھر آیا — پانی جو پسِ دفن مزاروں پہ بہایا
اس حشر میں رو رو کے یہ عابدؑ نے سنایا — پانی یہ وہی ہے کہ جو بابا نے نہ پایا
اس پانی پہ کیا کیا نہ ستم ہو گئے ہے ہے
شانے مرے عمو کے قلم ہو گئے ہے ہے

پانی یہ وہ پانی ہے، جو اصغرؑ نے نہ پایا　　قاسمؑ نے نہ پایا، علی اکبرؑ نے نہ پایا
افسوس کہ عباسِؑ دلاور نے نہ پایا　　اک بوند بھی، فرزندِ پیمبرؐ نے نہ پایا
دنیا سے سفر کر گئے پانی کو ترس کے
سب تشنہ دہن مر گئے پانی کو ترس کے

فرما کے یہ رونے لگا وہ عاشقِ باری　　یہ شدّت گریہ تھی جو رعشہ ہوا طاری
اصغرؑ کی لحد پر یہ پکارے کئی باری　　پیوندِ زمیں چاندسی صورت ہے تمہاری
ویران ہے جنگل شہِ ذی جاہ کو سونپا
بھیا علی اصغرؑ تمھیں اللہ کو سونپا

تم قبر میں سوتے ہو، کدھر ڈھونڈنے جائیں　　پانی ہمیں ہاتھ آیا ہے اب کس کو پلائیں
اماں ہیں کھڑی قبر پہ لینے کو بلائیں　　حیران ہیں بھیا تمھیں کس طرح جگائیں
کیوں ساتھ نہ بیمار کو تم لے گئے بھائی
پردیس میں داغ اپنا ہمیں دے گئے بھائی

جب رسمِ عزا سے ہوئی عابدؑ کو فراغت　　زینبؑ کے قریب آ کے یہ کی عرض بہ منت
اے بنت علیؑ، دخترِ خاتونِ قیامت　　قبرِ شہ مظلوم سے، اب ہوئیے رخصت
گو دل کو نہیں تاب، غمِ شاہِ زمن میں
اب روئیے چل کر شہِ والا، کو وطن میں

سُن پائی جو بیمار نے بابا کی شہادت　　واللہ کہ گزرے گی عجب دل پہ قیامت
خالق کسی دشمن پہ بھی ڈالے نہ یہ آفت　　ناچار و مریض اور یہ صدمہ یہ مصیبت
دنیا سے یقیں ہے کہ گزر جائے گی صغراؑ
گر آپ بھی چھوٹیں گے تو مر جائے گی صغراؑ

جس دن سے مدینے کو مقدر نے چھُڑایا　　بیمار بہن نے مری کیا رنج اٹھایا۔
عاشور کے دن وقتِ زوال اُس کا خط آیا　　لکھا تھا یہ اُس میں کہ ہمیں خوب رُلایا
مرتی ہوں ترقی ہے اب آزار کی بابا
لی خوب خبر فاطمہؑ بیمار کی بابا

اب آپ پھوپھی قافلہ سالار ہیں سب کی ہر امر میں، ہر بات میں مختار ہیں سب کی
اس عالمِ غربت میں خبردار ہیں سب کی یوں سب ہیں مگر آپ ہی غمخوار ہیں سب کی
بے حکم کوئی لب پہ سخن لا نہیں سکتا
جب تک نہ چلیں آپ، کوئی جا نہیں سکتا

خادم کو تو حضرت نے کسی دُکھ میں نہ چھوڑا واللہ کبھی منہ مری جانب سے نہ موڑا
صدمہ یہ اسیری کا جہاں میں نہیں تھوڑا غم لاکھ ہوئے رشتۂ اُلفت کو نہ توڑا
اس عرض کو بھی آپ جو مانیں تو عجب کیا
اب بھی جو اُسی طور سے جانیں تو عجب کیا

سجادؑ نے رو رو کے سخن جب یہ سنائے سر پیٹ کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
جو چاہے وطن جانے کو اور شوق سے جائے لیکن مرے جانے کا سخن لب پہ نہ لائے
گھر سے نہ غرض کچھ ہے مجھے اور نہ وطن سے
اب مر کے اٹھوں گی لحدِ شاہِ زمن سے

اب جا کے مدینے میں کسے شکل دکھاؤں بھائی کو میں کھو آئی یہ صغریٰ کو سناؤں
بہتر ہے یہیں خاکِ عزا سر پہ اڑاؤں واری مرا پردہ ہے اسی میں کہ نہ جاؤں
بن بھائی کی جاؤں گی جو اس ظلم کے بن سے
ہووے گی ندامت مجھے سب اہلِ وطن سے

کیونکر نہ بکا شاہ کی غربت پہ کروں میں کیوں نوحہ و شیون نہ مصیبت پہ کروں میں
تکیہ اب اسی گوشۂ عزلت پہ کروں میں جاروب کشی بھائی کی تربت پہ کروں میں
ہو میری لحد حق کے فدائی کے برابر
حسرت ہے بہن دفن ہو بھائی کے برابر

بیٹا مجھے بھائی کی لحد سے نہ چھُڑواؤ واری مجھے لے جا کے وطن میں نہ بٹھاؤ
قربان گئی لے کے تم ان لوگوں کو جاؤ چلیے پھوپھی اماں، یہ سخن لب پہ نہ لاؤ
دنیا ہے فراموش غمِ شاہِ امم میں
تم جاؤ مجھے چھوڑ دو اس دشتِ ستم میں

پوچھیں جو مری اہلِ مدینہ خبر آکر　　کیا وجہ جو آئی نہیں شبیرؑ کی خواہر
کہنا کہ جدا جب سے ہوئے سبطِ پیمبرؐ　　اُس دن سے لبِ گور تھی وہ بیکس و مضطر
آخر سفرِ ملکِ بقا کر گئی زینبؑ
صدمہ یہ ہوا دل پہ کہ بس مر گئی زینبؑ

کہہ کر یہ سخن منہ پہ لیا گوشہ چادر　　چلنے لگے دل پر الم و درد کے خنجر
پھر رو کے یہ چلانے لگی با دلِ مضطر　　ڈھونڈوں میں تمہیں جا کے کہاں ہائے برادر
افسوس یہ پابندِ محن رہ گئی بھیا
تم مر گئے، رونے کو بہن رہ گئی بھیا

عابدؑ نے بصد عجز جو کی منت و زاری　　بس ہو گئی لاچار یداللہ کی پیاری
تعویذ پہ منہ رکھ کے یہ بھائی کو پکاری　　صدقے ہو بہن چھوٹتی ہے قبر تمہاری
اصرار ہر اک بار کیے جاتے ہیں عابدؑ
لاچار ہوں بھیا کہ لیے جاتے ہیں عابدؑ

اے سیّدِ ابرار خدا حافظ و ناصر　　اے قافلہ سالار خدا حافظ و ناصر
اے رانڈوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر　　اے بیکس و بے یار خدا حافظ و ناصر
سجادؑ کا ارشاد بجا لاتی ہوں بھائی
مجبوری سے میں سوئے وطن جاتی ہوں بھائی

یہ کہہ کے اٹھی قبر سے زینبؑ جگر افگار　　سب قافلہ ہمراہ ہوا چلنے پہ تیار
چلائے یہ پائینِ لحد عابدؑ بیمار　　جاتا ہے مدینے کو غلام اے شہِ ابرار
لاشِ شہداء دفن کیے جاتے ہیں بابا
ہم رانڈوں کو ہمراہ لیے جاتے ہیں بابا

آئی یہ صدا تربتِ شبیرؑ سے اُس آں　　سجادؑ سدھارو کہ ہے اللہ نگہباں
بیمار بہن، واں نہ کوئی دم کی ہو مہماں　　پوچھے مجھے رو رو کے تو کہیو یہ مری جاں
عاشور کو دنیا سے سفر کر گئے بابا
پانی نہ ملا، تشنہ دہن مر گئے بابا

روتا ہوا یہ سُن کے چلا قافلہ سارا　محمل میں جو بیٹھی تو یہ بانو نے پکارا
رکھیے گا خبر گود کے پالے کی خدارا　بے چین ہو شب کو نہ مری آنکھوں کا تارا
داغِ اصغرِ ناداں کا لیے جاتی ہوں صاحب
حضرت کے حوالے میں کیے جاتی ہوں صاحب

یہ سن کے ہر اک بی بی کے آنسو ہوئے جاری　مقتل سے بڑھی آلِ پیمبرؐ کی سواری
ناقے تھے پس و پیش بصد گریہ و زاری　اور بیچ میں تھی حضرتِ زینبؑ کی عماری
منزل پہ بھی راحت نہ ذرا پاتی تھی زینبؑ
روتی ہوئی رستے میں چلی جاتی تھی زینبؑ

القصہ اسی طرح حرم با دلِ مضطر　طے منزلیں کرتے ہوئے جاتے تھے کھلے سر
ناکے پہ مدینے کے جو وارد ہوئے آ کر　منہ ڈھانپ کے رونے لگی شبیرؑ کی خواہر
فرقت میں جو آرام نہ تھا جانِ حزیں کو
غش آ گیا محمل میں یہ روئیں شہِ دیں کو

سر پیٹ کے سجادؑ کو فضہ یہ پکاری　اے قافلہ سالارِ حرم عاشقِ باری
ٹھہرو کوئی دم، تم پہ یہ لونڈی گئی واری　بے ہوش ہیں محمل میں پھوپھی جان تمہاری
صدقے گئی، تازہ کوئی آفت نہ بپا ہو
بہتر ہے کہ ناموس کا خیمہ اسی جا ہو

سن کر یہ سخن رونے لگا قافلہ سارا　سجادؑ حزیں نے، بنِ جزلم کو پکارا
آگے نہ بڑھو، بس یہیں تھم جاؤ خدارا　زینبؑ کی مصیبت پہ کلیجہ ہے دو پارا
رستے میں بہت روئی ہیں فرزندِ نبیؐ کو
ٹھہرو کہ سواری میں غش آیا ہے پھوپھی کو

یہ سن کے رُکے اونٹ سواری کے اُسی جا　جمالوں نے آ کر وہیں خیمہ کیا برپا
سب ناقوں سے اُترے حرمِ سیّدِ والا　بھائی کیلئے روتی رہیں زینبِ کبریٰؑ
ہوتے تھے بہم ذکر شہنشاہِ اُمم کے
تھا حشر بپا خیمے میں رونے سے حرم کے

فضہؓ نے جو عابدؑ سے کہا آ کے یہ ناگاہ رونے سے تھے بے حال ابھی سب حرمِ شاہ
سر کھولے ہوئے، کرتے ہوئے نالۂ جانکاہ قربان گئی، آئے ہیں عبداللہ ذی جاہ
رُخ زرد ہے، تر اشکوں سے دامانِ قبا ہے
تھراتے ہوئے ہاتھ میں پیری کا عصا ہے

اعضائے بدن کانپتے تھے ضعف سے تھر تھر آئے جو قریں زینبؑ دلگیر کے شوہر
اے شخص کہاں ہے خلفِ سبطِ پیمبر سجادؑ کو دیکھا تو یہ کہنے لگے رو کر
ٹکڑے ہے جگر حال پہ اُس حق کے ولی کے
ہم آئے ہیں پُرسے کو حسین بنِ علیؑ کے

دیکھا طرفِ شوہرِ زینبؑ کئی باری یہ سنتے ہی سجادؑ کے آنسو ہوئے جاری
دشمن کو نہ دے داغِ پدر ایزدِ باری تب سینہ و سر پیٹ کے فضہؓ یہ پکاری
پابندِ بلا موردِ بیداد یہی ہیں
قربان گئی سیدِ سجادؑ یہی ہیں

عابدؑ بھی بڑھے کرتے ہوئے نالۂ جانکاہ دوڑے یہ سخن سنتے ہی عبداللہ ذی جاہ
کیا قہر ہوا! دل پہ چھری چل گئی واللہ لپٹا کے گلے شوہرِ زینبؑ نے کہا آہ
مغموم و حزیں، شاہ کی ہمشیر کہاں ہیں!
بیٹا یہ کہو، زینبؑ دلگیر کہاں ہیں!

میں کیا کہوں، ظلم و ستم اعدا نے جو ڈھایا رو رو کے یہ سجادؑ نے اُس وقت سنایا
بے گور و کفن تھا اسد اللہ کا جایا خنجر شہِ مظلوم کی گردن پہ پھرایا
محبوس کیا سب حرمِ خستہ جگر کو
ہم قید سے چھوٹے تو کیا دفن پدر کو

فضہؓ نے کہا حضرتِ زینبؑ سے یہ جا کر اس ذکر سے عابدؑ کے، بپا ہو گیا محشر
پُرسے کیلئے آئے ہیں یاں آپ کے شوہر اے بنتِ علیؑ، شبرؑ و شبیرؑ کی خواہر
تھامے ہوئے دل باغمِ جانکاہ کھڑے ہیں
صدقے گئی، عبداللہ ذی جاہ کھڑے ہیں

یہ سن کے تو زینبؑ پہ ہوا صدمۂ جانکاہ کہنے لگی رو رو کے یہ بنتِ اسد اللہ
کیا سامنے جاؤں کہ تڑپتا ہے جگر آہ کھوآئی ہوں بچوں کو میانِ صفِ جنگ گاہ
بن بیٹوں کے میں اُن کے قریں جا نہیں سکتی
محجوب ہوں، صورت انھیں دکھلا نہیں سکتی

شرم آتی ہے، کیا شکل دکھاؤں انھیں جا کر آئی ہوں اکیلی، نہ بھتیجا نہ برادر
لوٹی گئی پردیس میں تاراج ہوا گھر اعدا نے پھرایا مجھے بے مقنع و چادر
تازہ ہیں الم داغ اسیری کے عیاں ہیں
شانوں پہ ابھی تک مرے رسّی کے نشاں ہیں

سمجھانے سے رانڈوں کے جو زینبؑ ہوئی لاچار روتی ہوئی آئی سوئے شوہر بدلِ زار
آئے جو نظر ماتمِ شبیرؑ کے آثار رونے لگے بیتابی پہ عبداللہ بیمار
دل ہل گیا، یاد آئی جو شاہِ دوسرا کی
نزدیک تھا غش آئے، یہ شدت تھی بکا کی

پر تھام کے رقت کو یہ کی درد سے تقریر واللہ کہ نادم ہوں میں اے خواہرِ شبیرؑ
ہوتی جو علالت سے نہ حالت مری تغیر قدموں سے نہ چھٹتا یہ غلامِ شہِ دلگیر
شدت یہ مرض کی تھی کہ طاقت نہ تھی تن میں
مجبوری سے میں رہ گیا واللہ وطن میں

ہے شکر کہ بچوں نے مرے ساتھ نہ چھوڑا ماموں کی اطاعت میں رہے، ہاتھوں کو جوڑا
اس نرغۂ اعدا میں ذرا منہ کو نہ موڑا کی جان فدا، رشتۂ الفت کو نہ توڑا
گو عالمِ پیری میں جدا ہو گئے، دونوں
پر خوش ہوں کہ ماموں پہ فدا ہو گئے دونوں

مشہور ہوئی جب ، خبر آمدِ سرورؑ مسرور ہوئے اہلِ وطن عاشقِ حیدرؑ
اک عید ہوئی سب کو، خوشی ہوگئی گھر گھر لینے کو چلے لوگ، محلّوں سے نکل کر
مشتاق ہر اک دوست تھا اس حق کے ولی کا
ہر گام پہ تھا ذکر حسینؑ ابنِ علیؑ کا

عوراتِ عرب کہتی تھیں خوش ہو کے یہ باہم صد شکر، پھرے خیر سے سلطانِ دوعالم
زینبؑ کی جدائی میں تڑپتے تھے، بہت ہم اللہ وطن میں انھیں لایا خوش و خرم
دنیا میں رہیں، شاہِ خوش اقبال سلامت
خالق انھیں رکھے صدوسی سال سلامت

ہر سو یہی غل تھا کہ امامِ زمن آئے یثرب ہوا آباد، شہِ بے وطن آئے
کہتا تھا کوئی، اکبرِ شیریں سخن آئے تھا ذکر کہیں، قاسمؑ گل پیرہن آئے
غم دور ہوا، غنچۂ دل آج کھلیں گے
اب عونؑ و محمدؑ سے گلے چل کے ملیں گے

صغراؑ کو کسی نے، یہ خبر جا کے سنائی لو شاد ہو بی بی، کہ مراد آج بر آئی
تھی شاق بہت تم کو عزیزوں کی جدائی صد شکر کہ اللہ نے پھر شکل دکھائی
پہنچے ہیں قریں شہر کے سب آتے ہیں صغریٰ
لینے کے لئے لوگ چلے جاتے ہیں صغریٰ

یہ سنتے ہی خوش ہوگئی شبیرؑ کی پیاری جان آگئی اور دوڑ کے دادی کو پکاری
صد شکر کہ خالق نے دعا سن لی ہماری سنتے ہیں قریب آگئی بابا کی سواری
تشریف مدینے کی طرف لائے ہیں بابا
جلدی مجھے اب لے کے چلو آئے ہیں بابا

وہ بولی کہ میں نے بھی سنا ہے یہ مری جاں آئے ہیں مدینے کی طرف سید ذیشاں
تم باپ کی فرقت میں تڑپتی تھیں میں قرباں صدقے گئی خالق نے کیا ملنے کا ساماں
بہنوں سے، پھوپھی سے، شہ ذی جاہ سے ملنا
جس بھائی کی عاشق ہو، اب اُس ماہ سے ملنا

صد شکر کہ تقدیر نے مژدہ یہ سنایا شبیرؑ کو یثرب میں خدا پھیر کے لایا
سچ ہے کہ جدائی میں بڑا رنج اٹھایا بی بی تمہیں اللہ نے کنبے سے ملایا
شب بھر یونہی رو رو کے بسر ہوتی تھی واری
تارے تمہیں گن گن کے سحر ہوتی تھی واری

صدقے گئی آؤ تمھیں پوشاک پنہائیں سر گوندھ دیں اور آنکھوں میں سرمہ بھی لگائیں
اس دن کیلئے کرتی تھیں راتوں کو دعائیں اب لیجیو، چل کر شہ والا کی بلائیں
مشتاق تھیں تم جن کی، وہ سوئے وطن آئے
دن عید کا ہے آج، کہ شاہِ زمن آئے

وہ بولی کہ کپڑے تو نہ بدلوں گی میں قرباں دادی یونہی رہنے دو مرے بال پریشاں
جب دیکھیں گے یہ حال مرا سرورِ ذیشاں بہنوں کو بھی ہووے گا قلق روئیں گی اماں
کرتا یہ پھٹا اور کھلے بال تو دیکھیں
فرقت میں جو گزرا وہ مرا حال تو دیکھیں

جس دن سے سدھارے پسرِ شاہِ ولایت پوچھا نہ کسی نے بھی ہمیں واہ ری قسمت
اللہ یہیں تک تھی، یہ الفت یہ محبت ہے سب سے زیادہ مجھے اماں سے شکایت
کہتی تھیں کہ فرصت جو ذرا پائیں گے صغراؑ
فوراً تمھیں خط بھیج کے بلوائیں گے صغراؑ

جب سے ہوئی بھیا علی اکبرؑ سے جدائی واللہ کہ راتوں کو مجھے نیند نہ آئی
وہاں جاتے ہیں اس طرح سے بھولے مجھے بھائی خط تک بھی جو لکھا نہیں یوں آنکھ چرائی
میں آج تلک عشق کا دم بھرتی ہوں دیکھو
آئیں تو بھلا، کیسے گلے کرتی ہوں دیکھو

امّ سلمیٰؑ رونے لگیں سن کے یہ تقریر دادی کو لیا ساتھ چلیں گھر سے وہ دلگیر
جاتے ہوئے رستے میں جو ملتا کوئی رہ گیر اس شخص سے یہ پوچھتی تھی دخترِ شبیرؑ
بیتاب ہے دل روح تڑپتی ہے بدن میں
کیوں بھائی یہ سچ ہے کہ حسینؑ آئے وطن میں

وہ کہتا تھا میں نے بھی سنا ہے یہ مکرر ہے آج یہاں داخلۂ سبطِ پیمبرؐ
ہمراہ ہیں سب خویش و پسر مونس و یاور ہے شہر کے ناکے پہ بپا خیمۂ اطہر
پائی ہے خبر آمدِ فرزندِ نبیؐ کی
جاتے ہیں زیارت کو حسینؑ ابن علیؑ کی

یہ سن کے چلی جاتی تھی مغموم و پریشاں رستہ جو نہ کٹتا تھا تو رو دیتی تھی اس آں
امّ سلمیٰؓ کہتی تھیں بادیدۂ گریاں گھبراتا ہے دل خیر کرے خالقِ سبحاں
مشتاق ہوں مدت سے امامِ دوسرا کی
ہو جلد زیارت پسرِ شیرِ خدا کی

دادی کے سخن سن کے یہ کہتی تھی وہ پرغم کیا وجہ کہ بیتاب ہے دل سینے میں اس دم
کھلتا نہیں کچھ حالِ شہنشاہِ دو عالم اشک آنکھوں میں کیوں میری چلے آتے ہیں پیہم
تحقیق ہر کوئی نہیں لاتا ہے دادی
ہو خیر کہ دل غم سے بھرا آتا ہے دادی

وہ کہتی تھیں گھبراؤ نہ اے فاطمہ صغرؑا آتے ہیں کوئی آن میں اب سیدِ والا
دن آج خوشی کا ہے کہ رونے کی ہے یہ جا صدقے گئی دکھ جائے گا چھوٹا سا کلیجا
نالے نہ یہ زاری نہ بکا چاہیے بی بی
سب خیر سے ہوں بس یہ دعا چاہیے بی بی

صغراؑ کو جونہی دور سے آتے ہوئے دیکھا ابنِ حنفیہؒ نے یہ رو رو کے سنایا
ہاں خاک اڑاؤ کہ قیامت ہوئی برپا پردیس میں مارے گئے بی بی شہِ والا
سب اہلِ حرم، تحفۂ غم لائے ہیں صغراؑ
سجادؑ حزیں بچ کے فقط آئے ہیں صغراؑ

زندہ ہیں نہ شبیرؑ نہ شبیرؑ کے یاور اکبرؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ دلاور
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ مسلمؑ کے ہیں دلبر سب تشنہ دہن قتل ہوئے خویش و برادر
خاک اُڑتی ہے وہ دبدبہ و اوج نہیں ہے
کوتل فرس آئے علم و فوج نہیں ہے

ناگاہ، اُسے خیمۂ سرور نظر آیا ماں بہنوں میں، ہنگامہ محشر نظر آیا
نہ بھائی، نہ عموں، نہ برادر نظر آیا صد حیف، کہ اُجڑا ہوا سب گھر نظر آیا
مغموم، ہر اک خاطرِ ناشاد کو پایا
سر کھولے ہوئے سیدِ سجادؑ کو پایا

فضہؑ نے خبر جا کے یہ زینبؑ کو سنائی دیکھو یہ ستم ، فاطمہؑ بیمار بھی آئی
سر پیٹ کے دوڑی، اسد اللہ کی جائی چلائی، کہ جلد آؤ ملاقات کو بھائی
روتی ہے، تسلّی تو ذرا دیجئے آ کر
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجئے آ کر

اس ذکر کے سنتے ہی قیامت ہوئی بر پا چلانے لگی پیٹ کے سر فاطمہ صغراؑ
ہے ہے مرے بابا، مرے بابا، مرے بابا سمجھاتا تھا کوئی تو یہ کہتی تھی وہ دکھیا
کیا ضبط کروں، دل کو قلق ہوتا ہے لوگو
اس غم سے ، کلیجہ مرا شق ہوتا ہے لوگو

پھر رو کے یہ چلائی بصد گریہ و زاری اے صاحبو بتلاؤ میں تم پر گئی واری
جنت میں گئی کب شہِ ذیشاں کی سواری مارا گیا کس دشت میں وہ عاشقِ باری
کس دیس میں شبیرؑ سے منہ موڑ کے آئیں
اماں، مرے بابا کو کہاں چھوڑ کے آئیں

کس سمت سدھارے، مجھے بابا کا پتہ دو للہ چھپاؤ نہ خبر شہ کی، سنا دو
بیتاب ہے دل، شکل سکینہؑ کی دکھا دو سوتے ہوں تو بھیا علی اصغرؑ کو جگا دو
فرقت میں رواں چشم سے اشکوں کی لڑی ہے
بیمار بہن، گود میں لینے کو کھڑی ہے

بانو نے سنا جب یہ سخن پیٹ لیا سر دل تھام کے صغریٰؑ سے کہا اے مری دختر
کیا تجھ کو سناؤں خبرِ سبطِ پیمبرؐ حلقِ شہِ بیکس پہ چلا ظلم کا خنجر
پانی نہ ملا، تشنہ دہن مر گئے شبیرؑ
عاشور کو دنیا سے سفر کر گئے شبیرؑ

ہمراہِ پدر، خلد کو اصغرؑ بھی سدھارے پردیس میں سونا کیا پہلو کو ہمارے
لب خشک تھے، اینٹھی تھی زباں پیاس کے مارے منہ کھول کے کرتے رہے پانی کے اشارے
ہم ان کے لئے آٹھ پہر روتے ہیں بی بی
وہ قبر میں، کٹوائے گلا سوتے ہیں بی بی

کیا حال سکینہ کا کہے تم سے یہ نالاں　　زنداں کا صحن، داغِ فراقِ شہ ذیشاں
روتی تھی تو ہر بار گھڑکتے تھے نگہباں　　آخر کو اسی رنج میں گھٹ گھٹ کے گئی جاں
تازہ الم رنج و مصیبت میں گھرے ہیں
بی بی ہم انھیں شام میں دفنا کے پھرے ہیں

صغرا سے جو کی بانوئے بے پر نے یہ تقریر　　رونے لگی سر پیٹ کے وہ عاشقِ شبیرؑ
اغلب تھا، غش آجائے یہ حالت ہوئی تغیر　　لپٹا کے گلے، بولے یہ تب عابدؑ دلگیر
دنیا میں بہن اب شہِ والا نہ ملیں گے
تا حشر بھی روؤ گی تو بابا نہ ملیں گے

یہ کہہ کے چلے سوئے مکاں عابدِؑ بیمار　　روتے ہوئے ناقوں پہ حرم سب ہوئے اسوار
عابدؑ سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار　　رستے میں ہے واری لحدِ احمدِؐ مختار
آرام نہیں قلب کو، ماتم میں اخی کے
پہلے مجھے لے کر چلو، روضہ پہ نبیؐ کے

جس وقت سنا یہ سخنِ زینبؑ ذیشاں　　سجادؑ اسی سمت چلے چاک گریباں
سب اہلِ وطن ساتھ تھے با دیدۂ گریاں　　ہے ہے شہِ والا کی صدا آتی تھی ہر آں
غل تھا کہ گلے کٹ گئے خویش و رفقا کے
لٹ کر حرم آئے ہیں رسولِ دوسراؐ کے

سب ہودج و محمل پہ جو تھی پوششِ ماتم　　ہوتی تھی عیاں بیکسیِ قبلۂ عالم
سر کھولے ہوئے لوگ بکا کرتے تھے باہم　　آوازِ جرس سے یہ صدا، آتی تھی پیہم
گھر لٹ گیا پردیس میں، خالق کے ولی کا
پیٹو کہ یہ ماتم ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ناگاہ نظر آنے لگا گنبدِ انور　　بیتاب ہوئے سب حرمِ سبطِ پیمبر
فریاد کو سر کھول دیئے سب نے برابر　　فضہؑ نے صدا دی یہ عماری سے اُتر کر
ہٹ جائیں جو خادم ہیں رسولِ عربی کے
پُرسے کو حرم آتے ہیں روضے پہ نبیؐ کے

یہ سن کے ہٹے لوگ، تو خالی ہوئی محمل　　اُترے حرم سبطِ نبی تھامے ہوئے دل
دیکھی جونہی آنکھوں سے ضریحِ شہ عادل　　سینوں میں تڑپنے لگے دل، صورتِ بسمل
رقت نہ ہوئی ضبط، کسی سوگ نشیں سے
لپٹے حرم آتے ہی، ضریحِ شہ دیں سے

زینبؑ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی　　یا ختم رسل دیکھیے اُمت کی برائی
لوٹی گئی پردیس میں زہراؑ کی کمائی　　اب پائی ہے زنداں سے اسیروں نے رہائی
ٹکڑے ہیں جگر رنج و مصیبت میں گھرے ہیں
فریاد کہ ہم سوئے وطن لُٹ کے پھرے ہیں

فریاد کو آئے ہیں حرم، یا شہ ذیشاں　　مغموم و حزیں، خاک بسر، چاک گریباں
کس طرح نہ ہم خاک اڑائیں بصد افغاں　　شبیرؑ کی گردن پہ چلا خنجرِ براں
لب تشنہ زمانے سے سفر کر گئے بھائی
ہم روتے رہے سامنے اور مر گئے بھائی

کیا حال کہیں، ہم پہ جو گزری ہے مصیبت　　صدمہ رسنِ ظلم کا زنداں کی اذیت
گاڑی بھی نہ لاشِ پسرِ شاہِ ولایت　　ہم قید سے چھوٹے تو انھیں مل سکی تربت
میت پہ بھی کیا کیا نہ ستم ہو گئے نانا
دو ہاتھ بھی پہنچوں سے قلم ہو گئے نانا

کس ظلم کا، یہ خستہ جگر حال سنائے　　کیا کیا نہ ہمیں رنج لعینوں نے دکھائے
گھر لوٹ لیا، آگ سے خیمے بھی جلائے　　دربار میں، سر ننگے ہمیں کھینچتے لائے
حالِ حرمِ شاہِ زماں، دیکھیے نانا
رسی کے ہیں بازو پہ نشاں دیکھیے نانا

بس نعمتیؔ خاموش، جگر پھٹتا ہے غم سے　　سب روتے تھے اور پیٹتے تھے فرطِ الم سے
نکلے جو حرم، روضۂ سلطانِ اُمم سے　　عابدؑ کو لیے ساتھ، چلے گھر کو حرم سے
سنسان جگہ دیکھ کے اُس حق کے ولی کی
یاد آ گئی ہر اک کو حسینؑ ابنِ علیؑ کی

نوابؔ

نام سید محمد حسین جعفری، عرفیت نواب جان، تخلص نوابؔ، جونپور کے روسا میں سے تھے لکھنؤ میں قیام تھا۔ کچھ عرصہ مظفر پور میں بھی رہے۔ شیخ محمد جان عروجؔ شاگرد دبیر کی مثنوی ''عروج الفت'' کی تاریخ طباعت کہی تھی جس کی سرخی میں ان کو میر انیسؔ کا شاگرد لکھا گیا ہے:

''جناب حاج سید محمد حسن خان صاحب عرف سید نواب جان (نواب) خویش نواب سید محمد تقی خان مرحوم از نامی شاگردان میر انیس صاحب قبلہ''۔۔۔ (ص ۱۷۴)

محمد عباس آصفؔ کے بیان کے مطابق میر مونسؔ کے بھی شاگرد رہے۔

(اسلاف و اخلاف میر انیسؔ، صفحہ ۲۳۷)

میرے کتب خانے میں نوابؔ کی تصنیف سے ایک رسالہ موسوم بہ ''بیاض المبتدی'' موجود ہے جو مطبع مشرق نور مظفر پور سے طبع ہوا تھا۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں ذاکر حسین ذاکر فیض آبادی (شاگرد نوابؔ)، شیخ محمد جان عروجؔ فیض آبادی (شاگرد دبیرؔ)، مرزا احمد رضا احمدؔ اور میر حسین علی یاس کی تاریخیں شائع ہوئی ہیں۔ نواب کی تاریخ درج ذیل ہے:

زلطفِ باغبانِ دہر شد ترتیب ایں نسخہ — گلِ نو رس میسر گشت بستانِ تمنا را
نظر کردم چوں بر حسنِ بہارِ خطِ ریحانش — شدم پر سنبلِ پیچانِ سطرش والہ و شیدا
خیالِ بلبلِ فکرم شدہ مائل بہ توصیفش — بکن تاریخہا ترقیم طبعم کرد چوں ایما
شدم در فکر و مصروف تلاشِ غنچۂ مطلب — چو دید ایں اضطراب دل چنیں ہاتف شدہ گویا
یکی ہست و ہم ست دیگر فصلی و ہم ہجری — ببیں از شعر آخر میشود ہر بن جدا پیدا

چراغِ خانہ دیدہ — بیاضِ خاص قرص مہ
۱۸۸۳ء — ۱۹۳۹ سنہ

گلِ خوش رنگ نادیدہ — ریاضِ بلبلِ شیدا
۱۲۹۰ف — ۱۳۰۱ھ

مثنوی ''عروج الفت'' کی تاریخ طباعت کہی جو یہ ہے:

مثنوی دل کو نہ بھائے کیونکر — سخنِ عاشقِ فرزانہ یہ ہے
نئی ترکیب نئی بندش ہے — شیوۂ طرزِ جداگانہ یہ ہے

دیدہ سے کیوں نہ سُرور آئے دلا　　پُر مئے کیف سے پیمانہ یہ ہے
اس کی تاریخ یہ لکھ دو نواب
قصۂ عشرتِ جانانہ یہ ہے

۱۳۰۵ھ

مندرجہ بالا تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب کو تاریخ گوئی پر قدرت حاصل تھی۔

دوسری تاریخ فارسی میں ہے:

چوں نظر کردم بحسنِ مثنویِ دلربا　　بہر تاریخش سرِ خود را فرو بردم بفکر
از سرِ اسرار آید مصرعِ تاریخ آں　　داستانِ وصلِ دلبر، قصۂ آسیبِ ہجر

۱۳۰۵ھ

سرورق "بیاضِ مبتدی"

ہنر

ہنر تخلص، وارث علی خاں نام، محلِ شاہی میں خواجہ سرا تھے۔ ان کا ذکر دو تذکروں میں ملتا ہے۔

عبدالغفور نساخ نے لکھا ہے "ہنر تخلص وارث علی خاں خواجہ سرا شاگرد میر نواب مونسؔ باشندہ لکھنؤ"

(سخن شعراء صفحہ ۵۶۳)

محسن لکھنوی نے لکھا ہے کہ "خوش فکر، خوش بیان، وارث علی خان نواب ناظر دولت سرائے جناب ملکۂ عہد صاحبہ ہنر تخلص شاگرد میر نواب مونسؔ باشندۂ لکھنؤ" (سراپا سخن ۲۶۳)

غزل

میر مونسؔ کی زمین میں ہنر کی ایک غزل:

دل سوز اور کون ہے میرا سوائے دل
کھاؤں میں گل اِدھر تو اُدھر داغ کھائے دل

کب تک رہائی دیکھئے زلفوں سے پائے دل
کیا پھنس گیا ہے دام میں بیٹھے بٹھائے دل

اے شاہِ حُسن ہو تجھے کچھ قدر یا نہ ہو
بیٹھے ہیں اب تو در پہ ترے ہم لگائے دل

گوندھی ہوئی لٹیں ہیں اسیری کا سلسلہ
زلفوں کے پیچ میں کہو کیونکر نہ آئے دل

گوشہ نشیں ہو تم تو میں صحرا نورد ہوں
لیلیٰ تمہیں تو اب مجھے مجنوں بنائے دل

تیغِ نگاہِ یار نے ٹکڑے کیا جگر
آنکھوں سے جائے اشک نہ کیوں خوں بہائے دل

مَل ڈالا اس نے پاؤں سے اپنے حنا کی طرح
ہم بہر نذر ہاتھوں پہ رکھ کر جو لائے دل

عاشق کو نیند آئے یہ خواب و خیال ہے
جھپکی کبھی جو آنکھ تو فوراً جگائے دل

الفت نہ کچھ وفا نہ تسلی نہ دلبری
ناداں ہے وہ جو آپ سے صاحب لگائے دل

تنکے چنے، اسیر ہوئے، کوبہ کو پھرے
اب آگے دیکھئے ہمیں کیا کیا دکھائے دل

ساقی ترے کرم سے میں ہر وقت مست ہوں
پہلو میں ہے شراب کا شیشہ بجائے دل

رونا ہمارا ہجر میں خالی نہ جائے گا
اللہ سے ڈرو نہ ستاؤ پرائے دل

آنکھوں سے اشکِ سرخ نکلتے ہیں ہجر میں
اے شوخ آکے دیکھ تو رنگِ وفائے دل

اکثر سنا مگر کبھی پوچھا نہ یار نے
چلّا رہا ہے کون یہ در پر کہ ہائے دل

یا رب دعا یہ ہے کہ جہاں میں ترے سوا
جائے ہنر نہ لے کے کہیں التجائے دل

یاسؔ

نام سید ذاکر حسین کاظمی موسوی، تخلص یاسؔ، میر مونسؔ کے قابلِ فخر شاگردوں میں تھے۔ ان کا نام ادبِ اردو کی تاریخ میں تابندہ ہے۔ اپنے عہد کے استاد الاساتذہ تھے۔ ان کے فرزند آرزوؔ لکھنوی نے ناسخ وجلالؔ کی طرح اردو زبان کو صاف اور شگفتہ کرنے کی کوششیں کر کے اپنے باپ کے نام کو اور زیادہ روشن کیا۔

خاندانی حالات:

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کا بیان ہے کہ یاسؔ کے جدِ اعلیٰ میر تہام علی خاں چند نا معلوم وجوہ کی بنا پر عہد شاہجہانی میں ہرات سے ہندوستان وارد ہوئے اور یہاں آ کر اجمیر شریف میں قیام کیا، ان کے بڑے بیٹے میر جان علی عرف تہور خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ تہور خاں نے شاہی فوج میں ملازمت کر لی۔ رفتہ رفتہ ترقی ہوئی پھر ترکِ سکونت کر کے اجمیر سے لکھنؤ میں آ بسے۔ ان کا مقبرہ محلہ نور باڑی، لکھنؤ میں آج تک موجود ہے۔ نواب تہور خاں کے ساتھ ان کے بھائی میر سلطان علی خاں المعروف بہ شاہ قلی خاں بھی لکھنؤ چلے آئے تھے ان کے بڑے فرزند منصور علی خاں کے نام پر لکھنؤ میں محلہ منصور نگر اور ان کے منجھلے صاحبزادے نواب فاضل بہادر کے نام پر محلہ فاضل نگر آج تک موجود ہے۔

(داستانِ آرزوؔ صفحہ ۶)

مجاہد حسین حسینی لکھتے ہیں:۔

"شاہ قلی خاں کو ان کے ایک دشمن نے اس وقت شہید کیا جب وہ نماز پڑھ رہے تھے لکھنؤ کے محلۂ سعادت گنج میں ان کا مزار بڑی خستہ حالت میں آج تک موجود ہے۔ نواب لکھنؤ تہور خاں کے پوتے نواب سیف علی خاں (جو نواب گل بیگ خاں کے نام سے معروف تھے) وہ بھی اجمیر سے لکھنؤ چلے آئے تھے اور یہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی تھی اُن کے پوتے میر محمد علی لکھنؤ ہی میں پیدا ہوئے"۔

(آرزوؔ لکھنوی حیات اور کارنامے صفحہ ۳۹)

جذبؔ لکھنوی کا بیان ہے کہ میر محمد علی نے پیاری بیگم سے شادی کی جن سے میر ذاکر حسین یاسؔ پیدا ہوئے۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۱۸)

شجرۂ میر ذاکر حسین یاسؔ

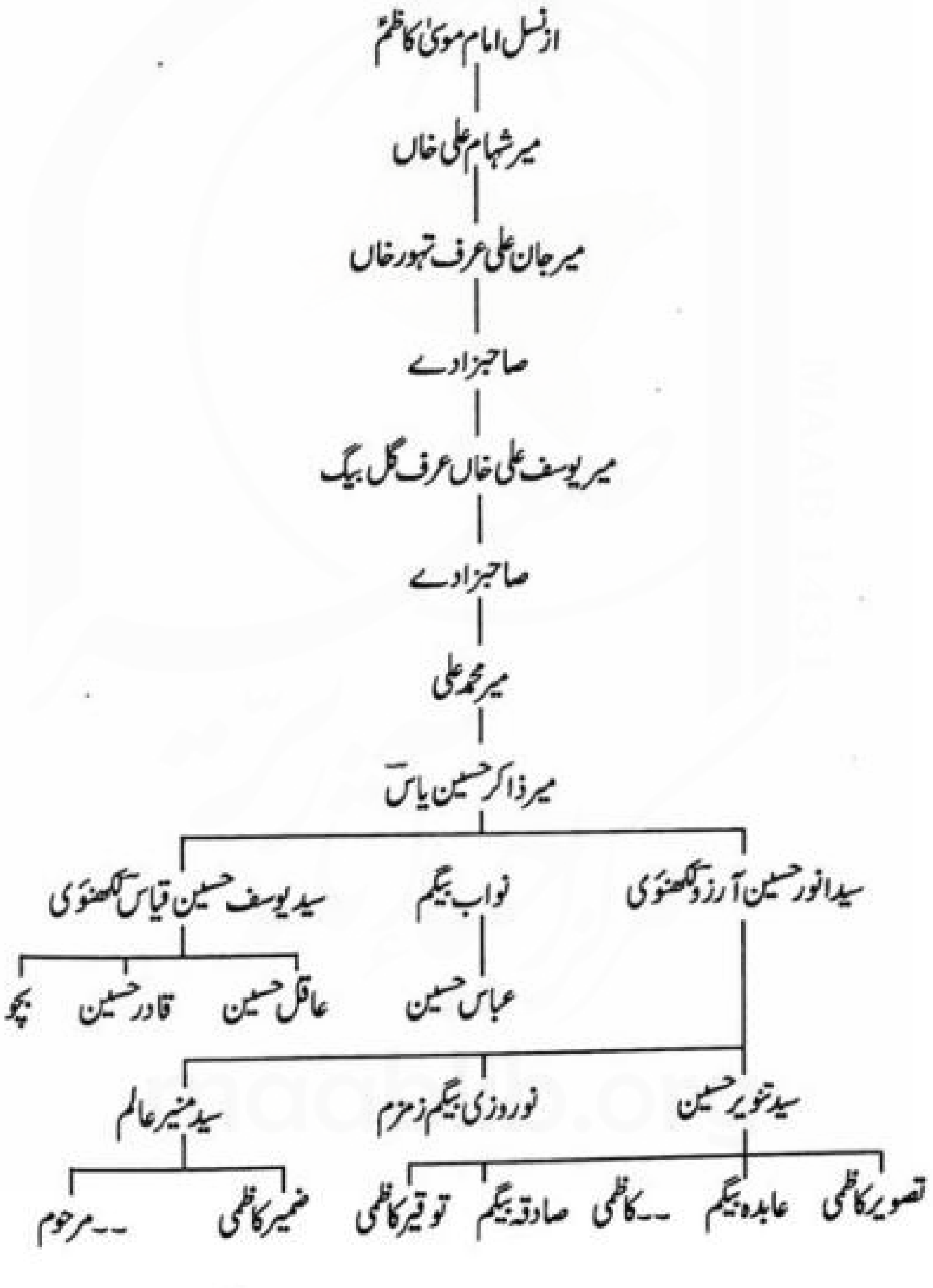

ولادت اور بچپن:

خاندانی روایات کے مطابق یاسؔ کی ولادت ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۱۸)

یاسؔ ابھی چھ ہی دن کے تھے کہ ماں پیاری بیگم کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس سلسلے میں ان کی پرورش و پرداخت کی فکر ہوئی جس کی ذمہ داری لکھنؤ کے رئیس اعظم آغا ابو صاحب کی پھوپھی جعفری بیگم صاحبہ نے اٹھائی۔ جذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:

''نواب آغا ابو صاحب کی پھوپھی جعفری بیگم صاحبہ نے یاسؔ کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ یاسؔ کا بچپنا بڑی عیش و عشرت سے گذرا یہاں تک کہ جوانی کی بہار بھی دیکھی اور جعفری بیگم صاحب نے اُن کی شادی بھی خود کی''۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۱۸)

اپنے بچپن سے متعلق خود یاسؔ کا مندرجہ ذیل بیان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے عہدِ طفولیت سے اس خاندانِ عالی شان میں نشو و نما پائی اور ان حضرات کی تربیت اٹھائی کہ جن کی زبان بے شبہ اردوئے معلیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اس خاندانِ شاہی میں چند ہی حضرات ایسے ہوں گے جو شعر گوئی کا شوق نہیں رکھتے ورنہ سب صاحبوں کو اس فن سے خاص دلچسپی ہے۔ ان میں سے بیشتر حضرات ایسے ہیں جو مسلّم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں''۔

(مقدمہ، دیوانِ اوّل یاسؔ)

آغازِ شاعری اور مونسؔ کی شاگردی:

یاسؔ کی پرورش خالصتاً شعر و ادب کے ماحول میں ہو رہی تھی ایسے میں شاعری ان کی گھٹی میں پرورش پا رہی تھی۔ خود یاسؔ کا بیان ہے کہ ''بارہ تیرہ برس کے سن سے کچھ کچھ موزوں کرنے لگا اس کے ساتھ ہی شاید نام کا اثر ہو مرثیہ پڑھنے کا ذوق بھی ہوا دو تین برس کے بعد بعض بزرگوں کی فہمائش اور بعض احباب کی صلاح سے بلبلِ باغِ رسالت مآب طوطیِ گلزارِ ابوترابؑ، جناب میر نواب صاحب مونسؔ مغفور لکھنوی اعلی اللہ مقامہ، کا تلمذ اختیار کیا۔ دونوں امورِ متذکرہ بالا کی نسبت مغفور و مرحوم کی شاگردی بہت ہی موزوں تھی دس برس کامل جنابِ مرحوم سے دونوں فنوں کو حاصل کیا''۔

(مقدمہ، دیوانِ اوّل یاسؔ)

میر مونسؔ کی شاگردی میں آنے کے بعد یاسؔ کے آئینۂ سخن پر مزید جلا ہونے لگی۔ ان کے ایک شعر سے پتہ چلتا ہے کہ میر مونسؔ کے نامور شاگرد میر محمد ذکی المؔ لکھنوی اور یاسؔ ایک ہی دن میر مونسؔ کے شاگرد ہوئے تھے کہتے ہیں:

یاسؔ ہم اور المؔ ساتھ ہی شاگرد ہوئے فیضِ استاد سے کہلائے سخنور دونوں

یاسؔ کی المؔ سے گہری دوستی تھی، المؔ نے یاسؔ کے دیوان اوّل کی اشاعت پر چار تاریخیں بھی کہیں تھیں۔اس کے علاوہ یاسؔ اکثر اپنی غزلوں میں المؔ کا ذکر کیا کرتے تھے۔انھوں نے المؔ کی زمین میں ایک غزل بھی کہی تھی اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

یاسؔ ویسے عاشقانہ شعر ہم کیونکر کہیں یہ زمینِ خاص مختص ہے المؔ کے واسطے

یاسؔ میر مونسؔ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور یہ واقعی فخر کی بات بھی تھی۔ مونسؔ نے بھی اپنے قابلِ فخر شاگرد پر بہت محنت کی تھی۔ جس کا اظہار یاسؔ کے کلام میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ اکثر غزلوں میں میر مونسؔ کا ذکر کیا ہے۔ چند شعر یہ ہیں:

کیوں نہ ہر شعر سے اے یاسؔ فصاحت ٹپکے پیرو مونسؔ مرحوم سخنور ہوں میں

پڑ گیا سکّہ ترا اے یاسؔ ملکِ نظم میں کس طرح شہرہ نہ ہو مونسؔ سا جب استاد ہو

بندھا ہے روزمرہ ٹھیک استاد کا اپنے عجب لطفِ زباں ہے یاسؔ تیری شعر خوانی میں

بقول آرزو لکھنوی یاسؔ نے میر مونسؔ سے علمِ عروض حاصل کرنے کی خواہش کی۔ میر مونسؔ نے مشورہ دیا کہ جلالؔ سے عروض پڑھ لو چنانچہ یاسؔ، جلالؔ کے بھی شاگرد ہو گئے تھے۔

(رسالہ ہندوستانی الہ آباد، جنوری ۱۹۳۳ء جلد ۳ صفحہ ۶۵)

اس لیے ایک شعر میں یاسؔ نے اپنے دونوں استادوں کا تذکرہ یوں بھی کیا ہے:

کچھ اس میں فیض ہے مونسؔ کا کچھ ہے فیضِ جلالؔ وگرنہ یاسؔ کمال آپ کو کہاں سے ملا

تجویزِ تخلص:

یاسؔ کا تخلص میر مونسؔ کا عطیہ ہے۔ اس سے پہلے انھوں نے مختلف تخلص رکھے تھے لیکن استاد کی صلاح پر تبدیل کر کے یاسؔ ہو گئے۔ اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ:

''ابتدا میں میرا تخلص 'ذاکرؔ' تھا پھر میں نے اپنی تجویز سے 'توقیرؔ' رکھا۔ جب میر صاحب مغفور کا شاگرد ہوا تو میں نے خود جناب مرحوم سے عرض کیا کہ میرا تخلص بدل دیجیے اور ایسا تخلص تجویز فرمائیے کہ جس کے آخر میں سین ہو جس سے آپ کی شاگردی کا پتہ ملے۔ جناب مرحوم نے فرمایا کہ اچھا تم چند لفظ تجویز کر کے لکھ لاؤ۔ میں اس میں سے پسند کروں گا۔ چنانچہ بعد غور کے میں کئی لفظ لکھ کر لے گیا ان میں سے یاسؔ پسند فرمایا''۔

(مقدمہ، دیوانِ اول یاسؔ)

حلیہ:

جذب لکھنوی کا بیان ہے کہ یاس پستہ قد تھے، رنگ سانولا تھا مگر چہرے پر شرافت برتی تھی، وہی پرانے لکھنؤ کی وضع تھی، سر پر پٹے، بدن پر انگرکھا، کاندھے پر شال کا رومال، سر پر پنج گوشیہ ٹوپی جو ایک اچھے مرثیہ خوان کی شان تھی۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۱)

عادات واطوار:

یاس پان کے بہت شوقین تھے، خاص طور پر پستی پان ان کے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ رمضان کے زمانے میں پان دان سجایا جاتا تھا ورنہ تنگدستی کی وجہ سے بے قلعی رہتا تھا۔

قرآن کی پابندی سے تلاوت کرتے رہتے تھے۔ عربی اور فارسی میں بھی غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ شرعی احکامات کے شدت سے پابند تھے۔ سخت مصیبت اور تنگدستی کے حالات میں بھی ہمیشہ صبر آزما رہے۔

جذب لکھنوی کا بیان ہے کہ نواب جعفری بیگم صاحبہ نے زر و جواہرات کی کنجیاں انہیں کو دے رکھی تھیں اور رہتے بھی ان ہی کے ساتھ دل آرام کی بارہ دری میں تھے مگر کبھی ناجائز ایک پیسہ نہ چھوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جعفری بیگم کے انتقال کے بعد سے زندگی بہت مفلسی اور مصیبتوں میں گزری۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ، ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۲)

یاس خود فرماتے ہیں:

بندہ ترا اے قادر قیوم ہوں میں — گزرے ہیں کئی سال کہ مغموم ہوں میں
گردوں کرتا ہے ظلم اور میں چپ ہوں — مظلوم کا ہوں غلام، مظلوم ہوں میں

مرثیۂ یاس اور اصلاحِ مونس:

یاس کا ایک مرثیہ اس وقت پیش نظر ہے:

معروف تھے نماز میں سلطانِ خاص و عام — درحال امام حسینؑ

اس کا قلمی نسخہ یاس کے بیتے میں تھا جو اب علی احمد دانش (لکھنؤ) کے پاس ہے۔ یہ کسی مرثیے کا ایک حصہ ہے جو شبِ عاشورا امام حسینؑ کی عبادت کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ چند بند یاس نے مونس کے پاس اصلاح کے لیے بھیجے تھے۔ آخر میں یاس کے قلم سے چند سطریں درج ہیں جو میر مونس کے نام ہیں:

"جناب اوستادنا و مولانا دام ظلہ العالی

بعد آداب وتسلیمات عرض خدمتِ فیض درجت میں یہ ہے کہ حسب الارشاد نقل کر کے مرثیہ ہٰذا واسطے نظرِ ثانی کے خدمتِ عالی میں ارسال کیا اور جوایک مقامات پر ایک ٹیپ اور ایک بند واسطے ٹیپ کے بڑھا دیا ہے اُسے بھی ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ فقط۔

کمترین تلامذہ ذاکر حسین یاس عفی عنہ"

مونس نے اس مرثیے کی بہت سی بیتیں اور بند تبدیل کیے ہیں جس سے چند مثالیں درج کی جارہی ہیں:

یاس:

تسبیح تھی کبھی شہِ دیں کی زبان پر گہ تھی دعائے امتِ عاصی زبان پر

اصلاح:

کیا ہوگا وقتِ صبح یہ صدمہ تھا جان پر امت کی مغفرت کی دعا تھی زبان پر

یاس نے "دعائے امتِ عاصی" کہا تھا لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ دعا کس وجہ سے اور کس مقصد کے لیے کی جارہی ہے۔ مونس نے "امت کی مغفرت" کر کے دعا کے مقصد کو واضح کر دیا۔

یاس:

صدمے سے باغ میں رُخِ صد برگ زرد تھا نرگس ملول تھی، دلِ سوسن میں درد تھا

اصلاح:

صدمے سے باغ میں رُخِ صد برگ زرد تھا غنچوں کے دل میں نالۂ زہراؑ سے درد تھا

کیونکہ دل کا تذکرہ تھا اس لیے اصلاح میں "نرگس" کی جگہ "غنچہ" کہا کیونکہ غنچہ خود دل سے مشابہت رکھتا ہے اور "نالۂ زہراؑ" کا اضافہ کر کے مصرعے کو اور بھی بامعنی بنا کر حقیقت سے قریب کر دیا تا کہ درد کی وجہ بھی معلوم ہو جائے۔

یاس:

وہ دشتِ کربلا وہ ریاضِ نبی کے پھول کوئی علیؑ کی شکل کوئی صورتِ رسولؐ
زینبؑ، بہن حسینؑ کی ہم مرتبہ بتولؑ عصمت سرا میں روتی تھی مغموم و دل ملول
یثرب سے کربلا میں وہ لٹنے کو آئی تھی
بیٹوں سے اور بھائی سے چھٹنے کو آئی تھی

اصلاح:

وہ دشتِ کربلا وہ ریاضِ نبی کے پھول کوئی علیؑ کی شکل کوئی صورتِ رسولؐ

ایک ایک گُل تھا رونقِ گلدستۂ بتولؑ　　بے آب تین دن سے، مگر تازگی حصول

خوشبو ہے اُن کے فیض سے بستانِ کربلا

اب تک بسا ہوا ہے بیابانِ کربلا

شروع کے دو مصرعوں میں بنی ہاشم کے افراد کی تعریف تھی، پھر دو مصرعوں میں حضرت زینبؑ کا ذکر آ گیا تھا اور بیت مصائب کی کہی گئی تھی، مونسؔ نے آخری چار مصرعے بدل کر پورا بند فضائل کا کر دیا اور شروع سے آخر تک افراد بنی ہاشم کی اجتماعی تعریف ہو گئی جس سے بند مربوط اور مسلسل ہو گیا اور بند میں لطفِ زبان کی کیفیت آ گئی۔

یاسؔ　:　ریشِ سیہ لکھا ہوا قرآں ہے لاکلام

اصلاح　:　خطِ سیہ لکھا ہوا قرآں ہے لاکلام

لفظ ''خط'' رکھ کر قرآن سے معنویت پیدا کر دی ہے۔

یاسؔ　:　بس پھر تو غیض سرورِ نامی کو آ گیا

اصلاح　:　بس پڑ گئی جبیں پہ شکن غیظ آ گیا

جبیں پر شکن دکھا کر گویا غیظ کی تصویر کھینچ دی ہے اور مصرعے میں رعب و ہیبت کی کیفیت ڈال دی ہے۔

یاسؔ　:

رن میں کبھی جھپکتی نہیں اس ولی کی آنکھ　　گویا کہ ہے یہ آنکھ بعینہٖ علیؑ کی آنکھ

اصلاح　:

کیا رعب سے بھری ہوئی سرور کی آنکھ ہے　　گویا یہ آنکھ حیدرؑ صفدر کی آنکھ ہے

اس مرثیے کا مقطع یہ ہے:

بس یاسؔ یہ مقام ہے ختمِ کلام کا　　لکھ اور حال بادشہِ خاص و عام کا

دوسرے مصرعے کو یوں کر دیا ہے ''ماتم بپا ہے بادشہِ خاص و عام کا''

انجمنِ امامیہ کی رُکنیت:

جذبؔ لکھنوی کے مطابق انیسویں صدی کے آخر میں بین المسلمین، بلا فصل کا زبردست جھگڑا ہوا جس میں بڑا کشت و خون ہوا۔ شیعوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک انجمن امامیہ لکھنؤ ۱۸۸۷ء میں قائم ہوئی۔ اس انجمن کا ایک بلند پایہ اخبار 'اخبار المومنین' نکلتا تھا۔ یاسؔ اس اخبار کے نگراں رہے اور بقول خان بہادر مولوی مہدی حسن صاحب، یاسؔ اس انجمن کے سیکٹری بھی رہے۔ وہ بڑے جوشیلے اور مذہبی آدمی تھے اور پچاسوں مقدمات سے وغیرہ کی طرف سے پیروی کی۔ اس طرح

ساری زندگی مذہب قومِ شیعہ کی خدمت میں گزار دی۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۲)

حلقۂ احباب:

یاسؔ کے خاندان میر انیسؔ سے گہرے مراسم تھے۔ وہ اکثر ان مجالس میں شریک بھی ہوتے تھے جس کا اندازہ آرزوؔ لکھنوی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انھوں نے میر انسؔ کی ایک مجلس کے سلسلے میں مسعود حسن رضوی ادیب کو دیا تھا۔

(انیسیات صفحہ ۴۸)

یاسؔ نے نفیسؔ کی وفات پر متعدد قطعات، رباعیات اور ایک طویل مسدس کہا تھا جو جواہر کے نفیس نمبر میں شامل ہے۔

یاسؔ کی جناب ناصر الملتؒ کے دولت کدے پر روزانہ آمد و رفت رہتی تھی جب یاسؔ بیمار ہوئے تو جناب قبلہ و کعبہ خود بہ نفسِ نفیس دو مرتبہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔ ان کے دولت کدے پر جو مسالمے اور مقاصدے منعقد ہوتے تھے ان میں یاسؔ پابندی سے بلائے جاتے تھے اور اپنا طرحی کلام پیش کیا کرتے تھے۔

جذبؔ لکھنوی نے یاسؔ کے چار جگری دوستوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے بغیر یاسؔ کی نشستیں نامکمل رہتی تھیں۔ ان میں ایک شہنشاہ حسین صاحب وکیل، دوسرے محمد مرزا صاحب، تیسرے نقی مرزا صاحب اور چوتھے چھبن صاحب تھے۔

میر مونس کی وفات:

یاسؔ دس برس تک، میر مونسؔ کے شاگرد رہے اور غزلیں، مرثیے، سلام و رباعیات وغیرہ کہتے رہے۔ جس سال انھوں نے اپنا پہلا دیوان موسوم بہ "نظمِ دردمند" ترتیب دیا بدقسمتی سے اسی سال ۱۹؍شوال ۱۲۹۲ھ/ ۱۷؍نومبر ۱۸۷۵ء کو میر مونسؔ کی وفات ہوگئی۔ یاسؔ کو اس عظیم واقعہ کا بے حد صدمہ پہنچا تھا۔ یہ رباعی اسی موقع کی یادگار ہے:

تنہا نہیں استاد کو ہم روتے ہیں　　ساتھ اپنے ملائک بھی بہم روتے ہیں
اے یاسؔ وہ تھے علیؑ کے اعلیٰ مداح　　مونسؔ کے لیے لوح و قلم روتے ہیں

شادی اور اولاد:

یاسؔ کی شادی جعفری بیگم صاحبہ کے زیرِ انتظام تقریباً ۱۸۰۱ء میں ہوئی۔ بقول جذبؔ لکھنوی کے شادی کے کچھ ہی سال بعد اُن کی بیگم کا دماغ خراب ہوگیا اور یہ سلسلہ زندگی بھر رہا۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ، ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۱)

یاسؔ کی تین اولادیں ہوئیں جن میں سب سے بڑے سید یوسف حسین قیاسؔ تھے جو یاسؔ اور جلالؔ کے شاگرد تھے اور تقریباً سب ہی اصناف غزل، مرثیہ، سلام، رباعی، قصیدہ میں طبع آزمائی کی اور بہت عمدہ شاعر تھے۔

دوسرے فرزند انور حسین آرزو لکھنوی تھے۔ ابتدا میں ان کا تخلص یاسؔ اور قیاسؔ کے وزن پر تھا، بعد میں امیدؔ ہوا اور آخر میں آرزو ہو گیا۔ "انجمن معیار" کے مشاعروں کی غزلیں رسالہ "معیار" میں شائع ہوتی رہیں۔ آرزو لکھنوی کی تصنیفات میں فغانِ آرزوؔ، جہانِ آرزوؔ، نظامِ اردو، سریلی بانسری، میزان الحروف، صحیفہ الہام (مجموعہ سلام) صبحِ اسلام (نعتیہ مسدس)، خمسہ متحیرہ (۵ مرثیے)، اربع عناصر (چار مرثیے) دُرانہ (مثنوی)، نشان آرزوؔ، عدلِ محمود (مثنوی)، سازِ حیات اور جیون سرود شامل ہیں۔ آرزو کی حیات اور خدمات پر بھی بہت عمدہ عمدہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

یاسؔ کی ایک صاحبزادی نواب بیگم تھیں جن سے ایک فرزند عباس حسین تھے۔

وفات:

یاسؔ کی زوجہ نے ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ اُن کے انتقال کے بعد یاس کلکتہ میں اپنے ایک شاگرد کے پاس چلے گئے۔ وہاں سے واپس آنے پر تلی کا بخار ساتھ لائے۔ جگر اور ہاتھ پیروں پر ورم آ گیا۔ تین ماہ متواتر بیمار رہے اور اسی بیماری میں انتقال کیا۔

(ہفتہ وار سراز لکھنؤ، ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۲)

یاسؔ نے ۱۸ رمحرم الحرام ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو مرضِ اسہال میں مبتلا ہو کر لکھنؤ میں وفات پائی۔

(آرزو لکھنوی، حیات اور کارنامے صفحہ ۶۷)

آرزو لکھنوی نے باپ کے انتقال پر بہت غم انگیز مرثیہ کہا اور اُن کی مجلسِ چہلم میں پڑھا۔

یہ مرثیہ "اربع عناصر" میں شامل ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

مہرِ پدری نیرِ اقبالِ بشر ہے — صدقے اسی دولت پہ زر و مالِ بشر ہے
یہ اجرِ گراں نیکیِ اعمالِ بشر ہے — اس جنس سے آسودگیِ حالِ بشر ہے
یہ کوکبِ مسعود سہیلِ یمنی ہے
محتاج کا بھی دل اسی مایہ سے غنی ہے

اس بعد آگے کے بند سے یاسؔ کی تاریخ وفات اور مرض الموت کے بارے میں بھی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں:

انجام میں اسہال ہوا وجہِ ہلاکت — اٹھارویں تاریخ ہوئی خلق سے رحلت

یہ نیکیِ اعمال ہو یا خوبیِ قسمت　　وہ موت ملی جس میں کہ ہے اجرِ شہادت
گذری تھی جو اک عمر غمِ شاہِ ہدا میں
دنیا کو بھی چھوڑا تو اسی ماہِ عزا میں

اس کے بعد مختلف بندوں میں یاسؔ کی زندگانی کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنے غم کو اہلبیت کے غم میں اس طرح پیوست کر دیا ہے:

دیکھو تو کہ کس کس نے یہ صدمہ نہ اٹھایا　　سوچو تو کہ یہ داغ نہ کس قلب نے کھایا
اس غم سے بچا ہے کوئی اپنا نہ پرایا　　اس زخم نے ہر آنکھ کو ہے خون رُلایا
قیدی بھی رہے، نالہ کش، آزاد بھی روئے
چالیس برس سید سجادؑ بھی روئے

یاسؔ کی وفات پر کاظم حسین محشرؔ لکھنوی نے یہ تاریخ کہی:

شاعرِ شیریں زباں ذاکر حسینؑ　　مرثیہ خوانِ حسینؑ ابن علیؑ
کرد رحلت از جہانِ بے ثبات　　شد میانِ کنج مدفن منزوی
در محرم صبح روزِ ہیجدہ　　بہر ما آمد چو شامِ بیکسی
مرغ روحش آشیاں در خلد بست　　یافت آزادی ز دنیای دنی
گفت محشرؔ مصرعِ سالِ وفات
سوی جنت رفت مداحِ علیؑ

۱۳۲۵ھ

پڑھنے کی مجالس:

جذبؔ لکھنوی کا بیان ہے کہ ”یاسؔ مرثیہ گو ہونے کے ساتھ مرثیہ خوان بھی تھے اور اس فن میں وہ ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ اپنے ذاکر ہونے پر خود فخر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ہے نقدِ سخن فقط زر و مال مرا　　شبیرؑ کا ذاکر ہوں خوشا حال مرا
منبر پہ جو بیٹھا ہوں فلک پر ہے دماغ　　یاسؔ آج ہے کس اوج پر اقبال مرا

یاسؔ مرثیہ پڑھنے سے قبل فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔ واقعتاً یاسؔ مختلف شہروں میں عشرے سے پڑھا کرتے تھے۔ جن میں سے خاص کر دکن حیدر آباد اور پریاواں میں نواب صاحب کے یہاں اور فیض آباد میں نواب آغا ابو صاحب کے موروثی امام باڑے میں قابل ذکر مجالس ہیں۔ اس کے علاوہ نواب ابو صاحب کے کاموں سے یاسؔ کلکتہ بھی جاتے تھے۔ وہاں بھی اُن کی مجالس یادگار ہیں۔ لکھنؤ

میں درگاہ حضرت عباسؑ کے قریب ہمایوں مرزا صاحب کے یہاں برابر مجالس پڑھتے تھے۔ کاظمین میں مرزا محمد عباس کے یہاں برابر مجالس پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ ناپے والی گلی اور چوپٹیوں پر بھی اکثر مجالس پڑھا کرتے تھے"۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ، ستمبر ۱۹۵۴ء ۲۸۳)

شاگردانِ یاسؔ:

یاسؔ نے شاگردوں کی کثیر تعداد چھوڑی تھی۔ بقول جذب لکھنوی ہندوستان بھر میں اُن کے تقریباً سو شاگرد تھے۔

(ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ، ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۸۳)

لیکن وہ یاسؔ کے ایک شاگرد افسر کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں کر پائے۔ ہمیں تحقیق کے بعد یاسؔ کے مندرجہ ذیل شاگرد مل سکے:

۱۔ تعظیمؔ	محمد کریم خاں گورکھپوری
۲۔ جزیلؔ	مرزا آغا محمد فیض آبادی
۳۔ شیداؔ	ماسٹر ہائی اسکول رائے بریلی
۴۔ صابرؔ	بابو بیدنارائن سنگھ رئیس سوہیا
۵۔ عشرتؔ	کرم الدین مدرس اول ماڈل اسکول چارسدہ
۶۔ فہیمؔ	مرزا عبدالمجید گورکھپوری
۷۔ کاہشؔ	مرزا یوسف علی
۸۔ مآلؔ	موسیٰ بھائی
۹۔ مدہوشؔ	مرزا محمد کاظم حسین خاں
۱۰۔ مقصودؔ	
۱۱۔ ملالؔ	محمد اصغر حسین خاں بریلوی
۱۲۔ نیرؔ	محمد عبدالرحمن خاں وکیل دہلی

کلامِ یاسؔ:

یاسؔ کا کلام کثیر مقدار پر مشتمل ہے۔ انھوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی تھی۔ وہ اپنے کلام کی تعداد خود یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"یہ دیوان (یعنی نظمِ دردمند) میرا پہلا دیوان ہے اس میں وہ غزل بھی ہے جو پہلے پہل میں نے نظم کی تھی۔ ۱۲۹۲ھ کے بعد جو غزلیں کہی گئیں وہ علیحدہ جمع ہیں اور وہ دوسرا دیوان ہے۔ اس کا حجم

بھی اتنا ہی ہوگا یا اس سے زیادہ، کیا عجب ہے جو وہ دیوان اس سے بہتر ہو...... اس کے علاوہ ایک ذخیرہ تاریخوں کا ہے اس کے بھی الگ چھپوانے کا ارادہ ہے اسی طرح قصائد ہیں اگر خدا نے فضل کیا تو وہ بھی علیحدہ طبع ہوں گے۔ مرثیے، سلام، باعیاں بھی بکثرت ہیں مگر اُن کے چھپوانے کا قصد نہیں۔''

(مقدمہ، دیوانِ اول یاسؔ)

یاسؔ کا دیوان غزلیات موسوم بہ ''نظم دردمند'' ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء میں مطبع قومی پریس لکھنؤ سے چھپا تھا۔ دوسرا دیوان غیر مطبوعہ ہے اور تا حال لا پتہ ہے۔

سلاموں کا دیوان ''نظمِ رنگیں'' ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں مطبع آئینہ الہ آباد سے شائع ہوا تھا۔ جس میں تقریباً دو سو بہتر (۲۷۲) سلام ہیں۔

یاسؔ کے مرثیے، سلام اور نوحے قلمی صورت میں جذب لکھنوی کے پاس تھے۔ قصائد انھیں نہیں ملے تھے تاریخوں کا بھی کثیر ذخیرہ تھا۔ ملعوم نہیں اب وہ ذخیرہ کہاں ہے۔ ممکن ہے لکھنؤ کا کوئی محقق ڈھونڈ نکالے۔

یاسؔ کے مرثیے:

یاسؔ کے مرثیے عنقا ہو گئے ہیں اور ان کی دستیابی ایک دشوار مرحلہ ہو گیا ہے۔ بہت تلاش کے بعد چند قلمی وغیر مطبوعہ مرثیے مجھے مل سکے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اے رایت جنودِ معانی علم ہو پھر	درحال حضرت عباسؑ	۱۵۱ بند
۲۔ علیؑ کے شیر کی دشتِ وغا میں آمد ہے	درحال حضرت عباسؑ	۱۳۶ بند
۳۔ لڑتے لڑتے ہوئے زخمی جو پسر زینبؑ کے	درحال عونؑ ومحمدؑ	۲۰ بند
۴۔ مصروف تھے نماز میں سلطانِ خاص وعام	درحال امام حسینؑ	۱۷ بند

یاسؔ کی مرثیہ نگاری:

یاسؔ کے مرثیے اردو کے کلاسیکی اور روایتی مرثیوں کا عمدہ ترین نمونہ ہیں۔ انھوں نے میر مونسؔ کی صحبت سے جس قدر استفادہ کیا تھا اس کا پرتو اُن کے کلام میں جھلکتا ہے۔ ان کی کوشش بھی یہی ہوتی تھی کہ ان کا اسلوب میر مونسؔ کی بتلائی ہوئی باریکیوں کے حدود میں رہے۔ اس کا ذکر ایک مرثیہ میں یوں کیا ہے:

اُستاد کا جو رنگ ہے اُس سے جدا نہ ہو
ہو راست سب، دروغ کسی جا ذرا نہ ہو

یاسؔ کے ابتدائی مرثیوں پر انیسؔ کے گہرے اثرات ہیں۔ آخری عہد کے مرثیوں میں کسی قدر جدید عناصر کا امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کے کلام سے چند مثالیں یہ ہیں:

ا۔ وصفِ سراپا:

یاسؔ کے مرثیوں میں تمام اجزائے مرثیہ کے نمونے ملتے ہیں۔ زبان و بیان میں سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ دقائق سے گریز ہے۔ منظر نگاری، جذبات نگاری، کردار نگاری، واقعہ نگاری، مکالمے وغیرہ اپنی آب و تاب سے ملتے ہیں۔ امام حسینؑ کے ذکر میں وصفِ سراپا میں یہ بند دیکھیے:

دو پھول ہیں گلاب کے رخسار لالہ فام　　خطِ سیہ لکھا ہوا قرآں ہے لاکلام
واجب گلو و سینے کا ہے ہم کو احترام　　دونو ہیں بوسہ گاہِ رسولِ فلک مقام
باندھی ہے آپ نے کرامت کے کام پر
یاں خود ثبات صدقے ہے پائے امام پر

۲۔ جوانانِ بنی ہاشم:

دشتِ کربلا میں ریاضِ رسولؐ کی منظر کشی کرتے ہوئے اپنے استاد کی شاگردی کا حق ادا کر گئے ہیں۔ ذیل کا بند مکمل طور پر میر مونسؔ کی زبان ہے:

وہ دشتِ کربلا وہ ریاضِ نبیؐ کے پھول　　کوئی علیؑ کی شکل کوئی صورت رسولؐ
ایک ایک گل تھا رونقِ گلدستہ بتولؑ　　بے آب تیغ تین سے مگر زندگی حصول
خوشبو ہے ان کے فیض سے بستانِ کربلا
اب تک بسا ہوا ہے بیابانِ کربلا

۳۔ جذبات نگاری:

حضرت عباسؑ کے حال میں لکھے گئے مرثیوں میں جذبات نگاری اپنے عروج پر ہے۔ اس موقع پر لفظوں کے تیور بھی بدل جاتے ہیں اور خوف و ہراس، رعب و دبدبے، کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عباسؑ دشتِ قتال میں آئے۔ رجز پڑھا سامنے سے درشتانہ کلام سننے میں آئے، آپ کو جلال آ گیا۔ اس جلال کی تصویر اور میں لطفِ زبان سے رنگ بھرے ہیں۔ بند دیکھیے:

یہ سُن کے غیظ سے عباسؑ تھرتھرانے لگے　　چبا کے ہونٹ کو قبضہ پہ ہاتھ لانے لگے
جلال حیدر کرارؑ کا دکھانے لگے　　زبانِ پاک پہ پھر یہ کلام لانے لگے
علیؑ کے شیر کو میداں میں ٹوک لے کوئی
میں پانی لینے کو جاتا ہوں روک لے کوئی

وقتِ آخر امام حسینؑ کی موجودگی میں حضرت عباسؑ نے جو باتیں کیں، ان باتوں میں حسرت و یاس کے جو کیفیات پائے جاتے ہیں اسے سب ہی مرثیہ نگاروں نے اپنے طور پر پیش کیا ہے

لیکن یاسؔ نے بھی یہ منزل بہت کامیابی سے طے کی ہے۔ کہتے ہیں:

عطش کی بیبیوں میں دھوم رہ گئی افسوس سکینہؑ پانی سے محروم رہ گئی افسوس
ہزار حیف وہ مغموم رہ گئی افسوس کہ تشنہ کام وہ معصوم رہ گئی افسوس
بھگا کے فوج کو مشکیزہ بھر لیا میں نے
خدا گواہ ہے پانی نہیں پیا میں نے

۴۔ساقی نامہ:

نفیسؔ و رشیدؔ کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے آخری مرثیوں میں یاسؔ نے ساقی نامے کے بند بھی کہے ہیں۔ یہ بند دیکھیے:

کہاں ہے ساقیِ مہرو پلا شراب مجھے دکھا دے جلوۂ مینا و آفتاب مجھے
شرابِ خلق سے رہتا ہے اجتناب مجھے وہ جام دے جو دکھا دے رہِ ثواب مجھے
مئے ولائے جنابِ امیرؑ چاہتا ہوں
سُرور بادۂ خُمِ غدیر چاہتا ہوں

۵۔مدحِ شمشیر و فرس:

چمک وہ تیغ کی اور وہ علَم کی جلوہ گری ہلالِ عید یہ تھے وہ ستارۂ سحری
سمند کے تھے وہ کاوے کہ دورۂ قمری کہ جس کے ساتھ تھکے آفتاب سا سفری
ہزار مرتبہ دن میں یہ اُس مکان میں جائے
جہاں وہ شام کو پہنچے یہ ایک آن میں جائے

جدھر وہ جاتا تھا رن میں ہوا بگڑتی تھی سناں کی طرح کنوتی دلوں میں گڑتی تھی
ہوا کی دوڑنے میں ساتھ سانس اُکھڑتی تھی زمین ہلتی تھی جب اس کی ٹاپ پڑتی تھی
صفیں اُلٹنے کا جب دل میں ولولہ آیا
جدھر وہ آگیا گویا کہ زلزلہ آیا

۶۔مصائب:

مصائب میں اثر انگیزی اور واقعیت صرف عورتوں کی زبان سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں مرثیہ نگاروں کو کمال حاصل ہے۔ اس کے بغیر کیفیتِ بکا کا طاری ہونا محال ہے۔ یاسؔ نے دلخراش مصائب لکھے ہیں۔ اس میں نسوانی کیفیات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ حضرت زینبؑ اپنے فرزندوں کی لاشوں پر بین کر رہی ہیں۔ اس موقع پر ماں کی مامتا پوری آب و تاب سے نمایاں ہے:

زخم کھایا کیے اور ماں کو نہ کی تم نے خبر　　میں بچانے کو چلی آتی تمھیں ننگے سر
چلتا جو نیزہ اُسے روکتی میں سینے پر　　آتی تلوار اُدھر سے تو میں ہو جاتی سپر

جسم پر تم کو کوئی زخم نہ کھانے دیتی
اپنے بچوں پہ ذرا آنچ نہ آنے دیتی

رن میں ہے ہے یہ بنی شکل تمہاری بچو　　عمر بھر روئے گی ماں درد کی ماری بچو
گئی جنت میں تمہاری جو سواری بچو　　میرے گلشن سے گئی بادِ بہاری بچو

آ گئی فصلِ خزاں آہ ستم یہ کیا ہے
...... جاں میں میرے خارِ الم ڈوبا ہے

حضرت عباسؑ کی شہادت پر کہتے ہیں:

عطش کی بیبیوں میں دھوم رہ گئی افسوس　　سکینہؑ پانی سے محروم رہ گئی افسوس!
ہزار حیف وہ مغموم رہ گئی افسوس　　کہ تشنہ کام وہ معصوم رہ گئی افسوس

بھگا کے فوج کو مشکیزہ بھر لیا میں نے
خدا گواہ ہے پانی نہیں پیا میں نے

کہا حسینؑ نے رو کر گزر گئے بھائی　　ہمیں جہان میں برباد کر گئے بھائی
کہاں تلاش کو جائیں کدھر گئے بھائی　　تمہارے سامنے ہم یوں نہ مر گئے بھائی

اجل حیات ہے جب تم سا باوفا نہ رہا
تمہارے مرنے سے جینے کا کچھ مزا نہ رہا

زمیں پر گر کے تڑپنے لگا وہ غیرتِ ماہ　　فقط یہ شہ کو صدا دی کہ دوڑیے یا شاہ
صدا یہ سنتے ہی جھپٹے حسینؑ عالی جاہ　　اُدھر تو لاش پہ پہنچے اُدھر وہ مر گیا آہ

یہ درد و رنج شہِ مشرقین سے پوچھو
جو کچھ حسینؑ پہ گذری حسینؑ سے پوچھو

بتاؤ اہلِ عزا، ہے تمہیں خدا کی قسم　　سوا حسینؑ کے کس پر ہوئے ہیں ایسے ستم
کہ قتل کرتے تھے اطفال کو بھی وہ اظلم　　کسی چمن کے بھی پودے ہوئے ہیں ایسے قلم

نہ کوئی گل ہے نہ پتا ہے اور نہ بوٹا ہے
علیؑ کے باغ کو کیا باغیوں نے لوٹا ہے

مقطعے:

یاسؔ کے مقطعوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اکثر پریشان حال رہتے تھے اور مقطعوں میں اس کے ازالے کی دعائیں کرتے ہیں۔ ان کے چار مرثیے میرے پاس ہیں۔ پہلا مرثیہ مکمل شاملِ کتاب ہے۔ بقیہ تین مرثیوں کے مقطعے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

۱۔ علیؑ کے شیر کی دشتِ وغا میں آمد ہے:

خموش یاسؔ کہ ہے بزمِ غم میں شیون و شین　　بُکا کا جوش ہے اک مومنین کے مابین
ہر ایک ہاتھ ہے سینہ پہ قلب ہے بے چین　　لبوں پہ سب کے ہے نعرہ یہی حسینؑ حسینؑ
یوں ہی رہے گا شہِ مشرقین کا ماتم
علم کے نیچے بپا ہے حسینؑ کا ماتم

۲۔ لڑتے لڑتے ہوئے زخمی جو پسر زینبؑ کے:

یاسؔ خاموش ہو بس مرثیہ اب ختم ہوا　　کر دعا ہاتھ اٹھا کر کہ یہ ہے وقتِ دعا
یا علیؑ کیجیے مدد بہر رسولِ دوسراؐ　　فوجِ درد و الم و رنج میں خادم ہے گھرا
آپ حلالِ مہمات ہیں احسان کریں
مشکلیں جتنی ہیں خادم کی سب آسان کریں

۳۔ مصروف تھے نماز میں سلطانِ خاص و عام:

بس یاسؔ یہ مقام ہے ختم کلام کا　　ماتم بپا ہے بادشہِ خاص و عام کا
شہرا جو ملکِ نظم میں ہے انتظام کا　　سب فیض ہے یہ سرورِ عالی مقام کا
مداح بادشاہِ فلک احتشام ہوں
اُن کی مدد ہے مجھ پہ میں جن کا غلام ہوں

رُباعیات

یاسؔ کی رباعیوں میں میر انیسؔ کا رنگ اور مونسؔ کا زور نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر چند رُباعیاں ملاحظہ ہوں:

(۱)

کیوں چرخ کو ہے رشک حشم سے میرے　　زندہ ہے سخن جہاں میں دم سے میرے
لکھتا ہوں ثنائے آلِ پاکِ احمدؐ　　اعجاز ٹپکتا ہے قلم سے میرے

(۲)

انجام میں جب موت کا آغاز ہوا ہر طائرِ روح روبہ پرواز ہوا
جس وقت کھدی قبر کسی کی اے یاسؔ گویا کہ در ملکِ عدم باز ہوا

(۳)

اک آن میں پژمردہ چمن ہوتے ہیں مرتے ہی خموش اہلِ سخن ہوتے ہیں
دُنیا میں ہر ایک ملک ہے اپنا وطن جاتے ہیں عدم کو بے وطن ہوتے ہیں

(۴)

ہیں رنج و الم شام و سحر دنیا میں باقی نہ رہے اہلِ ہنر دنیا میں
اندھیر ہے مر گئے انیسؔ اور دبیرؔ افسوس نہیں شمس و قمر دنیا میں

(۵)

گرمیِ عاشور کی جو یاد آتی ہے سینے میں ہر ایک دل کو تڑپاتی ہے
اللہ رے تشنگیِ شہ کی تاثیر پڑھنے میں زباں خشک ہوئی جاتی ہے

(۶)

مداحِ حسینؑ یاسؔ دلِ خستہ ہے اس غم سے دلِ ملول وابستہ ہے
وہ گُل ہے یہ سرو وہ سمن یہ سنبل مجلس ہے کہ فردوس کا گلدستہ ہے

(۷)

مضمون کو شمعِ انجمن کہتے ہیں رنگینیِ نظم کو چمن کہتے ہیں
ہوتے ہیں رباعیوں میں مصرعے جو چار ہم ان کو عناصرِ سخن کہتے ہیں

(۸)

بلقیس کا کب جاہ و حشم ایسا ہے مریم کا نہ یہ اوج نہ یہ رُتبہ ہے
رہتا ہے جو اک نور جبیں سے ساطع اس وجہ سے زہراؑ کا لقب زہرا ہے

(۹)

دنیا میں ہوا نبیؐ کا پیارا پیدا یا عرشِ الٰہی کا ستارا پیدا
اے یاسؔ یہ شبیرؑ کا مولود نہیں لو ہوگیا بخشش کا سہارا پیدا

(۱۰)

یہ امر فقط میری زبانی ہی نہیں اس دہر میں اب مرتبہ دانی ہی نہیں
کس کے لئے کچھ کوئی کہے کس کو سنائے دنیا میں یاسؔ قدر دانی ہی نہیں

یاسؔ کے نوحے:

یاسؔ نے شاعری کی ابتدا نوحوں اور سلاموں سے کی۔ نوحے سب پرانے طرز کے میر کی لمبی بحروں میں کہے ہیں۔ کلام اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ مگر یہاں صرف اردو نوحوں کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔ ورنہ یاسؔ کے نوحوں کی تعداد سینکڑوں ہے۔ اگر یاسؔ کے نوحے چھپ گئے تو لوگ ذاخر اور تمنا کو بھول جائیں گے کیونکہ ان کے پڑھنے سے دلچسپی بڑھتا ہے۔ نمونہ کلام دیکھیے۔

ماں یہ کہتی تھی شانہ ہلا کر صبح ہوتی ہے جاگو سکینہؑ
خواب سے چونکوائے میری دلبر صبح ہوتی ہے جاگو سکینہؑ
بھائی کڑیل جواں بھی مرے گا نیزہ خونِ جگر سے بھرے گا
تیر کھائے گا ہاتھوں پہ اصغر صبح ہوتی ہے جاگو سکینہؑ

صبح عاشور زہراؑ پکاری صبحِ قتلِ حسینؑ آئی لوگو
اب لٹے گی کمائی ہماری صبحِ قتلِ حسینؑ آئی لوگو

یاسؔ ہوتا تھا اک حشر برپا کوٹتے تھے حرم اپنا سینہ
کہتی تھی جب سکینہ تڑپ کر اے پھوپھی میرے بابا کہاں ہیں

یاسؔ کے سلام:

لکھنؤ کے شعراء کا یہ عام روّیہ ہے کہ محرم کے زمانہ میں غزل کہنا ترک کر دیتے ہیں اور اسی سے مشابہ آئمہ کی شان میں سلام کہتے ہیں۔ یاسؔ کے سلاموں کی تعداد بھی بہت کافی ہے اور سب مونسؔ کے رنگ میں ہیں اس میں سے زیادہ تر وہ محافل میں پڑھتے تھے جن میں سے جناب ناصر حسین صاحب قبلہ کی محافل قابلِ ذکر ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مرتبہ مدحِ علیؑ کا آشکارا ہو گیا
بخت اپنا اس قدر چمکا کہ تارا ہو گیا

علیؑ کی تیغ نے اسلام پھیلایا زمانے میں — جھکا دے سجدہ معبود میں خم ہو تو ایسا ہو
بہادر کانپتے ہیں نام سے عباسؑ غازی کے — رہے تا حشر جس کی دھاک رستم ہو تو ایسا ہو

معراجِ رسولؐ کا بیاں ہے — گویا یہ زمین آسماں ہے

ذاکرِ بزمِ شہِ شاہِ شہیداں ہوں میں | چمن فاطمہ کا بُلبلِ نالاں ہوں میں
گر کے گھوڑے سے یہ دی شاہ کو اکبرؑ نے صدا | آیئے جلد کہ اک آن کا مہماں ہوں میں
جب مئے حُبِ علیؑ کا مجھ کو ساغر مل گیا | میں یہ سمجھا زندگی میں جامِ کوثر مل گیا

حُسن میں فوج حسینؑ کے جواں جیسے تھے | ہوں گے ایسے نہ حسیں مصر کے بازاروں میں
دُرِ اشکِ غمِ شبیرؑ ہے وہ بیش بہا | ہے خدائے دو جہاں جس کے خریداروں میں

شاید کہ ہے دلچسپ جگہ ملکِ عدم بھی | احباب چلے جاتے ہیں جو پھیر کر آنکھیں
کیا رعب تھا شمشیرِ دو پیکر کا دمِ جنگ | کرتی تھی نہ چار اس سے کسی کی سپر آنکھیں

واہ رے صبر و تحمل کہ یہ کہتے تھے حسینؑ | میرے آگے ستمِ کرب و بلا کچھ بھی نہیں

انساں کی زیست بحرِ جہاں میں حباب ہے | کیا اس کا اعتبار کہ یہ نقش آب ہے

یاد اُدھر ساقیِ کوثر کی وِلا آتی ہے | کہ برستی ہوئی مغرب سے گھٹا آتی ہے
رن میں شیر آتے ہیں یا آتی ہے گلشن میں بہار | فرس آتا ہے کہ تھم تھم کے ہوا آتی ہے

چل کے رک جاتا جو تھا قاتل کا خنجر بار بار | کرتے تھے شہ نعرۂ اللہ اکبر بار بار

ذکرِ شہِ دیںؑ کے جو مجلس میں ملک روتے ہیں | آبِ کوثر سے زباں یاسؔ کی وہ دھوتے ہیں

یہ خوب راہِ خطا و صواب سمجھے ہیں | پلک جھپکنے کو بھی انقلاب سمجھے ہیں

یاسؔ کی غزلوں میں ذکرِ اہلبیتؑ:

یاسؔ لکھنؤ کے قدیم خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انھیں اپنے دونوں استادوں کے لکھنوی ہونے پر بھی فخر تھا۔ وہ اردو سے بے حد مخلص تھے اور غیر فصیح الفاظ کے استعمال پر سخت برہم ہوتے تھے۔ انھوں نے اردو کو سنوارنے میں جو ریاضت کی تھی اسے دراصل آرزوؔ لکھنوی کی ریاضت

وتحریک برائے تطہیر اردو زبان کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ اُن کی غزلیں محققین سے انصاف طلب ہیں۔ اردو غزل کے تقریباً تمام موضوعات جو دبستانِ لکھنؤ کا طرۂ دستارِ سخنوری تھے، یاسؔ کی غزلوں میں پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ فرما ہیں لیکن یاسؔ کیونکہ موسوی سادات کے گھرانے کے فرد تھے اور حضرت علیؑ اور آئمہ طاہرینؑ سے قلبی عشق رکھتے تھے تو یہ عشق، ان کی غزلوں کے عشقِ مجازی میں، عشقِ حقیقی بن کر ظاہر بھی ہوا اور طاہر بھی اور وہ ذکر اہلبیت کیے بغیر رہ نہ سکے۔ یہی صورت لکھنؤ کے دیگر شعراء کے یہاں بھی رہی۔

یاسؔ کی غزلوں کے مقطعوں میں ذکرِ حضرت علیؑ کی تجلیاں پائی جاتی ہیں جس کے چند نمونے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

کیا ڈر ہمیں غلام ہیں ہم بوتراب کے
اے یاسؔ ہم پہ قبر میں ہوگا فشار کب

دیکھنا یاسؔ علیؑ آئے لحد میں شاید
یک بیک ہو گیا روشن جو مزار آپ سے آپ

کچھ غم نہیں گنہ کا غلامِ علیؑ ہیں ہم
اے یاسؔ ہے ہمیں اسی سرکار پر گھمنڈ

اے یاسؔ تین چار سے مطلب نہیں ہمیں
بعد نبیؐ علیؑ ہے ہمارا امامِ خاص

فشارِ لحد سے بچائیں گے یاسؔ
علیؑ ہیں مرے مہرباں زیرِ خاک

لڑکھڑاتا ہوں تو دل کہتا ہے میرا یا علیؑ
یاسؔ حبِ ساقیِ کوثر میں یہ سرشار ہوں

ہاتھ سے دشمن موذی کے پریشان ہے یاسؔ
اس کو دکھلایئے یا حیدرؑ صفدر گیسو

دخترِ رز سے یاسؔ کیوں نفرت نہ ہو جائے مجھے
عشق مجھ کو تو جنابِ ساقیِ کوثر سے ہے

حصنِ غم میں گھر گیا ہے یاسؔ یا مشکلکشا
آیئے امداد کو اک بابِ خیبر اور ہے

مئے محبتِ حیدرؑ سے مست ہوں اے یاسؔ
یہ نشہ مجھ کو ہوا کس طرح خدا جانے

جسمِ خاکی پر مرے کیا قبر میں ہوگا فشار
جب مدد کو یاسؔ روحِ بوترابؑ آجائے گی

یاسؔ کی دلی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح کربلائے معلیٰ پہنچ کر امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہو

جائیں لیکن حالات کی تنگدستی اُن کی اس خواہش دیرینہ کی تکمیل میں رکاوٹ بنی رہی۔ اس تمنا کا اظہار بھی ان کی غزلوں میں متعدد مقامات پر ہوا ہے، چند مثالیں یہ ہیں:

ہند میں گھبرا رہا ہے یاسؔ کا دل ان دنوں
کربلا بلوایئے یا حضرتِ شبیرؑ اب

یاسؔ برسوں سے لگی ہے کربلا کی ذہن مجھے
ایک مدت سے ہے اس سر میں ہوائے کوئے دوست

زیارت سے مشرف ہو کے ہم اے یاسؔ مر جائیں
بہت سیدھی ہے راہِ باغِ جنت کربلا ہو کر

کربلا کی سمت اُٹھیں گے جو میرے پاؤں یاسؔ
اُڑ کے جائے گا غبارِ راہِ منزل تا فلک

خدایا یاسؔ جس دم روضۂ شبیرؑ میں جائے
ضریحِ پاک سے سینے کو اپنے کرکے مس نکلے

یہی ہے یاسؔ ہر دم اپنے خالق سے دعا اپنی
نہ چھوٹے کربلا کی خاک بعدِ مرگ بھی ہم سے

کفش کن کے پاس اک تربت کی مل جائے جگہ
یاسؔ کی یہ التجا ہے حضرت شبیرؑ سے

یاسؔ کیونکہ روزِ محشر آلِ محمدؐ کے اختیارِ شفاعت پر یقین رکھتے ہیں اس لیے انھیں کسی قسم کے عذاب کا خوف نہیں ہے ان کو اطمینان ہے کہ مدح سرائی کے صلے میں آلِ محمدؐ اُن کو بخشوالیں گے:

جو رسولِ کریمؐ ہے اے یاسؔ
بخشوائے گی اُس کی آل ہمیں

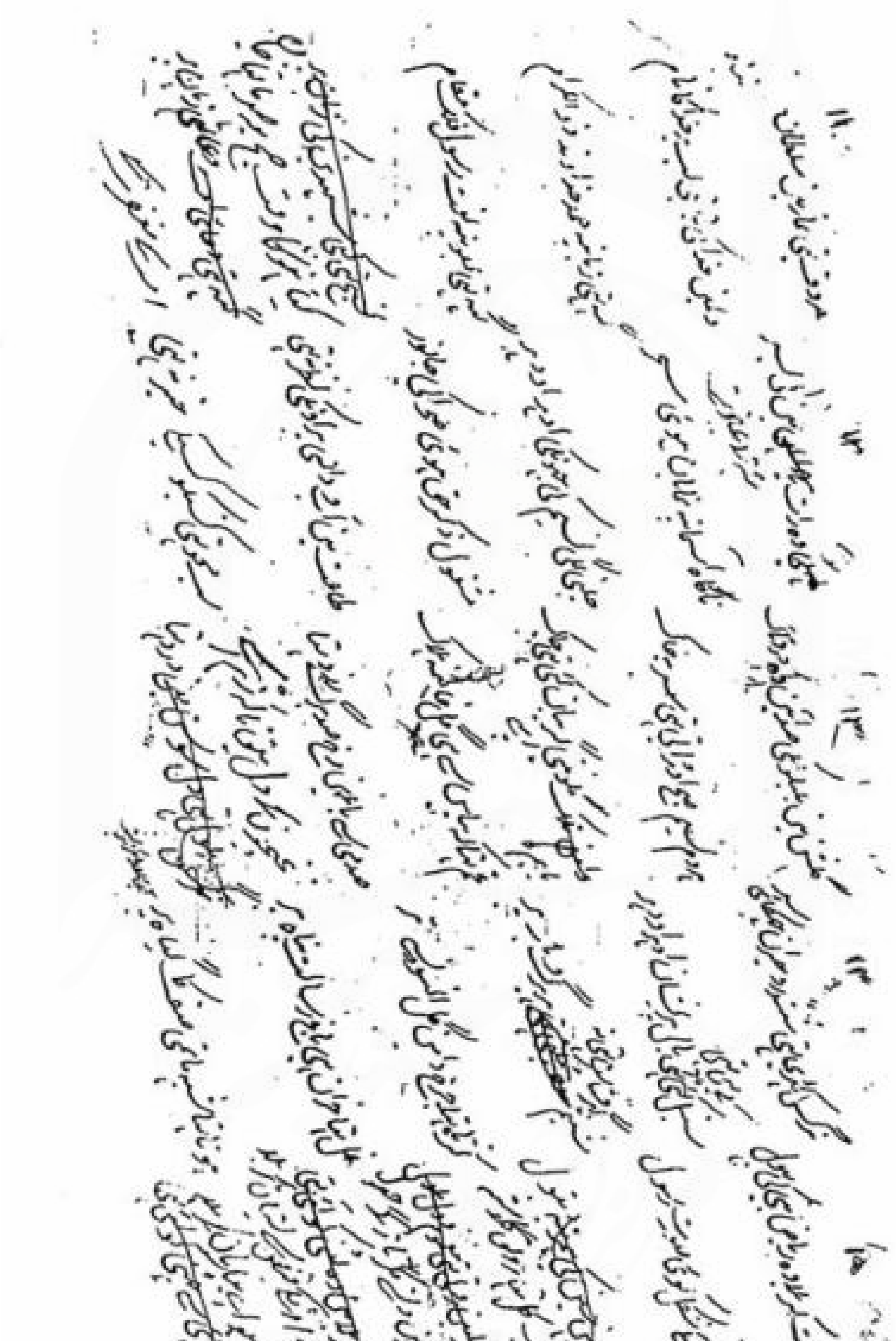

مرثیہ یاس اور اصلاح مونس

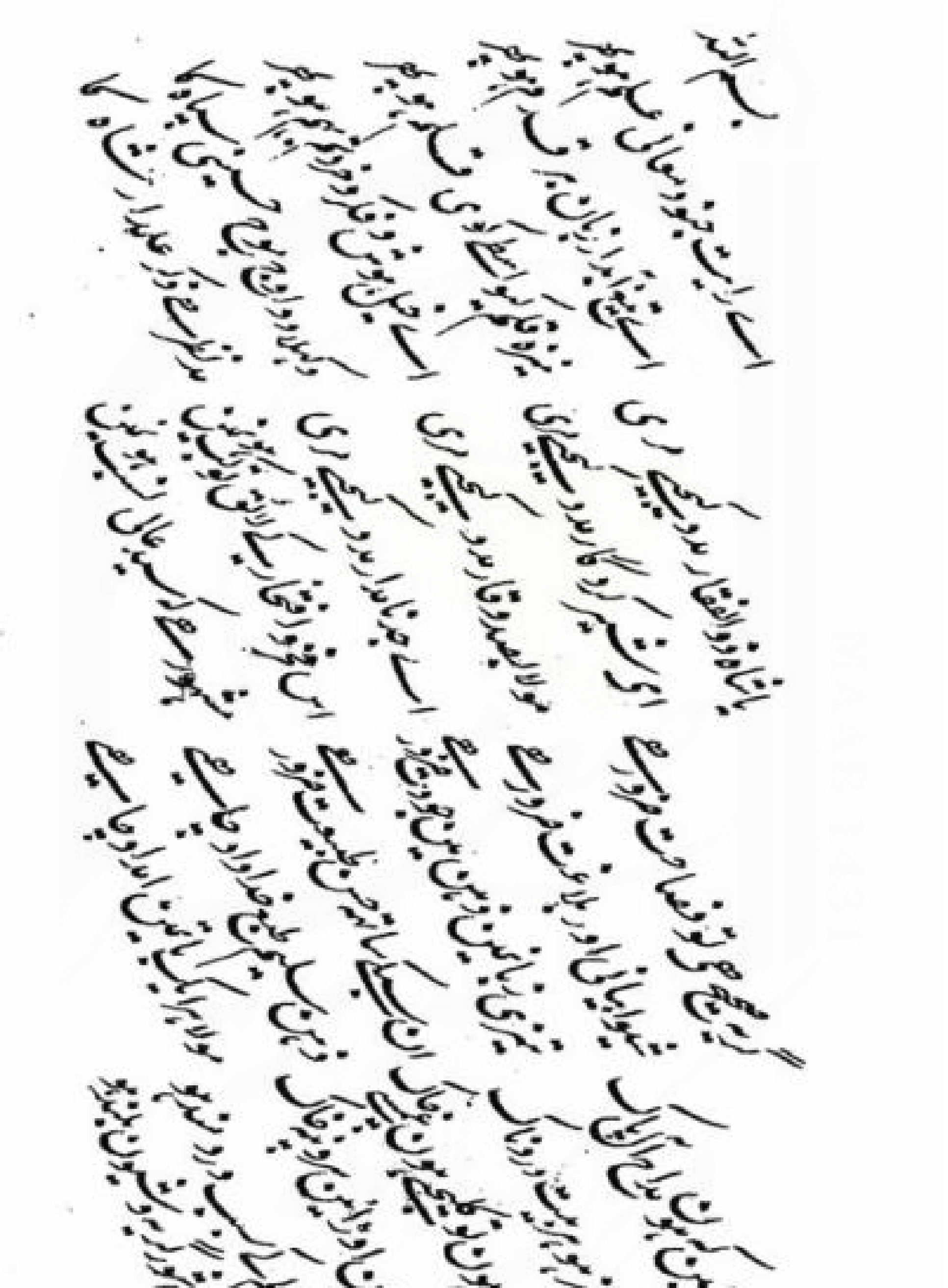

قلمی مرثیے کا پہلا صفحہ

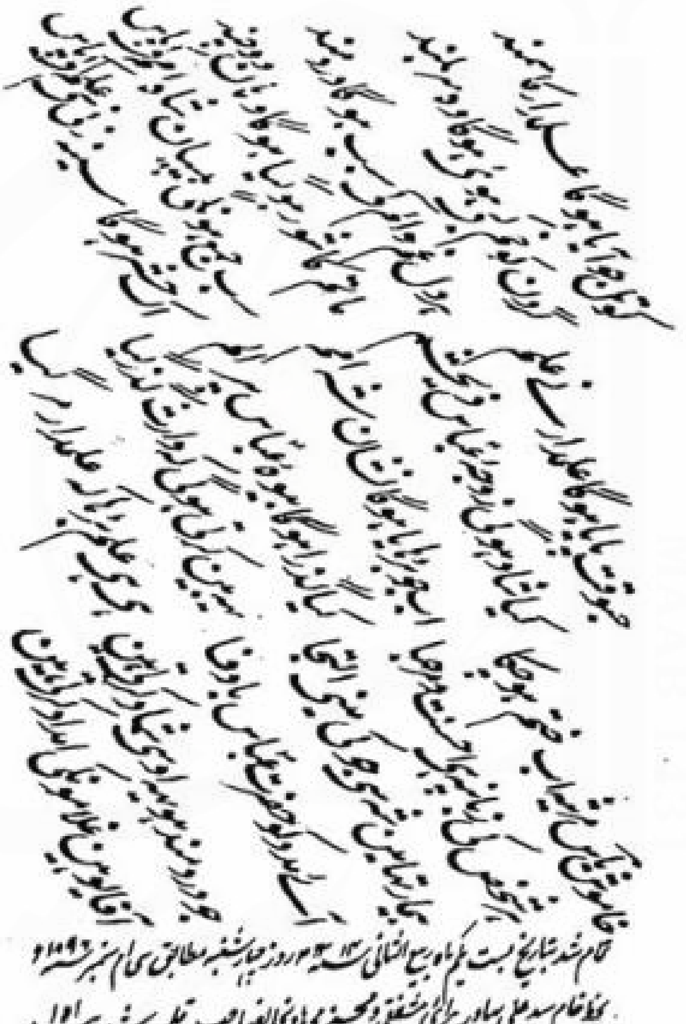
اللہم اغفر لکاتبہ

قلمی مرثیے کا آخری صفحہ

میرزا ذاکر حسین یاسؔ   غیر مطبوعہ

مرثیہ

درحال حضرت عباسؑ

۱۵۱ بند

اے رایتِ جنودِ معانی علَم ہو پھر
اے تیغِ آبدار زباں برق دم ہو پھر
نیزہ قلم کے واسطے کوئی قلم ہو پھر
اے خیلِ ہوش وفکر وخرد تم بہم ہو پھر
دکھلادو اوج موج حسینی سپاہ کا
مد نظر ہے ذکر علمدار شاہ کا

یا شاہِ ذوالفقار مدد کیجیے مری
اے شیرِ کردگار مدد کیجیے مری
مولا بصد وقار مدد کیجیے مری
اے جدِ نامدار مدد کیجیے مری
اس فخر و افتخار کے لائق تو کب ہوں میں
مشہور ہے کہ سیدِ عالی نسب ہوں میں

گر یہ صحیح ہے تو فصاحت ضرور ہے
شیوا بیانی اور بلاغت ضرور ہے
تیزی زباں میں ذہن میں جودت ضرور ہے
ان سب کے ساتھ حُسنِ طبیعت ضرور ہے
ذہنِ سلیم ، طبعِ خدا داد چاہیے
مولا ہر ایک بات میں امداد چاہیے

مضمونِ نو ملیں کہ ہوں مداحِ آلِ پاک
ہر بند گریہ خیز ہو ہر بیت درد ناک
جب مرثیہ پڑھوں تو کلیجے ہوں غم سے چاک
جو آپ کے محب ہیں اڑائیں سروں پہ خاک
ہر دل غم و الم کے سبب درد مند ہو
مجلس میں شورِ گریہ و شیون بلند ہو

عاشور کا وہ حال لکھوں جو سنا نہ ہو استاد کا جو رنگ ہے اُس سے جدا نہ ہو
ہو راست سب دروغ کسی جا ذرا نہ ہو کیوں رنج و غم میں یاس کا دل مبتلا نہ ہو
دل سے اسی کے پوچھے کوئی اس ملال کو
پوتا ہی خوب جانے گا دادا کے حال کو

جب روئے صبح پردۂ شب سے عیاں ہوا پُرنور اس کے جلوے سے سارا جہاں ہوا
اونچا فلک پہ مہر کا زرّیں نشاں ہوا اللہ رے رعب لشکرِ انجم رواں ہوا
منہ سامنے سے خسروِ خاور کے مُڑ گیا
کیا خوف تھا کہ ماہ کا بھی رنگ اُڑ گیا

نکلا تھا اس شکوہ سے خورشید خاوری ترکِ فلک کے جسم میں تھی جس سے تھرتھری
فق ہو گیا تھا رنگِ رخِ چرخِ اخضری بس پڑ گئی تھی فوج کواکب میں ابتری
جاتا رہا تھا جلوۂ شاہانہ ماہ کا
سب اوج پست تھا فلکی بارگاہ کا

آمد وہ آفتابِ درخشاں کی وہ سحر شبنم تھی یا کہ چرخ سے تھی بارشِ گہر
تھی ناز سے نسیم خراماں اِدھر اُدھر پہنچا تھا بوئے گُل کا دماغ آسمان پر
پھولی نہ عندلیب سماتی تھی باغ میں
خوشبو بسی ہوئی تھی گلوں کی دماغ میں

سرو سہی پہ بیٹھی ہوئی قمریاں بہم گلشن میں بھر رہی تھیں ثنائے خدا کا دم
شاخیں بھی وجد میں تھیں نہالوں کی یک قلم غنچے پکارتے تھے چٹک کر یہ دم بدم
جب تک تمام باغ جہاں پُر فضا رہے
یا رب چمن رسولؐ کا پھولا پھلا رہے

وہ صبح کی فضا وہ بیاباں وہ کوہسار وہ رنگ لالہ زار کا سبزے کی وہ بہار
نغمے وہ بلبلوں کے خوش آئین و خوشگوار کثرت یہ تھی گلوں کی کہ تھی ڈالیوں پہ بار
تحریک سے ہوا کی اڑے چھوٹ چھوٹ کر
تاروں کی طرح گرنے لگے ٹوٹ ٹوٹ کر

بادِ صبا کا جھوم کے چلنا وہ بار بار   باقی وہ شب کا دیدۂ نرگس میں کچھ خمار
شمشاد تھا جو ایک تو تھیں قمریاں ہزار   طرفہ شگفتگی تھی ہر اک جا عجب بہار
گل کا فراق بلبلِ شیدا کو شاق تھا
صحرا میں یہ بہار عجب اتفاق تھا

پھیلی جو زلفِ سنبلِ پیچاں کی واں شمیم   تھی مشک بیز گرد تو عنبر فشاں نسیم
صیاد و باغباں سے جو کچھ تھا انھیں نہ بیم   مرغِ چمن پکار رہے تھے کہ یا کریم
بو آ رہی ہے خون کی لالے کے داغ میں
کیا وجہ ہے جو آج اداسی ہے باغ میں

اس صبح کا تھا نور ہر اک سمت جلوہ گر   مہرِ جمالِ یوسفِ زہرا تھی وہ سحر
ذرہ ہر اک چمک کے بنا غیرتِ قمر   دیکھو زمیں کو بھی تو کرے خیرگی نظر
خورشید تھا کہ برق چمکتی تھی طور کی
صحرا میں تھے سراب کہ موجیں تھیں نور کی

طالع اُدھر تو نیرِ گیتی ستاں ہوا   خیمے سے یاں بھی مہرِ امامت عیاں ہوا
حاضر حضورِ شاہ ہر اک نوجواں ہوا   اصطبل سے طلب فرسِ خوش عناں ہوا
پایا جو حکم سبطِ رسالتؐ مآب کا
خادم پکارے لاؤ تگاور جناب کا

آیا فرس سوار ہوئے شہ بڑھا علم   باگیں اٹھیں ادب سے چلی فوج سب بہم
تھوڑی سی اس سپاہ کا اللہ رے حشم   ہیبت بڑی تھی گو کہ وہ لشکر بہت تھا کم
چہرہ تھا سرخ غیظ سے یہاں ہر سعید کا
لرزاں تھی سب یہ حال تھا فوجِ یزید کا

تھا کوفیوں کا ایک طرف رن میں اژدہام   کثرت تھی فوج کی امنڈ آئے تھے روم و شام
قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تمام   آراستہ تو تھے مگر ابتر تھا انتظام
ویراں تھی ہر سپاہ کی بستی بسی ہوئی
کھل کھل گئی تھیں رات کی کمریں کسی ہوئی

فوجِ امامِ پاک کا اللہ ری وقار　سارے جری تھے زاہد و ابرار و نامدار
جانِ جہاں کوئی تھا کوئی فخر روزگار　تھے دل سے نام نامی شبیرؑ پر نثار
خوں سے عزیز تر تھا پسینا حسینؑ کا
دولت جہاں کی تھی انھیں جینا حسینؑ کا

ابنِ مظاہرِ اسدیؑ تھا جو باوفا　تھا وہ علم لیے سپہ دستِ راست کا
شہ کا حبیبِ خاص تھا بچپن کا دوست تھا　پروانہ وار شمعِ امامت پہ تھا فدا
حقِ وفا یہ تھا کہ جو یہ لوگ کر گئے
کھیلے بھی ساتھ ساتھ جہاں سے گذر گئے

سردارِ میسرہ تھا جو جانباز دوسرا　یعنی زہیرِ قینؑ مصاحب حضور کا
خوف و ہراس موت کا اس کو نہ تھا ذرا　تلوار تول تول کے ہر بار کہتا تھا
پیری ہے پر میں زورِ جوانی دکھاؤں گا
میداں میں آج خون کے دریا بہاؤں گا

وہبؑ و بریرؑ و عامرؑ و یحیائے مازنیؑ　سعدؑ و سعیدؑ و عابسؑ و ضرغامہؑ جری
عمرانؑ و ابن عوسجہؑ و عمرِ متقیؑ　عبداللہ و ہزبرؑ و یزیدؑ و ہلالؑ بھی
تھے یہ جری مہم شہادت کے کام کے
ہاں سب تھے جاں نثار امامِ انام کے

عباسؑ حاملِ علمِ قلبِ فوجِ شاہ　دل سے عزیز رکھتے تھے جس کو جہاں پناہ
روشن تھا اُس کا چہرۂ انور مثالِ ماہ　مل جائے کوہ بھی جو کرے غیظ کی نگاہ
لاکھوں کو مانتا نہیں یہ وہ دلیر ہے
کیونکر نہ منچلا ہو کہ شیروں کا شیر ہے

سالارِ لشکرِ شہداء اکبرؑ حسیں　آرامِ روح و راحتِ قلبِ امامِ دیں
گیسو و رُو و خال و رخ و ابرو و جبیں　ظلمات و نور و نجم و ہلال و مہِ مبیں
ہر عضوِ تن دکھاتا ہے خیر الوریٰ کی شان
حُسنِ ملیح کہتے ہیں اِس کو خدا کی شان

تھا اک طرف عقیلؑ دل افگار کا چمن اور ایک سمت جمع تھی ذرّیتِ حسنؑ
زینبؑ کے لال تھے عقبِ سرورِ زمن یکسو برادرانِ علمدارِ صف شکن
بھالے سنبھالے ہاتھوں میں تیغیں کمر میں تھیں
جتنی صفیں تھیں رن میں سب اُن کی نظر میں تھیں

حضرت کے حُسن و جرأت و ہمت کا ذکر کیا ایسا جمال حضرتِ یوسفؑ کو کب ملا
شاہِ امم ، خدیو عجم ، فخر اوصیا باندھی نہیں سپر کبھی تلوار کے سوا
پیدا ہوئے ہیں خلق و مروّت کے واسطے
رکھے ہیں سر ہتھیلی پہ امّت کے واسطے

کثرت ہے گو اُدھر نہیں لیکن انھیں خطر اک تیغ پاس ہے وہی حربہ وہی سپر
چلاتے ہیں عدو یہ فرشتہ ہے یا بشر نورِ محمدیؐ ہے سراپا میں جلوہ گر
نسبت نہیں جبیں سے مہ و آفتاب کو
دیکھو درود پڑھ کے رخِ لاجواب کو

پہنچے جو رن میں فوج لیے شاہ کربلا آمادہ سرکشی پہ ہوا لشکرِ جفا
تیر آئے اُس طرف سے پیاپے ہزارہا یاں غازیوں نے حق رفاقت کیا ادا
سینے سپر کیے شہ بدر و حنین پر
ایک اک نے سر فدا کیے پائے حسینؑ پر

جس دم رفیق شاہ کے سب ہو گئے تمام پھر تو کیا عزیزوں نے مرنے کا انتظام
جاتا تھا بعد ایک کے واں ایک تشنہ کام ایسے لڑے کہ دنگ ہوئی سب سپاہِ شام
مسلمؑ کے لال کیا کہوں کیا کام کر گئے
زینبؑ کے لاڈلے تو بڑے نام کر گئے

تھی دوپہر کہ باغِ حسنؑ ہو گیا خزاں مارا گیا جہاد میں قاسمؑ سا نوجواں
لائے جو رن سے لاش شہنشاہِ انس و جاں خیمہ سے پیٹتی نکل آئی بنے کی ماں
کہتی تھی آج لختِ جگر کی برات ہے
میرے مرادوں والے پسر کی برات ہے

جب لاش اٹھ گئی تو قیامت ہوئی بپا　　مسند پہ بیٹھی تھی دُلہن غم کی مبتلا
ہمشیرِ شاہِ دیں کا بہت حال غیر تھا　　خیمہ کے در پہ آپ کھڑے کرتے تھے بکا
اکبرؑ کو غم میں کچھ سر و پا کا نہ ہوش تھا
عباسِؑ نامور کو شجاعت کا جوش تھا

یہ غیظ تھا کہ ہونٹ چباتے تھے بار بار　　آنکھوں میں اشکِ گرم بھر آتے تھے بار بار
گھبرا کے در پہ خیمہ کے جاتے تھے بار بار　　رو کر سخن زباں پہ یہ لاتے تھے بار بار
گھر ہوگیا تباہ یہ کیا قہر ہوگیا
قاسم کا مرنا میرے لیے زہر ہوگیا

گہ شہ سے عرض کرتے تھے اے فاطمہؑ کے لال　　حضرت کو یاد ہوگا کہ ہنگامِ انتقال
فرماتے تھے حسنؑ یہی مجھ سے بصد ملال　　عباسؑ ہے تمہارے حوالے یہ خورد سال
دلبر ہے نورِ عین ہے لختِ جگر یہ ہے
فرماتے تھے بہت مرا پیارا پسر یہ ہے

شرمندگی غضب ہوئی بھائی سے ہے ستم　　پالا تھا جس کو گود میں اُس کا اٹھایا غم
فرمایئے یہ قہر نہیں یا شہِ امم　　قاسمؑ تو قتل ہوگئے زندہ رہے تو ہم
پردہ ہے اب اسی میں کہ پیوندِ خاک ہوں
تف ایسی زندگی پہ کہ بچے ہلاک ہوں

فرمایئے یہ رنج کی جا ہے کہ یا نہیں　　کہیے تو یہ مقامِ بکا ہے کہ یا نہیں
جینا خلافِ شرطِ وفا ہے کہ یا نہیں　　اب زندگی کا تلخ مزا ہے کہ یا نہیں
چرچے رہیں گے رہ کے پسِ کارواں جیا
بچے تو قتل ہوگئے یہ سخت جاں جیا

کتنا ہے صبح سے یہ چمن دیکھتے ہیں ہم　　بیٹوں کو رو رہی ہے بہن دیکھتے ہیں ہم
قاسمؑ کا ٹکڑے ٹکڑے بدن دیکھتے ہیں ہم　　سر پیٹتی ہے گھر میں دلہن دیکھتے ہیں ہم
بے تیغ و تیر کام ہمارا تمام ہے
پر عین مصلحت ہے جو حکمِ امام ہے

خوں تن میں جوش کھاتا ہے بے حکم کیا کریں ہر بار غیظ آتا ہے بے حکم کیا کریں
پیاسوں کا غم رُلاتا ہے بے حکم کیا کریں یہ حال دیکھا جاتا ہے بے حکم کیا کریں
غش ہو سکینہؑ پیاس سے کوشش نہ کر سکیں
پانی کی ایک مشک نہ دریا سے بھر سکیں

بسمل جگر ہے اب نہیں ملتا جو اذنِ جنگ میں دیکھ کر سمند کو ہوتا ہوں اور تنگ
دیکھے کمان و تیر تو دل پر لگے خدنگ جب یاس ہو گئی تو رہے خاک پھر امنگ
بڑھتے تھے پہلے تیغِ شرر بار تول کے
اب حکم ہو تو پھینک دیں ہتھیار کھول کے

فرمایا شہ نے آپ کا کہنا ہے سب بجا پر کس زباں سے بھائی کو مرنے کی دوں رضا
وہ وقت یاد ہے کہ علیؑ نے دمِ قضا سونپا تھا تم کو مجھ کو مجھے تم کو مہ لقا
اب تم نشانی اور ودیعت علیؑ کی ہو
کیونکر جدا کروں کہ امانت علیؑ کی ہو

اذنِ وغا پہ ہاتھ نہ ہر بار جوڑیئے ساتھی سے اس مقام پہ منہ کو نہ موڑیئے
بیکس کی آس ایسی بلا میں نہ توڑیئے بھائی کو ایسے وقت میں تنہا نہ چھوڑیئے
عباسؑ میرے ساتھ سے کیوں ہاتھ اٹھاتے ہو
یہ تو بتاؤ مجھ کو کسے سونپے جاتے ہو

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِؑ نامور تھا یہ اسی لیے کہ فدا ہوں مَیں آپ پر
پوچھا تھا میری ماں نے جوانؑ سے بچشم تر دی تھی علیؑ نے آج ہی کے روز کی خبر
اک دن زوال آئے گا میری کمائی پر
عباسِؑ نامدار فدا ہوگا بھائی پر

یہ دن وہی ہے جس کا علیؑ دے گئے نشاں مجھ کو بس اب نہ روکیے اے قبلۂ زماں
فرمایا تم ہو میرے علمدار بھائی جاں جب تم گئے تو فوج کی ترتیب پھر کہاں
کی عرض فوج کٹ گئی گھر کی صفائی ہے
سب آگے بڑھ گئے مری باری اب آئی ہے

اکبرؑ یہ سن کے بولے کہ اے سرورِ انام آپ اُن کو روک لیجیے جاتا ہے یہ غلام
عباسؑ نے کہا نہ کریں آپ یہ کلام اے جانِ عم بگڑتا ہے بن کر ہمارا کام
حاجت روائے خلق ہیں یہ سب کی داد دیں
ایسا نہ ہو امام نہ اذنِ جہاد دیں

یہ ذکر تھا کہ گھر میں ہوا شورِ العطش روئے بلک بلک کے کئی طفلِ ماہ وش
غل پڑ گیا کہ پیاسوں کو آتے ہیں غش پہ غش پانی بغیر اب نہ جئیں گے یہ فاقہ کش
یہ سن کے غم سے سب کے جگر آب ہو گئے
عباسِؑ نامدار تو بیتاب ہو گئے

کی عرض منتوں سے کہ آقا نہ روکیے اب اِس غلام کو مرے مولا نہ روکیے
آتا ہے منہ کو میرا کلیجا نہ روکیے سقائی کی ہے مجھ کو تمنا نہ روکیے
ایسا نہ ہو کہ فوت کوئی نورِ عین ہو
بھر لاؤں مشکِ آب تو پھر دل کو چین ہو

فرمایا شہ نے کچھ نہیں بن پڑتی آہ آہ عباسؑ میرا گھر کیے جاتے ہو تم تباہ
لو جاؤ بہرِ جنگ جو کچھ مرضیِ الٰہ بہتر ہے پانی لانے کی نکلے جو کوئی راہ
یوں تو یہ اور صدموں سے بھی دردناک ہیں
پر تین دن کی پیاس سے بچے ہلاک ہیں

رخصت ملی جو رن کی علمدارِ شاہ کو اک عید کی خوشی ہوئی اُس رشکِ ماہ کو
تسلیم کر کے خسروِ عالم پناہ کو ملنے کو بیبیوں سے گئے خیمہ گاہ کو
دو گام میں تمام وہ رستہ گذر گیا
خیمہ میں آئے برجِ شرف میں قمر گیا

زینبؑ سے ہاتھ جوڑ کے بولے بانکسار جو کچھ خطا ہو، ہو وہ بحل بہرِ کردگار
مولا نے تو دیا بخوشی اذنِ کارزار اب آپ سے بھی ہوتا ہے رخصت یہ جاں نثار
ہاں باندھیے کمر مری مشکلکشائی پر
کہہ دیجیے فدا ہو مرے پیارے بھائی پر

روئیں یہ سن کے خواہرِ سلطانِ بحر و بر پھیلا کے ہاتھ بولیں کہ آؤ ذرا اِدھر
جھک کر گرا قدم پہ بہن کے وہ نامور زینبؑ نے بھی لگالیا چھاتی سے بڑھ کے سر
شفقت بڑی بہن کی کلیجا دُکھا گئی
عباسؑ نامدار کو ماں یاد آ گئی

مل کر بہن سے پھر گئے زوجہ کے متصل بولے، کہا سنا مرا تم بھی کرو بحل
صاحب اگرچہ صدمۂ فرقت ہے جاں گسل صابر جو ہیں وہ رکھتے ہیں قابو میں اپنا دل
ہو جاؤں میں جو قتل تأسف نہ کیجیو
سینہ میں دل جلا کرے پر اُف نہ کیجیو

بولی وہ صابرہ کہ بہت خوب جایئے صاحب مرے رنڈاپے کا کچھ غم نہ کھایئے
جو کچھ مرے نصیب میں ہو وہ دکھایئے یہ پیاس آبِ تیغ سے جا کر بجھایئے
وہ کیجیے کہ شاد خدا کا حبیب ہو
حوروں کے ساتھ خلد میں راحت نصیب ہو

لُٹ جائے جو غریب نہ روئے تو کیا کرے آفت نصیب جو ہو نہ کیونکر بکا کرے
قسمت کسی بلا میں اگر مبتلا کرے بے صبر ہے گلے سے جو لب آشنا کرے
وارث کو کھو کے جان کو کھوئے نہ کس طرح
بھر آئے دل قلق سے تو روئے نہ کس طرح

باتیں یہ سن کے آپ بھی روئے جھکا کے سر فرزندِ گلعذار پہ کی یاس کی نظر
اک آہِ سرد بھر کے اٹھے پھر بچشمِ تر آئے وہاں سکینہ بھی تھی غش جس مقام پر
بانو سے پوچھا کہیے تو کیا اِن کا حال ہے
وہ بولیں ایسی پیاس میں بچنا محال ہے

یہ حال اپنی پیاری بھتیجی کا جب سنا صدمہ سے کانپنے لگے عباسؑ باوفا
بولے کہ میری جان ذرا ہوش میں تو آ چونکی سکینہ سن کے چچا جان کی صدا
عمو کے رخ پہ کی جو نظر اشک ڈھل پڑے
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے

بولی زبانِ خشک دکھا کر وہ دردناک   نزدیک ہے کہ پیاس سے ہوجاؤں میں ہلاک

ہے صدمۂ عطش سے جگر میرا چاک چاک   عباسؑ نامور نے کہا روحنا فداک

دیکھو تو خوں کی نہر بہاتا ہوں نہر پر

روؤ نہ پانی لینے کو جاتا ہوں نہر پر

یہ کہہ کے گھر سے رن کو وہ صفدر رواں ہوا   لو پا کے اذنِ جنگ دلاور رواں ہوا

غصے میں شیرِ بیشۂ حیدرؑ رواں ہوا   گویا پئے شکار غضنفر رواں ہوا

اب زیرِ تیغ دم میں ہر اک نابکار ہے

جو غول رن میں ہے وہ غزالوں کی ڈار ہے

پردا اُٹھا محل سے برآمد ہوئے جناب   گویا حرم سرا سے نکل آئے بوتراب

وہ غیظ وہ جلال وتہور وہ رعب وداب   ہیبت سے تھرتھرا گیا گردوں پہ آفتاب

شہرے اُڑے جو تابہ فلک روئے پاک کے

تارِ شعاع مل گئے ذرّوں میں خاک کے

فرمایا لاؤ رخشِ فلک سیر و برق دم   ایسا فرس جو طے کرے دم میں رہِ عدم

شرمندہ جس کی چال سے ہوں آہوئے حرم   کس واسطے کہ جائیں گے ملکِ بقا کو ہم

اب ایک دم نہ ٹھہریں گے دنیائے زشت میں

روکیں گے باگ اِس کی پہنچ کر بہشت میں

خدام نے جو ہیں متواتر یہ حکم پائے   دوڑا کے سامنے دو رکابہ سمند لائے

آپ آبدار خانہ شاہی کے پاس آئے   اِک مشکِ خشک اٹھا کے بہت اشکِ خوں بہائے

پائے قدم کے فیض سے رُتبے رکاب نے

روشن مکانِ زیں کو کیا آفتاب نے

لی باگ رخشِ گرم رو و تیز دو چلا   گردوں کو خم کیے صفتِ ماہِ نو چلا

ہر ہر قدم ہوا سے وہ لیتا گرو چلا   مانندِ برق وہ فرسِ تند رو چلا

حیراں تھے جنّ وانس و ملک رزمگاہ میں

پیکِ نظر بھی رہ گئے تھک کے راہ میں

نورِ جبیں وہ نورِ قمر جس سے گھٹ گیا   دیکھا ہلال نے خمِ ابرو تو کٹ گیا
عارض وہ جن کے آگے سے خورشید ہٹ گیا   ابرِ سیاہ سامنے زلفوں کے پھٹ گیا
بو گیسوؤں کی پہنچی تھی اک روز باغ میں
اب تک بسی ہے سنبلِ تر کے دماغ میں

آنکھیں وہ جن کو دیکھ کے نرگس بھی دنگ ہے   پستہ بھی زہر کھائے لبوں کا یہ رنگ ہے
نازک دہن وہ جائے سخن جس میں تنگ ہے   دنداں وہ جن کے سامنے الماس سنگ ہے
گویا بلور ہے ذقنِ خوشنما نہیں
تابندہ شمعِ نور ہے نازک گلا نہیں

وہ قد کہ جس سے سروِ چمن پائمال ہے   سینہ وہ صاف جس سے عیاں دل کا حال ہے
وہ ہاتھ سربسر جنہیں شوقِ جدال ہے   ایسی کمر کہ جس کی ستائش محال ہے
چاہیں جو یہ تو کفر کی بستی اُجھاڑ دیں
سب کے قدم ہٹیں یہ جہاں پاؤں گاڑ دیں

یوں خودِ آہنی میں رخِ پاک ہے عیاں   گویا کہ برجِ دلو میں ہے ماہِ آسماں
خورشید اور زحل کا ہو ایک جا قراں   سورہ حدید و نور کا آیا بہم یہاں
چشمک زنی علم کی جو ہے آفتاب پر
پرچم کا عکس پڑتا ہے فرقِ جناب پر

رخ پر پڑی ہوئی ہے جھلم جو اِدھر اُدھر   ہے دو طرف تو ابرِ سیہ بیچ میں قمر
پہنے ہیں بر میں جوشنِ داؤدِ نامور   جس کا ہر ایک حلقہ ہے میداں میں جلوہ گر
پُر نور سب ہے عکسِ تنِ لاجواب سے
لپٹے ہوئے ہیں تارِ شعاعِ آفتاب سے

دستانوں میں ہیں ہاتھ کہ ہے میان میں حسام   چار آئینہ شجاعت و جرأت کا ہے مقام
حیرت میں کیوں نہ دیکھ کے آجائیں خاص و عام   صبحیں تو چار ہیں نہیں پر ایک کی بھی شام
ہوش و حواس و فہم و خرد سب کے کھو گئے
اِن سے دو چار ہو گئے جو آٹھ ہو گئے

نیزہ ہے یا کہ افعیِ زلفِ سیاہ ہے　　یا ہجر میں بلند یہ عاشق کی آہ ہے
پھل پر زبانِ شمع کا صاف اشتباہ ہے　　میداں میں کب حریف کو اس سے پناہ ہے
جو اِس کی زد پہ آ گیا رن میں وہ فوت تھا
نیزہ نہ کہیے وہ یدِ طولائے موت تھا

تلوار ہے کمر میں کہ قہرِ خدا یہ ہے　　ہاں قصرِ تن گرانے کو سیلِ فنا یہ ہے
طرّار ہے شریر ہے نا آشنا یہ ہے　　جن بھی یہ جانتے ہیں عجب بدبلا یہ ہے
آفت بپا کرے گی جو نکلے گی میان سے
مارے گی ایک ایک کو چن چن کے جان سے

ایسی سپر جو شیر کی پشت و پناہ ہے　　کہیے نہ پھول چار ہر اک سے نگاہ ہے
اوجھڑ سے اُس کی حال عدو کا تباہ ہے　　باعث یہ ہے کہ رنگ جو اس کا سیاہ ہے
ہنگامہ گرم ہوتے ہی سیماب ہوگئی
تیغوں کی آنچ میں یہ سیہ تاب ہوگئی

وہ دوشِ پاک اور وہ سرافرازیِ علم　　وہ اُس کا ارتفاع وہ توقیر وہ حشم
آتا ہے اُڑ کے سبز پھریرا جو دمبدم　　پرواز کرنے پر ہیں سوئے گلشنِ ارم
جعفرؓ کی طرح یہ بھی علمدار ہوگئے
عباسؑ نامدار بھی طیار ہوگئے

پُر نور کیوں نہ ہو علمِ شاہِ دیں پناہ　　حامل ہیں جس کے حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
پنجے کو دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں روسیاہ　　تاب اس کے دیکھنے کی نہیں ہے خدا گواہ
ہے آج روزِ حشر علامت کو دیکھ لو
نیزے پہ آفتاب قیامت کو دیکھ لو

وہ رعب وہ جلال وہ شوکت وہ صفدری　　بعدِ حسینؑ اب کوئی انساں نہیں جری
پھرتا ہے گرد سر بادب چرخِ چنبری　　دونا ہے حُسن دوش پہ جو مشک ہے دھری
دریا کی سمت رخ جو ہوا ہے جناب کا
ہے پشتِ آفتاب پہ لکّہ سحاب کا

وہ بادِ پا نسیمِ چمن جس سے شرمگیں　　وہ گامچی کہ شاخِ سمن جس سے شرمگیں
شوخی وہ آنکھ میں کہ ہرن جس سے شرمگیں　　خوشبو وہ یال مشکِ ختن جس سے شرمگیں
کیونکر نہ ہو سمند ہے یہ کس حسین کا
چوٹی کی جو گرہ ہے وہ نافہ ہے چین کا

آیا جو رن میں ماہِ بنی ہاشمِ جواں　　اللہ رے رعب کانپ گیا لشکرِ گراں
ڈر ڈر کے چھوڑ چھوڑ دیے ہاتھ سے نشاں　　جو فیل زور تھے وہ ہوئے مورِ ناتواں
جو اصل میں ضعیف ہو طاقت دکھائے کیا
چیونٹی مقابلے کو سلیماں کے آئے کیا

اس انتشار میں تھا بنِ سعدِ نابکار　　جو آیا سامنے بنِ عنوائے بدشعار
بولا اب اے امیرِ غضب کی ہے کارزار　　آئے ہیں پانی لینے کو عباسؑ نامدار
امداد کر کہ جنگ ہے اُس تشنہ لب کے ساتھ
جو شیر لڑ چکا ہے امیرِ عرب کے ساتھ

تھی دس برس کی عمر جو صفین میں لڑا　　اب تو جواں ہے کس سے ہو ایسے کا سامنا
تنہا لڑے کسی میں بھی یہ زور ہے بھلا　　اک پیل تن یہ سنتے ہی بولا کہا یہ کیا
جو مرد ہیں قدم کہیں اُن کے اکھڑتے ہیں
ایسے جواں بھی ہیں جو ہزاروں سے لڑتے ہیں

یہ کہہ کے سوئے نہر وہ بیداد گر چلا　　آواز دی اجل نے کہ سرکش کدھر چلا
تنتا ہوا فرس پہ بصد کرّوفر چلا　　دریا کی راہ سے سوئے نارِ سقر چلا
اُبلا ہے اس قدر تو سزا جلد پائے گا
سقے کی تیغ کا اُسے پانی جلائے گا

تھے ساتھ ساتھ بہرِ کمک بیس سو سوار　　پہنچا جو قربِ نہر وہ بدکیش و بدشعار
دیکھا کہ واں کی فوج میں ہے سب کو انتشار　　بولا ہر ایک سے یہ بہ نخوت وہ نابکار
کاہے کا خوف ہے جو اسیرِ ہراس ہو
میں تو مدد کو آیا ہوں کیوں بے حواس ہو

واں اُس نے اپنی فوج کو آراستہ کیا　　یاں بڑھ کے شیرِ بیشۂ حیدرؑ نے دی صدا
آگاہ جو نہ ہو وہ سنے مجھ سے برملا　　عباسؑ میرا نام ہے اے قومِ اشقیا
جس کا پدر ہے شیرِ خدا وہ دلیر ہوں
ہمسر ہے میرا کون کہ شیروں کا شیر ہوں

بنتِ اسد کے شیر کا ضیغم ہوں ظالمو　　ضرغام ہوں ہزبر ہوں ہیصم ہوں ظالمو
فوجِ خدا میں سب سے مقدم ہوں ظالمو　　رتبے میں پر حسینؑ سے میں کم ہوں ظالمو
فرزند ہوں وصیِ رسولِ کبیرؐ کا
وارث ہوں ذوالفقارِ جنابِ امیرؑ کا

بے خوف جو خزاں سے رہا وہ چمن ہوں میں　　سادات ہوں شجاع ہوں اور صف شکن ہوں میں
رستم بھی جس سے ڈرتا ہے وہ تیغ زن ہوں میں　　مظلوم ہوں شہید ہوں خونی کفن ہوں میں
اِس تیغِ برق دم سے شطِ خوں بہاؤں گا
دریا پہ بہرِ آب لہو میں نہاؤں گا

منظور تم کو جنگ ہے گر پھر درنگ کیا　　دیکھو یہ تیغ کھنچ کے دکھاتی ہے رنگ کیا
بڑھتے نہیں لڑائی سے آئے ہو تنگ کیا　　جاتی رہی تمہارے دلوں سے امنگ کیا
ازرق کے مارے جانے سے تم آپ مر گئے
ہاں سچ ہے ضربِ قاسمِؑ ذیشاں سے ڈر گئے

یہ سن کے شمرِ نحس نے ایک ایک سے کہا　　سنتے ہو کیا یہ کہتے ہیں عباسِؑ باوفا
ہو سب عرب مگر تمہیں غیرت نہیں ذرا　　بڑھ کر لڑو کھڑے ہوئے منہ دیکھتے ہو کیا
عزت کی جا نہ جان کا وسواس چاہیے
مردوں کو آبرو کا فقط پاس چاہیے

چہرے ہوئے یہ سنتے ہی ان ناریوں کے لال　　نیزے اٹھا اٹھا کے بڑھے سب پئے جدال
باجے بجے کہ ملنے لگا عرصۂ قتال　　آگے بڑھے صفوں سے نقیبانِ بدخصال
کڑکا ہوا صفوں سے قوی تن جواں بڑھے
ناوک چلے نشان کھلے پہلواں بڑھے

برہم ہوئے حضور بھی لی تیغ میان سے — دوڑا فرس کہ تیر چلا یا کمان سے
سب نیزہ باز ہاتھ کو دھوئے تھے جان سے — عباس لڑ رہے تھے عجب آن بان سے
صف تھی زمیں پہ تیغ جدھر مُڑ کے رہ گئی
جھونکا ہوا کا چل گیا خاک اُڑ کے رہ گئی

وہ تیغ تیز مثلِ اجل جس پہ آ گئی — بسمل کیا حلال کیا خوں بہا گئی
آئی جدھر قضا کی ادائیں دکھا گئی — منہ کی کڑی تھی گرتے ہی ہر صف کو کھا گئی
خنجر بھی اُس سے لڑ گیا جو کر کے رہ گیا
برسا یہ ابرِ تیغ کہ خوں رن میں بہہ گیا

دو مل کے بہرِ جنگ اگر آئے نابکار — پہنچے اٹھا کے تیغ علمدار نامدار
غازی نے ان شریروں کے چلنے دیے نہ وار — اک ضربتِ حسام دو دم سے ہوئے دو چار
برباد خاک و آتش و آب و ہوا ہوئے
کیا ضرب تیغ تھی کہ عناصر جدا ہوئے

تھی شعلہ خو جلاتی تھی جس صف پہ جاتی تھی — آئینہ رو تھی ایک کو وہ دو بناتی تھی
تھی سبزہ رنگ زہر ہر اک کو پلاتی تھی — گرمی کی تھی جو فصل تو خوں میں نہاتی تھی
ناز و ادا غضب سے تھے شرارت غضب کی تھی
اس پر بھی لب تھے خشک حرارت غضب کی تھی

مل کر گلوں سے اور بھی بیباک ہو گئی — جل جل کے اُس کی آگ سے صف خاک ہو گئی
سرخی سے تھا عیاں کہ غضبناک ہو گئی — پھرتی سے چل کے اور بھی چالاک ہو گئی
مچھلی سی ڈوب ڈوب کے خوں میں ابھرتی تھی
سینے میں جا کے بھی نہ کوئی دم ٹھہرتی تھی

بجلی چمک رہی تھی کہ تیغ شرر فشاں — اُف اُف کی دے رہا تھا صدا ترکِ آسماں
ہر نخلِ تن پہ سرو چراغاں کا تھا گماں — شعلے لپک رہے تھے کہ ہوتا تھا خوں رواں
اک آگ تھی لگی ہوئی فوجوں میں شام کی
تونسی ہوئی تھی دھوپ سے رنگت حسام کی

اُس تیغ سے برستا تھا خوں صورتِ سحاب　　سرخوں میں تر رہے تھے کہ سیلاب میں حباب
طوفاں میں ٹھہرے ایک لعیں کو نہ تھی یہ تاب　　دل تھرتھرا رہے تھے کلیجے تھے آب آب
چلا رہے تھے سب کہ ہوا خوب ہوگئی
تھی جو کہ فصلِ حار وہ مرطوب ہوگئی

سقائے اہلبیتؑ جو تھا محوِ کار زار　　جو منچلے تھے فوج میں تھا اُن کو انتشار
اللہ رے جلالتِ عباسؑ نامدار　　لاشہ پہ لاشہ گرتا تھا اٹھتا نہ تھا غبار
ذرہ بھی خاک پڑتی نہ تھی روئے پاک پر
چھڑکاؤ آب تیغ سے ہوتا تھا خاک پر

آئی جدھر وہ تیغ پرے مل کے رہ گئے　　جو تھے ہوا پہ خاک میں وہ مل کے رہ گئے
ہر اک کے دل میں حوصلے سب دل کے رہ گئے　　بچھ بچھ کے سب پرے لبِ ساحل کے رہ گئے
ریتی پہ بزدلوں کے لہو بہتے جاتے تھے
ڈر ڈر کے الحفیظ عدو کہتے جاتے تھے

قربان بازوئے شہِ دیں کے جلال کے　　پٹکا کسی کو ہاتھ کو پٹکے میں ڈال کے
پے کر دیا فرس کو کسی بدخصال کے　　مارا کمر پہ ہاتھ کسی کو اُچھال کے
اللہ رے زور زیر زبردست ہوگئے
پیش آئی ترکشی کہ لعیں پست ہوگئے

کیا کام تیغِ حضرتِ عباسؑ نے کیا　　اس فوج روسیہ کا لہو دم بہ دم پیا
جس کو ہوا بھی لگ گئی دم بھر نہ وہ جیا　　ٹھنڈا تھا بس وہ جس پہ کہ پانی چھڑک دیا
دہارا تھا رودِ نیل کا یا اُس کی دھار تھی
سقائے اہلبیتؑ کی تیغ آبدار تھی

بے پاؤں چلتی پھرتی تھی تلوار ہر طرف　　لشکر کو قتل کرتی تھی خونخوار ہر طرف
کشتے پڑے تڑپتے تھے دو چار ہر طرف　　نیزے بھی کٹ کے ہوگئے بیکار ہر طرف
مشکل کشا کا لال جو لڑنے پہ تل گیا
جو بند تھا وہ تیغ کے ناخن سے کھل گیا

طوفان اُٹھا جدھر کو وہ سیلِ فنا بڑھی　　غوطے لگانے ماہیِ بحرِ وغا بڑھی
ڈھالوں کی جب گھٹا میں گھری وہ ضیا بڑی　　سر اُڑ گئے تنوں سے یہ اُس کی ہوا بڑھی
ہر جسم پہ کھلے ہوئے زخموں کے باغ تھے
کتنے ہی اہلِ شام کے گھر بے چراغ تھے

مَیں لکھ رہا ہوں جو بُرشِ تیغِ برق دم　　پانی دوات میں بھی نظر آ رہا ہے کم
کٹ کٹ گئے ہیں حرف برابر دمِ رقم　　خامہ ہے دم بخود کہ نہ ہو سر کہیں قلم
لرزتا نہیں ہے ذہن بھی یہ خوفناک ہے
قرطاس کا بھی ڈر سے جگر چاک چاک ہے

اُس تیغ سرفشاں کی نرالی ہے سب سے قسم　　کرتی ہے قطع ہر ستم ایجاد کا وہ جسم
کندہ ہیں اس کے جسم پہ فتح و ظفر کے اسم　　یہ وجہ ہے جو باندھا ہے جوہر نے یہ طلسم
لازم ہے اپنا حفظ ہر اک کو قتال میں
پہنے ہے تیغ جوشنِ آہن جدال میں

کہتی تھی موت تیغ سے ہر دیو کو پچھاڑ　　چہرہ ہر ایک فرد کا اِس فوج میں بگاڑ
کٹ جائیں ہاتھ منہ پہ سپر کو کریں جو آڑ　　اُڑ جائے صاف سامنے آ جائے گر پہاڑ
خود و زرہ کو کاٹ یہ وقتِ ستیز ہے
آہن کو موم جان تو جانوں کہ تیز ہے

میداں میں ببرِ جنگ گرو ٹوٹ گئے پرے　　یاں سے وہ تیغ تیز چلی کٹ گئے پرے
بدلی کی طرح دشت میں سب چھٹ گئے پرے　　گھوڑا جو مثلِ شیر بڑھا ہٹ گئے پرے
یہ وجہ ہے جو زیست ہر اک پر وبال ہے
جو نعل ہے سمند کا تیغِ ہلال ہے

چلتا ہے جھوم جھوم کے بادِ صبا کی طرح　　بھرتا ہے چوکڑی وہ غزالِ خطا کی طرح
پرواز میں پرندوں سے بالا ہما کی طرح　　جاتا ہے اُڑ کے عرش پہ پیکِ دعا کی طرح
پوئی میں برق ہے تو چھلاوہ ہے دشت میں
دورہ قمر کا رخش کا کاوا ہے دشت میں

سُم کا نشاں ہے صاف جو گردوں پہ ماہ ہے ۔ کہتے ہیں کہکشاں جسے ایک اس کی راہ ہے
سایہ اسی فرس کا یہ ابرِ سیاہ ہے ۔ آنکھیں غزال کی ہیں اسد کی نگاہ ہے
کاوا نہیں لعینوں کی قسمت کا پھیر ہے
شیرِ خدا کے شیر کا مرکب بھی شیر ہے

اے بحرِ آبِ تیغ رواں ہو ترائی میں ۔ اے سیفِ کلک سیفِ دودم ہو صفائی میں
ڈنکا ہو حرب و ضرب کا ساری خدائی میں ۔ اے یاس اپنی جان لڑا دے لڑائی میں
وہ مرد ہے کہ جنگ میں جو رستمی کرے
سر کاٹ ڈال گر کہیں خامہ کمی کرے

صحرا کی فوج سامنے سے جب ہوئی فرار ۔ بس پھر تو سوئے نہر بڑھے آپ ایک بار
پیدا ہوا وہاں کی صفوں میں بھی انتشار ۔ ناگہہ بڑھا وہ چیل دماں بہرِ کارزار
جوش آیا بحرِ ظلم و ستم کے نہنگ کو
نکلا پرے سے اپنے اُڑا کر سرنگ کو

وہ رنگ مثلِ قیر وہ شکل اُس کی کچھ عجیب ۔ بدکار و بدشعار و بدافعال و بدنصیب
خائف ہو جن بھی دیکھ کے صورت وہ تھی مہیب ۔ دن کو بشر ڈرے اگر آ جائے وہ قریب
یکساں ہے عرض و طول لحیم و شحیم ہے
چہرے سے تھا عیاں کہ بلائے عظیم ہے

ابرو سے تھی ملی ہوئی پیشانیِ لعیں ۔ ہوتا نہ تھا ثبوت کہ ہے یا نہیں جبیں
سر اُس شریر کا تھا کوئی گرزِ آہنیں ۔ غارِ بلا دہن کو سمجھتے تھے نکتہ بیں
صحرا میں تھے تمام درندے ڈرے ہوئے
دنداں دہن میں تیر کے پھل تھے بھرے ہوئے

مکار و حیلہ ساز و دل آزار و پُر دغا ۔ آنکھیں کبود غیظ سے کف منہ میں تھا بھرا
گھوڑے پہ تھا شریر کہ گینڈے پہ دیو تھا ۔ عمرا ابنِ عبدود سے بھی قامت میں کچھ سوا
ارجن تھا فنِ تیر میں نیزے میں گیو تھا
شاخیں جو سر پہ دو نکل آتیں تو دیو تھا

انساں کہے یہ عقلِ بشر سے بعید ہے   یہ تنگ ہے کہ چشمِ لعیں ناپدید ہے
مغرور ہے مصاحبِ خاصِ یزید ہے   ظاہر ہے تیرگی سے کہ کوہِ حدید ہے
تھا روز ، رنگِ رخ سے مگر رات ہوگئی
نہرِ فرات چشمۂ ظلمات ہوگئی

اُس فخرِ خضر پاس جو پہنچا وہ پُر دغا   گھوڑے کو اپنے روک کے یوں نعرہ زن ہوا
مجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے بھلا   دم بھی نہ لے پڑے جو مری تیغ برق زا
کھنچنے نہ دوں حسام اگر تیز دست ہو
دیوِ بلند ایک ہی ضربت میں پست ہو

اے بازوئے قویِ شہنشاہِ کربلا   کہتا ہوں دوستی سے نہ تو مجھ سے کر دغا
اک مشکِ آب کیلئے گر جان دی تو کیا   پانی نہ ہاتھ آئے گا کہتا ہوں برملا
رکھ دے یہ مشک گھوڑے کو پلٹا اُسی طرف
ہے بہتری اسی میں کہ پھر جا اُسی طرف

آتا ہے مجھ کو رحم ابھی نوجواں ہے تو   گرمی میں تین روز سے تشنہ دہاں ہے تو
مانا کہ حرب وضرب میں شیرِ زیاں ہے تو   پر صدمۂ عطش کے سبب نیم جاں ہے تو
آفت جو کوئی آئی تو ٹالی نہ جائے گی
دستِ قوی کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی

یہ سن کے آئے غیظ میں عباسِؑ نامدار   فرمایا کیا یہ ہرزہ درائی ہے نابکار
یہ کیا مزخرفات بکے تو نے بار بار   جل جائے گا پڑے جو مری تیغِ آبدار
پانی مری حسام کا جن کو بھی زہر ہے
بازو ہوں اُس کا میں جو سلیمانِ دہر ہے

تو کب کا میرا دوست ہے او دشمنِ خدا   آپ اپنی خیر مانگ ڈراتا ہے مجھ کو کیا
دے دوں میں تجھ کو مشک زہے شانِ کبریا   تو مجھ کو پانی بھرنے کو روکے گا کیوں بھلا
فوجیں بھی گھیرتی ہیں تو گرتا نہیں کبھی
جو ہے دلیر جنگ سے پھرتا نہیں کبھی

کر رحم اپنی جان پہ او بانیِ ستم   اب تو ہے کوئی دم میں تہہِ تیغ برق دم
شیروں کی بھوک پیاس میں طاقت نہ ہوگی کم   لاتے نہیں خیال میں گر لاکھ ہوں الم
کیا ضرب چل سکے گی تری رزمگاہ میں
تو مورِ ناتواں سے بھی کم ہے نگاہ میں

قوت پر اپنی او ستم آرا یہ زور شور   میداں نہ جان اب یہ تجھے ہے کنارِ گور
نخوت نے او شریر تجھے کر دیا ہے کور   اپنی نظر میں تجھ سے قوی ہے ضعیف مور
پہنچا مڑور کر ابھی تلوار چھین لوں
ہے شرط بڑھ کے سب ترے ہتھیار چھین لوں

یہ طعن سن کے غیظ میں آیا وہ نابکار   پیچھے ہٹایا کھینچ کے باگ اُس نے راہوار
نیزہ ہلا کے شیر پہ آیا ستم شعار   بھالا اٹھا کے یہاں سے بڑھا پھر یہ نامدار
اُڑتی تھی گرد گھوڑوں کی چل پھر سے راہ میں
چلنے لگی سناں پہ سناں رزمگاہ میں

تھی گشت دونوں گھوڑوں کی پرکار کی طرح   پھرتے تھے رخش گنبدِ دوّار کی طرح
معلوم تھی ہر اک اُسے پیکار کی طرح   سرگرم تھے یہ حیدرِ کرارؑ کی طرح
رہ رہ کے گھٹتی جاتی تھی طاقت شریر کی
گویا کہ تھی وہ جنگ جنابِ امیرؑ کی

اُڑتی تھیں بیرقیں جو ہوا میں اِدھر اُدھر   بازی کناں تھے دشت میں شاہینِ تیز پر
لایا سناں جو متصلِ سر وہ خیرہ سر   عباسؑ نامور نے دکھایا عجب ہنر
نیزے کو اس کے کاٹھ کے غازی نے گھات سے
جھٹکا دیا کہ چھوٹ گئی ڈانڈ ہات سے

پلّے پہ ایک تیر کے نیزہ جو گر پڑا   غصّے سے ہونٹ چاب کے مردود رہ گیا
گہہ دانت پیسے گاہ ہوا جان سے خفا   اب کیا کروں یہ سوچتا تھا دل میں بے حیا
آنکھوں میں پھر رہی تھی جو تصویر جنگ کی
سوجھی نئی شریر کو تدبیر جنگ کی

کھینچی لعیں نے تیغ کمر سے بکر دفر　　پھرتی سے دست چپ میں لیا گرز گاؤ سر
گھوڑا اُڑا کے شیر پہ آیا وہ بے ہنر　　غازی بڑھا اُدھر سے بھی بے تیغ و بے سپر
ایسے حواس پیاس میں، شیر اس کو کہتے ہیں
جرأت ہے اس کا نام دلیر اس کو کہتے ہیں

آیا تھا متصل کہ کیے اُس نے دونوں وار　　تیغ ایک سمت ایک طرف گرزِ گاؤ سار
قربان جرأتِ پسرِ شیرِ کردگار　　ٹھکرا کے اور لے گئے آگے کو راہوار
کم تھی نہ اُن کی جنگ شہِ قلعہ گیر سے
شمشیر و گرز چھین لیے اُس شریر سے

بولے یہ اُس کو دیکھ کے عباسِؑ باوفا　　دعویٰ تھا جس قدر تجھے اُتنا ہی تو لڑا
بیشک کہ تجھ میں زور ہے رستم سے بھی سوا　　پر میں یہ تجھ سے پوچھتا ہوں اب مجھے بتا
آفت وہ کون سی ہے جو ٹالی نہ جائے گے
وہ ضرب ہے کہاں جو سنبھالی نہ جائے گے

یہ سُن کے زرد ہو گیا روئے سیاہ کار　　بھاگا سپر کو فرق پہ رکھ کر ستم شعار
کی ہر طرف سے بند جل نے رہِ فرار　　پہنچے اُڑا کے رخش کو عباسؑ نامدار
کانوں میں اسپ کے جو سُموں کی صدا گئی
بز دل سمجھ گیا کہ اجل سر پر آ گئی

زیں پر ہوئے بلند علمدار ذی وقار　　شمشیر کو اٹھا کے کیا وار ایک بار
دو ایک ضرب میں ہوئے اسوار و راہوار　　مچھلی کی طرح پیر گئی تیغِ آبدار
ریتی پہ ٹکڑے ہو کے زیاں کار رہ گیا
پانی کی طرح خونِ نجس اُس کا بہہ گیا

تکبیر کہہ کے شیر سا جھوما وہ نامور　　نعرے سے دشت گونج گیا ہل گئے شجر
سینوں میں فوجِ شام کے تھرا گئے جگر　　بھاگے اٹھا کے گھوڑوں کی باگیں وہ خیرہ سر
بازوئے شہ جو تول کے شمشیر آ گیا
تھا بزدلوں میں شور کہ لو شیر آ گیا

ڈانٹا جو تیغ اٹھا کے تو بھاگے وہ بے حیا　　نعرے سے اس اسد کے کوئی مر کے گر پڑا
شمرِ لعیں ہزار جمایا کیا پرا　　لیکن قدم نہ ایک کا لشکر میں تھم سکا
دیکھا تو پھر کوئی نہ میانِ مصاف تھا
دم بھر میں سب ترائی کا میدان صاف تھا

داخل ہوئے فرات میں عباسؑ عرش جاہ　　چھینٹیں پڑیں جو پانی کی رویا وہ رشکِ ماہ
آبِ رواں پہ شیر کی جب جا پڑی نگاہ　　یاد آئی پیاس شاہ کی، کی دل سے ایک آہ
مظلومیِ حسینؑ پہ آنسو ٹپک پڑے
بھرتے ہی مشک چشم کے ساغر چھلک پڑے

مشکیزہ رکھا دوش پہ مشکیزے پر سپر　　مانندِ شیر نہر سے پلٹا وہ پُر جگر
دیکھا کہ پھر بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شر　　غازی نے لی نیام سے شمشیرِ شعلہ ور
کھینچتے ہی دم نکل گیا ہر نابکار کا
گلنار خوں سے ہوگیا سبزہ کچھار کا

جاتے تھے یہ تو لڑتے ہوئے سوئے خیمہ گاہ　　واں آگئی تھی راس و چپ و پیش و پس سپاہ
کس کس طرف لڑے پسرِ ضیغم الہ　　ہر سو سے تیر پڑ گئے سیّد پہ بے گناہ
سب جسمِ پاکِ حضرتِ عباسؑ چھن گیا
گھوڑے کا تھا یہ حال کہ طاؤس بن گیا

فوارے خوں کے چھٹ گئے اک بار سیکڑوں　　تنہا ہیں آپ اور ستمگار سیکڑوں
تلواریں کھینچے گرد ہیں خونخوار سیکڑوں　　تانے ہوئے ہیں نیزوں کو اسوار سیکڑوں
ابرو پہ بل ہے غیظ و غضب میں دلیر ہے
عباسؑ رن میں ہیں کہ نیستاں میں شیر ہے

پر تھا یہ حال حضرتِ عباسؑ نیک نام　　بڑھتے ہی جاتے تھے طرف خیمۂ امام
اک ہاتھ میں لجامِ فرس ایک میں حسام　　پہنچے وہاں جہاں کہ شہادت کا تھا مقام
زخموں نے سر سے تا بہ قدم چور کر دیا
کوشش تو کی تھی موت نے مجبور کر دیا

آیا عقب سے نوفلِ ازرق ستم شعار　　دستِ یمیں پہ چپکے کیا اُس شقی نے وار
اللہ کیا جری تھے علمدارِ نامدار　　غازی نے دوشِ چپ پہ رکھی مشک ایک بار
غصے میں شیر جانبِ قاتل جو پھر پڑا
ہیہات دستِ چپ بھی جدا ہو کے گر پڑا

اللہ کیا دلیر تھے عباسؑ عرش جاہ　　دانتوں میں پکڑے مشک چلے سوئے خیمہ گاہ
ناگاہ اپنی صف سے بڑھا ایک روسیاہ　　مشکیزہ چاک کر گیا نیزے سے آہ آہ
پانی کے ساتھ اشک بھی آنکھوں سے بہہ گئے
گردن جھکا کے بس وہیں خاموش رہ گئے

مارا جو شمرِ شوم نے اک تیرِ تیز دم　　آ کر لگا وہ چشمِ مبارک میں ہے ستم
اب ہاتھ بھی بدن پہ نہیں، ہے مقامِ غم　　کس طرح کھینچیں تیر کو عباسؑ ذی حشم
ہاں روؤ مومنو کہ یہ تشبیہ تام ہے
کہتے ہیں چشمِ زخم جسے اِس کا نام ہے

آیا قریب ایک علمدارِ فوجِ کیں　　سر سے بھی کچھ بلند کیے گرزِ آہنیں
ضربت لگا کے ہٹ گیا جس وقت وہ لعیں　　سب چور ہو گیا سرِ عباسِؑ مہ جبیں
آیا جو غش زمیں پہ بصد یاس گر پڑے
تیورا کے زیں سے حضرتِ عباسؑ گر پڑے

آواز دی حسینؑ کو آقا مدد کو آؤ　　رحلت ہے اب غلام کی مولا مدد کو آؤ
زخمی ہوا سکینہؑ کا سقا مدد کو آؤ　　گھیرے ہے مجھ کو لشکرِ اعدا مدد کو آؤ
باقی نہیں سنبھلنے کی طاقت فدائی میں
گھوڑے سے گرز کھا کے گرا ہے ترائی میں

ناگاہ گوشِ شاہ میں پہنچی جو یہ صدا　　بولے پسر سے اے علی اکبرؑ یہ کیا ہوا
اس وقت ٹوٹی میری کمر وامصیبتا　　ہیہات دونوں بازوؤں کا زور گھٹ گیا
مضطر ہے دل کہ زینتِ پہلو کدھر گیا
ہے ہے ہمارا قوتِ بازو گذر گیا

یہ کہہ کے سوئے نہر چلے شاہِ بحروبر　　اکبرؑ بھی ساتھ ہو لیے گریاں و نوحہ گر
چلاتے تھے حسینؑ کہ بیٹا چلیں کدھر　　کس سمت کو ہے لاشۂ عباسِؑ نامور
پہنچا نہ جلد میں تو یہ میرا قصور ہے
دریا قریب ہے مری جاں یا کہ دور ہے

پہنچے جو روتے پیٹتے سرور قریب نہر　　ٹھہرا نہ پھر کوئی بھی ستمگر قریب نہر
کس طرح جاتے سبطِ پیمبرؐ قریب نہر　　لائے پدر کو تھام کے اکبرؑ قریب نہر
کی عرض یہ دکھا کے تنِ پاش پاش کو
اے بابا جان دیکھیے عمو کی لاش کو

ہے ہے جفا جفا پہ ستم پر ہوا ستم　　سر چار پارہ گرز سے ہے ہاتھ ہیں قلم
ہے آنکھ میں گڑا ہوا اک تیرِ تیز دم　　ایسا بدن ہے چور کہ اعضا نہیں بہم
نیزہ کہیں سپر کہیں تیغِ دو دم کہیں
موزے کہیں ہیں ہاتھ کہیں ہیں علم کہیں

چلائے رو کے شاہ کہ عباسؑ کچھ کہو　　آیا ہوں اتنے دور سے میں پاس کچھ کہو
لاؤ نہ میرے رنج کا وسواس کچھ کہو　　گر ہو زباں نہ بند بصد یاس کچھ کہو
کس سے کہیں جو رنج والم آج اٹھائے ہیں
مشتاق ہو کے آپ کی باتوں کے آئے ہیں

سن کر صدا حسینؑ کی تڑپا وہ شیر دل　　صدمے سے اشکِ خوں بہے آنکھوں سے متصل
کی عرض یہ غلام ہے آقا سے منفعل　　جو کچھ مرا قصور ہو فرمائیے بحل
خادم مدام موردِ لطف و عطا ہوا
خدمت کا حق جو تھا وہ نہ مجھ سے ادا ہوا

پھر نام لے کے اکبرؑ غازی سے یہ کہا　　دو حاجتیں مری ہیں بجا لائیو ذرا
اک یہ کہ جب میں جاؤں سوئے گلشنِ بقا　　آقا کو میرے تیغوں میں تنہا نہ چھوڑنا
کرنا نہ جاں عزیز شہِ خوشخصال سے
پہلے شہید ہو جیو زہراؑ کے لال سے

اور دوسری یہ اب مری حاجت ہے جانِ غم　　آنکھوں سے میری کھینچ لو یہ ناوکِ ستم
اِس واسطے کہ دیکھ لوں آقا کو ایک دم　　پھر تو سفر کروں گا سوئے گلشنِ ارم
حسرت ہے مرتے مرتے بھی سرور کو دیکھ لوں
آقا کے اپنے روئے منوّر کو دیکھ لوں

حضرت نے سر کو پیٹ لیا سن کے یہ کلام　　بیٹھے زمیں پہ رو کے شہِ عرش احتشام
زانو پہ سر کو بھائی کے رکھا باحترام　　اب کیا بیاں کروں کہ قیامت کا ہے مقام
صدمہ ہوا دو چند شہِ بے نظیر کو
فوّارہ خوں کا چھٹ گیا کھینچا جو تیر کو

رومال سے جو پاک کیا شاہ نے لہو　　بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ ماہ رو
صد شکر وہ برائی جو تھی دل کی آرزو　　دیکھا دمِ اخیر رُخِ شاہِ نیک خو
ہر ایک آرزو مری پوری خدا نے کی
حسرت رہی سکینہؑ کو پانی پلانے کی

یہ کہتے تھے کہ موت کے ظاہر ہوئے اثر　　آیا عرق کہ ہوگیا ماتھا تمام تر
حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اِدھر اُدھر　　گردن پھرا کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
تیغِ اجل غضب ہے دلاور پہ چل گئی
ہچکی کے ساتھ روح بدن سے نکل گئی

سوچو تو مومنو یہ ذرا غور کی ہے جا　　زانو پہ بھائی بھائی کے مر جائے برملا
وہ بھائی جانتے ہوں جسے بیٹوں سے سوا　　واحسرتا یہ بیکسیِ شاہِ کربلا
کیا پیٹے ہوں گے اُس جسدِ پاش پاش پر
چادر اُڑھائی ہوگی جو بھائی کی لاش پر

کس طرح چھوڑی شاہ نے وہ لاش آہ آہ　　کیونکر کٹی ترائی سے خیمہ تک اتنی راہ
مشک و علم جو لے کے گئے ہوں گے گھر میں شاہ　　رانڈوں نے اپنا حال کیا ہوگا کیا تباہ
شق ہوتی ہوں گی چھاتیاں شہ کے بیان سے
ایک ایک روتی ہوگی لپٹ کر نشان سے

کوتل جو آیا ہوگا علمدار کا سمند گردن کو خم کیے ہوئے ہوگا وہ سربلند
ہر دل غم والم کے سبب ہوگا دردمند ماتم کا شور ہو گیا ہوگا وہاں دو چند
سب جمع ہوں گی بیبیاں شاہِ امم کے پاس
اک حشر ہوگا سینہ زنی سے علم کے پاس

جس وقت پایا ہوگا علمدار نے علَم کیا شاد ہوگی زوجۂ عباسؑ ذی حشم
اب جو بڑھایا ہوگا نشانِ شہِ امم کیا گذرا ہوگا بیوۂ عباسؑ پر الم
یہ بین کرتی ہوگی کہ وارث گذر گیا
ہے ہے علم بڑھا کہ علمدار مرگیا

خاموش یاسؔ مرثیہ اب ختم ہو چکا ہر شخص کی زباں پہ ہے احسنت و مرحبا
بیمار تھا میں شہؑ سے جو کی میں نے التجا آئے مدد کو حضرتِ عباسؑ باوفا
جو دردمند ہو یہ اُسے شاد کرتے ہیں
آقا یونہی غلاموں کی امداد کرتے ہیں

تمام شد بتاریخ بست و یکم ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ روز چہار شنبہ مطابق سی ام ستمبر ۱۸۹۶ء بخط خام سید علی بہادر برائے مشفقی و محسنی محمد ہادی خان صاحب قلمی شد، بند ۱۵۱ اللھم الغفر لکاتبہ۔

یونسؔ

نام میر کاظم حسین، تخلص یونسؔ، میر انیسؔ کے ہمشیر زادے تھے اور انیسؔ اور مونسؔ دونوں کے شاگرد تھے۔ محمد عباس آصفؔ نے انھیں مونسؔ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔
(اسلاف و اخلاف میر انیسؔ صفحہ ۲۳۷)

سلام کے چند شعر:

جس گدا پر کچھ بھی لطفِ شاہِ یزداں ہو گیا ‏ ‏ کیوں مسلماں کہیے یہ کہیے سلیماں ہو گیا
روزِ روشن کی طرح روشن ہے شب تک کچھ نہ تھا ‏ ‏ صبح کا ہونا تھا سب کچھ ساز و ساماں ہو گیا
یہ کہوں گا کربلا پہنچوں گا اے یونسؔ میں جب ‏ ‏ جو مرے دل میں تھا پورا آج ارماں ہو گیا

یہ اشعار حامد منزل (لکھنؤ) کے طرحی مسالمے میں پڑھے گئے تھے جو ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵۔۲۶ء میں منعقد ہوا تھا اور گلدستۂ سلام میں شائع ہوئے تھے یعنی یونسؔ اس وقت تک حیات تھے۔

ان کے فرزند سید زوار حسین زائرؔ نے نوحہ خوانی میں شہرت حاصل کی اور فخرِ خاندان ہوئے۔ کلام پر اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔

میر امجد حسین

آپ فنِ مرثیہ خوانی میں میر انیسؔ اور میر مونسؔ دونوں کے شاگرد تھے۔ محمد عباس واصفؔ نے ان کو میر مونسؔ کا شاگرد لکھا ہے۔

(اسلاف و اخلاف میر انیسؔ)

مرزا دبیر کی شاگردہ ملکۂ زمانی کی مجلس میں ان کی مرثیہ خوانی کا قصہ ان کے فرزند میر اصغر حسین کی زبانی ثابت لکھنوی نے درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مولوی سردار مرزا صاحب سلمہ، خلف مفتی نواب مرزا صاحب مرحوم مجھ سے ناقل تھے کہ جناب میر انیسؔ مرحوم کے ایک شاگرد نے ایک روز زمانۂ شاہی لکھنؤ میں مرزا صاحب سے آ کر کہا کہ

مجھے ملکۂ زمانی کی مجلس میں آج پڑھوا دیجئے فرمایا بہت اچھا اپنے پاس سے تمام قیمتی شال کپڑے ان کو پہنوائے ایک پینس میں خود دوسری میں ان کو سوار کرا کر ہمراہ لے گئے سلطانِ عالیہ ملکہ زمانی سے بہت تعریف کی اور پڑھوایا۔ وہاں سے دو شالہ اور شالی رومال اور شاید پانچ سو روپیہ ان کو ملے گھر واپس آ کر وہ مرزا صاحب کے شال کپڑے اُتارنے لگے (انھوں نے) فرمایا آپ نے شاہزادی کا یہ ہدیہ تو قبول فرمایا اب یہ فقیر کا ہدیہ کیوں رَد فرماتے ہیں مثال کپڑوں کے ساتھ دو سو روپیہ اپنے پاس سے اور دیئے"

میر اصغر حسین صاحب ساکن لکھنؤ کاظمین نے مجھ [ثابت] سے ۱۳۳۰ھ (مطابق ۱۲۔۱۹۱۱ء) میں بیان فرمایا کہ یہ میرے والد میر امجد حسین صاحب مرحوم پر مرزا صاحب نے احسان فرمایا تھا کہ ان کو ملکہ زمانی مرحومہ کے یہاں پڑھوایا تھا یہ میر صاحب معمر ۷۰ سالہ ہیں اور نہایت ثقہ بزرگوار ہیں۔ ان کے والدِ ماجد میر صاحب کے شاگردِ رشید تھے"۔

(حیاتِ دبیر حصہ اول صفحہ ۶۷۔۶۸)

کتابیات

۱۔ آرزوؔ لکھنوی حیات اور کارنامے _____ مجاہد حسین حسینی
۲۔ آئینۂ سخن _____ جوش ملیسانی
۳۔ اربعہ عناصر _____ آرزوؔ لکھنوی
۴۔ اردو مرثیہ _____ سفارش حسین رضوی
۵۔ اسلاف واخلاف میر انیسؔ _____ سید محمد عباس
۶۔ اصلاح سخن _____ تمنا عمادپوری
۷۔ اعجاز کربلا _____ محب علی سلیسؔ
۸۔ افسانۂ لکھنؤ _____ آغا حجو شرف
۹۔ المراد منیۃ المرید _____ شیخ زین الدین عاملی
۱۰۔ انیسؔ _____ ڈاکٹر نیر مسعود
۱۱۔ انیسیات _____ مسعود حسن رضوی
۱۲۔ باغ ارم _____ سید الہام حسین شریفؔ
۱۳۔ بحر الفصاحت _____ عبد الغنی رامپوری
۱۴۔ بہارستانِ سخن _____ سید امداد امام
۱۵۔ بیاضِ سخن _____ عبد الشکور شیداؔ
۱۶۔ بیاض المبتدی _____ نواب جونپوری
۱۷۔ پیمبران سخن _____ شاد عظیم آبادی
۱۸۔ تاریخ انجمنِ ہند _____
۱۹۔ تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے جونپور _____ سید اقبال احمد
۲۰۔ تاریخ سلطان العلماء _____ مولانا آغا مہدی لکھنوی
۲۱۔ تذکرۂ مرثیہ نگاران اردو _____ امیر علی جونپوری
۲۲۔ تزک محبوبیہ _____ صمصام علی گوہر

۲۳۔ حیاتِ دبیرؔ ________ ثابتؔ لکھنوی

۲۴۔ خمخانۂ جاوید ________ لالہ سری رام

۲۵۔ خمخانۂ خلد ________ شدید لکھنوی

۲۶۔ خمسۂ کاملہ مع سلام ________ مولوی خیرات احمد محبؔ

۲۷۔ داستانِ آرزوؔ ________ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی

۲۸۔ دبستانِ زیدپور کی مرثیہ گوئی ________ ڈاکٹر عابد حسین حیدری

۲۹۔ دبستانِ دبیرؔ ________ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی

۳۰۔ دربارِ حسین ________ ثابتؔ لکھنوی

۳۱۔ دستور الاصلاح ________ سیماب اکبرآبادی

۳۲۔ دکن میں مرثیہ اور عزاداری ________ ڈاکٹر رشید موسوی

۳۳۔ راجہ صاحب محمودآباد پر ایک سرسری نظر ________ محمد قاسم اعجاز

۳۴۔ ریحانِ غم ________ انسؔ، وحیدؔ، سرفرازؔ

۳۵۔ ریحانِ غم ________ ۲۰/مرثیے میر وحیدؔ

۳۶۔ سخنِ بے مثال ________ ہاشمؔ جونپوری

۳۷۔ سخن شعراء ________ عبدالغفور نساخ

۳۸۔ سراپا سخن ________ محسن لکھنوی

۳۹۔ سراجِ ماتم ________ سجاد لکھنوی

۴۰۔ شاگردانِ انیسؔ ________ ڈاکٹر مقام حسین جعفری

۴۱۔ شاہکارِ وحیدؔ ________ شبیب علی حسین

۴۲۔ شجرۂ سادات جونپور ________ سید محمد جعفر

۴۳۔ عروج الفت ________ شیخ محمد جان عروجؔ

۴۴۔ فکرِ بلیغ ________ شاد عظیم آبادی

۴۵۔ کشف الداحیہ ________ مولوی محمد رضا لکھنوی

۴۶۔ کلیاتِ سحرؔ ________ مقیم الدولہ نواب علی خاں

۴۷۔ گلدستۂ سلام ________ ۱۳۴۴ھ۔۱۹۲۶ء

۴۸۔ مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ________ حامد حسن قادری

۴۹۔ مراثی حامدؔ ______________ سید احمد جواد

۵۰۔ مراثی فیضؔ ______________ فیض بھرتپوری

۵۱۔ مراثی محبؔ ______________ مہاراجہ محمد علی محمد خاں

۵۲۔ مرثیہ بعد انیسؔ ______________ ڈاکٹر صفدر حسین

۵۳۔ مرثیہ ہائے خلیل ______________ شیخ محمد خلیل خلیل جونپوری

۵۴۔ مشاطۂ سخن ______________ صفدر مرزاپوری

۵۵۔ معرکۂ انیسؔ و دبیرؔ ______________ ڈاکٹر نیر مسعود

۵۶۔ میر انیسؔ صاحب مرحوم لکھنوی ______________ حافظ حفیظ الدین احمد

۵۷۔ نظم دردمند ______________ ذاکر حسین یاسؔ

۵۸۔ نظم رہنما ______________ میر محمد حسین امیرؔ

۵۹۔ نوحاتِ انجم ______________ بہادر حسین انجم

۶۰۔ ہفت بند زہراؑ ______________ فضل پہرسری

۶۱۔ واقعاتِ انیسؔ ______________ احسن لکھنوی

۶۲۔ یادگارِ ضیغم ______________ عبداللہ ضیغم

مخطوطات

۱۔ تاریخ سیتاپور — محمد اکبر سیتاپوری

۲۔ بیاض سلام — کتب خانہ سید ارتضیٰ عباس نقوی

۳۔ بیاض سلام — بخط میر سلامت علی۔ کتب خانہ سید ارتضیٰ عباس نقوی

۴۔ مراثی قلمی — سجادؔ، فضلؔ، نگینؔ، وحیدؔ، امیرؔ، حبیبؔ، عابدؔ، محسنؔ، نعمتیؔ، یاسؔ

رسائل واخبارات

۱۔ ادب (لکھنؤ) — اکتوبر ۱۹۳۰ء

۲۔ اودھ اخبار — ۲۹ر دسمبر ۱۸۷۴ء

۳۔ پیام یار — ۱۸۸۸ء

۴۔ روشنی (لکھنؤ) — محرم نمبر ۱۹۳۶ء

۵۔ سخن ور (لکھنؤ) مارچ ۱۹۲۰ء

۶۔ سرفراز (لکھنؤ) محرم نمبر ۱۹۳۵ء، رجب نمبر ۱۹۳۱ء، ستمبر ۱۹۵۴ء

۷۔ شیعہ (لکھنؤ) محرم نمبر ۱۹۸۵ء

۸۔ طلوع افکار (کراچی) راجہ صاحب نمبر

۹۔ مسلم ریویو (لکھنؤ) جنوری ۱۹۷۷ء

---

maablib.org

مراثیِ نفیس

میر نفیس کے نایاب اور غیر مطبوعہ مرثیوں کا مجموعہ

ترتیب و تدوین

سید ارتضیٰ عباس نقوی

مراثیِ طوبیٰ

آغا حسن طوبیٰ شاگرد میر نفیس کے غیر مطبوعہ مرثیوں کا مجموعہ

ترتیب وتدوین

سید ارتضیٰ عباس نقوی

مراثیِ فائقؔ

بابو صاحب فائقؔ کے ۱۴ غیر مطبوعہ مرثیے اور دیگر کلام

ترتیب و تدوین

سید ارتضیٰ عباس نقوی

اقلیمِ انیسؔ

میر مہر علی انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیے، سلام، نوحے، مثنویات

زیرِ طبع

ترتیب وتدوین

سید ارتضیٰ عباس نقوی

جواہر

رثائی ادبیات کا ترجمان

مدیر

سید ارتضیٰ عباس نقوی

maablib.org

بہارِ مونس

میر مونسؔ کا نایاب اور غیر مطبوعہ دیوانِ سلام

زیرِ طبع

ترتیب وتدوین

سید ارتضیٰ عباس نقوی

TILAMIZA-E-
UNS O MONIS

SYED IRTIZA ABBAS NAQVI